

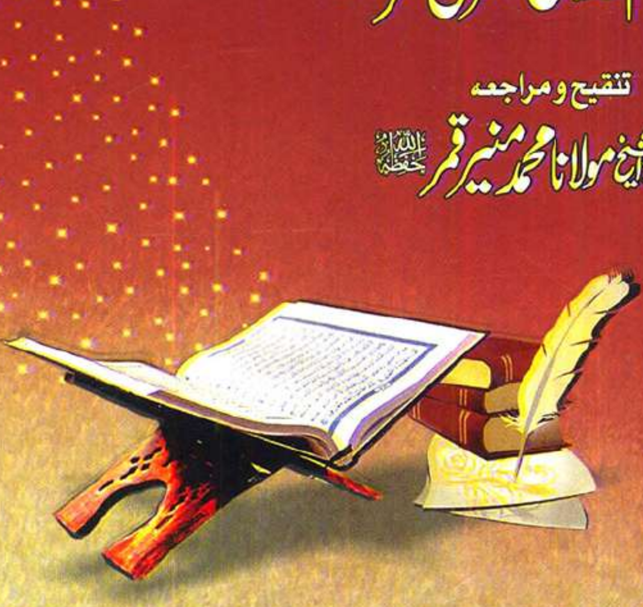
گلدستہ دروسِ خواتین

تالیف

محترمہ اُمِّ عدنان بُشریٰ قمر حفظہا اللہ

تنقیح و مراجعہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ



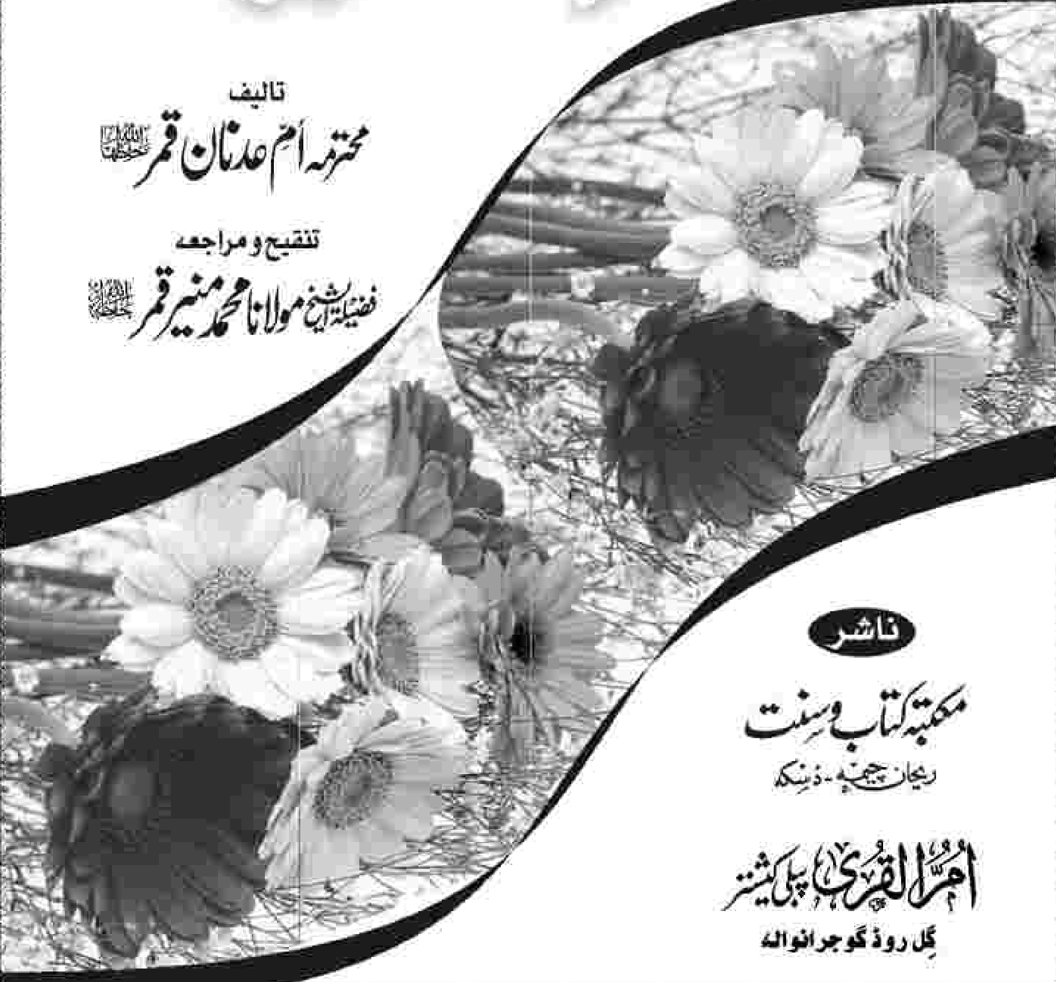
گلدستہ دروسِ خواتین

تالیف

محترمہ اُمِّ عدنان قمر حفظہا اللہ

تنقیح و مراجعہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ



ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

اُمّ القریٰ پبلی کیشنز
گل روڈ گوجرانوالہ

نام کتاب

گلدستہ دروسِ خواتین

تالیف
محترمہ اُمِ عدنان قمر حفظہا اللہ

تنقیح و مراجعہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

کمپوزنگ: ________ نائلہ قمر، ثنا قمر، نادیہ قمر

سیٹنگ: ________ ابوسفیان عزیزی
0321-6487621

اشاعت: ________ جنوری 2013ء

اُمّ القریٰ پبلی کیشنز

جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ فون: 0321-6466422 .0333-8110896
Www.umm-ul-qura.org

مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ۔ ڈسکہ۔ ضلع سیالکوٹ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرس

6 حقوق و فرائض

7 ذکرِ موت اور فکرِ آخرت

8 تہذیب وتربیتِ نسواں

۞۞۞

گلدستہ دروسِ خواتین

6

حقوق و فرائض

تالیف
محترمہ ام عدنان قمر

تنقیح و مراجعہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

ام القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

فون: 0333-8110896. 0321-6466422

حقوق الوالدین

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت بنی اسرائیل (آیت: ۲۳،۲۴) میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۞ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا﴾

”اور تیرے مالک نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے (تیری زندگی میں) ان میں سے ایک (ماں باپ) یا دونوں بڑھاپے تک پہنچ (بوڑھے ہو) جائیں تو ان سے (غصے کے طور پر) ہوں تک نہ کرنا اور نہ جھڑکنا اور (بات کرنا تو) نرمی سے بات کرنا (ادب سے) اور مہربانی سے اپنے عاجزی کا بازو ان کے لیے جھکا دے اور دعا کرنا مالک میرے ان پر رحم کر جیسے ان دونوں نے (مجھ پر رحم کرکے) بچپن میں مجھ کو پالا۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی زندگی میں حقوق العباد میں سے حقوقِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد سب سے مقدم حق والدین کا ہے، کیونکہ ماں باپ ہی وہ ہستی ہوتے ہیں جو انسان کے وجود کا سبب بنتے ہیں۔ پھر بچپن میں اس کی پرورش ونگہداشت کے علاوہ وہ ہر اُس چیز کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں جس کی اسے ضرورت ہوسکتی ہے۔ بچے کو ذرا سی تکلیف پہنچے تو والدین کو ان کی مادری و پدری شفقت بے تاب کر دیتی ہے۔ وہ اپنا آرام وسکون غارت کرکے بچے کی خاطر رات رات بھر جاگ کر گزار دیتے ہیں۔ یعنی ان کی راتوں کی نیند اور دن کا سکھ چین اس کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔ باپ کی شفقت اسے زمانے کے سرد وگرم سے بچاتی ہے، ان کی محبت کی چھاؤں اسے ہر سختی، تکلیف

اور رنج سے دور کر دیتی ہے، ان دونوں کی پرورش کے نتیجے میں جب وہ شعور کی آنکھ کھولتا ہے تو اسے صاف نظر آتا ہے کہ اسے اس مقام تک پہنچانے والے اس کے والدین ہیں اور انھوں نے اپنے فرض کو پورا کیا، اب اس پر ان کے کچھ حقوق ہیں۔

حسنِ سلوک کا حکم:

خالقِ کائنات نے انھیں یہ مقام بخشا ہے کہ اپنی عبادت کا حکم دینے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کے حکم کے بعد ہی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور تمام شرعی امور میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم صادر فرمایا ہے، جیسا کہ سورت نسا (آیت: ۳۶) میں فرمایا:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

’’اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔‘‘

سورت لقمان (آیت: ۱۴) میں فرمایا:

﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ﴾

’’میری شکر گزاری کرتے رہو اور اپنے ماں باپ کے بھی شکر گزار رہو۔‘‘

سورت بنی اسرائیل (آیت: ۲۳، ۲۴) میں تفصیلی حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

’’اور آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت ہرگز نہ کریں اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں۔‘‘

بڑھاپے کی عمر میں عموماً وہ پہلے کی نسبت اور بھی زیادہ تعاون و خدمت کے مستحق ہو جاتے ہیں اور اسی عمر میں عموماً اولاد ناک منہ چڑھانا شروع کر دیتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس طرف خصوصی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴿

’’اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور حلیمی سے بات کیا کرو۔ محبت سے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھو اور ان کے لیے یہ دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب! اِن دونوں پر رحم فرما کہ انھوں نے میرے بچپن میں بڑے ناز و نعم کے ساتھ میری پرورش کی۔‘‘

قرآنِ کریم کی یہ دو آیات بہت ہی اہم ہیں، ان میں سے ایک میں تو اللہ کی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہر معاملے میں ایسا رویہ اختیار کرنا کہ جس سے انھیں ناگواری اور گرانی نہ ہو، یعنی کوئی ایسا کام یا ایسی بات نہ کی جائے جو انھیں پسند نہ ہو، بلکہ ان کی خوشی کا خیال ہے اور بدسلوکی کی ہر صورت سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے۔

دوسرے نمبر پر بڑھاپے میں ان کے سامنے اُف تک کہنے سے روکا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچنے سے پہلے ایسا کرنے اور کہنے کی اجازت ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ والدین جوان ہوں یا بوڑھے، ہر عمر اور ہر مرحلے میں ان کے ادب و احترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہے اور ہرگز ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا جس سے ان کی بے ادبی اور گستاخی ہو۔ بڑھاپے کا ذکر صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ اس عمر میں والدین اولاد کی خدمت و اطاعت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ جب والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولاد جوانی کی ترنگ میں والدین کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔ لہٰذا جوان اولاد اور بوڑھے والدین کے جذبات اور خواہشات میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے کیونکہ جوانی تو دیوانی ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ زندگی کے تجربات و مشاہدات سے عاری یعنی عمر کے حساب سے تجربہ نہیں ہوتا۔ والدین چونکہ سرد و گرم چکھ چکے ہوتے ہیں۔ عمر بھر کے تجربات و حالات سے واقف ہوتے ہیں، لیکن جوان اولاد اپنے جذبات و جوانی کے جوش میں والدین کے جذبات اور ان کے تجربات کو اہمیت نہیں دیتی۔

ایسے موقعوں پر والدین کی باتوں پر ناگواری کا اظہار عام اور ’’اُف‘‘ کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ’’اُف تک نہ کہو‘‘ کہہ کر اس بے ادبی اور گستاخی کا راستہ ہی بند کر دیا ہے۔ جب والدین کی بات کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار کے لیے ’’اف‘‘ تک کہنے کی اجازت نہیں ہے، تو ڈانٹنے کی اجازت کیوں کر ہوسکتی ہے؟ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ان سے قولِ کریم

کہو، یعنی ادب و احترام سے گفتگو کرو، جس میں بے ادبی اور گستاخی کا شائبہ یعنی اثر تک نہ ہو۔

ان کے سامنے دل کی گہرائی سے عاجزی کے بازو بچھائے رکھو، یعنی ان کے سامنے ان کی رائے کے مقابلے میں تکبر اور سرکشی کے اظہار کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ان کے حق میں دعا گو رہو کہ یا اللہ! جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا پوسا تو جوانی و بڑھاپے میں ان کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرما اور ان کے لیے یہ دعا تجویز فرمائی:

﴿ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ [الإسراء: ٢٤]

''اے میرے پروردگار! جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔''

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے فضائل وفوائد:

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور اس کے فضائل وفوائد کے بیان میں بہت سی احادیث آتی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: سب کاموں میں سے اللہ جل شانہ کو کون سا کام سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بروقت نماز پڑھنا'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''والدین کی خدمت کرنا اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا'' وہ کہتے ہیں: میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا عمل اللہ کو پسند ہے؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔''[1]

اللہ تعالیٰ والدین کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشتا ہے، وہ ان کے حق میں ہو تب بھی اور اگر ان کے خلاف ہو تب بھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تین دعائیں ہیں، ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا (ظالم کے خلاف)، مسافر کی دعا اور اپنے بیٹے کے خلاف باپ کی دعا۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عَمر و رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢٧)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٠٥)

''اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔''[1]

حضرت عبد اللہ بن عَمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں اور اللہ سے اجر کا طالب ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اس نے جواب دیا: ہاں، بلکہ دونوں ہی زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''کیا تو واقعی اللہ سے اجر کا طالب ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان کی اچھی طرح خدمت کر۔'' یعنی ان کو خوش رکھنے کی کوشش کر۔[2]

جہاد کتنا بڑا عمل ہے لیکن اس کے لیے بھی ماں باپ سے اجازت کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کی خدمت فرضِ عین ہے اور فرضِ عین کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اب آپ خود اندازہ کریں کہ والدین کا کتنا مقام ہے۔شہادت کا بہت بڑا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: اُن کو مُردے مت کہو، اتنا بڑا مقام اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے لیکن والدین کا مقام اللہ رب العزت نے اس سے بھی بہت زیادہ بتایا ہے۔ اسلام والدین کا اس قدر احترام کرنے کا حکم دیتا ہے کہ کسی دوسرے کے ماں باپ کو بھی بُرا نہ کہو۔

عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔'' حاضرین نے عرض کی: یا رسول اللہ! کوئی شخص اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دیتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ماں کو یا باپ کو گالی دے اور وہ شخص پلٹ کر اس کے ماں باپ کو گالی دے، تو اس طرح وہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب بنتا ہے۔''[3]

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے دلوں پر پوری طرح نقش ہوگئے تھے۔ اس لیے وہ ہر ممکن حد تک والدین کے حقوق ادا کرتے تھے اور ان کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے، سیدہ اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں:

فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجدِ حرام میں تشریف لائے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

---

[1] سنن الترمذي (٤/ ٣١٠) مستدرك الحاكم (١٥١٤)

[2] صحيح البخاري، كتاب الجهاد، رقم الحديث (٣٠٠٤)

[3] صحيح البخاري، كتاب الآداب، رقم الحديث (٥٩٧٣)

اپنے والد ابو قحافہ کو لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دیکھا تو تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نے اپنے بوڑھے باپ کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا، میں خود ان کے پاس آتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے جانے کے مقابلے میں ان کا حق زیادہ تھا کہ وہ خود آپ کے پاس آئیں۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے والد کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ان سے فرمایا: ((اَسْلِمْ)) ''اسلام قبول کر لو۔'' چنانچہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ بوڑھے اور کمزور والدین کی خدمت گزاری کی کس قدر اہمیت ہے۔ ضعیفی اور پیری کی حالت میں ان کا سہارا بننا کس قدر عظیم عمل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت انسان اپنے بوڑھے والد کو اپنی پشت پر سوار کر کے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ والدین کا وجود انسان کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ والدین کی خدمت اور دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہلِ زمین کو بڑی بڑی مصیبتوں اور آزمائشوں سے دور رکھتا ہے۔

انسان پر والدین کی اطاعت اور عزت ہر حال میں لازم ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان کی اطاعت اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مشرک والدین کے ساتھ بھی نیک سلوک کرو اور بھلائی سے پیش آؤ۔ سورۃ العنکبوت (آیت: ۸) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ (اے مخاطب!) اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے، جس کی حقیقت سے تجھے واقفیت نہیں تو اُن کا کہنا نہ ماننا تم (سب) کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمھیں بتاؤں گا۔''

والدہ، والد سے بھی زیادہ حسنِ سلوک کی مستحق ہے کیونکہ حمل، وضعِ حمل اور پرورش کی تین تکلیفیں ایسی ہیں جو صرف ماں ہی برداشت کرتی ہے، ان میں باپ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ سورت احقاف (آیت: ۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ماں

[1] مسند أحمد (٦/ ٣٤٩)

کی احسان مندی کا ذکر احسان پذیری کے ساتھ کیا ہے۔ ماں کے بلند مقام کا اس حدیث سے بخوبی پتا چلتا ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمھاری والدہ'' تین بار یہ سوال کیا گیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھاری والدہ حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔'' چوتھی مرتبہ سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ۔''[1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حسنِ سلوک اور احسان میں ماں، باپ کے مقابلے میں تین گناہ زیادہ حق دار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں اولاد کے لیے تین ایسی مشقتیں اٹھاتی ہے، جس میں باپ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، مثلاً حمل کی نو ماہ تک مسلسل تکلیف اور پھر زچگی (وضعِ حمل) کی تکلیف صرف تنہا ماں ہی اٹھاتی ہے، اسی طرح رضاعت کی تکلیف بھی اکیلی ماں ہی اٹھاتی ہے، باپ کی اس میں شرکت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جنت ماں کے قدموں میں ہوتی ہے، لیکن یہ کب ملے گی؟ اگر ہم ان کی فرمانبرداری کریں گے، ورنہ نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ والد کا کوئی حق نہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''باپ کو جنت کا درمیانہ دروازہ کہا گیا ہے چاہو تو اس کی حفاظت کرو، چاہو تو اسے ضائع کردو۔''[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''والدین سے حسنِ سلوک، عمر میں درازی اور رزق میں فراوانی کا سبب ہے۔ جسے یہ بات پسند ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں کشادگی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور صلہ رحمی کیا کرے۔''[3]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قضا کو صرف دعا ہی رد کرسکتی ہے اور عمر میں اضافہ صرف نیکی ہی سے ہوسکتا ہے۔''

چونکہ ماں باپ کی خدمت بہت بڑی نیکی ہے، اس لیے اس سے عمر میں اضافہ ہوگا۔ لیکن یہ ذہن میں رہے کہ جس طرح حسنِ سلوک فضیلت کا باعث ہے اسی طرح والدین کی نافرمانی اور ان

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٧١)

[2] صحيح ابن حبان (١/ ٣٢٦، ٣٢٧)

[3] مسند أحمد (٣/ ٢٢٩)

سے حسنِ سلوک کا برتاؤ نہ کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے رحمتِ الٰہی سے دور اور جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، والدین کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے۔''[1]

انسان کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کو خوش رکھے، کیونکہ یہ دونوں مل کر اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کے کہے بغیر اس کی خوراک کا، اس کے بتلائے بغیر اس کے علاج کا اور اس کی خواہش کے بغیر اس کی صفائی، لباس اور دیگر ضروریات کا انتظام کرتے ہیں۔ بڑے ہونے اور شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد انسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ والدین کے اس احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ دے اور وہ احسان یہی ہے کہ ان کا ادب و احترام، ان کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کی خدمت و ناز برداری کرے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے ساتھ، والدین کے ساتھ یہ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ذریعہ ہے۔ اگر اس نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہ معاملہ نہ کیا اور والدین کو ناراض کرلیا، تو عبادت و ریاضت کے باوجود اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا، وہ سوچ لے کہ اس کا انجام کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو'' تین بار یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کس کی ناک خاک آلود ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور (ان کی خدمت کرکے) جنت میں داخل نہ ہوا، تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور رکھے گا۔''[2]

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو کہا:

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث (٥١٦)

[2] صحيح مسلم (٤/ ١٩٧٨) مسند أحمد (٤/ ٣٤٤)

آمین۔ پھر جب آپ ﷺ نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو کہا: آمین۔ پھر جب تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو بھی کہا: آمین۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: اے محمد ﷺ! جو شخص رمضان کا مہینا پائے اور (روزے رکھ کر) اپنے گناہ نہ بخشوائے، اللہ اسے اپنی رحمت سے دور رکھے۔ میں نے کہا: آمین اور جو شخص اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کو (بڑھاپے) میں پائے اور (ان سے حسنِ سلوک نہ کرنے کی وجہ سے) وہ آگ میں داخل ہو جائے، اللہ اسے اپنی رحمت سے دور رکھے۔ میں نے کہا: آمین اور جس آدمی کے پاس آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ پڑھے، اللہ اسے بھی اپنی رحمت سے دور رکھے۔ میں نے کہا: آمین۔''[1]

یہ کس قدر خوفناک بات ہے کہ اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوں، پھر دعا کریں اور نبی کریم ﷺ ان کی دعا پر آمین کہیں۔ اب ان تینوں دعاؤں کی قبولیت میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری خالہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اس سے نیک سلوک کرو۔''[2]

یعنی خالہ کی خدمت کرنے سے تمھارا گناہ معاف ہو جائے گا۔ جب خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک اس قدر اجر وثواب کا باعث ہے تو والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کس قدر عظیم عمل ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اعرابی کی ملاقات مکہ مکرمہ کے راستے میں ہوئی۔ اس نے انھیں سلام کیا۔ آپ نے اسے اپنی سواری پر بٹھا لیا اور اپنا عمامہ بھی اسے عطا کیا۔ ان سے

[1] صحيح الترغيب و الترهيب، رقم الحديث (٩٩٦)

[2] سنن الترمذي، كتاب البر و الصلة، باب في بر الخالة، رقم الحديث (١٩٠٤)

پوچھا گیا: اللہ آپ کا بھلا کرے، یہ اعرابی لوگ تو معمولی سے عطیے سے بھی خوش ہو جاتے ہیں، آپ نے اسے اپنا عمامہ دے دیا؟ یہ سوال سن کر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا باپ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ اولاد اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ آیا تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: جانتے ہیں، میں کیوں آیا ہوں؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

''جو شخص اپنے والد کی وفات کے بعد اس سے صلہ رحمی کرنا چاہے تو وہ اپنے والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے اور بات یہ ہے کہ میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد کے درمیان دوستی اور محبت تھی، لہٰذا میں نے چاہا کہ اس تعلق کو برقرار رکھوں۔''[2]

ایک مشہور حدیث ہے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری کتب میں بھی موجود ہے:

''تین آدمی سفر پر نکلے تو شدید بارش نے انھیں آلیا۔ انھوں نے ایک غار میں پناہ لی، اچانک غار کے منہ پر ایک بھاری پتھر لڑھک آیا اور ان کے باہر نکلنے کی جگہ نہ رہی، انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس پتھر سے چھٹکارا تب ہی ممکن ہے، جب ہم اپنے اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دے کر دعا کریں۔ اس لیے اپنا اپنا وہ کام یاد کرو جو تم نے خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا تھا اور اس کے وسیلے سے دعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے نجات عطا فرما دے۔

چنانچہ ایک نے دعا کی: میرے ماں باپ بوڑھے تھے، میں اپنے بال بچوں سے پہلے انھیں بکریوں کا دودھ پلاتا تھا، ایک روز چارے کی تلاش میں مجھے دیر ہوگئی، جب میں واپس لوٹا تو وہ سو چکے تھے، میں نے بکریوں کا دودھ نکالا اور جب ان کے پاس لے کر آیا تو وہ سو رہے تھے، میں نے پسند نہ کیا کہ ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں، چنانچہ رات بھر پیالہ ہاتھ میں لیے کھڑا رہا اور ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا، بچے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٥٢)

[2] صحيح ابن حبان (١/ ٣٢٩)

میرے قدموں میں بھوکے پڑے رو رہے تھے۔ آخر کار صبح ہوئی، وہ جاگے اور انھوں نے اپنے حصے کا دودھ پیا، تب میں نے بچوں کو پلایا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا اور خوش نودی کی خاطر کیا تھا تو تُو ہم سے اس پتھر کو ہٹا دے، چنانچہ وہ پتھر تھوڑا سا سرک گیا۔

''دوسرے نے چچا کی بیٹی سے بدکاری کا ارادہ کیا تھا، لیکن اللہ کے خوف سے رک گیا، اس نے اس عمل کو یاد کر کے دعا کی، پتھر کچھ اور سرک گیا۔

''تیسرے کے پاس ایک مزدور کی اجرت تھی، جسے مزدور نے کم اُجرت کا بہانہ کر کے لینے سے انکار کردیا، چنانچہ اس نے وہ اُجرت تجارت پر لگادی، جس سے بہت زیادہ مال جمع ہوگیا اور جب مزدور نے اس سے دوبارہ اپنی اجرت طلب کی تو اس نے وہ سارا مال جو اس تجارت سے جمع ہوا تھا، مزدور کو واپس کر دیا، اس نے اپنی اس نیکی کو یاد کر کے دعا کی چنانچہ وہ پتھر اور سرک گیا اور وہ باہر نکال آئے۔''[1]

قرآنِ کریم وحدیث شریف اور ان تمام روایات، حالات اور واقعات سے یہ بات بہت واضح ہوکر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک سے رزق میں فراوانی اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے، جب کہ والدین کی نافرمانی کرنے والا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہ آنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جاتا ہے اور بالآخر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے ساتھ والدین سے حسنِ سلوک نہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور یہ ناراضی اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر دیتی ہیں، اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم والدین کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں، اس معاملے میں قرآن وسنت سے ہمیں جو راہنمائی ملتی ہے اس کی روشنی میں اپنے رویوں کو درست اور کردار کی تعمیر کریں، کیونکہ اتنی زیادہ قربانیاں دینے والے والدین کے بہت زیادہ حقوق ہیں۔

نظرِ کرم اور جنت سے محرومی:

یاد رکھیں جو بوڑھے ماں باپ کو دکھ دیتے ہیں اور ان کی نافرمانی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٢١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٤٣)

فوراً توبہ کر لینی چاہیے، کیونکہ ایسے لوگوں پر اللہ نظرِ کرم نہیں فرمائے گا۔ جیسا کہ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''تین قسم کے لوگ ایسے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں کرے گا: والدین کا نافرمان، شراب نوشی کرنے والا اور احسان کر کے جتلانے والا۔''[1]

نبی اکرم ﷺ نے والدین جیسی محسن ہستیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے اور ان کی خدمت کرنے کی بہت تاکید کی ہے اور اسے جہاد جیسے عظیم عمل کے برابر قرار دیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، سنن ابو داود و سنن ترمذی اور نسائی میں ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے پوچھا:

«أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں، تو فرمایا:

«فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ» ''تو اُنھی کی خدمت کر [کہ تیرا یہی جہاد ہے]۔''

مقامِ والدین کے سلسلے میں وارد ہونے والی یہ آیات و روایات نہ بھی ہوتیں، تب بھی عقلِ سلیم اور انسانی مروّت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جن ہستیوں نے بچپن میں حسن و خوبی کے ساتھ ہماری پرورش کی ہے تو ہم بھی بڑے ہوکر ان کی فرمانبرداری و خدمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ علاوہ ازیں ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ کا مطلوب و مقتضا یہی ہے۔

نافرمانی اور غلط انتساب کا انجام:

رسول اللہ ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ ان کی نافرمانی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ وہ جو حکم دیں اس کی تعمیل نہ کی جائے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں بخل سے کام لے، بلکہ انھیں ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سمجھنے لگے۔ ایسے ہی والدین کی نافرمانی و اعراض کی ایک قبیح ترین شکل یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو سادہ اور غریب والدین کی طرف منسوب کرنے میں شرم یا عار محسوس کرے، کیونکہ ماں باپ کا بہت بڑا مقام ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٠٧١)

وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ [الأحزاب: ٥]

''لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف کی ہے، پھر اگر تم ان کے (اصل) باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو وہ دینی بھائی اور رفیق ہیں اور بھول چوک اگر تم سے ہو جائے تو تم پر کچھ گناہ نہیں، البتہ اگر قصداً ایسا کرو (تو گناہگار ہو گے) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

حدیث رسول ﷺ میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنِ ادَّعٰى اِلىٰ غَيْرِ أَبِيْهِ أَوَ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلائِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِيْن، لَا يُقْبَلُ مِنْه صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ»

''جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کیا یا اپنے آقاؤں کے علاوہ کسی دوسرے کی ولایت (سرپرستی) کا اعلان کیا، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس کا کوئی فرض و نفل عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ ہم سب کو اور ہماری اولادوں کو نیک اور ماں باپ کا فرمانبردار بنائے، جو ہمارے مرنے کے بعد ہمارے لیے دعا کریں: اے اللہ! ہمارے والدین نے ہمیں ہر قسم کی سختی، تکلیف سے دور رکھا اور ہمارے لیے انھوں نے راتوں کی نیند اور دن کا سکھ چین وقف کر دیا تھا۔ اے اللہ! ہمیں اس مقام پر پہنچانے والے ہمارے جو والدین ہیں ان پر رحم فرما اور انھیں معاف کر دے۔ اے اللہ! ہمارے والدین کے لیے ہماری دعا قبول فرما۔ آمین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''انسان کی موت کے بعد ثواب کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لیکن تین صورتوں میں ثواب کا سلسلہ قائم رہتا ہے، اور ان میں سے ایک نیک اولاد جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرتے ہوں۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ماں باپ کی نافرمانیوں سے محفوظ رکھے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] صحيح مسلم (٦/ ٣٤٩)

مراجعِ درس

1. حقوق وفرائض۔ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف
2. صحیح فضائل اعمال۔ تالیف: ابو محمد شرف الدین عبد المومن
ترجمہ: مولانا زبیر احمد سلفی۔ الدار السّلفیہ، ممبئی
3. اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

اولاد کی اخلاقی تربیت میں والدین کا کردار

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت تحریم (آیت: ٦) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦]

''مومنو! اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں، اللہ انھیں جو حکم دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے''

حضرت علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم سے بچاؤ۔''

کا معنی یہ ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عمل کرو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی حکم دو کہ وہ اللہ کو یاد رکھیں، اس سے اللہ تم سب کو جہنم سے نجات عطا فرمادے گا۔ یعنی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں گے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تم انھیں یعنی اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دو، اس کی نافرمانی سے منع کرو، اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کے لیے ان کی نگرانی کرو، انھیں جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کا حکم دو تو اس سلسلے میں ان کی مدد بھی کرو اور اگر انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھو تو انھیں اس پر زجر وتوبیخ کرو۔[1]

لٰہذا بیٹے بیٹیاں سب اللہ کی رحمت ہیں، والدین کی ذمہ داری پرورش اور ان کی تربیت کرنا ہے، اسی لیے اسلام میں تربیت کا ایک اہم مقام ہے، اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور والدین وسرپرستوں کو اس بات کی بڑی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کے ذریعے اپنے لیے جنت کا سامان تیار کریں، جیسا کہ قرآنِ مجید سورۃ التحریم (آیت: ٦) میں اللہ تعالیٰ کا

[1] تفسير الطبري (٢٨/ ٢٠٩) صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩١٣)

فرمان ذکر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اولاد کی تربیت کے سلسلے میں سب سے پہلا کام اور اس کا آغاز اُس دعا کے ساتھ کریں جس کا ذکر سورت آل عمران (آیت: ۳۸) میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾

''میرے پروردگار! مجھے اپنی جانب سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو خوب دعائیں سننے والا ہے۔''

پھر اپنے اور اپنی اولاد کے لیے سورت ابراہیم (آیت: ۴۰) میں وارد یہ دعا کریں:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾

''اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند کردے اور میری اولاد میں سے بھی اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما اے اللہ!''

تربیتِ اولاد قبل از ولادت:

ہوسکتا ہے کہ یہ عنوان بہت سے لوگوں کے لیے باعث تعجب ہو کہ اولاد کی تربیت ان کی پیدائش سے پہلے کیسے ممکن ہے؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شادی کے بعد ہی سے اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کے لیے دعائیں مانگے، اللہ کے نیک بندوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العالمین سے گڑگڑا کر دعا مانگی:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصافات: ۱۰۰]

''اے میرے رب! مجھے نیک اولاد عطا کر۔''

اس دعا کے نتیجے میں اللہ رب العالمین نے انھیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں ایسا مطیع و فرمان بردار لڑکا عطا فرمایا جن کی نسل سے ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ہمارے نبی وہ نبی ہیں جن کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعا مانگی، اللہ کا قرآن گواہ ہے، سورہ آل عمران (آیت: ۳۸) میں ہے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾

''میرے پروردگار! مجھے اپنی جانب سے ایک پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعائیں سننے والا ہے۔''

حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ حضرت حنّہ جب حاملہ ہوئیں تو انھوں نے اسی وقت نذر مان لی کہ وہ ہونے والی اولاد کو اللہ کے نام پر بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۳۵ تا ۳۸) میں مذکور ہے۔ اِن آیات سے جو ہدایات ہمیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

① اولاد جب ماں کے پیٹ میں ہو، اسی وقت سے اس کے لیے نیک تمنائیں رکھنا چاہیے۔

② ماں بھی بچے یا بچی کا نام رکھ سکتی ہے، جیسا کہ حضرت حنّہ نے اپنی بچی کا نام مریم رکھا، یہ صرف باپ کا ہی حق نہیں جیسا کہ ہمارے معاشرے میں معروف ہے۔

③ اولاد اور ان سے ہونے والی اولاد کے لیے دعائیں ان کی پیدایش کے وقت ہی سے کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان دعاؤں کی بڑی تاثیر ہوگی، جیسا کہ حضرت حنّہ نے اپنی بیٹی حضرت مریم علیہا السلام کی پیدایش کے فوراً بعد ان کے لیے اور اُن سے ہونے والی اولاد کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

”جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے کچوکا لگاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ چیخیں مار کر روتا ہے، سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کی ماں حضرت مریم علیہما السلام کے۔“[1]

④ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نیک نذر کو لڑکی ہونے کے باوجود قبول کرلیا، بلکہ اس بچی کو اس شان کا حامل بنایا کہ وہ دنیا کی کامل ترین عورتوں میں سے ایک بن گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بچی کو بہترین طریقے پر پروان چڑھایا اور بچپن کی عمر میں اسے وہ عقل اور سمجھ بوجھ عطا کی جو عمر رسیدہ انسان کو بھی خال خال ہی ہوتی ہے۔

⑤ یہ بچی بچپن ہی سے اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوگئی، اس پر رب تعالیٰ کی عنایتوں کا عالَم یہ تھا کہ یہ بچی زمین پر سجدے کرتی تو عرش والا اس کے کھانے کے لیے جنت سے میوے بھیجا کرتا تھا اور وہ پھل بھی بے موسم ہوتے، گرمیوں کے پھل سردیوں میں آتے اور

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام، رقم الحدیث (۲۳۶۶)

سردیوں کے پھل گرمیوں میں۔

⑥ جب حضرت زکریاعلیہ السلام نے (جو حضرت مریم علیہا السلام کے خالو لگتے تھے) پوچھا: ''بیٹی! تمھارے پاس یہ کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ تو معصوم بچی نے جواب دیا: ''خالو جان! یہ رزق اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

⑦ حضرت مریم علیہا السلام کی اس بات نے حضرت زکریاعلیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ جو اللہ بے موسم پھل دے سکتا ہے تو وہ بے موسم اولاد کیوں نہیں دے سکتا؟ انھوں نے رب العالمین سے اولاد کے لیے فریاد کی: اے ہمارے رب! مجھے اپنی جانب سے نیک اولاد عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا کو قبول فرمایا اور اولاد کی شکل میں ایک نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام عطا فرمائے۔ لہٰذا آج بھی اگر کوئی اس طریقے سے اپنے رب کو پکارتا ہے تو اس کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔ بہرحال اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لڑکا ہو یا لڑکی، نیک اولاد ماں باپ کے لیے دونوں جہانوں میں نفع بخش ہے۔

لڑکی کی ولادت پر ہماری حالت:

لڑکی کی پیدایش پر ہمارا یہ رویہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی مبارک باد کہے تو اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں: کون سا لڑکا پیدا ہوا ہے؟ یہ ایک مسلمان کی آواز ہے، مگر مجموعی طور پر انسانوں نے ہمیشہ صنفِ نازک پر ظلم کیا، یہودیوں نے عورت کو گناہ کی پُڑیا، بدی کی جڑ اور انسانیت کے ماتھے پر ایک کلنک قرار دیا تو عیسائیوں نے اسے انسان تسلیم کرنے ہی سے انکار کردیا اور عورت کو انسان نما چڑیل قرار دیا اور ہندوؤں میں لڑکی کی پیدایش کو منحوس سمجھا جاتا۔ شادی کے بعد بدقسمتی سے اگر اس کا شوہر انتقال کرجاتا تو اسے ان دو راہوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ باقی ہی نہیں رہ جاتا:

① اپنے لیے موت سے بدتر زندگی کا انتخاب کرلے اور وہ زندگی کیا ہے جو کسی کی خوشی میں اور نہ غم میں شامل ہوسکتی ہے اور نہ کپڑا اچھا نہ کھانا اچھا اور نہ پاؤں میں چپل اور کہیں آنا جانا بھی نہیں، یعنی خوشی کی کسی بھی پارٹی میں شرکت نہیں کرسکتی۔

② یا شوہر کی چِتا کے ساتھ ہی آگ میں زندہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جائے۔

ان دونوں راہوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا اس کی مجبوری ہے۔ اسی طرح اسلام سے پہلے عرب میں بچی کی پیدائش کو باعثِ عار و ذلّت سمجھا جاتا اور جس کے گھر لڑکی پیدا ہوتی وہ لوگوں سے نظریں بچا بچا کر چھپتا پھرتا، اس بات پر اللہ کا قرآن گواہ ہے۔ سورۃ النحل (آیت: ۵۸، ۵۹) میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے:

﴿ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴾

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم وغصے سے بھرا ہوتا ہے۔''

یعنی وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے اور اپنے اسی شدید غم کی وجہ سے وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے:

﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ﴾ [النحل: ۵۹]

''وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اسے دی گئی بری خوشخبری کی وجہ سے (یہ سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے اسے باقی رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے۔''

کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں اور سوچتا ہے کہ اگر اس نے اس کو زندہ رکھا تو ذلت ورسوائی کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اسے اپنے مال کا وارث بھی نہیں بنائے گا اور اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دے گا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا: ﴿اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ﴾ ''وہ اسے مٹی میں دبا دے۔''

ان کے اس فیصلے کہ متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ ''آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ افسوس! کیسا برا ان کا فیصلہ ہے، ان کی بات بھی بری اور ان کی یہ تقسیم بھی بری ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے شدید نفرت کرتے تھے اور اسے عار و ذلت کا باعث سمجھتے تھے، اس لیے نومولود بچیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔

اسلام میں بیٹی کا مقام:

① ایسے زمانے اور ایسے ماحول میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ

کو رحمت للعالمین بنا کر مبعوث کیا، آپ ﷺ نے بچیوں کو پالنے پوسنے اور ان کی اچھی تربیت پر جنت کی خوش خبری دیتے ہوئے فرمایا:

''جو شخص ان بچیوں کے ذریعے آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے [یعنی اچھی دینی تربیت دے اور عدل و انصاف رکھے گا] تو یہ بچیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔''[1]

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک مسکین عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ میرے گھر آئی، میں نے اسے کھانے کے لیے تین کھجوریں دیں، اس نے اپنی دونوں بچیوں کو ایک ایک کھجور دی اور ایک کھجور خود کھانے کے لیے اپنے منہ تک لے گئی، اُسی وقت اس کی دونوں بچیوں نے وہ کھجور اس سے مانگ لی، اس نے اپنے حصے کی کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونوں میں بانٹ دیے، مجھے اس کا یہ کام بہت پسند آیا، میں نے رسولُ اللہ ﷺ سے یہ ماجرا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس کے اس کام کی وجہ سے اس کے لیے جنت واجب کردی اور اسے جہنّم سے آزاد کردیا۔''[2]

③ بچیوں سے نبی مکرم ﷺ کی محبت کا عالَم یہ تھا کہ مسند احمد کی روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی غزوہ یا سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے مسجد آتے، پھر اپنی لختِ جگر نورِنظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔''

گویا رسول اللہ ﷺ کو ربِ کائنات کے بعد سب سے زیادہ یاد اپنی بیٹی کی آتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ محبت کرنا چاہیے، یہ بھی سنت رسول ﷺ ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ بیٹیاں عطا کرتا ہے تو اس پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور نہ دل میں رنجیدہ ہونا چاہیے، اس صورت میں انسان اپنے رب کا ناشکرا اور تقدیرِ الٰہی کا باغی محسوس ہوتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٢٩)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٣٠)

دوسری بات یہ کہ اگر ہر گھر میں صرف لڑکے ہی پیدا ہوں تو معاشرتی نظام بُری طرح متاثر ہو جائے گا۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقا و تحفظ مرد و عورت کے وجود اور قانونی و شرعی طریقے سے ملاپ میں مضمر ہے، لہٰذا جس مقدار میں لڑکوں کی ضرورت ہے اسی مقدار میں لڑکیوں کی بھی ضرورت ہے۔ امورِ خانہ داری، تربیتِ اولاد اور دیگر متعدد امور صرف عورت ہی بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔ لہٰذا بچیوں سے نفرت جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا و تقدیر سے بغاوت کا نام ہے وہاں معاشرے کو بھی تباہ کرنے کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جاہلیت کے ہر فتنے سے محفوظ رکھے۔ آمین، لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچہ ہو یا بچی ہر ایک کو اللہ کا تحفہ سمجھتے ہوئے قبول کرلے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی یہ نعمت انمول ہے جس کی کوئی قیمت ہے نہ یہ دنیا کے کسی بازار سے ملتی ہے، یہ تحفے جسے اللہ چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ (آیت: ۴۹، ۵۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴾

”آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے، جسے چاہتا ہے بیٹے لڑکیاں ملا جُلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑا علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔“

تربیت کا ذمہ دار:

تربیتِ اولاد کا موضوع بہت ہی اہم موضوع ہے۔ آبا و اولاد دونوں کی مصلحتیں اس میں مضمر ہیں، یہی نہیں بلکہ اس پر معاشرے و سماج کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی تربیت پر اسلام نے کافی زور دیا ہے۔ خود ہمارے رسولِ اکرم ﷺ نے جنھیں اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کا معلم و مرشد بنا کر بھیجا تھا، اسے کافی اہمیت بخشی ہے، تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت میسر ہو سکے۔ اولاد کی تربیت باپ کی سب سے اہم ذمہ داری ہے، کیونکہ باپ ہی سے فطرتاً اولاد ڈرتی اور لحاظ کرتی ہے۔ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا، امیر اپنی

رعیت کا، مرد اپنے اہل وعیال کا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی ذمّہ دار ہے، اس طرح تم میں سے ہر شخص ذمّہ دار ہے اور ہر کسی کو اس کی ذمّہ داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔‘‘[1]

والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اولاد کے حق میں دل کی گہرائیوں سے دعائیں کرتے رہیں، کیونکہ اولاد کے حق میں والدین کی دعا رد نہیں کی جاتی، بالخصوص جبکہ وہ اپنی فرمانبردار اولاد سے خوش ہوں اور پھر یہ کہیں:

﴿ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۞ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ [إبراهيم: ٤٠، ٤١]

’’اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔ اے اللہ! حساب (کتاب) کے دن میری اور میرے ماں باپ کی اور مومنوں کی مغفرت فرما۔‘‘

نیک بندے اپنی دعاؤں میں اپنے والدین کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی نہیں بھولتے اور کہتے ہیں:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ [الأحقاف: ١٥]

’’میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں اور ایسے نیک کام کروں جنھیں تو پسند کرتا ہے اور میری اولاد کو نیک و صالح بنادے، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اُس سعادت مند اولاد کا تذکرہ ہے جو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتی ہے اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی۔

اولاد کے حقوق:

اس دنیا میں انسان کا جس سے بھی کوئی رشتہ ناتا ہے، اُس پر اس کے کچھ نہ کچھ حقوق ضرور

[1] متفق عليه و سنن أبي داود، سنن الترمذي، صحيح الجامع، رقم الحديث (٤٥٦٩)

ہیں۔ کچھ لوگ تو حقوق مانگ کر لے لیتے ہیں، لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مانگنے کی طاقت نہیں رکھتے، انھیں حقوق خود دینے پڑتے ہیں، مثلاً بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی اُس کے والدین پر کچھ حقوق عائد ہو جاتے ہیں، اگرچہ وہ خود نہیں مانگ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اس کائنات میں بھیجا ہے، اس لیے اُسے بہت سے فرائض سونپے گئے ہیں۔ ان میں سے اولاد کی تربیت سب سے اہم فریضہ ہے۔ اللہ رب العزت قیامت کے دن اولاد سے والدین کے متعلق سوال کرنے سے پہلے والدین سے اولاد کے متعلق سوال کرے گا، کیونکہ جس طرح والدین کا اولاد پر حق ہے، اسی طرح اولاد کا والدین پر حق ہے۔ اس کی تربیت کا آغاز والدین کی اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ اولاد کے لیے پاک اور حلال غذا کی فراہمی والدین کے ذمے ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب وہ رزقِ حلال کمائیں، والدین جھوٹ بولنے کے عادی ہیں تو بچہ بھی جھوٹ بولے گا، والدین کی خرابیاں نہ صرف ظاہری طور پر رہتی ہیں بلکہ یہ خرابیاں اُس کے اندر رچ بس جاتی ہیں۔

والدین کے جسم میں گردش کرنے والے خون میں اگر حرام، جھوٹ، فریب، حسد اور دوسری خرابیوں کے جراثیم موجود ہیں تو یہ جراثیم بچے کو بھی وراثت میں ملیں گے۔ جس خرابی کا بیج آج ہم اپنی ذات میں بو رہے ہیں، بچے کل اُسی کی فصل کاٹیں گے۔ بچے کی پرورش اور تربیت کے سلسلے میں اُن پر یہ سب حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اگر وہ اِن حقوق پر پورا نہیں اُترتے تو انھیں دنیا اور آخرت میں بھیانک نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا۔

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی صحیح تربیت کریں اور ان کے حقوق کو پہچانیں، تاکہ انھیں دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل ہو، کیونکہ تربیت ایک کڑا امتحان ہے۔ تربیت دینے والے ہاتھ بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں صبر وتحمل ہو اور برداشت کا مادہ ہو اور خود کو خرابیوں سے بچائے رکھتے ہوں، تب ہی وہ تربیت کا حق ادا کرسکتے ہیں۔

اس فرض کو احسن انداز میں ادا کرنا ہم پر ہماری اولاد کا حق ہے۔ جس طرح والدین کے اولاد پر حقوق ہیں، اسی طرح اولاد کے کچھ حقوق والدین پر بھی ہیں۔ دوسرے مذاہب وادیان والوں نے ماں باپ کے حقوق کی نشان دہی تو کی ہے، لیکن اولاد کے حقوق کے معاملے میں کچھ نہیں کہا، اسلام کو چونکہ ہر طبقے کے افراد کی اصلاح کرنا اور معاشرے میں اعتدال قائم کرنا تھا، لہٰذا اس میں

اولاد کے متعلق بھی والدین کو پابند کیا گیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

سورۃ الانعام (آیت: ۱۵۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ﴾

''(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دے: اور اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے نہ مار ڈالو ہم (ہی) تم کو روزی دیتے ہیں اور اُن کو بھی (دیں گے)۔''

زمانۂ جاہلیت کا یہ قبیح فعل آج کل خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے پوری دنیا میں زوروشور سے جاری ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وسائلِ رزق ہمارے ہاتھ میں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا قرآن اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ رزق کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں، لہٰذا تم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے مت قتل کرو۔ مطلب یہ کہ والدین کا اولاد پر پہلا حق یہ ہے کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور اس حق میں مندرجہ ذیل امور شامل ہیں:

① اذان کہنا:

بچہ جب پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان کہی جائے۔

② گھٹی دینا:

ہر پیدا ہونے والے بچے کو کسی میٹھی چیز سے گھٹی دی جانی چاہیے اور اگر کوئی صاحب علم وتقوی گھٹی دے کر برکت کی دعا کر دے تو بہت بہتر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم تجویز فرمایا اور کھجور سے اسے گھٹی دی اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور مجھے واپس کر دیا۔''[2]

گھٹی دیتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو یاد رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بچے کو گھٹی دیا کرتے تو کھجور کو اچھی طرح چباتے اور پھر اپنے دہنِ مبارک سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیتے۔

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۲۰۷)

[2] صحیح البخاری، رقم الحدیث (۱۵۱۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۱٤۵)

③ نام تجویز کرنا:

بچے کا نام ظاہری اور معنوی لحاظ سے شرعی تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمٰن ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ساتھ ''عبدؔ'' کے اضافے سے نام رکھنا بھی بہترین نام ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم اور حدیثِ نبوی ﷺ سے ثابت انبیا علیہم السلام کے نام بھی رکھے جاسکتے ہیں۔[1]

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات کے ناموں میں سے بھی آپ اپنے بچوں کے نام تجویز کرسکتے ہیں، بشرطیکہ اس نام کو نبی ﷺ نے تبدیل کیا ہو اور نہ اسے بدلنے کا مشورہ دیا ہو، اس کے علاوہ ہر وہ نام رکھنا صحیح ہے جو ''ممنوع ناموں'' کی فہرست میں نہ آتا ہو اور اس میں اچھے معنی پائے جائیں۔

جن ناموں سے شرکیہ مفہوم واضح ہو، اس قسم کے نام رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ اگر کسی کا نام غلط رکھ دیا گیا ہو تو اسے بدلا بھی جاسکتا ہے، بلکہ بدل دینا چاہیے۔

④ عقیقہ کرنا:

عقیقہ کرنا سنتِ رسول ﷺ سے ثابت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''لڑکے کا عقیقہ کرو۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف (سر کے بال) دور کرو۔''[2]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔''[3]

لہٰذا عقیقہ کرنا واجب نہیں بلکہ سنتِ موکدہ ہے۔ جو یہ عمل کرے گا یقیناً اللہ سے اجر پائے گا، جیسا کہ جمعہ کے دن کا غسل، قربانی، فطرانہ ہیں۔ البتہ عقیقہ کرنا کس قدر اہمیت وفضیلت رکھتا ہے، اس کا اندازہ آپ کو اس حدیث سے ہو جائے گا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٣٢) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٥٠)

[2] صحيح البخاری، رقم الحديث (٥١٥٤)

[3] مسند الإمام أحمد (٤/ ١٧، ١٨) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣ ٢١٥)

''ہر بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔''[1]

اس حدیث کی وضاحت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''اس کا تعلق شفاعت سے ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر نو مولود بچپن ہی میں مرگیا تو اس صورت میں اپنے والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا جب کہ اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو۔''[2]

عقیقے کی اہمیت وفضیلت بہت واضح ہے، لیکن اس کے باوجود اسے نماز روزے کی طرح فرض یا واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ یہ سنتِ موکدہ ہے اور یہی جمہورِ امت کی رائے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے بطورِ عقیقہ ذبح فرمائے۔[3]

عقیقہ صرف بکری یا اس کے مشابہ جانوروں کا ہونا چاہیے، جیسا کہ حدیث میں گزر چکا ہے۔ گائے یا اونٹ سے متعلق کوئی صحیح یا حسن حدیث موجود نہیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی بہن اور بچے کی پھوپھی ہیں، ان سے کہا گیا کہ اونٹ کا عقیقہ کرلیں تو انھوں نے کہا:

معاذ اللہ! (اللہ کی پناہ) اس کے بجائے وہی صحیح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''دو ایک جیسی بکریاں۔''[4]

ساتویں روز عقیقہ کرنا افضل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور عمل اس کی بہترین دلیل ہے۔ اگر کسی وجہ سے عقیقہ ساتویں روز نہ کیا جاسکے تو بعد میں کسی وقت کرنا بھی جائز ہے۔[5]

عقیقے کے جانور کی عمر کے بارے میں کوئی حدیث معلوم نہیں ہوسکی۔ البتہ محدثین اور فقہا کے اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کی عمر اور دیگر شرطیں قربانی کے جانور سے قریب تر

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٨٣٢ و١٨٣٨) مسند أحمد (٥/ ٧) یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] فتح الباري (١/ ٥٩٤) طبع سلفيه.

[3] سنن النسائي، رقم الحديث (٤٢٣٠) یہ حدیث صحیح ہے۔

[4] السنن الكبرى للبيهقي (٩/ ٣٠١)

[5] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٢٢)

ہونی چاہیں۔ یعنی اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ عقیقے کا گوشت کچا بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پکا کر بھی کھلایا جاسکتا ہے، دونوں شکلیں صحیح اور جائز ہیں۔

عقیقے کے متعلق دو خاص باتیں:

① بچوں کا عقیقہ کرنا سنت ہے، یہ آپ ﷺ سے مذکورہ کئی متواتر احادیث کے ذریعے قولاً اور عملاً ثابت ہے، جو لوگ عقیقہ کے بجائے اس کی رقم صدقہ و خیرات کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ مخالفِ سنت عمل کر رہے ہیں، اس طرح عقیقہ ادا ہی نہیں ہوتا۔

② کئی لوگ گائے کے حصوں سے عقیقہ ادا کرتے ہیں، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ ویسے بھی ایک فرد کی جانب سے ایک جانور (لڑکا ہوتو دو) کا خون بہانا ضروری ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اگر کئی بچوں کے عقیقے میں ایک خون بہایا جائے تو یہ خون ایک فرد کی جانب سے بہے گا نہ کہ تمام کی جانب سے۔ واضح رہے کہ قربانی اور عقیقے کے احکام الگ ہیں، عقیقے کو قربانی پر قیاس کرنا درست نہیں۔

⑤ سر مونڈنا:

ساتویں روز نومولود کا سر مونڈنا چاہیے، اس مسئلے کی بہترین دلیل یہ حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہے:

''ہر بچہ اپنے عقیقے سے وابستہ ہے۔ ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے گا، اس کا سر مونڈا جائے گا اور نام تجویز کیا جائے گا۔''[1]

دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان بالوں کو ''اَذَی'' سے تعبیر کر کے صاف کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

''اس نومولود سے ''أذیٰ'' (تکلیف) کو دور کرو۔''[2]

اہلِ علم نے ''أذیٰ'' سے بچے کے بال مراد لیے ہیں اور ان بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا افضل ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٥٢٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥١٥٤)

⑥ بچے کا ختنہ کرنا:

سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ختنہ کیا تھا۔ صحیح حدیثوں میں اس کے صحیح ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم نے اَسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا۔''[1]

لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ختنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے کیا ہے اور یہ ملتِ ابراہیمی کا حصہ ہے۔ اسلام نے ختنے کو بہت ضروری قرار دیا ہے۔ بعض فقہا نے اسے واجب سے تعبیر کیا ہے اور کچھ نے ''سنتِ موکدہ'' قرار دیا ہے۔ نتیجہ بہر حال ایک ہے کہ ختنہ کرنا بہت ضروری ہے، نہ کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''پانچ کام فطرتِ انسانی کا حصہ ہیں: ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال صرف کرنا، مونچھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال صاف کرنا۔''[2]

ایک آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا:

''حالتِ کفر والے بال اتاردو اور ختنہ کروالو۔''[3]

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ختنے کے مسئلے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

''بے ختنہ آدمی کی نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ اس کے ہاتھ کا ذبح شدہ جانور کھایا جائے گا۔''[4]

حقیقت یہ ہے کہ بے ختنہ آدمی طہارت نہیں کرسکتا اور جب طہارت نہیں کرسکتا تو نماز نہیں پڑھ سکتا۔ لہٰذا طہارت کرنے اور نماز ادا کرنے کے لیے بھی ختنہ بہت ضروری ہے اور یہ قاعدہ بھی ذہن میں رکھیں کہ جس کام کے بغیر کوئی فرض ادا نہ ہوتا ہو، وہ کام کرنا بذاتِ خود فرض ہو جاتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٤٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٧٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٩٣٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٧)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٥٦)

[4] تحفة الودود بأحكام المولود لابن قيم الجوزية (ص: ١٤٨) طبع الريان۔ مصر.

⑦ بچے کے لیے ماں کا دودھ:

مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں، جیسا کہ سورت بقرہ (آیت: ۲۳۳) میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

''مائیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔''

اس آیت میں رضاعت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ جو ماں رضاعت پوری کرنی چاہے تو وہ پورے دو سال دودھ پلائے۔ ان الفاظ سے اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کی بھی گنجایش نکلتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مدتِ رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعا روایت ہے:

''وہی رضاع (دودھ پلانا) حرمت ثابت کرتا ہے، جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے (کی مدت) سے پہلے ہو۔''[1]

چنانچہ اس مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقے سے دودھ پی لے، جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا وہ رشتہ قائم ہو جائے گا، جس کے بعد رضاعی بہن بھائیوں میں آپس میں اسی طرح نکاح حرام ہو گا جس طرح نسبی بہن بھائیوں میں حرام ہوتا ہے۔

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''[2]

لہٰذا مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں، کیونکہ اسی دودھ سے ان کی نشو ونما ہوگی، ان کے اندر قوت وتوانائی آئے گی، اس طرح ان کی حفاظت بھی ہوگی۔ جس طرح ماں کا دنیا میں کوئی بدل نہیں اسی طرح ماں کے دودھ کا بھی کوئی بدل نہیں، الا یہ کہ ماں بیمار ہو یا اس کے دودھ میں کوئی بیماری ہو، لیکن خاص طور پر پیدایش کے دوسرے دن سے لے کر چوتھے دن تک تین دن کا دودھ انتہائی قیمتی اور بچے کے کمزور جسم کے لیے معدنیات اور وٹامنز سے بھرپور ٹانک کا درجہ رکھتا ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٥٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٤٥)

کچھ طبی مشورے:

① تین ماہ تک بچے کو بلاوجہ اٹھانا یا گھمانا پھرانا بہتر نہیں، کیونکہ اس کا جسم کمزور ہے اور اسے ماں کے قریب رہنا چاہیے، تاکہ ماں کے جسم کی گرمی اور حرارت اسے ملتی رہے۔

② چوتھے ماہ بچے کو دودھ کے ساتھ ساتھ دیگر غذائیں بھی دی جائیں، جن میں گندم کا دلیہ کسی بھی شکل میں شامل ہو۔ کچھ عرصے بعد شوربہ بھی اور پھر نرم گوشت۔

③ جب بچہ چار ماہ کا ہو جائے تو وہ بولنے کی کوشش کرتا ہے خواہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ اس وقت اس کی زبان پر شہد لگانا چاہیے۔ وہ جلد بولنا سیکھ جائے گا اور زبان بھی صاف ہوگی۔ کوشش کریں کہ سب سے پہلے اسے کلمہ توحید ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ سکھایا جائے۔

④ جب بچہ دانت نکال رہا ہو تو اس کے مسوڑوں پر مکھن یا دیسی گھی ملنا چاہیے۔ ان دنوں انتہائی کوشش کریں کہ بچہ کوئی سخت چیز منہ میں نہ ڈالے، ورنہ دانت متاثر ہو سکتے ہیں۔

⑤ بچہ اگر بھوک کی وجہ سے روئے تو والدین کو پریشان نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ رونا بچے کی صحت کے لیے مفید ہے۔ اس سے اس کے پٹھے سخت ہوں گے، انتڑیاں کھلیں گی، سینہ چوڑا ہوگا، دماغ کو گرمی پہنچے گی، مزاج میں حرارت پیدا ہو گی، بھوک بڑھے گی اور دماغ کے اندر موجود اضافی رطوبتوں میں کمی آئے گی۔

⑥ اسے زمین پر بٹھایا جائے اور ایک عرصے تک اسے کھڑے ہونے اور چلنے کی مشق کروائی جائے، بالآخر وہ خود ہی چلنا شروع کر دے گا۔

⑦ بچے کو گھبراہٹ پیدا کرنے والی شدید اور خوفناک آواز سے بچایا جائے۔ اسی طرح خوفناک اور ڈراؤنے مناظر سے بھی دور رکھا جائے، کیونکہ اس کا دماغ بڑا نازک اور کمزور ہوتا ہے۔ اس طرح کی پریشان کن صورتیں بچے کے دماغ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ بسا اوقات بچہ ساری عمر حافظے کی کمزوری یا قوتِ فکر کی کمزوری کا شکار رہتا ہے۔ اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے تو ماں بچے کو گود میں لے لے، اسے دودھ پلائے اور اسے ہنسانے کی کوشش کرے، تاکہ بچے کے دماغ سے اس خوفناک صورتحال کا بوجھ اتر جائے اور پھر اسے سلا دیا جائے۔

⑧ اگر ممکن ہو تو بچے کو پورے دو سال تک ماں کا دودھ مہیا کیا جائے، لیکن اگر کوئی مجبوری ہو تو اس سے پہلے بھی چھڑایا جا سکتا ہے۔

⑧ رزق حلال:

اولاد کا ایک حق یہ ہے کہ والدین رزقِ حلال سے ان کی پرورش کریں۔ مائیں بھی یہ خیال رکھیں کہ ایامِ حمل اور دودھ پلانے کے دنوں میں بھی بچے کی پرورش حرام مال سے نہ ہو، یعنی ماں باپ حلال لقمہ ہی کھائیں، ورنہ بچہ بڑا ہو کر حرام اور حلال میں تمیز نہیں کر سکے گا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھوٹے سے تھے، انھوں نے صدقے کی ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ میں انگلی ڈال کر فوراً اگلوائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا کہ صدقہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہے۔“[1]

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ اولاد کے لیے پاک اور حلال خوراک کا مہیا کرنا بھی والدین کے ذمے ہے۔ والدین خود بھی حلال لقمہ کھائیں، تب ہی وہ اولاد کو حلال کھلا سکیں گے۔

⑨ اولاد کا ایک اہم حق ...اخلاقی تربیت

جس طرح بچے کی صحت کا خیال رکھنا والدین کی ذمہ داری ہے، اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ بچے کے اخلاق کو اسلامی اصولوں پر ڈھالنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔

① بچوں پر بہت زیادہ غصے کا اظہار کیا جائے اور نہ ان کی موجودگی میں غصے کے انداز میں بولا جائے۔ اس سے بچے کا ذہن متاثر ہوتا ہے۔ ابتدا میں بچہ گھبراہٹ اور الجھن محسوس کرتا ہے اور سہما سہما رہتا ہے، بالآخر بچہ بھی غصے سے بات کرنے لگتا ہے اور یہی عادت ساری عمر اس کے ساتھ رہتی ہے۔

② جلد بازی اور بے ترتیبی بھی بچے کے اخلاق پر برا اثر مرتب کرتی ہے۔ چنانچہ وہ سنجیدگی سے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا، بلکہ خود بھی ساری زندگی جلد باز اور غیر مرتب رہتا ہے۔

③ لہٰذا اپنے بچوں کو بے ہودہ محفلوں، بد کلام دوستوں اور نکمے ساتھیوں سے اتنی احتیاط سے بچایا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٢٣) مسند أحمد (٢/ ٢٧٩)

جائے جس طرح انھیں زہر آلود غذاؤں سے بچایا جاتا ہے۔

اسلام میں صرف ذاتی نجات کافی نہیں۔ اسلام یہ ذمہ داری ہر شخص کے سپرد کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی نجات کا بھی بندوبست کرے۔ خاندان کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل وعیال کی ایسی تربیت کرے کہ وہ اللہ کی عظمت کے قائل ہوں، اللہ کے احکام کو مانیں، آخرت کی فکر کریں اور دنیاوی خوش حالی کے علاوہ ابدی زندگی میں سرخروئی کا خیال کریں۔

بچوں کی چار بری عادات:

یہاں ہم بچوں میں عام طور پر پائی جانے والی چار بُری عادات کا ذکر کریں گے۔ وہ چار بُری عادات یہ ہیں: ① جھوٹ، ② چوری، ③ گالی گلوچ، ④ بے راہ روی وشتر بے مہار آزادی۔

① اسلام کی نظر میں جھوٹ سب سے بُری خصلت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ڈرایا ہے کہ کہیں اللہ کے ہاں یہ مذاق بھی جھوٹ میں نہ لکھ دیا جائے۔ اس طرح جس شخص نے یہ کہا کہ آؤ! فلاں چیز لے لو اور پھر اسے کچھ نہ دیا، تو یہ بھی جھوٹ ہے۔[1]

اس کا بہت خیال رکھیں اور اس سلسلے میں خوب محنت کریں۔ بچوں کو اس سے ہر ممکن طریقے سے باز رکھیں۔ جھوٹ سے نفرت ان کے دلوں میں پختہ کر دیں، کیونکہ جھوٹ کو نفاق کی خصلتوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ''جس شخص میں چار باتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، جب تک وہ اس کو چھوڑ نہیں دے گا۔ وہ چار خصلتیں کیا ہیں:
>
> ① جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔
>
> ② جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔
>
> ③ جب معاہدہ کرے تو عہد شکنی کرے۔
>
> ④ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ پر اُتر آئے۔''[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٦٩٩١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٦٩)

اس حدیث سے جھوٹ کی قباحت ثابت ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنے والا اللہ کی ناراضی اور نفرت میں گرفتار رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن گفتگو کرے گا نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، جھوٹ بولنے والا بادشاہ اور مغرور فقیر۔“[1]

جو شخص جھوٹ کا عادی بن جاتا ہے، وہ اللہ کے ہاں جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جھوٹ سے بچو، اس لیے کہ جھوٹ برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اور برائیاں جہنم کی طرف لے جاتی ہیں اور انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“[2]

لٰہذا والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو جھوٹ سے نفرت دلائیں، اس سے انھیں روکیں، انھیں اس کے بُرے انجام سے ڈرائیں اور اس کے نقصانات ان کے سامنے بیان کریں تاکہ وہ زندگی بھر جھوٹ کے نزدیک بھی نہ جائیں اور اس کی دلدل میں نہ پھنسیں۔

ایک واقعہ:

سلف صالحین اپنے بچوں کو سچ بولنے کا عادی بنایا کرتے تھے، اس سلسلے میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے ڈاکوؤں کو سچ سچ بتا دیا کہ ان کے پاس چالیس دینار ہیں، تو ان کے سچ بولنے کا ڈاکوؤں پر اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے ڈاکا زنی جیسی بُری خصلت سے توبہ کرلی۔

جھوٹ کی بنیاد پر ایک خطرناک رسم... اپریل فول:

جھوٹ کی ایک نہایت خطرناک صورت اپریل فول کی رسم ہے جو یکم اپریل کو انگریزوں کی نقالی میں منائی جاتی ہے۔ اس میں کئی کمزور دل لوگ جان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، جیسے کسی نے کسی کے بوڑھے باپ کو فون پر کہہ دیا کہ تمھارا فلاں بیٹا حادثے میں شدید زخمی ہو گیا ہے اور وہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٠٧)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٦٠٧)

ہسپتال میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے جب کہ ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آیا ہوتا، لیکن اس جھوٹی اطلاع سے بوڑھے ماں باپ پر جو گزرتی ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں، اس لیے اس قسم کی جھوٹی رسم منانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں۔ یہ جھوٹ کی قبیح ترین اور خطرناک ترین قسم ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

۲ چوری، دھوکا بازی کے بُرے اور خوفناک نتائج سے بچوں کو آگاہ کریں، خیانت کے بُرے انجام سے ڈرائیں اور انھیں صاف صاف کھول کر بتادیں کہ روزِ قیامت ایسے لوگوں کا انجام کیا ہوگا۔ بچوں کے پاس کوئی رقم یا کوئی اور قیمتی چیز نظر آئے تو ان سے فوراً پوچھیں کہ وہ یہ کہاں سے لائے ہیں؟ جو والدین یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ اپنے بچوں کو چوری کا عادی بنانے میں تعاون کرتے ہیں۔ بچے عام طور پر اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ چیز فلاں جگہ پڑی تھی، وہاں سے انھوں نے اٹھائی ہے یا یہ ان کے کسی دوست نے انھیں دی ہے، اس بارے میں بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔

دو واقعات:

1 ایک شرعی عدالت نے ایک چور پر چوری کی سزا نافذ کرنے کا حکم دیا، جب سزا پر عمل درآمد کا وقت آیا تو اس نے بلند آواز سے کہا: میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری والدہ کی زبان کاٹی جائے، اس لیے کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنے پڑوسی کے ہاں سے ایک انڈا چرایا تھا، میری والدہ نے مجھے بُرا بھلا کہا نہ انڈا واپس کرنے کے لیے کہا، بلکہ خوش ہوئی اور بولی: اللہ کا شکر ہے کہ میرا بیٹا پورا آدمی بن گیا ہے۔ اگر میری ماں کے پاس اس جرم پر خوشی کا اظہار کرنے والی زبان نہ ہوتی تو آج میں چور نہ بنتا۔ غرض ان تمام بری عادات سے بچانے کے لیے والدہ کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حلال لقمہ کھائے، بچے کو پاک صاف دودھ پلائے یعنی ایسا دودھ جس میں حرام کی ملاوٹ نہ ہو۔

2 عبد اللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا، راستے میں ایک چرواہا پہاڑ سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا امتحان لینے کے لیے فرمایا: اے چرواہے! ان بکریوں میں سے ایک بکری ہمارے ہاتھ بیچ

دو، اس نے کہا: میں تو غلام ہوں، بکریاں میرے آقا کی ہیں۔ آپ نے اس سے کہا: تم اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ چرواہا بولا: پھر اپنے اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رونے لگے، پھر اس غلام کے ساتھ اس کے آقا کے پاس گئے اور اسے خرید کر آزاد کر دیا اور اس سے فرمایا: تمھاری اس بات نے تمھیں دنیا میں آزاد کر دیا، مجھے امید ہے کہ یہی بات آخرت میں بھی تمھیں نجات دلائے گی۔[1]

والدین کے لیے یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ بچوں کے سکول جانے اور سکول سے آنے کی نگرانی رکھیں، ورنہ بچے بے توجہی سے فائدہ اٹھائیں گے اور گناہ کی جگہ میں وقت گزاریں گے۔

اچھی صحبت:

نیز والدین کو چاہیے کہ وہ ان کی کتابوں کی الماری کو بھی چیک کرتے رہیں، کہیں وہ کتابوں میں عریاں تصاویر تو چھپا کر نہیں رکھتے یا اخلاق کو خراب کرنے والے رسائل کا مطالعہ تو نہیں کرتے اور ان کے دوست کیسے ہیں؟ یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ دوستی اور صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ اچھی صحبت انسان کو اچھا بناتی ہے جبکہ بری صحبت اچھے کو بھی برائی میں ڈال دیتی ہے۔ بچوں کو اپنے گھر میں اچھی تربیت اور معاشرے میں اچھے ساتھی میسر آجائیں تو وہ ایمان و اخلاق میں نمونہ اور کامل انسان بن سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''ہر نومولود فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[2]

غرض ماحول اور صحبت کا اثر انسان پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [التوبة: ١١٩]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھو تاکہ تمھارے اندر بھی سچائی کی

---

[1] صفة الصفوة لابن الجوزي (٢/ ١٨٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٩٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٥٨)

صفت اور خوبی پیدا ہو۔ ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”آدمی اپنے دوست کے دین ومسلک پر ہوتا ہے پس تم میں ہر ایک خوب دیکھ بھال لے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے؟“[1]

نیک اور برے دوست کی مثال عطر فروش اور لوہار کی بھٹی کی طرح ہے۔ اچھے دوست کی مثال عطر فروش سے دی گئی کہ آدمی یا تو اس سے عطر خرید لے گا یا جتنی دیر اس کے پاس رہے گا، اچھی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کرے گا اور برے ساتھی کی مثال بھٹی میں آگ بھڑکانے والے سے دی گئی کہ وہ جب تک اس کے پاس رہے گا، کوئی چنگاری اڑ کر اس کا کپڑا جلا دے گی یا اس کی بد بو سے دماغ متعفن ہو جائے گا۔[2]

یہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ الفرقان (آیت: ۲۹ تا ۲۸) میں یوں فرماتا ہے:

﴿ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ﴾

”روزِ محشر ظالم اور مجرم دونوں مل کر کہیں گے: اے کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے گمراہ کر دیا ہے۔“

اچھی صحبت اور ہم نشینی جہاں بڑوں کے لیے ضروری ہے، وہیں والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کے لیے اچھا ماحول اور اچھی صحبت فراہم کریں۔ ان پر نظر رکھیں کہ گھر سے باہر ان کی دوستی اور تعلق کن لڑکوں سے ہے؟ انھیں بری صحبت اور بری ہم نشینی سے بچائے رکھیں، تاکہ برے اثرات ان میں سرایت نہ کریں۔ سلف صالحین اس کا بھی خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔ علی بن جعفر کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے ایک مرتبہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مجھے دعا دی اور میرے والد سے کہا: ”اسے بازار میں بھی اپنے ساتھ رکھو اور اس کو اس کے (برے) دوستوں سے بچاؤ۔“

بچوں کی اچھی تربیت کے ساتھ ساتھ والدین کو بھی بچوں کے لیے بہتر اسوہ اور نمونہ ہونا چاہیے۔ آدمی دوسروں کو زبان سے نصیحت کرے اور خود عمل میں صفر ہو تو ایسی نصیحت زیادہ موثر نہیں

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٣٣) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٧٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١٠١)

ہوا کرتی۔ نصیحت وہی زیادہ مفید اور تبھی کارگر ہوا کرتی ہے جب خود نصیحت کرنے والا اس پر عمل پیرا بھی ہو اور زبانی نصیحت کے ساتھ اپنا عملی نمونہ بھی پیش کرے۔ بچوں کی دینی و دنیوی بھلائی مطلوب ہو تو پہلے خود تقویٰ و پرہیز گاری اور صالحیت کے راستے پر گامزن رہے۔

مطلب یہ ہے کہ والدین اور تربیت دینے والوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کریں اور خود کو ان پر قائم رکھیں، تاکہ بچوں کے لیے بہترین نمونہ پیش کرسکیں، جو اہل وعیال وغیرہ ان کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے لیے بہترین راہنما بنیں، ساتھ ہی اپنی اولاد کے چال چلن کو سنواریں، انھیں اسلامی آداب اور حسنِ اخلاق کی تربیت دیں، تاکہ وہ ظلم کرنے والوں سے درگزر سے کام لیں، قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کریں، جو اِنھیں نہ دیں، یہ اُنھیں دیں، جو اِن کے ساتھ بُرا سلوک کریں، یہ اُن کے ساتھ نیک سلوک کریں اور انہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ نصیحت کریں:

﴿ وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ [البقرۃ: ۱۹۵]

''سلوک واحسان کرو، کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ہمارے بچے سچائی، دینی غیرت وحمیت، امانت داری، محبت، خود داری، عدل وانصاف، اخوت و ہمدردی، خیر خواہی، حق گوئی و بے باکی، صبر واستقامت اور شجاعت وبہادری کا نمونہ ہوں، نیک اوصاف کے حامل ہوں اور گندے کاموں سے دور رہیں، تاکہ لوگوں میں بے مثال ہوں اور زمین پر چلنے والے فرشتے بن جائیں۔

چند نہایت خطرناک عادات:

یہ وہ خوفناک اور خطرناک عادات ہیں جو انسان کو ختم کرکے رکھ دیتی ہیں۔ مالی نقصانات کے ساتھ ساتھ ان میں جسمانی نقصان اس قدر ہے کہ انسان زندہ لاش اور معاشرے میں ناپسندیدہ بن جاتا ہے۔ ان تمام خطرناک بیماریوں اور عادات سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو عبادات کا پابند بنایا جائے، بُری صحبت سے انھیں ہر حال میں بچایا جائے۔ ایسے بچوں کو اللہ کے خوف سے روشناس کرانا انتہائی ضروری ہے۔ نشہ آور چیزوں کو اسلام واضح طور پر حرام قرار دیتا ہے۔ حق بات کہنے کی جراَت بچے میں پیدا کریں، وہ جہاں بھی ہو، جس حال میں بھی ہو، اس میں حق بات کہنے کا حوصلہ ہو۔

حقوق کی پاسبانی کا جذبہ:

بچے کے سامنے دوسروں کے حقوق کی اہمیت و فضیلت واضح کی جائے، تاکہ وہ دوسروں کے حقوق کو پہچانے اور ان کی پاسبانی کرے۔ بچے کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے ذمے دوسروں کے کیا حقوق ہیں؟ والدین کے حقوق کیا ہیں؟ رشتے داروں کے کیا حقوق ہیں؟ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ استاد کا حق کیا ہے؟ ساتھی کا حق کیا ہے اور بڑوں کے حقوق کیا ہیں؟ تاکہ وہ انھیں احسن طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کرے۔

حیا کی اہمیت وفضیلت سے آگاہی:

حیا ایک اہم وصف ہے جسے بچوں میں پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ یہ ایک ایسی عادت ہے جو انسان کو بُرائیوں کے چھوڑنے پر اُبھارتی ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق دینے پر مجبور کرتی ہے، اس لیے حیا ہر طرح سے خیر ہی خیر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''فحاشی اور بے حیائی جس چیز میں بھی ہوتی ہے، اسے عیب دار بنادیتی ہے اور حیا جس چیز میں بھی ہوتی ہے، اسے مزین اور آراستہ کردیتی ہے۔''[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر دین کی ایک عادت، ایک مزاج اور ایک امتیاز ہوا کرتا ہے اور اسلام کا خاص امتیاز حیا ہے۔''[3]

ایک خاص بات:

بچوں کو ہم گھر سے باہر نہیں جانے دیتے کہ ماحول اچھا نہیں لیکن ہم اپنے بچوں کو کھیلنے کے لیے ویڈیو گیمز وغیرہ لے کر دے دیتے ہیں اور بچے گھر کی چار دیواری میں ویڈیو گیمز کھیلتے رہتے ہیں

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٧٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١١٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٥)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٨١)

اور اپنا انمول وقت اس میں ضائع کرتے ہیں اور والدین کو پتا تک نہیں ہوتا کہ ان کے بچے کس آفت سے دوچار ہیں اور ویڈیو گیمز سے وہ تشدّد، لڑائی اور سنگدلی کے نہ جانے کیسے کیسے سبق سیکھ رہے ہیں!

ماہرینِ صحت:

ماہرین صحت نے خبردار کیا ہے کہ کمپیوٹر کے استعمال اور اس کا انتہا درجہ عادی ہو جانے کی وجہ سے بچوں کی صحت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ بعض اوقات وہ جسمانی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں خصوصاً انھیں گردن، کمر اور آنکھوں کی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔

ڈاکٹروں کی رائے:

ویڈیو گیمز میں موجود کارٹون کی روشنی سے نکلنے والی شعاعیں بچوں میں مرگی کا عارضہ پیدا کر دیتی ہیں۔ انھوں نے خبردار کیا ہے کہ بہت زیادہ ویڈیو گیمز کھیلنے سے بچوں کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اور گیمز میں برق رفتاری کا مظاہر کرنے کی وجہ سے بچوں کو ہڈیوں اور عضلات کی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی ویڈیو گیمز کھیلتے ہوئے آنکھوں کی حرکت تیز ہو جانے کے باعث آنکھوں پر برااثر پڑتا ہے۔ مقناطیسی لہریں کمپیوٹر اسکرین سے نکلتی رہتی ہیں، جن کی وجہ سے آنکھ سرخ اور خشک ہو جاتی ہے اور ان میں خارش ہونے لگتی ہے۔ تکان کی وجہ سے سر میں درد پیدا ہو جاتا ہے، جسم ٹوٹنے لگتا ہے اور کبھی کبھی بے چینی و کبیدگی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

بہت سارے ویڈیو گیمز ایسے ہیں جن میں دوسروں کو قتل کر کے ان کی املاک تباہ کر کے ناحق انھیں زدوکوب کر کے لطف اٹھایا جاتا ہے۔ بچے خاص طور پر لڑکے اس قسم کی گیمز استعمال کر کے جرائم کے نت نئے طریقے اور ترکیبیں سیکھ لیتے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں تشدّد، مار دھاڑ اور لڑنے جھگڑنے کے ایسے ہنر پیدا ہوجاتے ہیں جن سے وہ پہلے خالی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ویڈیو گیمز نے ہماری ہی دولت سے اور ہماری ہی آنکھوں کے سامنے ہمارے بچوں کی معصومیت چھین لی اور ہمیں احساس تک نہ ہوا۔

والدین کو چاہیے کہ اس قسم کی خرابیاں پیدا کرنے والی ویڈیو گیمز پر کنڑول کریں اور اپنے گھروں میں ان گیمز پر پابندی لگائیں اور بچوں کو اس کے نتیجے سے خبردار کریں، کیونکہ والدین پر اولاد کا اہم حق ہے اور والدین کو چاہیے کہ وہ ان کے کردار و اخلاق کی اچھی طرح تربیت کریں۔

اسلام میں صرف ذاتی نجات کافی نہیں۔ اسلام یہ ذمہ داری ہر شخص کے سپرد کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی نجات کا بھی بندو بست کرے۔ خاندان کے سربراہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اہل و عیال کی ایسی تربیت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے قائل ہوں، اللہ کے تمام احکام کو مانیں، آخرت کی فکر کریں اور دنیاوی خوش حالی کے علاوہ آخری و ابدی زندگی میں سرخروئی کا خیال کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ ہمیں اپنے بچوں میں عدل وانصاف کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی صحیح اسلامی طریقے کے مطابق تربیت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اے اللہ! ہماری اولاد کو نیک اور فرمانبردار بنا دے اور جو بچے اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں، انھیں اپنے والدین کی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما اور ہم سب کو نیک کام کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر امام ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. تربیتِ اولاد۔ تالیف: الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
4. تربیتِ اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں۔ تالیف: الشیخ محمد جمیل زینو، ترجمہ: مولانا مختار مدنی
5. حقوق وفرائض۔ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف
6. بچوں کی تربیت کیسے؟ تالیف: مولانا انصار زبیر محمدی
7. تہذیبِ اطفال۔ تالیف: مولانا ابوعبد الرحمٰن شبیر بن نور

اولاد کی تربیت میں والدین کا کردار
باپ کا رویہ، ماں کا کردار اور چند بنیادی آداب

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ النساء (آیت: ۱۳۵) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾

''ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، چاہے وہ خود تمھارے اپنے خلاف ہو یا تمھارے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے۔''

بچوں میں عدل وانصاف:

قرآنِ کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو عدل وانصاف قائم کرنے کی تاکید فرما رہا ہے۔ چونکہ اسلام عدل ومساوات کا علمبردار ہے۔ اسلامی تعلیمات میں، کسی سے دشمنی یا محبت و تعلق یا خواہشِ نفس، کسی بھی وجہ سے عدل وانصاف کا دامن چھوڑنے کی کوئی گنجایش نہیں، چاہے اس کی زد میں والدین یا کوئی عزیز ہی کیوں نہ آتا ہو۔

❀ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان کے ساتھ انصاف کریں، اس سلسلے میں امت کو رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ان ہدایات پر توجہ دینی چاہیے:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کے والد ان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام عطا کیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحلْتَهُ مِثْلَ هَذَا؟»

''کیا تم نے اپنے سارے لڑکوں کو اسی طرح دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں، تب آپ ﷺ نے فرمایا:« إِرْجِعْهُ » ''تم اپنا عطیہ لوٹا لو۔'' نیز فرمایا:

« فَلَا تُشْهِدْنِي إِذًا، فَإِنِّي لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ »

''تب تم مجھے اس معاملے میں گواہ نہ بناؤ، کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِيْ أَوْلَادِكُمْ »[1]

''(اولاد کے معاملے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔''

تب میرے باپ نے وہ عطیہ واپس لے لیا۔ ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی اس طرح مروی ہے کہ آپ ﷺ نے میرے والد سے پوچھا: ''کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ سب لڑکے فرمانبرداری اور حسنِ سلوک میں برابر ہوں؟'' میرے والد نے کہا: ہاں، کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب تو ایسا نہ کرو۔''

یعنی تم بچوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہ لو گے اور برابری نہ کرو گے تو تمھارے ساتھ حسنِ سلوک اور اطاعت وفرمانبرداری میں بھی تمام بچے یکساں نہ ہوں گے، بلکہ جن بچوں میں محرومی کا احساس ہو گا اور وہ والدین کی طرف سے نا انصافی محسوس کریں گے، ان کے اندر والدین کی نافرمانی کا جذبہ ابھرے گا۔ لہٰذا والدین پر اولاد کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ اپنی اولاد کے درمیان تفریق نہ کریں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اولاد کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

ہمارے ہاں بعض والدین یہ کرتے ہیں کہ کسی ایک لڑکے کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے یا اس کی خدمت سے متاثر ہو کر اپنی جاداد اپنی زندگی ہی میں اس کے نام کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا معلمِ انسانیت ﷺ کی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔ لڑکا ماں باپ کی خدمت کرتا ہے تو اپنا فرض ادا

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٦٢٣)

کرتا ہے، اس فرض کو ادا کرنے کے صلے میں وہ جنت کا حق دار بنتا ہے، لیکن والدین کے لیے مناسب نہیں کہ عدل و انصاف کا پہلو ہاتھ سے جانے دیں اور کم خدمت کرنے والے یا نالائق اولاد کو جاداد سے محروم کردیں۔ اس کی یہ محرومی ہی کیا کم ہے کہ والدین اُسے پسند نہیں کرتے۔

اس سے بڑھ کر اس کی بد قسمتی اور کیا ہوگی کہ اس پر اس کے ماں باپ ناراض ہیں، لیکن آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ تمام والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ بچوں سے محبت میں انصاف و مساوات سے کام لیں۔ کسی بچے میں عقل مندی دیکھی تو اسے تمام بچوں پر ترجیح دی، کوئی زیادہ خوب صورت ہے تو اس سے بے حد پیار کیا، کسی کو اس لیے دھتکارا کہ وہ لڑکی ہے، یا چالاک و ہوشیار نہیں ہے، یہ اولاد کے ساتھ ظلم ہے، اس سے اولاد کے درمیان آپس میں بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، یہ جذبہ انھیں کبھی کبھی ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے، وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے بلکہ قتل کردینے تک کی سوچنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ سورت یوسف (آیت: ۸) میں مذکور حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں کا حسد بھی اسی قبیل سے تھا، جب انھوں نے محسوس کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام، ہمارے مقابلے میں حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ پیار کرتے ہیں، تب انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو راہ سے ہٹانے کی سازش کی۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا ﴾ [یوسف: ۸]

’’جبکہ انھوں نے کہا: یوسف اور اس کا بھائی (بنیامین) ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ پیارے ہیں۔‘‘ پھر جو ہوا، اس کی تفصیل سورت یوسف میں مذکور ہے۔

بچوں کے ساتھ باپ کا رویہ:

بعض باپوں کا اپنی اولاد سے رویہ انتہائی خشک اور محبت وشفقت سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اپنے باپ ہونے کا صرف یہی سب سے بڑا حق سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ سختی سے نپٹا جائے اور ان کے ساتھ تلخ رویہ اپنایا جائے۔ بسا اوقات والد کے اس معاندانہ رویے سے عاجز آکر بچے پہلے تو احتجاج کرتے ہیں، جب احتجاج سے مطلب برآری نہیں ہوتی تو پھر ’’تنگ آمد بجنگ آمد‘‘ کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغاوت پر مائل ہو جاتے ہیں۔ بعد کے حالات تو اس قدر بدتر ہو جاتے ہیں کہ

وہ باپ کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، بلکہ مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس طرح کے بچے جو اس قدر کشیدگی کے ماحول میں پرورش پاتے ہیں، آگے چل کر معاشرے کے لیے ایک مصیبت بن جاتے ہیں۔ رحم و کرم کے جذبات سے تو وہ عاری ہوتے ہی ہیں، ساتھ ہی ساتھ بُری صحبت اور بازاری میل جول انھیں مجرم بنا دیتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کی ابتدا چھوٹے موٹے جھگڑوں اور چوریوں سے کرتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ اپنے علاقے کے غنڈے اور بدمعاش بن کر سارے معاشرے کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بچوں سے محبت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور چاہتے کہ بچوں سے جس قدر سختی کا برتاؤ کیا جاسکتا ہے، کیا جائے، تاکہ بچہ آگے چل کر شقی القلب اور ظالم واقع ہو اور میدانِ جنگ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ وہ قساوتِ قلبی کا مظاہرہ کرے کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوں۔ بدنصیبی سے اس پر فخر بھی کیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کی پاک مجلس میں اس طرح کے لوگ مسلمان بننے کے لیے آتے اور آپ ﷺ کے بچوں کے ساتھ بے انتہا محبت وشفقت سے پیش آنے پر تعجب کرتے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پیار کیا، آپ ﷺ کی مجلس میں حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ موجود تھے، انھوں نے کہا: میرے دس لڑکے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے ان پر (افسوس کی) نظر ڈالتے ہوئے فرمایا:

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر (تعجب سے) کہنے لگا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں جب کہ ہم ایسا نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ تمھارے دل سے محبت کو نکال لے تو میں کیا کرسکتا ہوں؟''[2]

بچوں سے نبی ﷺ کی محبت کا عالم یہ تھا کہ اپنے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور اپنے آزاد کردہ

---

[1] صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب رحمة الولد، الأدب المفرد للبخاري، رقم الحدیث (٦٥)

[2] صحیح البخاري حواله سابقه و صحیح مسلم (٦٤/ ٢٣١٧) الأدب المفرد للبخاري، رقم الحدیث (٩٠)

غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنی گود میں لیتے، سینے سے چمٹا لیتے اور فرماتے:

''یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔''[1]

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کا یہ عالَم تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے دس سال آپ کی خدمت کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ نہیں کہا: ''یہ کام تم نے کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟''

کسی ناپسندیدہ کام پر ڈانٹنے کے بجائے محبت وشفقت سے سمجھاتے اور جس کام کا حکم دیتے اس کی حکمت ومصلحت بھی سمجھا دیتے، جس کی وجہ سے بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے مانوس ہو جاتے تھے۔ محبت وشفقت کا یہی برتاؤ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

بچوں کو بلانے کا انداز:

قرآنِ مجید نے اپنے ماننے والوں کو اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ باپ اپنے بچوں کو کن الفاظ سے مخاطب ہو اور اولاد کن الفاظ سے اپنے باپ کو خطاب کرے۔ قرآنِ مجید میں اس طرح کے کئی واقعات مذکور ہیں، جن میں اللہ کے نیک بندوں نے اپنی اولاد کو انتہائی محبت وشفقت کے اُن الفاظ میں خطاب کیا جن سے زیادہ محبت کے الفاظ کہیں نہیں مل سکتے۔

① سورت ہود (آیت: ۴۲) میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے نافرمان لڑکے کنعان کو طوفان میں آواز دی:

﴿ یٰبُنَیَّ ارۡکَبۡ مَّعَنَا ﴾ ''اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔''

② اسی طرح سورۃ الصافات (آیت: ۱۰۲) میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ یٰبُنَیَّ ﴾ ''اے میرے پیارے بچے!''

③ سورت یوسف (آیت: ۵) میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ﴿ یٰبُنَیَّ ﴾ ''اے میرے پیارے بیٹے!''

④ سورت لقمان (آیت: ۱۳) میں ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے بھی اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۷۴۵، ۳۷۴۶) دار السلام.

فرمایا: ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ ''اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا!''

⑤ نیز اسی سورت (آیت: ۱۶) میں فرمایا: ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ ''اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم رکھنا۔''

لٰہذا ہمارا بھی حق ہے کہ ہم بھی جب اپنے بچوں کو آواز دیں تو اسی طرح پیار اور شفقت کے ساتھ بلائیں۔

اولاد کی وفات پر صبر کا مظاہرہ:

اولاد والدین کے دل کا پھل ہوتی ہے اور انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ اولاد کی موت کا ہوتا ہے۔ بسا اوقات اس وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ایک عورت کو رسولِ کریم ﷺ نے اپنے بچے کی قبر پر آہ و زاری کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔''

اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، کہنے لگی:

''آپ مجھ سے ہٹ جائیں، کیونکہ آپ کو مجھ جیسی مصیبت سے پالا پڑا ہے نہ آپ اسے جانتے ہیں۔''

آپ ﷺ وہاں سے چل دیے۔ بعد میں کسی نے اس عورت کو خبر دی کہ تو نے جس کے ساتھ گستاخی سے بات کی ہے، وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ''اب میں صبر کرتی ہوں۔'' آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''شروع صدمہ پر صبر کرنے کا نام صبر ہے۔''[1]

آپ ﷺ کی آنکھیں بچوں کی وفات پر اشک بار ہو جاتیں۔ آپ ﷺ اپنے چھوٹے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت موجود تھے۔ بچہ موت کی تکلیف سے دو چار تھا، اس کی نبضیں ڈوب رہی تھیں، آپ ﷺ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بچے کو گود میں لیے ہوئے فرما رہے تھے:

''آنکھیں اشک بار ہیں، دل غمگین ہے، لیکن زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو خوش کرنے والی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تمھاری جدائی پر نہایت رنجیدہ ہیں۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري و صحيح مسلم.

[2] صحيح البخاري (۳/ ۱۳۱ ۔ ۱۴۰) شرح مسلم للنووي (۸/ ۱۵/ ۷۵)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ نے آپ ﷺ کے پاس خبر بھیجی کہ ان کے صاحبزادے کی وفات کا وقت قریب آ چکا ہے، اس لیے آپ تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کہتے ہوئے یہ پیغام بھیجا:

«اِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَ لَهٗ مَا أَعْطٰی، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ، مُسَمًّی فَلْتَصْبِرِي وَلْتَحْتَسِبِي» [1]

"جو اس نے دیا ہے وہ اللہ کا ہے اور جو لیا ہے وہ بھی اللہ ہی کا ہے اور ہر چیز کے لیے اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے۔ اس لیے آپ صبر کریں اور اس صبر پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے ان والدین کو جنت کی خوشخبری عطا فرمائی ہے جو اس موقع پر صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قضا پر رضا مند رہتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب کسی بندے کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی جان لے لی؟ وہ کہتے ہیں: ہاں پھر وہ فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا؟ وہ کہتے ہیں: ہاں، پھر فرماتا ہے: میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں: اس نے تیری تعریف کی اور ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام "بیت الحمد" رکھو۔" [2]

اگر آپ بھی یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی اولاد آپ کے مرنے کے بعد آرام وسکون سے رہے، انھیں دنیا و آخرت میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو سب سے پہلے آپ خود صالح و نیک بنیں اور اپنی صالحیت کی چھاپ اپنی اولاد پر چھوڑ جائیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اس خیر و برکت اور فائدے کی شرط یہ ہے کہ اولاد صاحبِ ایمان ہو، اگر کافر ہے تو اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔

---

[1] متفق علیه، سنن أبي داود، سنن النسائی، سنن ابن ماجه، مسند أحمد، صحیح الجامع (٢١٧١)

[2] سنن الترمذي، رقم الحدیث (١٠٢١) صحیح الجامع، رقم الحدیث (٧٩٥) و الصحیحة (١٤٠٨)

انسان جب اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرتا ہے اور دنیا کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسے دینی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے تو اس کا فائدہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی کو حاصل ہوتا ہے اور یہ فائدہ دنیا و آخرت یعنی دونوں جہانوں میں ہوتا ہے۔

دنیا میں اس کا فائدہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور نیک و صالح والدین کی دعاؤں کی وجہ سے ان کی اولاد دنیوی آفات و مصائب سے محفوظ رہے گی، جیسا کہ کتاب وسنت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ والدین کی پرہیز گاری اور نیکی کا فائدہ دنیا و آخرت میں اولاد کو بھی پہنچتا ہے۔ اس حقیقت کا ذکر قرآن کریم کی سورت کہف (آیت: ۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس گرتی ہوئی دیوار کو کچھ اجرت لیے بغیر ٹھیک کردیا تھا اور اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کی حکمت وسبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ [الكهف: ٨٢]

''یہ دیوار اصل میں دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے ہیں) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا (اس کی نیکی اور صالحیت کے سبب) آپ کے رب نے اپنے فضل سے چاہا کہ یہ بچے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمھارے رب کی مہربانی ہے۔''

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ نیک شخص کی آل و اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور ان کی عبادت کی برکت اور ان کی شفاعت و سفارش کی وجہ سے انھیں دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچتا ہے اور انھیں جنت میں درجات کی بلندی عطا کی جاتی ہے، تاکہ اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوسکیں۔[1]

بعض اہلِ علم نے لکھا ہے کہ ساتویں پشت میں ان کا ایک باپ نیک و صالح شخص گزرا تھا، جس کی برکت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے خزانے کی حفاظت کی۔ غور کیجیے کہ والد کے نیک

[1] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۱۱۱)

ہونے کا یہ فائدہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان بچوں کے سرمائے اور مالِ متروکہ کی حفاظت فرمائی، جب کہ دنیا اور اس کا سازو سامان حقیر شے ہے، لہٰذا والدین کی صالحیت اور نیکی کے سبب اولاد کے دنیاوی مال و متاع کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اولاد کی صالحیت کا فائدہ والدین کو بھی پہنچتا ہے۔ نیک اولاد والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہوتی ہے، ان کی دعاؤں اور نیک اعمال کا فائدہ مرنے کے بعد بھی والدین کو پہنچتا رہتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جنت میں آدمی کا درجہ بلند کردیا جاتا ہے تو وہ پوچھتا ہے: اے اللہ! درجات کی یہ بلندی مجھے کس وجہ سے ملی ہے؟‘‘ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’آج تیرے لڑکے کی دعاے مغفرت کی وجہ سے تمھارا درجہ بلند کر دیا گیا ہے۔‘‘[1]

اسی طرح بچے کی صحیح تربیت کا فائدہ والدین کو دنیا و آخرت ہر دو جہاں میں پہنچتا ہے، دنیا میں سب کے ساتھ صلہ رحمی، حسنِ سلوک اور اداے حقوق اس کے عظیم مظاہر ہیں، جبکہ آخرت میں اس سے درجات کی بلندی نصیب ہوتی ہے، حتیٰ کہ ایمان وعملِ صالح کی بنیاد پر یہ جنت میں بھی یکجا کردیے جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی سورۃ الرعد (آیت: ۲۲) میں اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد اسی کا صلہ اور جزا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ﴾

’’ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جہاں یہ خود جائیں گے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولادوں میں سے بھی جو نیکوکار ہوں گے۔‘‘

لہٰذا والدین کو اپنے بعد اپنی اولاد کے بارے میں ان کے مستقبل کے حوالے سے اندیشہ ہو تو وہ تقویٰ و پرہیز گاری کا راستہ اختیار کریں، اللہ سے ڈریں اور درست بات کیا کریں۔ الغرض والدین بچوں کی تربیت سے قبل اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں۔ اپنا اچھا کردار اور نمونہ بچوں کے سامنے پیش کریں، کیونکہ آپ کی نیکی، پرہیز گاری اور صالحیت بچوں کی دنیا وآخرت کے لیے بھی فائدہ مند ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، رقم الحديث (٣٦٦٠) الصحيحة، رقم الحديث (٤٠٧)

آپ کے بچے اعلیٰ تعلیم کے لیے دنیا کے کسی بھی گوشے میں جائیں تو ان کی زندگی پر اسلامی تربیت کی چھاپ ہو، ان کے کردار میں قرآنِ کریم کا تربیتی اسلوب ہو، ان کی گفتار میں توحید وسنت کی بے باکی وصفائی ہو، جس کی وجہ سے وہ دوسرے مذاہب کے بچوں پر اپنا ایک بہترین اثر چھوڑ سکیں۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو نماز و روزے کا پابند اور سچا مسلمان بنانے کی بھرپور کوشش کرتا رہے اور اس کے لیے اللہ سے دعائیں بھی کرتا رہے، جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ [إبراهيم: ٤٠]

''اے میرے رب! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔''

اولاد نیک ہو تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب ونظر کی تسکین و راحت کا سبب بنتی ہے۔ اولاد کی نیکیوں کا صلہ والدین کو دنیا میں نیک شہرت اور وفات کے بعد صدقہ جاریہ کی شکل میں ملتا رہتا ہے، لیکن اگر اولاد بگڑ جائے تو دل کے لیے ناسُور بن جاتی ہے اور ان کی بداعمالیاں والدین کے سکون کو غارت کر دیتی اور کبھی ان کے لیے ندامت و رُسوائی کا باعث بن جاتی ہیں۔ بچے والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت ہوتے ہیں اور یہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں، انھیں مومن یا کافر اور نیکوکار یا بدکار بنانے میں سب سے بڑا کردار والدین کا ہوتا ہے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر بچہ فطرتِ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[1]

اس حدیث میں بچوں کو ایک ایسا کورا کاغذ بتایا گیا ہے جس پر جو نقش ڈالا جائے وہ ثبت ہو جاتا ہے۔ اب یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کے لیے کون سا رُخ اختیار کرتے ہیں؟ ان کی صحیح اسلامی تربیت کی جائے تو پھر ان سے یہ توقع بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ساتھ والدین کے بھی فرماں بردار ہوں گے۔

بے راہ روی اور آزادی کی عادت:

تربیت کا مفہوم عام لوگوں نے صرف یہی سمجھ رکھا ہے کہ بچوں کی جسمانی تندرستی کی طرف

---

[1] متفق عليه، سنن أبي داود، صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٧٨٤)

توجہ دی جائے، انھیں اچھی غذا اور اعلیٰ رہایش مہیّا کی جائے اور انھیں اعلیٰ عصری تعلیم کے زیور سے مزین کیا جائے، جبکہ اس کا نتیجہ اکثر وہ نہیں نکلتا جو نکلنا چاہیے، بلکہ کثرت سے ماں باپ اپنے بچوں کی جانب سے بے پروائی، نافرمانی اور بدسلوکی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عموماً یہ شکایت سننے میں آتی رہتی ہے کہ بچہ خودسر ہوگیا ہے، بات ہی نہیں سنتا، یہ کرتا ہے اور وہ نہیں کرتا۔ اس میں بچے کا قصور بھی تو ہوتا ہے لیکن اس سے پہلے خود وہ والدین ذمہ دار ہوتے ہیں جو اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت نہیں کرتے۔ پہلے بچوں کو آزاد چھوڑ دینا اور انھیں کسی بھی معاملے میں کچھ نہ کہنا کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح ہے۔ ہمارے اسی رویے نے ہماری اولاد کو شتر بے مہار بنادیا ہے اور ہماری اسلامی اقدار و روایات سے بے گانہ اور متنفر بھی۔ ہمارا ایسا رویہ بچیوں کے ساتھ بھی ہے کہ یہ ابھی چھوٹی ہیں، کوئی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہماری بچیوں نے پردے کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ ہم ان کا سارا بچپن لاڈ پیار میں گزار دیتے ہیں اور جب وہ ہاتھ سے نکل جاتے ہیں تو ہاتھ ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی صحیح تربیت کے لیے جہاں صحت مند غذا کی ضرورت ہے، وہیں دینی ماحول فراہم کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے، کیونکہ بچہ اپنے گردو پیش کے ماحول کو دیکھتا اور پڑھتا ہے، پھر اسے صحیح و غلط کی تمیز کے بغیر من وعن اپنانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے ان کے لیے ایک صاف ستھرا دینی ماحول مہیا کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے بچوں کو نیک، نمازی اور والدین کا فرماں بردار بنائے۔ آمین

ماں کا کردار:

بچوں سے محبت اور شفقت فطری چیز ہے۔ ماں کی اپنی اولاد سے محبت مثالی ہے۔ مختلف مواقع پر رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی مثال دی ہے۔ جیسے فرمایا:

''یہ (ماں) اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔''

ہمارا فرض ہے کہ بچوں کی جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و اسلامی اور اخلاقی تربیت بھی کریں، اس سلسلے میں ماں کا کردار باپ سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ بچے کی سب سے پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ بچہ ماں کے ایک ایک قطرہ دودھ کے ساتھ اس کے اخلاق وعادات

کو بھی اپنے دل ودماغ میں اتارتا جاتا ہے۔ ماں اگر مومنہ ومسلمہ اور پابندِ شریعت ہے تو بچے سے بھی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آیندہ چل کر صاحبِ ایمان اور پابندِ شریعت ہوگا۔ اگر بدقسمتی سے ماں دین وایمان سے خالی، آزاد خیال اور فیشن کی دل دادہ ہے تو اس سے پیدا ہونے والی نسل بھی فیشن پرست، دین سے بے زار اور اسلامی تربیت سے عاری ہوگی۔

صحابیات رضی اللہ عنہن اور اللہ تعالیٰ کی دیگر نیک بندیوں کے بے شمار واقعات ہیں کہ ان کی حُسنِ تربیت کی وجہ سے ان کی گودوں سے ایک ایسی نسل پیدا ہوئی، جنھوں نے آدھی سے زیادہ دنیا کو علم وعرفان، حق وصداقت، عدالت وشجاعت اور اخلاص وللّٰہیت سے بھر دیا۔ دنیا ان میں سے چند مبارک ومقدس ہستیوں کو جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، امامِ مالک بن انس، طارق بن زیاد، احمد بن حنبل، محمد بن اسماعیل البخاری، شیخ عبد القادر جیلانی اور سلطان صلاح الدین ایوبی وغیرہم رحمہم اللہ کے ناموں سے جانتی ہے۔ صحابیات رضی اللہ عنہن چھوٹے چھوٹے بچوں کو روزہ رکھواتیں، اگر وہ بھوک سے رونے لگتے تو کھلونوں سے ان کے دل بہلاتیں۔[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے ماہ رمضان المبارک میں شراب نوشی کی تھی، آپ نے اس پر حد جاری کی اور فرمایا:

''تجھ پر افسوس! تو نے اس مقدس ومبارک مہینے کے دن میں شراب پی رکھی ہے، جبکہ میرے گھر کا ایک ایک بچہ روزہ رکھے ہوئے ہے۔''

ماں کے لیے ضروری ہے کہ بچے جس وقت بولنا سیکھیں، سب سے پہلے انھیں اپنے خالق ومالک اللہ کا مبارک ومقدس نام سکھلائیں، پھر انھیں کلمہ توحید ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' سکھلائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِفْتَحُوا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ أَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه»[2]

''تم اپنے بچوں کی زبان سب سے پہلے ''لا الٰہ الا اللہ'' سے کھلواؤ۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٣٦)

[2] شعب الإيمان (٦/ ٣٩٧)

یعنی والدین کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کو سب سے پہلے توحید کی تعلیم دیں، بچوں کی شروع ہی سے ایسی اسلامی تربیت کریں کہ زندگی کی آخری سانس تک وہ موحد رہیں، ان کا عقیدہ توحید زندگی کے کسی بھی موڑ پر نہ لڑکھڑائے۔ بچوں کے ذہن پر بچپن ہی سے یہ نقش کردیں کہ جس ذاتِ والا صفات کی ہم عبادت کرتے ہیں، اس کا نام نامی اسمِ گرامی اللہ ذوالجلال ہے، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں، اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں، ساری کائنات کا نفع ونقصان، موت وحیات، بیماری اور شفا اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی ہے جو رزق دیتا ہے، اولاد دیتا ہے، زندگی اور موت کا مالک ہے، سب اس کے محتاج ہیں، وہ غنی ہے اور سب اس کے فقیر ہیں، جو کچھ ملتا ہے اسی کے در سے ملتا ہے، وہی سب کا داتا ہے، وہ جسے دے اسے کوئی روک نہیں سکتا، جسے نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا، غیب وحاضر کا جاننے والا، آسمانوں زمینوں کا خالق، حاجت روا، مشکل کُشا اور دلوں کا پھیرنے والا وہی ہے۔ ہر قسم کی عبادت اسی کے لیے لائق وزیبا ہے، جیسا کہ سورت ہود (آیت: ۵۰) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾

''ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔''

لہٰذا جو شخص اللہ کی الوہیت کا اقرار بھی کرے اور ساتھ ساتھ اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق کو رزق دینے والا، اولاد دینے والا، نفع ونقصان کا مالک، حاجت روا، مشکل کُشا، داتا، الغرض اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں اللہ کی مخلوق کو شریک بھی کرے تو ایسا شخص موحد نہیں کہلا سکتا، جیسا کہ سورت ہود (آیت: ۲) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ﴾

''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تمھیں اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔''

سورۃ الاسراء (آیت: ۲۳) میں فرمایا ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾

''آپ کے رب کا حکم ہے کہ آپ صرف اسی کی عبادت کریں۔''

ان آیاتِ مبارکہ سے واضح ہے کہ ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کے لیے خاص ہے اور کسی قسم کی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے انبیا علیہم السلام یا فرشتوں یا نیک لوگوں کو شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے جو اللہ کے حقِ الوہیت و ربوبیت میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں، سورۃ التوبہ (آیت: ۳۱) میں فرمایا ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

''انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا۔''

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے بیان فرمائی کہ جب وہ اسلام لانے کی غرض سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے یہی آیت تلاوت فرمائی، حضرت عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

((إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوْهُمْ)) ''وہ ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیوں نہیں! جب ان کے علما و بزرگان ان کے لیے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیتے تو وہ ان کی پیروی کیا کرتے تھے، یہی تو ان کی عبادت تھی۔''[1]

گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف کسی کی بات پر عمل پیرا ہونے کو اس کی عبادت قرار دیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:

((أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ؟)) ''اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

((أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ))[2]

''تو اللہ کا کسی کو شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔''

[1] سنن الترمذي، كتاب التفسير، رقم الحديث (٣٣٥٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٨٦)

اولاد کو یہ ذہن نشین کرانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر اور اس کی صفاتِ باکمال کو مخلوق کی صفات پر قیاس کرنا جائز نہیں، تاکہ آگے چل کر وہ راسخ العقیدہ اور موحد مسلمان بن کر اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو شرک سے بچا سکے۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بچوں کے دلوں میں اعمالِ صالحہ کی محبت پیدا کریں اور ساتھ ساتھ ان کے دلوں میں برے کاموں کی نفرت بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا نمونہ زندگی کو پیش کرتے رہیں، جیسا کہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۲۱) میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَ الۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا﴾

''(مسلمانو!) یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔''

① اس آیتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسلمانوں کو بطورِ خاص رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنے اور اس کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال میں آپ ﷺ کی اقتدا ضروری ہے، چاہے ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے، زندگی کے ہر شعبے میں آپ ﷺ کی ہدایات واجب الاتباع ہیں۔

② اس آیت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اسوہ رسول اللہ ﷺ کو وہی اپنائے گا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔

آج لوگ ان دونوں وصفوں سے محروم ہیں، اس لیے اسوہ رسول اللہ ﷺ کی بھی کوئی اہمیت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ وہ اپنا آئیڈیل ان شخصیتوں میں تلاش کرتے ہیں جن میں اسلام کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، بہر حال مسلمانوں کو اپنی شناخت کے لیے نبی ﷺ کا اسوہ حسنہ اپنانا چاہیے اور ہمیں بھی اپنے بچوں کو یہ بتانا چاہیے کہ ہمارے لیے نبی ﷺ کی ذاتِ پاک بہترین نمونہ ہے، لہٰذا بچوں کے دلوں میں نبی اقدس ﷺ کا پیار و محبت اور ادب و احترام ڈالنے کی کوشش کریں اور انھیں

بتائیں کہ ہمارے نبی ﷺ کیسے تھے؟ ان کی شکل وصورت کیسی تھی؟ وہ کپڑے کیسے پہنتے تھے؟ آپ ﷺ چلتے کیسے تھے؟ آپ ﷺ کے سونے جاگنے کے دستور کیا تھے؟ کس چیز کو کھانا پسند فرماتے تھے؟ کس کام کو پسند اور کسے ناپسند فرماتے تھے؟ نبی اکرم ﷺ خادموں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے؟ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ کتنی محبت فرماتے تھے؟ بچوں کے لیے شفیق ونرم مزاج اور مہربان تھے۔

بچوں کو نبی رحمت ﷺ کے کثرت کے ساتھ واقعات سنائیں، تاکہ بچوں کے دلوں میں نبی اکرم ﷺ کی محبت جڑ پکڑ لے اور وہ ایک مضبوط بنیاد بن جائے۔ پھر بچہ اپنے دل کی محبت ہی کے باعث نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنے اور ناپسند چیزوں کو ترک کر دینے پر تیار ہو جائے گا۔ اس طرح ان کی تربیت کی راہ ان شاء اللہ آسان ہو جائے گی۔

والدین کے لیے ضروری ہے کہ بچے کی سمجھ کے مطابق اس کے دل میں دینِ اسلام کی اہمیت اور عظمت بٹھانے کی کوشش کریں۔ مثلاً نماز، روزہ، شرم وحیا، عدل وانصاف، حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق الوالدین، وعدہ خلافی، امانت داری وغیرہ۔ اسلام میں دعا اور ذکر واذکار کی خاص اہمیت ہے، اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کو ہر موقعے کی مناسبت سے متفرق اذکار اور دعائیں بتائی ہیں، تاکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی یاد بھی باقی رہے اور انسان ہر قسم کے شر وفساد سے بھی محفوظ رہے۔ بندہ مومن کی زبان ہر وقت اللہ کی یاد سے تر رہتی ہے۔

والدین اپنی اولاد کو دعائیں سکھائیں اور عملی طور پر انھیں ان کا پابند بنائیں، نیز تیسویں پارے کی آخری چھوٹی چھوٹی سورتیں، آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں اور دعاے قنوت وغیرہ بھی بچوں کو حفظ کروائیں۔

گفتگو کے آداب:

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، انسان کی گفتگو اس کی شخصیت کا پتا دیتی ہے۔ اگر وہ شائستہ گفتگو کرتا ہے تو اس سے اس کی تہذیب کا پتا چلتا ہے۔ زبان سے نکلنے والے کلمات اگر غلط یا تہذیب سے گرے ہوئے ہوں تو اس شخص سے محبت کے بجائے نفرت اور دشمنی پھیلتی ہے۔ عموماً لڑائی جھگڑے زبان کے آزادانہ استعمال کی وجہ ہی سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ جب آدمی کسی کی پروا

نہیں کرتا تو پھر یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک طویل حدیث میں کئی اعمال کو ذکر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو زبان سنبھال کر رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''کیا میں تمھیں ان تمام اعمال کو کنٹرول کرنے والی چیز نہ بتلاؤں؟ وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتلائیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا:

((كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا)) ''اس کو سنبھالے رکھو۔''

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم اپنی گفتگو پر بھی پکڑے جائیں گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ؟))[1]

''تمھاری ماں تمھیں کھودے! لوگوں کو ان کے منہ کے بل جہنم میں گرانے والی ان کی زبان ہی تو ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جس کی گفتگو زیادہ ہوگی، اس کی لغزشیں زیادہ ہوں گی، جس کی لغزشیں زیادہ ہوں گی، اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے، وہ جہنم ہی کا مستحق ہے۔''[2]

بات چیت کے آداب:

مثال مشہور ہے: ''زبان شیریں ملک گیریں'' یعنی زبان کو میٹھی رکھو، ملک (عوام کا دل) جیت لو۔ والدین اپنے بچوں کو بات چیت کے درج ذیل اسلامی آداب کی تلقین کریں:

1. دھیمے دھیمے گفتگو کریں، تیزی سے نہ کریں۔ آپ ﷺ اس طرح گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی آپ ﷺ کے الفاظ گننا چاہے تو وہ گن سکتا تھا۔[3]

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کو اپنی آواز پست رکھنی چاہیے نہ

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٠٤) رياض الصالحين، رقم الحديث (١٥٣٠)

[2] جامع العلوم و الحكم (ص: ١٦٣)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٦٣٩)

کہ بلند آواز سے بات کریں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آوازوں میں سب سے قبیح آواز گدھے کی ہے، یعنی جو آدمی بلند آواز سے بات کرتا ہے اس کی تشبیہ گدھے سے دی گئی ہے اور سورت لقمان (آیت: ۱۹) میں بھی یہ بات آئی ہے، لہٰذا جب بات کریں تو آہستہ آواز سے کریں۔

❷ گفتگو میں فصاحت وبلاغت دکھانے کے لیے پُر تکلف الفاظ استعمال نہ کریں، کیوں کہ اس سے لوگ گھن محسوس کرتے ہیں۔

❸ لوگوں کی سمجھ کے معیار کی گفتگو کریں۔[1]
علمی طبقے میں علمی اور عوام کے درمیان عوامی سطح کی بات کریں۔

❹ گفتگو مناسب ہو، بالکل مختصر نہ اتنی طویل کہ لوگ بوریت کا شکار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور خطبہ درمیانہ ہوا کرتا تھا۔[2]

❺ جس سے گفتگو کریں، اس کی جانب پوری توجہ مبذول کریں۔

❻ مجلس میں تمام حاضرین کی جانب توجہ کریں۔

❼ کسی کی بات ختم ہونے تک دھیان سے سنیں اور اس کی بات کاٹ کر درمیان میں نہ بولیں اور نہ انھیں حقیر سمجھتے ہوئے کبر ونخوت میں منہ پھیریں، بلکہ دلجوئی کریں اور خندہ پیشانی سے باتیں کریں۔

❽ مجلس میں جب کئی لوگ موجود ہوں تو کسی ایک سے سرگوشی نہ کریں۔

❾ زمین پر جب چلیں تو اترا اکر نہ چلیں، یعنی تکبر، سرکشی اور گھمنڈ میں نہ چلیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو پسند نہیں فرماتے۔[3]

❿ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، یعنی بہت سست اور نہ بہت تیز بلکہ درمیان چال ہو۔

کھانے پینے کے آداب اور دعائیں:

① جب کھانا شروع کریں تو یہ کہیں: ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' ''شروع اللہ کے نام سے۔''[4]

---

[1] صحیح البخاري (۱/ ۵۹)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۸٦٦)

[3] دیکھیں: سورۃ بنی اسرائیل (آیت: ۳۷)

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۲۲)

② اگر کھانے کے شروع میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' بھول جائیں اور کھانے کے دوران میں یاد آ جائے تو اس طرح پڑھ لیں: «بِسۡمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ» ''اللہ کے نام سے اس کے اول اور اس کے آخر میں۔''[1]

③ کھانے میں عیب نہ نکالیں، اچھا لگے تو کھائیں ورنہ چھوڑ دیں، کیوں کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔[2]

④ ٹیک لگا کر نہ کھائیں۔

⑤ معدہ بھر کر نہ کھائیں، بلکہ ایک حصہ کھانے کے لیے اور ایک پانی کے لیے اور ایک حصہ خالی رکھیں۔[3]

⑥ سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھائیں۔[4]

⑦ اگر کھانے کا کوئی لقمہ نیچے گر جائے تو اللہ کی نعمت کی قدر کرتے ہوئے اس سے مٹی وغیرہ صاف کر کے کھا لیں۔

⑧ کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھیں:

«اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَطۡعَمَنِیۡ هٰذَا وَرَزَقَنِیۡهِ مِنۡ غَیۡرِ حَوۡلٍ مِّنِّیۡ وَلَا قُوَّةٍ»[5]

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری کسی بھی کوشش و طاقت کے بغیر مجھے یہ کھانا عطا کیا۔''

⑨ دائیں ہاتھ سے کھائیں اور پئیں۔[6]

⑩ ایک ہی سانس میں پانی وغیرہ نہ پئیں، بلکہ تین گھونٹ کر کے تین سانسوں میں پئیں۔

⑪ پینے سے پہلے ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' اور پینے کے بعد ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ'' کہیں۔

⑫ پانی میں پھونک نہ ماریں۔

⑬ پانی بیٹھ کر پئیں بلا وجہ کھڑے ہو کر نہ پئیں۔

---

[1] سنن أبي داود (٣/ ٣٤٧) صحيح سنن الترمذي (٣/ ١٦٧) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٢٦٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٣٧٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٦٤)

[3] مسند أحمد (٤/ ١٣٢)

[4] متفق عليه، اللؤلؤ و المرجان، رقم الحديث (١٣٣٧)

[5] صحيح سنن الترمذي (٣/ ١٥٩) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٣٤٩)

[6] متفق عليه، اللؤلؤ و المرجان، رقم الحديث (١٣١٣)

دودھ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اسے پی کر یہ دُعا پڑھنی چاہیے:
«اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ»[1]
''اے اللہ! تو ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے زیادہ عطا فرما۔''

قضائے حاجت کے آداب اور دعائیں:

بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت اور داخل ہونے کے بعد مندرجہ ذیل آداب کو ملحوظ رکھیں:

① بیت الخلا میں داخل ہوتے وقت یہ دُعا پڑھیں:
«بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»[2]
''اللہ کے نام سے، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ناپاک مذکر جنوں اور ناپاک مادہ جنوں سے۔''

② بایاں پاؤں پہلے اندر داخل کریں۔

③ زمین کے قریب ہوکر کپڑا اٹھائیں، خصوصاً اگر کہیں کسی کھلی جگہ ہوں۔[3]

④ پیشاب کے چھینٹوں سے بچیں، کیونکہ قبر میں زیادہ عذاب چغلی کھانے اور پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔[4]

چھینک مارنے کے آداب اور دعائیں:

❶ چھینک مارنے کے وقت «اَلْحَمْدُ لِلّٰه» [تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں] کہیں۔

❷ چھینک سننے والا «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ» [اللہ تم پر رحم کرے] کہے۔

❸ چھینکنے والا جواب میں کہے: «يَهْدِيْكَ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكَ»[5]
''اللہ تمھیں ہدایت پہ رکھے اور تمھاری حالت درست کرے۔''

❹ چھینک مارتے وقت منہ کو رومال یا کسی اور چیز سے ڈھانپ لیں، تاکہ تھوک کے ذرّات پھیلنے

[1] صحيح سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٤٥٥)

[2] صحيح البخاري (١/ ٤٥) صحيح مسلم (١/ ٢٨٣)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٤)

[4] صحيح البخاري كتاب الجنائز، رقم الحديث (١٣٦١) و كتاب الأدب، رقم الحديث (٦٠٥٢)

[5] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٣٩)

سے کسی کو اذیّت نہ ہو۔

❺ تین مرتبہ چھینکنے کے بعد چھینک آئے تو پھر «اَلْحَمْدُ لِلّٰہ» کہنا اور اس کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔[1]

❻ اگر کسی نے چھینک مارتے وقت «اَلْحَمْدُ لِلّٰہ» نہیں کہا تو اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔[2]

❼ غیر مسلم چھینکے تو «یَھْدِیْكَ اللّٰہُ وَ یُصْلِحُ بَالَكَ» کہنا چاہیے۔[3]

''اللہ تجھے (اسلام کی) ہدایت دے اور تیری حالت کی اصلاح فرمائے۔''

جمائی لینے کے آداب:

❽ جمائی آنے لگے تو حتی الامکان اسے روکنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔[4]

❾ جب جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیں، کیونکہ منہ کو کھلا چھوڑ دینے سے اس میں شیطان داخل ہو جاتا ہے۔[5]

❿ جمائی آئے تو منہ کھلا رکھ کر ہا ہا کی آواز نہ نکالیں، اس سے شیطان ہنستا ہے۔[6]

سلام کرنے کے آداب:

والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو سلام اور دیگر اسلامی آداب واطوار سکھائیں، اس کے لیے پہلے خود انھیں سلام کریں اور بچوں کو اس کی عادت ڈالیں۔ سلام بلند آواز سے کیا جائے تاکہ سنا جا سکے، یہودیوں کی طرح انگلیوں سے یا عیسائیوں کی طرح ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے اشارے نہ کیے جائیں۔[7]

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک ایمان نہ لاؤ اور اس وقت تک

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٩٣) سنن أبي داود، رقم الحدیث (٥٠٣٧)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٩٢) سنن أبي داود، رقم الحدیث (٥٠٣٩)

[3] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٥٠٣٨) سنن الترمذی، رقم الحدیث (٢٧٣٩)

[4] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٢٢٦)

[5] صحیح مسلم (٥٧/ ٢٩٩٥)

[6] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٢٢٦) مسند أحمد، سنن الترمذي، رقم الحدیث (٢٦٧٠)

[7] سنن الترمذی، رقم الحدیث (٢٦٩٥)

مومن نہیں ہوسکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں، اگر تم نے اسے کیا تو آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور اسے رواج دو۔‘‘[1]

سلام کرنے والوں میں سے وہ شخص زیادہ بہتر ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔[2]

عبادات کا حکم:

بچوں کو اللہ رب العالمین کی عبادت کا حکم دینا چاہیے۔ ان کی عمر اور فہم کے مطابق انھیں نماز اور روزے کی تاکید کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طٰهٰ: ١٣٢]

’’اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔‘‘

رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

’’اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو، دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کے بستر الگ کردو۔‘‘[3]

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے اس لیے تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کو نماز اور زکات کی تاکید کیا کرتے تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ [مريم: ٥٤، ٥٥]

’’اس کتاب میں اسماعیل کو یاد کرو، وہ وعدے کے سچے اور رسول نبی تھے، وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکات کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے پسندیدہ بندے تھے۔‘‘

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ [التحريم: ٦]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٤)

[2] متفق عليه، رياض الصالحين، رقم الحديث (١٥٩١)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٤٠٧)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔''

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام نے اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے نماز قائم کرنے کا حکم بھی فرمایا تھا، جیسا کہ سورت لقمان (آیت: ۱۷) میں فرمایا ہے:

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾

''بیٹا! نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا اور جو بھی مصیبت تجھ پر آن پڑے، اس پر صبر کرنا، کیونکہ یہ بڑے حوصلے کے کاموں میں سے ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اہم وصیتیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بچے! میں تمھیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں:

① اللہ کو یاد رکھو وہ تمھیں یاد رکھے گا۔
② اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔
③ جب تمھیں مانگنا ہو تو صرف اللہ ہی سے مانگو اور جب تمھیں مدد طلب کرنا ہو تو صرف اللہ ہی سے مدد طلب کرو۔
④ خوشحالی میں اللہ کو پہچانو، وہ تمھیں پریشانی میں یاد رکھے گا۔ یعنی اللہ کے حقوق کو خوشحالی میں ادا کرو، وہ تمھیں مصیبت میں نجات دے گا۔
⑤ اس بات پر پختہ یقین کرو کہ جو چیز تمھیں نہیں ملی، وہ تمھارے نصیب میں نہیں تھی اور جو تمھارے نصیب میں ہے وہ تمھیں مل کر رہے گی۔
⑥ یقین کرو کہ مدد صبر کے بعد ہے۔
⑦ ہر مصیبت میں کشادگی ونجات پنہاں ہے۔
⑧ ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں صبر اور حوصلہ مند زندگی عطا فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٨٥) مسند أحمد، رقم الحديث (٢٦٩٥)

حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ اسلام نے معاشرے کی اصلاح اور امن وسکون کے لیے ہر شخص کے حقوق وفرائض مقرر کردیے ہیں، اگر ہم دینی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق خوش دلی سے پورے کرنے لگیں تو ہمیں اللہ پر یقین ہے کہ نہ صرف بہت سے مفسدات اور خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ ہمارا معاشرہ پرسکون بن جائے گا۔ ان شاء اللہ، لیکن اس وقت مسلمانوں کی جوصورتِ حال ہے اس میں ہر شخص پریشان ہے، کسی کوسکون میسر نہیں۔ یا اللہ! ہماری دعا ہے موجودہ مصائب ومکروہات سے نجات پانے کے لیے دین قیم سے ہماری راہنمائی فرما دے دین اسلام کی حفاظت فرما دے اور اسلام کے دشمنوں کو برباد کردے۔

یا اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما نا۔ اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو نیک اور نمازی بنا دے اور ہم سب کو نبیِ رحمت ﷺ کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

مراجعِ درس

1. تفسیر امام ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. حقوق وفرائض۔ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف
4. تربیتِ اولاد۔ تالیف: الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
5. بچوں کی تربیت کیسے؟ تالیف: مولانا انصار زبیر محمدی
6. تربیتِ اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں۔ تالیف: الشیخ محمد جمیل زینو۔ ترجمہ: مولانا مختار مدنی

حقوق الزوجین
① شوہر کے حقوق و فرائض

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

''اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی رواج کے موافق عورتوں کا بھی حق مردوں پر ہے اور مردوں کا مرتبہ عورتوں سے زیادہ ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔''

اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کے ارشادات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا شخص وہ ہے، جو سب سے زیادہ با اخلاق ہے اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس کا سلوک اپنے اہل سے سب سے اچھا ہے۔''[1]

نبی کریم ﷺ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا اتنا خیال تھا کہ ایک مرتبہ سفر میں اونٹ چلانے والے اونٹ کو تیز ہانکنے لگے۔ اونٹ پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سوار تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے غلام انجشہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''افسوس! انجشہ! شیشوں (نازک اندام عورتوں) کو آہستگی سے لے کر چل۔''[2]

ازدواجی تعلق کی سب سے مضبوط بنیاد محبت کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ موجود ہو تو زندگی کے میدان میں اکٹھے سفر جاری رکھ سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اعلیٰ مقصد یعنی اولاد کی تربیت پر اچھے اثرات بھی مرتب کر سکتے ہیں۔ محبت کا جذبہ نہ ہو تو یہ تعلق ایسے ہوگا، جیسے دو اجنبی کسی سفر کے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٦٢)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٤٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٢٣)

دوران میں مل بیٹھے ہوں۔

گھر کا نظام چلانے کے لیے سرمایا فراہم کرنا مردوں کی ذمہ داری ہے۔عورت کا فرض یہ ہے کہ خوش اسلوبی سے گھر کا بندوبست کرے، کیونکہ وہ گھریلو معاملات کی ذمہ دار اور نگران ہے۔ جہاں تک معاملہ ہے شوہر کی اطاعت کا تو اطاعت میں سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا حق ہے، یعنی مخلوق کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، جیسا کہ ایک ملک کے حاکم کا حق ہوتا ہے کہ اس میں بسنے والے لوگ اس کے قوانین پر عمل کریں، ملک میں چھوٹی سے چھوٹی اکائی گھر ہے۔

بیوی اور اولاد کا فرض ہے کہ صاحبِ خانہ کا حکم مانیں، فرش سے لیے کر عرش تک تمام ادارے ایک ہی جذبے کے تحت مصروفِ عمل ہیں اور وہ جذبہ ہے اطاعت کا، یہ جذبہ نہ ہو تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ زندگی میں غم اور خوشی ساتھ ساتھ چلتے ہیں، اگر خاوند کی آمدنی تھوڑی ہو تو زندگی کچھ تنگی سے گزرتی ہے، لیکن عورت کے تعاون سے گزر اوقات ہو ہی جاتی ہے۔ حقیقی لذت و راحت ایثار و قربانی اور باہم تعاون کرنے ہی میں ہے۔ مسلمان بیوی کو صابر و شاکر بن کر ان حالات کا مقابلہ صبر و شکر ہی سے کرنا چاہیے اور خاوند کو اپنی تکلیف یا پریشانی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہیے یا اس حد تک احساس نہ دلائے کہ وہ پریشان رہنے لگے، عورت کو تکلیف اور دکھ کے موقعے پر کسی بھی طرح صبر و شکر کا ہی مظاہر کرنا چاہیے، جیسے کہ صحیح بخاری کا واقعہ ہے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بیٹے کی وفات پر کمالِ صبر کا مظاہر کیا اور اپنے رنج و غم کو ایسے چھپایا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے بچے کو غسل و کفن دے کر اسے گھر کے ایک گوشے میں رکھ دیا۔ جب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے تو پوچھا: لڑکے کا کیا حال ہے؟ ان کی بیوی نے جواب دیا کہ اسے آرام ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے سکون میسر ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ صحیح کہہ رہی ہیں۔ راوی کے بقول حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رات بھر اپنی بیوی کے پاس رہے اور صبح کو غسل کر کے باہر جانے لگے تو بیوی نے انھیں بتایا کہ لڑکا تو فوت ہو چکا ہے۔ پھر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ادا کی اور رات کے

ماجرے کی آپ ﷺ کو خبر دی جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کی اس رات میں برکت دے گا۔ ایک انصاری شخص کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (کی نسل) سے نو (۹) لڑکے دیکھے جو سارے حافظِ قرآن تھے۔ یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے صبر واستقلال کا نتیجہ تھا کہ اس وقت جو ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اس کی پشت سے نو بچے حافظِ قرآن پیدا ہوئے، ان کے علاوہ چار صابرہ شاکرہ بیٹیاں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیں۔[1]

لہٰذا بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی جو دراصل اس کا اپنا گھر ہے، حفاظت کرے اور اس کے سازو سامان اور دولت کو بھی حفاظت سے رکھے، فضول اور بے موقع خرچ یا استعمال نہ کرے۔

مطالبات اور خواہشات کا سلسلہ آگے ہی آگے بڑھاتے نہیں رہنا چاہیے، خاوند کی قوتِ خرید سے بڑھ کر قیمتی لباس کا بھی مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ خاوند اس کے مطالبات پورے کرنے کے لیے ناجائز ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے اور جرائم کے راستے پر چل نکلے، یعنی رشوت وغیرہ لینے لگ جائے۔ ہمارے ممالک کے تقریباً ہر طبقے کے لوگوں کی بیویوں نے بدقسمتی سے اپنے فرائض پورے ادا نہیں کیے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے شوہروں کی جائز آمدنی کے اندر رہ کر گزارا کرتیں، کار، کوٹھی اور بینک بیلنس کے چکر میں نہ پڑتیں کیونکہ یہ چیزیں زندگی میں ظاہری آسایش کے سامان تو ہیں، مگر حقیقی سکون دینے کے قابل نہیں اور سکون ہی اصلی دولت ہے۔ مال و دولت کی کوئی حیثیت ہوتی تو پیغمبروں اور ولیوں کو اس سے دور نہ رکھا جاتا۔

اگر ایک دوسرے کے حقوق وفرائض میں توازن برقرار نہ رہے تو پھر اس کے اچھے نتائج بھی نظر نہیں آتے، جیسا کہ ایک شوہر اگر یہ چاہے کہ میری بیوی میرے تمام حقوق کو پوری طرح ادا کرے اور خود بیوی کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی برتے تو اس نے توازن خراب کردیا۔ جسے اپنے حقوق کا حصول عزیز ہو اسے دوسرے کے حقوق میں بھی کوتاہی نہیں کرنا چاہیے، تاکہ سامنے والا کہیں ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے پیشِ نظر اپنے فرائض میں کوتاہی کا شکار نہ ہو جائے۔

شوہر کو بیوی پر جو ایک درجہ فوقیت حاصل ہے تو وہ درجہ کیا ہے؟ مثلاً فطری قوتیں ہیں، جہاد کی اجازت، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوّامیت و حاکمیت میں اور طلاق و رجوع وغیرہ میں،

---

[1] عون الباري (٢/ ٣٠١)

کیونکہ طلاق اگر کسی خاص مقصد کے لیے نہ دی گئی ہو تو خاوند کا یہ حق ہے کہ عدت کے اندر وہ رجوع کرسکتا ہے، عورت کے ولیِ امر کو اس کے حق میں رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر دو کے باہمی مساوی حقوق کا ذکر کرنے کے بعد اجمالی طور پر یہ بھی بتا دیا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اس اجمال کی تفصیل خود اللہ تعالیٰ ہی نے قرآن پاک کے ایک دوسرے مقام پر فرمادی ہے کہ اس درجہ فوقیت کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ سورۃ النساء (آیت: ۳۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾

''مرد عورتوں پر قوّام [درجہ فوقیت رکھنے والے یعنی حاکم] اس لیے ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔''

اور ساتھ ہی اس فوقیت کا دوسرا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور اس بنا پر کہ مرد اُن پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

''قوّام'': اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت ونگرانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔[2]

ان دونوں اسبابِ فوقیت پر جو شخص بھی ذرا غور کرے گا، اسے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں رہ سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جو طبعی وفطرتی اور جسمانی خصوصیات عطا فرمائی ہیں، وہ انھی کا حصہ ہیں اور حق مہر سے لے کر بیوی اور بچوں کا نان ونفقہ یا ان کی ضروریاتِ زندگی مہیّا کرنا بھی مردوں کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔

کیا یہاں کوئی عجیب بات نظر آتی ہے؟ ہرگز نہیں، مگر اللہ ہدایت دے اُن کج فہم عیّاروں کو جو انھی قرآنی آیات کا مکارانہ انداز سے مفہوم بیان کر کے اچھی بھلی اور بھولی بھالی مسلمان عورتوں کو بہکا دیتے ہیں اور اُن کو ان آیات سے بغاوت پر اکساتے پھرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت بیان فرمائی ہے، عقلِ سلیم اُسے بہ آسانی تسلیم کرتی ہے اور اِبا و انکار کی یہاں کوئی وجہ ہی نہیں۔

عہدِ حاضر کی معروف تفسیرِ قرآن ''المنار'' کے مولف علامہ محمد رشید رضا مصری نے اپنی کتاب

---

[1] حاشیہ ترجمہ قرآن مجید از مولانا مودودی رحمہ اللہ (ص: ۲۳۱)

"حقوق النسآء في الإسلام" میں کیا خوب بات لکھی ہے کہ ازدواجی زندگی ایک معاشرتی زندگی ہے اور ہر معاشرے کے لیے ایک سربراہ لازمی ہوتا ہے، کیونکہ ضروری بات ہے کہ افرادِ معاشرہ (یا ان کے نمائندوں) کا کسی بات پر اختلاف ہو جائے۔ ایسے میں سربراہ کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، تاکہ قومی وحدت اور اتحاد پارہ پارہ نہ ہونے پائے اور ملّی نظام دَرہم برہم نہ ہو جائے، اسی طرح گھر کی سربراہی کسی ایک فرد کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے اور یہ ذمہ داری مرد ہی کا حق ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ گھر کی مصلحت کو بہتر جانتا ہے اور اپنے مال وقوت سے اس کے نفاذ پر بھی قادر ہوتا ہے۔ عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا گیا ہے۔ عورت کی سربراہی کے خلاف حدیث شریف کی یہ نص بالکل واضح ہے، جس میں نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»[1]

"وہ قوم ہرگز فلاح یاب نہیں ہوگی، جس نے اپنے امورعورت کے سپرد کر دیے۔"

اورشریعت نے بھی عورت کے جان و مال کا تحفّظ اوراس کا نان ونفقہ مرد کے ذمّے قرار دیا ہے۔[3]

یہ بات تو ہم عرض کر چکے ہیں کہ شوہر کے جو حقوق ہیں وہی بیوی کے فرائض ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے شوہر کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اُسے درجہ فوقیت بخشا ہے، چنانچہ سنن ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اگر میں کسی کو یہ حکم دینا جائز سمجھتا کہ وہ [اللہ کے سوا] کسی کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔"[3]

صرف اسی ایک ارشادِ رسالت مآب ﷺ سے شوہر کے حقوق اور اس کے مقام و مرتبے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جبکہ آپ ﷺ کے کثرت سے ارشادات ہیں جو شوہر کے حقوق کی تعیین کرتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کا اپنے شوہر کے حکم کی نافرمانی کرنا، بات نہ ماننا، اس کی اطاعت سے سرتابی کرنا قطعاً حرام، سراسر معصیت اور گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٧٠٩٩) سنن الترمذي، رقم الحدیث (٢٤١٦)

[2] حقوق النساء في الإسلام مؤلفه محمد رشید رضا (ص: ٣٦۔ ٣٧) طبع المکتب الإسلامي بتحقیق الألباني.

[3] سنن الترمذي، رقم الحدیث (١١٥٩) سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (١٨٥٢) ریاض الصالحین (ص: ١٤٥) صحیح الجامع الصغیر (٥٢٩٥)

کے حکم کی تعمیل کی اِس حد تک تاکید فرمائی ہے کہ سنن ترمذی و نسائی، صحیح ابن حبان، مسند احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جب مرد اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لیے بلائے تو اسے فوراً حاضر ہو جانا چاہیے، چاہے وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔“[1]

اگر بیوی کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا شوہر اس پر ناراض ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس وقت تک اس عورت پر ناراض رہتا ہے جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کر لے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے تو وہ ذات جو آسمان میں ہے، اس عورت پر اس وقت تک ناراض رہتی ہے جب تک اس کا شوہر راضی نہ ہو جائے۔“[2]

صحیح بخاری و مسلم کی ہی ایک روایت میں ایسی عورت کے بارے میں فرمایا:

”جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے مگر وہ نہ آئے اور اس بنا پر شوہر غضبناک ہو کر رات گزار دے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنتیں برساتے رہتے ہیں۔“[3]

نبی اکرم ﷺ نے شوہر کی فرمانبرداری کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ سنن ترمذی و ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں اس ناراضی کا انجام بیان ہوا ہے:

”تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی نمازیں سروں سے اوپر ایک بالشت بھی نہیں اٹھتیں [یعنی قبول نہیں ہوتیں]: ایک ایسا شخص (امام مسجد) جس نے کسی قوم کی امامت کی اور وہ قوم اس سے نفرت کرتی ہے۔ وہ عورت جس نے اس حال میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہے اور دو بھائی جو آپس میں ناراض ہوں۔“[4]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٦٠) سنن النسائي (١٢٩٥) مشكاة المصابيح (٢/ ٩٧٢) صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٣٤)

[2] صحيح البخاري (٩/ ٢٥٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢١، ١٢٢، ١٤٣٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥١٩٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٩٤)

[4] صحيح الترمذي، رقم الحديث (٢٩٥) صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٠٥٧)

جبکہ سنن کبریٰ نسائی اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ اس عورت کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو جبکہ وہ اپنے شوہر سے مستغنی نہیں ہوسکتی (یعنی شوہر کے بغیر کسی کام کی نہیں ہے)۔''

شوہر کو تکلیف دینے والی عورت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''کوئی عورت جب اپنے شوہر کو اذیت پہنچاتی ہے تو جنت کی حوروں میں سے اس کی بننے والی بیوی کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے، اسے اذیت و تکلیف نہ پہنچاؤ، یہ تو تمھارے پاس چند روزہ مہمان ہے، جو تمھیں چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے۔''[1]

عورت کو شوہر کے حقوق کا خیال رکھنے کی نبی اکرم ﷺ نے اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''کسی عورت کے لیے یہ حلال نہیں کہ اس کا شوہر موجود ہو اور وہ اس کی اجازت کے بغیر [نفلی] روزہ رکھے اور کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے جس کے بارے میں اس کے شوہر کی طرف سے اجازت نہ ہو اور شوہر کی اجازت کے بغیر وہ جو کچھ خرچ کرے گی اس کا آدھا ثواب اس کے شوہر کو دیا جائے گا۔''[2]

البتہ فرض روزے بغیر اجازت ہی رکھے جائیں گے، کیونکہ وہ اللہ کا حق ہیں جو بندوں کے حق پر مقدم ہے اور خود نبی مکرم ﷺ نے بھی بعض روایات کی رو سے « إلّا رمضان »، « غير رمضان » اور « غير شهر رمضان » کے الفاظ میں اس بات کی صراحت فرما رکھی ہے۔[3]

جو عورت اپنے شوہر کے حقوق کا خیال رکھنے والی اور اس کی اطاعت گزار ہو، صحیح ابن حبان، مسند احمد، معجم طبرانی کبیر اور حلیۃ الاولیاء ابونعیم کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ایسی پاکباز عورت کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے:

''عورت جب پنج گانہ نماز کی پابند ہو اور بدکاری سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھے اور اپنے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠٩٤) صحيح الجامع، رقم الحديث (٧١٩٢)

[2] صحيح البخاري (٩/ ٢٥٩، ٢٦٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٢٦) صحيح الجامع (٧٦٤٧)

[3] سنن أبي داود، سنن الترمذي، ابن حبان، ابن خزيمة، مسند أحمد، بحواله صحيح الترغيب، رقم الحديث (١٠٥٢) صحيح الجامع، رقم الحديث (٧٦٤٧)

خاوند کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے [بخوشی] داخل ہو جائے۔‘‘[1]

بیوی کے فرائض یا شوہر کے حقوق میں سب سے اہم چیز خاوند کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ہے، جیسا کہ ہم نے قرآنِ کریم اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے حوالے سے واضح کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حقوق و فرائض کے اس پہلو کی تمام جزئیات اسی ایک کلی میں آجاتی ہیں، کیونکہ اطاعت شعاری کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی اجازت ومشورے کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالے۔ جہاں جانا عقل و دین ہر دو اعتبار سے ضروری ہو، وہاں جانا ہی پڑتا ہے، مگر ایسے میں بھی وہ من مانی کا رویہ نہ اپنائے، بلکہ باہمی افہام وتفہیم سے کام لے، تاکہ اگر وہ خود ساتھ نہیں چل سکتا تو کم ازکم برضا و رغبت اسے جانے کی اجازت دے دے۔ اس طرح جہاں اللہ راضی ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کا ثواب ملے گا، وہیں خود ان کا اپنا گھریلو ماحول بھی خوشگوار رہے گا اور ایک کو دوسرے کے خلاف شکایت کا موقع نہیں رہے گا۔ اگر شوہر کسی جگہ جانے سے روکتا ہے اور اس کا روکنا عقلاً، شرعاً اور اخلاقاً صحیح بھی ہے تو عورت کو بلا وجہ ہٹ دھرمی اور ضد سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایسے ہی خاوند کے مال میں ناجائز تصرف بھی نہیں کرنا چاہیے، ہاں بعض ایسے امور بھی ہیں جن میں اجازت کا غالب امکان و احتمال ہوتا ہے، مثلاً کسی گداگر، فقیر اور بھکاری کو کچھ دے دینا وغیرہ، ایسے امور میں مضائقہ نہیں۔

عورت کو چاہیے کہ ہر اس کام سے باز رہے جو خاوند کو ناراض کرنے والا ہو اور ہر اس کام کی جستجو کرے جو اس کی خوشنودی کا باعث ہو۔ ہر بیوی کو اپنے شوہر کی طبیعت کا علم تو ہوتا ہی ہے کہ اسے کون کون سے امور ناگوار ہیں اور کون کون سے خوشگوار لگتے ہیں۔ لہٰذا جو عورت بھی شریعت کے ان مطلوبہ اوصاف کی مالک ہوگی، وہ اپنی آخرت سنوارنے کے ساتھ ساتھ اپنی دنیاوی زندگی کو بھی خوشیوں کا گہوارہ بنا لے گی اور اس کا شوہر بھی اسے رفیقۂ حیات بنائے رکھنے میں سکون وقرار پائے گا۔ شادی بیاہ کی مشروعیت کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ ہر دو میں محبت والفت کی

---

[1] صحيح ابن حبان، مسند أحمد، رقم الحديث (١٥٧٣) مشكاة المصابيح (٢/ ٩٧٢) صحيح الجامع، رقم الحديث (٦٦٠)

فضا قائم ہو اور فعلِ حرام کے ارتکاب سے بچیں۔ ہر دو میں اخلاقی اقدار بڑھیں اور خیر سگالی کا جذبہ جنم لے اور میاں بیوی باہم راحت و سکون پائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت روم (آیت: ۲۱) میں فرمایا ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت و رحمت پیدا کردی، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' یعنی دانشمندوں کے لیے ان کے رب کی طرف سے نشانیاں ہیں۔

اسی طرح سورت اعراف (آیت: ۱۸۹) میں فرمایا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ﴾

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔''

ان کے درمیان اس ذات نے پیار و محبت رکھ دی، یعنی اللہ نے مرد اور عورت دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لیے جو جذبات اور کشش رکھی ہے، فطرت کے یہ تقاضے وہ جوڑا بن کر پورے کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے قرب حاصل کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جو پیار میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے وہ دنیا میں کسی اور رشتے کے ساتھ نہیں ہوتا۔

کنواری لڑکیوں سے شادی:

مطلقہ اور بیوہ لڑکی سے بھی شادی کی جاسکتی ہے، بلکہ یہ سنتِ رسول ﷺ ہے، تاہم نبی مکرم ﷺ نے کنواری لڑکی سے شادی کرنے کی رغبت دلائی ہے اور کنواری لڑکیوں سے شادی کے کئی فوائد بھی گنوائے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم کنواری لڑکیوں ہی سے شادی کرو، کیونکہ ان کا منہ نہایت شیریں، ان کا رحم کثرتِ

اولاد کے لائق اور وہ بہت کم مکر وفریب کرنے والی اور تھوڑے سے اخراجات وغیرہ پر خوش ہونے والی ہوتی ہیں۔''[1]

مراجعِ درس

1. شوہر و بیوی کے حقوق وفرائض؛ اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ
2. حقوق الزوجین۔ حافظ صلاح الدین یوسف۔ دار السلام

---

[1] سنن ابن ماجه و سنن البيهقي، المعجم الأوسط (٧/ ٣٤٤) رقم الحديث (٧٦٧٧) الأحاديث المختاره للضياء المقدسي، صحيح الجامع، رقم الحديث (٤٠٥٣) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (٦٢٤)

حقوق الزوجین
② بیوی کے حقوق وفرائض

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾ [البقرة: ٢٢٨]

''اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے ویسے ہی رواج کے موافق عورتوں کا بھی حق مردوں پر ہے اور مردوں کا مرتبہ عورتوں سے زیادہ ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔''

حقوق وفرائض کے سلسلے میں سب سے بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ کسی فرد کے جو حقوق ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے کے فرائض ہوں گے اور ایک شخص کے فرائض کسی دوسرے کے حقوق بنتے ہیں۔ مثلاً میاں بیوی ہی کو لے لیجیے۔ بیوی کو جو حقوق حاصل ہیں وہ اس کے شوہر کے فرائض میں شامل ہیں اور جو حقوق شوہر کے ہوں گے وہ بیوی کے فرائض شمار کیے جاتے ہیں اور پھر ان میں باہمی توازن ہی خوشگوار زندگی اور خوشحال گھریلو ماحول کا ضامن ہوسکتا ہے۔

عورت کی تقدیس اور احترام کے حوالے سے نبی مہرباں ﷺ نے ہماری مکمل راہنمائی فرمائی ہے۔ بیوی کے حقوق کیا ہوتے ہیں؟ کس موقع پر اس سے کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ اس کے ساتھ کس طرح کا طرزِ معاشرت ہو؟ نبی اکرم ﷺ نے عملی طور پر ان حقوق کو ادا کرنے کی راہ ہمیں سکھلائی ہے۔ ازدواجی رشتے کو استحکام دینے اور خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے خاوند و بیوی کے حقوق وفرائض کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ میاں و بیوی اگر ان حقوق کا خیال رکھیں تو ان کی زندگی میں ہمیشہ بہار کا سماں رہے گا، کیونکہ اسلام سے پہلے قوموں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ مرد اور عورت دونوں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کا ازدواجی تعلق

انسانی معاشرے کی بنیاد ہے۔

ایسی حالت میں نبی کریم ﷺ سراپا رحمت بن کر آئے، آپ ﷺ نے دور رس اصلاحات کیں اور دنیا کو یہ درس دیا کہ کس طرح ہمہ وقت اور ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود ازدواجی زندگی خوش گوار بنائی جاسکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا بنیادی عنصر عورتوں کا احترام تھا۔ آپ ﷺ نے عین جوانی کے عالم میں ڈھلتی عمر کی بیوہ سے شادی کی، جنھیں ام المومنین خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ ان کی زندگی میں آپ ﷺ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو امہات المومنین کہنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت کے رشتے کو کس قدر مقدس بنا دیا گیا ہے۔ خواتین میں سے نبی کریم ﷺ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو مقام حاصل کیا، اسی کی بنیاد پر انھیں جنت کی عورتوں کی سردار قرار دیا گیا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء جب نبی اکرم ﷺ سے ملنے کے لیے آتیں تو آپ ﷺ اٹھ کر ان کا استقبال کرتے اور آگے بڑھ کر ان سے ملتے۔ اسلام نے عورت کو بیوی کی حیثیت میں بہت سے حقوق سے نوازا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

”ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دبدبے کے باوجود ان کی زوجہ نے ان سے کسی معاملے میں اختلاف کیا، تو انھوں نے برہم ہو کر کہا: تجھے میرے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ بیوی نے یہ سن کر کہا: میرے اختلاف سے آپ کو تعجب ہوا، حالانکہ آپ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا رسولِ اکرم ﷺ سے اختلاف کرتی ہے اور بعض اوقات نبی کریم ﷺ اس اختلاف کی وجہ سے دن بھر ناراض رہتے ہیں۔“[1]

اسی دوران میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کا آپس میں اختلاف ہو رہا تھا، ایک اعرابی اپنی بیوی کی شکایت لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر آ رہا تھا، جب انھوں نے اندر سے آواز سنی کہ یہاں تو امیر المومنین کا اپنی بیوی ہی سے کسی بات پر اختلاف ہو رہا ہے تو وہ واپس چل دیا، اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے باہر نکلے، دیکھا کہ کوئی آدمی آیا تھا اور ملے بغیر جا رہا ہے تو

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩١٣)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی: بھائی! بات کہے بغیر کیوں جا رہے ہو؟ تو اس نے کہا: میں تو اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا تھا، (مگر آپ کی اہلیہ کی آواز سن کر خاموش پلٹ گیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”ایمان داروں میں ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے اچھے ہیں اور تم میں بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے بہتر ہیں۔“[1]

بیوی بھی کبھی گھر کے کام کاج کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے تو کبھی کبھی ان کی بات بھی سن لینی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی دلجوئی کے لیے ان کے گھر کے کام کاج میں تعاون اور ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے، مثلاً: اپنے کپڑے خود دھو لیتے تھے، پیوند خود لگا لیتے تھے، بکری کا دودھ دوھ لیتے تھے، اپنی اونٹنی خود باندھتے تھے، خادم کے ساتھ ایک برتن میں کھانے میں کوئی تکلیف نہیں تھی، اپنے گھر کی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، یعنی خود تکلیف برداشت کر لیتے تھے، لیکن دوسروں کا خیال رکھتے تھے۔

مسلمان بیوی خوش قسمت ہے کہ اس کے سامنے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن جیسی بے مثال خواتین کی مثالیں موجود ہیں، یہ نہ صرف مثالی خواتین تھیں بلکہ مثالی بیویاں بھی تھیں۔

اب آیئے! انسانی معاشرے کی ان دو اہم اکائیوں کے حقوق و فرائض کا اللہ کی کتاب قرآن کریم کی روشنی میں جائزہ لیں، چنانچہ سورت بقرہ (آیت: ۲۲۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾

”عورتوں کے لیے معروف طریقے پر وہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ [فوقیت] حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔“

نیک عورت کے اوصاف:

سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٦٢)

﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾

''(جو لوگ اللہ کے آگے سرِ اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور متقی مرد اور متقی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لیے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

اسی طرح حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے میری پھوپھی نے بیان کیا کہ ایک دن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم کون ہو؟ کیا تم شوہر والی ہو؟ تمھارا خاوند زندہ ہے؟'' وہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس کے لیے کیسی ہو؟'' میں نے جواب دیا: اس کی اطاعت و خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتی سوائے اس کے کہ کسی کام سے عاجز آ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خوب سوچ لو، کیونکہ:

«فَاِنَّهٗ جَنَّتُكِ وَ نَارُكِ» [1] ''وہی تمھارے لیے جنت ہے اور وہی تمھاری جہنم ہے۔''

اسی بات کی مزید وضاحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشاداتِ گرامی میں بھی موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب نیک بیوی کے اوصاف پوچھے گئے تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اوصاف بیان فرمائے، چنانچہ نسائی شریف اور شعب الایمان بیہقی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا:

---

[1] مسند أحمد (٤/ ٣٤١)

((أَيُّ النِّسَآءِ خَيْرٌ؟)) ”عورتوں میں سے بہتر اور نیک بیوی کونسی ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”① وہ عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے [اپنے اندازِ دلربائی سے] خوش کردے ② اور جب وہ اسے کسی کام کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے ③ اور وہ اپنے نفس [گوہرِ عصمت] ④ اور اس کے مال میں کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے جسے اس کا خاوند ناپسند کرتا ہے۔“[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”چار چیزیں ایسی ہیں جسے وہ مل گئیں اسے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں دستیاب ہوگئیں: ① شکرگزار دل ② ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے والی زبان ③ مصیبت کے وقت صبر کرنے والا بدن ④ ایسی بیوی جو اپنے نفس یا عصمت اور شوہر کے مال میں بغاوت کرنے والی نہ ہو۔“[2]

اسی مفہوم کی کئی دیگر احادیث بھی مروی ہیں، مثلاً ایک ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

”کسی مومن نے اللہ کے تقوے کے بعد نیک بیوی سے اچھی کوئی نعمت نہیں پائی جسے وہ ① حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔ ② جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے۔ ③ جب وہ اسے قسم دے تو وہ اسے سچا کر دکھائے۔ ④ جب وہ اس سے غائب ہو تو وہ اپنے نفس و عصمت ⑤ اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔“[3]

نیک عورت کی ذمہ داریوں اور آدابِ زوجیت میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی عورت اور ایسے ہی کوئی مرد اپنے باہمی رازوں کو دوسروں کے سامنے افشا نہ کریں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے میاں بیوی کے باہمی زن وشو کے تعلقات کی خبر دوسروں کو پہنچانے سے منع فرمایا ہے، بلکہ اسے ایک شیطانی حرکت قرار دیا ہے۔[4]

---

[1] صحيح سنن النسائي للألباني، رقم الحديث (٣٠٣٠) شعب الإيمان للبيهقي و قال الألباني: إسناده حسن، مشكاة المصابيح (٢/ ٩٧٦) رقم الحديث (٣٢٧٢)

[2] شعب الإيمان للبيهقي، مشكاة المصابيح، رقم الحديث (٣٢٧٣)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٨٥٧) السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٤٤٢١)

[4] مسند أحمد و صححه الألباني في آداب الزفاف (ص: ١٤٤)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس سے ملتی ہے اور پھر یہ اپنی بیوی کے رازوں کو افشا کرتا پھرتا ہے۔''[1]

عورت کی مملکت، اس کا تاج محل بلکہ شیش محل وہ گھر ہے جہاں وہ زندگی بسر کرتی ہے۔ اسے اسی میں رہنا چاہیے اور بلا ضرورت وہاں سے نکل کر سڑکوں، بازاروں یا دفتروں کے چکر نہیں کاٹنے چاہییں، چنانچہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾

''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت (کے دنوں) میں اظہارِ تجمل کرتی تھیں، اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکات دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے (پیغمبر کے) اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دُور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے۔''

سیدنا ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، کوئی عورت اس وقت تک اپنے رب کا حق ادا نہیں کرسکتی، جب تک اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرلے۔''[2]

یعنی عورت اگر صرف نماز روزے کا اہتمام کرتی رہے گی اور اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرے گی، تو اس کی نجات نہیں ہوگی۔ ان احادیث میں مذکور اوصاف سن لینے کے بعد جو عورت محسوس کرے کہ اس میں یہ خوبیاں نہیں ہیں، وہ یقین کرلے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے نزدیک وہ نیک عورت یا نیک بیوی نہیں ہے اور ساتھ ساتھ ہی اپنی اصلاح کی بھی فکر کرے۔

میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کو سامنے رکھیں اور خامیوں اور کوتاہیوں کو نظر

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۴۳۷)

[2] سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، رقم الحديث (۱۸۵۳)

انداز کریں، کیونکہ کچھ نہ کچھ خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں، اسی طرح کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ اگر نظر خوبیوں پر رہے تو خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ دونوں بیک وقت غصے کا مظاہرہ نہ کریں، ایک فریق ہر صورت میں تحمل اور برداشت سے کام لے۔ مرد کو خاص طور پر زیادہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صنفِ نازک کو صنفِ نازک ہی سمجھے، اسے اپنی شفقت، پیار ومحبت کا مستحق ہی سمجھے۔ اسے اپنا حریف اور مقابل ہرگز نہ سمجھے اور ایک دوسرے کے خلاف جلی کٹی نہ کہیں۔

ایک دوسرے سے تیز گفتار اور سختی سے پیش نہ آئیں، بلکہ نرم گفتاری اور نرمی ہی کو معمول بنائیں۔ کوئی غصے والی بات ہو جائے تو اسے بڑھنے نہ دیں، اولین فرصت میں اسے ختم کرلیا جائے۔ چنگاری کو شعلہ بنتے دیر نہیں لگتی، عقل مندی یہی ہے کہ چنگاری کو شعلہ نہ بننے دیا جائے، ورنہ ہنستا بستا گھر اجڑ سکتا ہے۔

گھر میں اور گھر سے باہر شرعی پابندی کا اہتمام کریں۔ زبان کی حفاظت کریں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں، لیکن زبان کے زخم نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ پہلے دل کو گھائل کرتے ہیں اور پھر گھر کی بربادی اور اولاد کی تباہی کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ بلکہ انھیں چاہیے کہ یہ دونوں مل کر ان کی حفاظت اور تربیت کریں، تاکہ وہ ثمر دار درخت بن کر ان کے لیے گھنی چھاؤں کا کام بھی دیں اور ان کے لیے بڑھاپے میں سہارا بھی بنیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں، ایک دوسرے کی عزت ہیں، ایک کی عزت میں کمی دونوں کے لیے نقصان کا باعث ہے، ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے۔

عورت خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے:

اسلام نے خود عورت کے تحفظ اور اس کے گوہرِ عصمت کی حفاظت کے پیشِ نظر اسے اپنے گھر میں رہنے کا حکم دیا ہے، لیکن اگر کسی ضرورت ومجبوری کے تحت گھر سے نکلنا ہی پڑے تو اس کی بعض شرائط اور کچھ آداب ہیں، جن کو پیشِ نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ انھی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کستوری وعنبر اور عود ویاسمین وغیرہ کوئی خوشبو لگا کر گھر سے نہ نکلے، کیونکہ علامہ ذہبی نے ”کتاب الکبائر“ میں اسے اُن افعال میں شمار کیا ہے جو کبیرہ گناہ ہیں اور جن پر عورت لعنت کی سزاوار قرار

پاتی ہے۔ اسے بھی اس تبرّج اور بے پردگی اور بناؤ سنگھار دکھلاتی پھرنے کا ایک حصہ بتایا گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں سخت ناراض ہوتا ہے۔[1]

گھر سے نکلتے وقت عورت کے خوشبو لگانے کی سخت ممانعت ہے، جس کا پتا کئی صحیح احادیث سے چلتا ہے، جن میں سے پہلی مسند احمد میں صحیح سند سے وارد ہوئی ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جو عورت عطر و خوشبو [پرفیوم] لگا کر گھر سے باہر نکلے تاکہ لوگوں کو اس کی مہک پہنچے تو ایسی عورت زانیہ اور بدکار ہے۔''[2]

دوسری حدیث سنن ابن ماجہ میں مروی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جو عورت خوشبو لگا کر مسجد جائے، اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ غسل [کرکے اسے زائل] نہ کرلے۔''[3]

جبکہ تیسری حدیث صحیح مسلم میں ہے جس میں ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے:

''جو عورت عود کا بخور [خوشبو استعمال] کرے وہ نمازِ عشاء کی جماعت کے لیے ہمارے ساتھ شریک [حاضرِ مسجد] نہ ہو۔''[4]

اندازہ فرمائیں! جب مسجد جانے والی عورت کے لیے یہ ممنوع ہے تو بازار یا کسی عام مخلوط پارٹی میں جانے والی عورت کے لیے یہ کیسے جائز ہوگی؟ جب اس خوشبو کو لگا لینے والی عورت کو نماز کے لیے مسجد میں آنے سے روک دیا گیا ہے تو کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت کیسے ہوگی؟

خواتین کو اس پہلو پر بھی خاص توجہ دینی چاہیے اور خصوصاً پہلی حدیث کے الفاظ کو دل و دماغ پر نقش کر لینا چاہیے۔ ہاں ایک چیز کی اجازت دی گئی ہے اور وہ ہے میک اپ کا وہ سامان جس کا صرف رنگ نظر آئے مہک نہ اٹھے، کیونکہ سنن ترمذی و نسائی کی ایک صحیح حدیث میں ہے:

''مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی مہک تو پھوٹے مگر اس کا رنگ ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: كتاب الكبائر للذهبي و حجاب المرأة المسلمة للألباني.

[2] مسند أحمد، صحيح الجامع، رقم الحديث (۲۷۰۱)

[3] سنن ابن ماجه، صحيح الجامع، رقم الحديث (۲۷۰۳)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٤٤)

خوشبو وہ ہے جس کا رنگ تو نظر آئے [بے مہک غازہ و پاؤڈر، لپ اسٹک وغیرہ] مگر اس کی مہک نہ پھوٹے۔"[1]

مثالی بیوی کا انتخاب:

قرآن کریم سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۲۱) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَ يُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾

"اور (مومنو!) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں (اُن سے) نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تمھیں کیسی ہی بھلی لگے اس سے مومن لونڈی بہتر ہے اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ مشرک (مرد) خواہ وہ تمھیں کیسا ہی بھلا لگے (اُس سے) مومن غلام بہتر ہے یہ (مشرک، لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

ہر انسان بلوغت کو پہنچنے کے بعد اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہے کہ اس کا کوئی ہم سفر، رازدان اور خلوت وجلوت کا ساتھی ہو، جس سے وہ جسمانی اور روحانی سکون حاصل کر سکے۔ یہ ایک انسانی فطرت بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [الروم: ۳۰]

"یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔"

---

[1] سنن الترمذي وسنن النسائي، صحيح الجامع، رقم الحديث (۳۹۳۷)

جو معاشرہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اس اصولِ فطرت سے انحراف کرنے کی کوشش کرے گا، وہ نہ صرف خود کو ہلاکت میں ڈالے گا بلکہ سارے انسانی معاشرے کے لیے ایک ناسور بن جائے گا۔ کچھ لوگوں نے یہ کوشش کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اس اصول سے راہِ فرار اختیار کریں، لیکن نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا اور یہ واضح فرما دیا کہ جو شخص میری سنّت کو ٹھکرا کر اپنے وضع کردہ اصول کی پابندی کرے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تین آدمی رسولِ اکرم ﷺ کی بیویوں کے پاس آپ ﷺ کی عبادت کا حال دریافت کرنے کے لیے آئے۔ جب انھیں آپ ﷺ کی عبادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے اس کو بہت تھوڑا تصور کیا، پھر انھوں نے آپس میں کہا: ''ہمارا رسول اللہ ﷺ سے کیا مقابلہ؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے گناہ بخش دیے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: ''میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔'' دوسرے نے کہا: ''میں زندگی بھر روزہ رکھوں گا، کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا۔'' تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔'' پھر آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا:

''کیا تم لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں، تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ رکھنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بیاہ بھی کرتا ہوں۔''

''آخر میں فرمایا:

((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))[1]

یاد رکھو! جو میری سنّت اور طریقے سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں ہے۔''

ثمراتِ نکاح:

شادی بیاہ محض نفسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ ہی نہیں، بلکہ اس کے متعدد ثمرات و برکات بھی ہیں۔ مثلاً:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٠٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٠١)

❶ شادی میں نسلِ انسانی کی بقا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ﴾

[النحل: ٧٢]

''اللہ نے تمھارے جوڑے بنائے اور تمھارے ان جوڑوں سے بیٹے اور پوتے بنائے۔''

ایسی ہی بات سورۃ النساء کی پہلی آیت میں بھی ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''تم زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچوں کو جنم دینے والی عورتوں سے شادی کرو، کیونکہ روزِ قیامت دیگر امتوں کے مقابلے میں مجھے اپنی امت کی کثرتِ تعداد پر فخر ہوگا۔''[1]

❷ شادی کی بدولت آدمی کی آنکھیں اور شرم گاہ محفوظ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرلے، کیونکہ یہ نظر کو جھکانے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو شادی کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ کثرت سے روزے رکھے، کیوں کہ یہ اس کے لیے گناہ سے بچاؤ کے لیے ڈھال ہے۔''[2]

❸ اس میں روحانی ونفسانی سکون ہے، جیسا کہ سورۃ الروم (آیت: ۲۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾

''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھاری ہی جنس کے تمھارے جوڑے بنائے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور مہربانی ڈالی۔''

شادی کے مذکورہ فوائد وثمرات اور فضائل و برکات کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ آدمی نیک بیوی کا انتخاب کرے اور رسول اللہ ﷺ نے نیک بیوی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

''اگر وہ اسے حکم دیتا ہے تو اس کی اطاعت کرتی ہے، اگر اس کی طرف دیکھتا ہے تو اسے خوش کردیتی ہے اور جب وہ اس سے غیر حاضر ہوتو اس کے مال کی بھی حفاظت

---

[1] سنن أبي داود، سنن النسائي، صحيح الجامع، رقم الحديث (٢٩٤٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٠٥، ٥٠٤٤) و صحيح مسلم، سنن أبي داود، سنن الترمذي و سنن النسائي، سنن ابن ماجه، صحيح الجامع، رقم الحديث (٧٩٧٥)

کرتی ہے اور اپنی آبرو کی بھی۔‘‘[1]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شادی کے وقت نیک و صالح بیوی کا انتخاب کریں، اگر وہ غریب وفقیر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کردے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہوتو اس سے نکاح کرا دو۔‘‘ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔[2]

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: کسی عورت سے ان چار چیزوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے:

① مال کی وجہ سے۔ ② حسب ونسب کی وجہ سے۔

③ حسن و جمال کی وجہ سے۔ ④ دین کی وجہ سے۔

لیکن تم دین والی عورت سے نکاح کرنا، تمھارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (دین کو چھوڑ کر کہیں باقی تین چیزوں کے پیچھے نہ بھاگتے رہنا)۔‘‘[3]

اس حدیثِ مبارک سے معلوم ہوا کہ کامیاب زندگی اسی شخص کی ہوگی جس کے گھر میں دین دار بیوی آجائے اور وہی بچوں کی صحیح تربیت میں معاون ہوگی۔ علامہ محمد مہدی استنبولی فرماتے ہیں:

’’اس کی وجہ یہ ہے کہ دین دار خواتین کبھی خواہشات کے پیچھے چلنا پسند کرتی ہیں نہ اپنے نفس کے فریب میں مبتلا ہوتی ہیں۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ، وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ»[4]

’’یہ دنیا ایک مال ومتاع ہے اور دنیا کا بہترین مال ومتاع نیک عورت ہے۔‘‘

گویا نیک بیوی دنیا کی سب سے قیمتی اور انمول دولت ہے۔ جبکہ ایک حدیث میں نبی رحمت ﷺ

---

[1] سنن النسائي، مسند أحمد، مستدرك حاكم، صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٢٩٨)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠٨٥) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٩٦٧)

[3] صحيح البخاري و مسلم، سنن أبي داود، سنن النسائي، سنن ابن ماجه، صحيح الجامع (٣٠٠٣)

[4] صحيح مسلم، كتاب الرضاع (٢٦٦٨) سنن النسائي، مسند أحمد، جامع الصغير (٤٢٧٩)

نے نیک بیوی حاصل کرنے کی خوب ترغیب دلائی ہے اور نیک بیوی کو نبی مکرم ﷺ نے سعادت کا باعث قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث میں نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

''چار چیزیں انسان کی خوش نصیبی کی علامتیں ہیں: نیک عورت، کشادہ اور بڑا مکان، اچھا پڑوسی، بہترین سواری۔'' اسی حدیث میں آگے فرمایا ہے:

''چار چیزیں بدنصیبی کی علامتیں ہیں: بُری عورت، تنگ مکان، بُرا پڑوسی اور سست سواری۔''[1]

ان احادیث کے علاوہ بہت ساری صحیح احادیث انسان کو نیک بیوی کے انتخاب کی دعوت دیتی ہیں، ساتھ ہی خواتین یعنی حوا کی بیٹیوں کو ان احادیث میں نیک بننے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اس لیے ان تحریروں کو صرف پڑھنے اور ان دروس کو صرف سننے کی حد تک محدود نہ رکھا کریں، بلکہ ان پر عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ مائیں مستقبل کے سپوتوں کی صحیح تربیت کرسکیں اور ان کی گود سے اسلام کے جانباز سپاہی، دین کے بے لوث خادم اور دینِ اسلام کے سچے وارث پیدا ہوسکیں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اسلام نے حسن و جمال، مال داری اور حسب و نسب کو نظر انداز کردیا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ اسلام نے تو حسب ونسب کا پورا خیال رکھا ہے۔ حسن و جمال اور مال داری کا بھی ذکر کیا ہے، مگر ان چاروں میں سے دین داری کو ترجیح دی ہے۔

اگر کسی کو یہ چاروں چیزیں مل جائیں تب تو وہ دنیا کا بڑا خوش نصیب انسان ہوگا، ورنہ دین داری کو سرِ فہرست رکھنا چاہیے۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۰۱) میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

''اور بعض ایسے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔''

اس زمانے کی عورتوں کو، خصوصاً ماڈرن ازم کی طرف مائل مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں کو جو اپنی من مانی کیا کرتی ہیں، شوہروں کی نافرمان ہیں، بلکہ ان پر حکومت کرنا چاہتی ہیں، آزادی اور حقوقِ نسواں کے نام پر شتر بے مہار کی طرح اندر باہر آتی جاتی رہتی ہیں، انھیں

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الطب، رقم الحديث (٥٣١٢) صحيح مسلم، كتاب السلام (٤٢١٨)

پردے کی کوئی پروا نہیں، انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس دن (قیامت) سے آگاہ اور خبردار ہو جانا چاہیے جو دن بچوں کو دور کر دے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب خاوند بیوی کا انتخاب کرتا ہے تو اس سے پہلے یہ نہ پوچھا جائے کہ ہونے والی بیوی کس کالج اور درس گاہ سے فارغ ہے بلکہ یہ معلوم کیا جائے کہ اس کی پرورش کس گھرانے میں ہوئی ہے؟ ایسی لڑکی سے نکاح کیا جائے جس کی ماں نیک و صالح ہو اور اچھے اخلاق کی مالک ہو۔ نیک بیوی کی پہچان کرواتے ہوئے قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [النساء: ٣٤]

''تو جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور اُن کی پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔''

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''﴿صَالِحَاتُ﴾ سے مراد نیک عورتیں ہیں۔ ﴿قَانِتَاتٌ﴾ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں اور ﴿حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سدی اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں خود اپنے نفس اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔''[1]

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، تو قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جا۔''[2]

سنن کبریٰ نسائی تاریخ دمشق ابن عساکر، حلیۃ الاولیاء ابونعیم، معجم طبرانی کبیر و اوسط و صغیر اور مسند احمد کی ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی عورت کی پہچان کرواتے ہوئے فرمایا:

''تمھاری وہ عورتیں جنتی ہیں، جو محبت کرنے والی ہیں، زیادہ بچے جننے والی ہیں، جو اپنے

---

[1] تفسير ابن كثير (١/ ٧٤٣)

[2] مسند أحمد، رقم الحديث (٥٧٣) صحيح الجامع، رقم الحديث (٦٦٠)

شوہروں کی طرف بار بار لوٹ کر آتی ہیں اور جب ان کا شوہر ناراض ہو جاتا ہے تو اپنے شوہر کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ کر کہتی ہیں: اے میرے سرتاج! جب تک آپ مجھ سے راضی نہیں ہو جائیں گے میں پلک نہیں جھپکاؤں گی، یعنی ذرہ برابر بھی آرام نہیں کروں گی۔''[1]

عورت کو چاہیے کہ ہر اس کام سے باز رہے جو خاوند کو ناراض کرنے والا ہو اور ہر اس کام کی جستجو کرے جو اس کی خوشنودی کا باعث ہو تاکہ میاں بیوی باہم راحت وسکون پائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت اعراف (آیت: ۱۸۹) میں فرمایا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ﴾

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔''

ایک واقعہ:

تمام والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر کے لیے نیک بہو اور اپنی اولاد کے لیے صابرہ وشاکرہ اور ایمان دار بیوی کا انتخاب کریں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں رات کے وقت گشت کررہے تھے، پیدل چلتے ہوئے جب آپ کو کچھ تھکان محسوس ہوئی تو ایک دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، ابھی آپ بیٹھے ہی تھے کہ اسی دوران میں ایک آواز سنائی دی، ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھو! اور دودھ میں پانی ملا دو۔ بیٹی نے جواب دیا: اماں جان! کیا آپ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان نہیں سنا کہ اب دودھ میں کوئی شخص پانی نہیں ملائے گا؟ ماں نے کہا: بیٹی! اٹھو اور دودھ میں پانی ملا دو، اس وقت تم ایسی جگہ ہو جہاں تمھیں عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں اور نہ ان کا کوئی نمائندہ دیکھ رہا ہے۔

بیٹی نے کیا جواب دیا؟ اللہ کی قسم! سونے کے تاروں سے الفاظ لکھ دیں، تب بھی کم ہیں۔ اللہ اکبر! بیٹی جواب دیتی ہے: قسم ہے اللہ کی! ہم بھرے ہوئے مجمع میں تو ان کی فرمانبرداری کریں اور تنہائی میں نافرمانی کریں، لہٰذا اماں جان یہ مجھ سے کبھی نہیں ہوگا، یعنی میں دودھ میں پانی ہرگز

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، رقم الحديث (٢٨٧)

نہیں ملاؤں گی۔ بے شک ہمیں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں دیکھ رہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رب تو دیکھ رہا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رب، رب العالمین ہے اور وہ ذاتِ پاک "اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، وَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ" ہے اور وہ "اَللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ" بھی ہے۔

اللہ اکبر! جب مائیں ایسی ہوں گی تو بچے بھی ان شاء اللہ نیک اور صالح پیدا ہوں گے۔ جب صبح ہوئی تو امیر المومنین نے ایک قاصد بھیجا کہ اس گھر بار کی معلومات حاصل کریں اور اس بیٹی کے لیے اپنے بیٹے عاصم کی طرف سے شادی کا پیغام بھیجا اور پھر آگے چل کر اس میاں بیوی کی نسل سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت پیدا ہوئی۔[1]

دیکھا آپ نے نیک و صالح بیوی کے انتخاب کا کتنا بڑا فائدہ ہے۔ امیر المومنین نے اپنے گھر کے لیے کسی شاہی گھرانے سے بہو لانے کا فیصلہ نہیں کیا، بلکہ امانت و دیانت اور شرافت و عصمت کو ترجیح دی، اس لیے کہ ماں کی تاثیر اولاد میں پائی جاتی ہے۔ زمین جو زرخیز ہوگی تو فصلیں بھی اچھی ہونگی، کیونکہ اسلام نے عورت کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے، اس لیے جب گھر میں بیوی نیک و صالح ہوگی تو اس گھر میں اولاد بھی صالح ہوگی، بلکہ نیک بیوی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے ایک انعام اور نوازش ہے۔

مگر افسوس آج کے والدین کی آنکھوں پر دولت کی حرص نے پردہ ڈال رکھا ہے، ان کا معیار صرف حسن و جمال اور دولت و مال ہی رہ گیا ہے۔ حسب و نسب اور دین داری کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کاش والدین اپنے بچوں کی شادی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُس معیار کو اپناتے جس میں انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی اور اپنے دروازے کی دہلیز کو ثابت و مضبوط رکھنے کا حکم دیا تھا، کیونکہ نیک و صالح بیوی ہی کو گھر کی دہلیز کہا گیا ہے۔

لڑکی اگر شریف گھر سے ہوگی تو اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنے شریفانہ کردار کو باقی رکھے گی۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"تم کُوڑے کی سبزی سے بچو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کُوڑے کی

---

[1] سيرة عمر بن عبد العزيز لابن الجوزي (ص: ١٠)

سبزی سے پچنا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حسین عورت جو بد اصل ہو، یعنی کردار کی صحیح نہ ہو اور نہ اس کا حسب ونسب ہی اچھا ہو۔''[1]

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے اپنے لڑکوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا:

''میرے بچو! شادی کرنے والا پودا بونے والے کی طرح ہے، ہر شخص غور کرے کہ وہ اپنا بیج کہاں بو رہا ہے، کیونکہ بد اصل عورت سے شریف اولاد کم ہی پیدا ہوتی ہے، اس لیے تم اچھی عورت تلاش کرو اگرچہ کہ اس میں دیر ہی کیوں نہ لگے۔''[2]

بہترین عورت:

ہر مسلمان عورت کی تمنا ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین اور معزز خواتین میں شامل ہو جائے۔ اس تمنا کی تکمیل کا کیا طریقہ ہے اور بہترین عورتوں کی صفات کیا ہیں؟

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ، حقیقی سعادت مندی اور دائمی خوش بختی تلاش کرنے والی ہر عورت کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ ہر وہ عورت جو دنیوی زندگی کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حضور قلبِ سلیم کے ساتھ لوٹنا چاہتی ہے، جو سالہا سال سے دکھوں اور غموں کا شکار ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اور جو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی متلاشی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس کے لیے بھلائی کا یہی راستہ ہے:

- بہترین عورت وہ ہے جو اپنے خاوند کو یہ احساس دلا دے کہ وہ اس کے نزدیک بہت عظیم ہے اور اسے اپنے خاوند کی اسی طرح ضرورت ہے جیسے (زندہ رہنے کے لیے) اسے کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔
- افضل عورت وہ ہے جو اپنے خاوند کے حقوق کی پاسداری کرے اور اسے اس کے لیے کسی تنبیہ اور وضاحت کی ضرورت پیش نہ آئے۔
- بہترین عورت بخوبی جانتی ہے کہ اس کے خاوند سے بھی غلطی سرزد ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ غلطیوں سے معصوم نہیں ہے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے اپنے خاوند کو سنبھال لیتی ہے اور

---

[1] مسند الشهاب (ص: ٩٦٢)

[2] تربية الأولاد في الإسلام (ص: ٤٣)

اپنے گھر میں پیدا ہونے والی مشکلات کا حل نکال لیتی ہے۔

- اچھی بیوی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے خاوند سے ہونے والی غلطی کی اصلاح کے لیے مناسب وقت اور موثر طریقہ اپناتی ہے۔
- بہترین بیوی کشادہ دل ہوتی ہے، لہٰذا وہ اپنے خاوند کی بے شمار خامیوں اور عیوب کو نظر انداز کر دیتی ہے، جب تک معاملے کی نوعیت شدید ناگواری یا پریشانی تک نہ پہنچ جائے۔
- بہترین عورت اپنے خاوند کے پسندیدہ امور پورے کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتی ہے، اگرچہ ان میں سے کچھ اسے ناپسند بھی ہوں، مگر وہ خاوند سے اپنے پیار کے اظہار کے لیے اس کے سارے احکام پورے کرتی ہے سوائے کسی غیر شرعی مطالبے کے۔
- اچھی بیوی میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر لڑائی اور اختلاف کے بعد اپنا محاسبہ کرتی ہے اور اپنے آپ سے سوال کرتی ہے کہ میرے خاوند نے جو کچھ کہا اور جو کچھ کیا، آخر اس کی وجہ کیا تھی اور میں نے کیا کوتاہی کی تھی کہ معاملہ اس قدر بگڑ گیا؟ اس طرح وہ کسی دوسرے کے بتانے سے پہلے ہی اپنے عیوب اور غلطیوں کی کھوج لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ اس خود احتسابی کے بعد وہ پھر اپنے آپ سے سوال کرتی ہے: کیا اس وقت خاوند سے تکرار کرنے کے بجائے خاموش رہنا مناسب نہیں تھا؟ کیا اس سے ٹھنڈے لہجے میں بات کرنا زیادہ موزوں نہیں تھا؟

اس اسلوب کے ساتھ ''بہترین عورت'' اپنے شوہر کے ساتھ یوں پیش آتی ہے، گویا وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز اور بے پروا نہیں ہے۔

مسلمان عورت کا اپنے خاوند پر یہ حق ہے کہ وہ اسے بد دیانت نہ سمجھے اور اس کی خامیوں اور لغزشوں کی ٹوہ میں نہ رہے۔ اس کے برعکس خاوند کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرے۔

میری پیاری اسلامی بہنو! اسلام آپ کو خاوند کی عدم موجودگی میں گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا اور جب تک آپ کا خاوند آپ کو گھر سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہ دے، گھر سے ہرگز نہ نکلیں، کیونکہ بہترین عورت ہر وقت یہ خیال رکھتی ہے کہ جس قدر اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے گی، اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی، اس کا خاوند اس کا ادب و احترام کرے گا

اور اس کی فضیلت کا معترف ہوگا۔

عفت وعصمت کی حفاظت کا مطلب یہ بھی ہے کہ تم اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں کسی بھی اجنبی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دو۔ جناب تمیم بن سلمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر کسی کام سے آئے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر میں موجود نہ پایا تو واپس چلے گئے۔ دوبارہ آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر بھی موجود نہ تھے، لہٰذا واپس تشریف لے گئے، اس طرح انھوں نے دو یا تین چکر لگائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انھوں نے کہا: جب تمھیں کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھا تو تم میرے گھر کیوں نہیں گئے؟ یعنی تم اپنی ضرورت کی چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا سے طلب کر لیتے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہمیں عورتوں کے پاس ان کے خاوندوں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع کیا گیا ہے۔''

یہ اس مبارک عہد کی بات ہے جب مرد حضرات غیر عورتوں کے پاس ان کے خاوندوں کی عدم موجودگی میں جانے سے حیا کرتے تھے۔ عہدِ حاضر میں جو حالات ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں۔ آج اجنبی مرد دوسروں کے گھروں میں خاوندوں کی غیر موجودگی میں بڑی رغبت سے جاتے ہیں۔ اس طرزِ عمل کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں سے حیا اور اللہ تعالیٰ کا خوف ختم ہوگیا ہے۔

لہٰذا میری اسلامی بہنو! آپ اسلام کی ''بہترین عورت'' بن جائیں اور خاوند کی عدم موجودگی میں اس کے حق کی اسی طرح حفاظت کریں جس طرح اس کی موجودگی میں کرتی ہیں۔ اس کا مال غلط طریقے سے استعمال نہ کریں جس کا اس نے آپ کو امین بنایا ہے۔ اس امانت میں خیانت نہ کریں، ورنہ آپ کو حسرت وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور سلف صالحین کی نظر میں افضل عورت کے اوصاف:

① حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (مثالی عورت کی خوبیاں یہ ہیں کہ) مسلمان ہو، عقل مند، شرم و حیا کی پیکر، سنجیدہ اور باوقار، نرم خو، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ بچے پیدا کرنے والی، مصائب وآفات میں خاوند کی مددگار اور خاوند کو مشکلات کے حوالے نہ کرنے والی ہو، لیکن ایسی عورتیں بہت کم ہیں۔[1]

---

[1] بهجة المجالس لابن عبد ربه (٣/ ١٣)

② حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بہترین عورت وہ ہے جس کی مہک خوش گوار ہو، کھانا پاکیزہ ہو، (پیسا) خرچ کرے تو میانہ روی اختیار کرے، سنبھال کر رکھے تو بھی اعتدال اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، ایسی عورت اللہ کے کارکنوں میں سے ہے اور اللہ کا کارکن کبھی ذلیل، رسوا اور نامراد نہیں ہوتا۔[1]

③ حجاج نے ابن قریہ سے کہا: شادی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا:
''میں نے دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب شخص، سب سے زیادہ خوش وخرم، سب سے پاکیزہ اور عمدہ زندگی گزارنے والا، دیرپا مسرتوں والا، خوش حال اور بھر پور جوانی سے لطف اندوز ہونے والا وہ شخص دیکھا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمان، امانت دار، عفت وعصمت والی، حسین وجمیل، نرم دل ونرم خو، صفائی پسند اور اطاعت گزار بیوی عطا کی ہو۔ خاوند کوئی امانت اس کے حوالے کرے تو وہ اسے امانت دار پائے۔ اس پر تنگ دستی کے دن آجائیں تو اسے قناعت پسند پائے۔ وہ اس کے پاس موجود نہ ہو تو اسے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والی پائے۔ اس کا خاوند ہمیشہ خوش حال اور آسودہ نظر آئے۔ اس کا ہمسایہ سلامتی کے ساتھ رہ رہا ہو۔ اس کا غلام امن وامان میں ہو۔ اس کی اولاد صاف ستھری دکھائی دے۔ جس کے حلم وبردباری نے اس کی ترش روئی کو چھپا دیا ہو۔ اس کے دین نے اس کی عقل و دانش کو زینت بخش دی ہو تو یہ عورت ایک مہکتے ہوئے گلدستے اور ثمر بار کھجور کے درخت کی طرح ہے، اس شخص کے لیے جو اس کی مہک سے لطف اندوز اور اس کے پھل سے لذت آشنا ہو۔ یہ عورت اس موتی کی طرح ہے جس میں ابھی سوراخ نہ کیا گیا ہو اور اس کا اصلی حسن وجمال باقی ہو۔ یہ عورت اس مشک کی طرح ہے جس کی مہک کو چھیڑا نہ گیا ہو۔ رات کو تہجد گزار، دن کو روزے دار اور ہمیشہ ہنستی مسکراتی نظر آنے والی ہو خوش حالی دیکھے تو اللہ کا شکر بجا لائے اور تنگ دستی میں مبتلا ہو تو صبر کرے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ایسی بیوی عطا کر دے، وہ دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوگیا۔''[2]

---

[1] بهجة المجالس لابن عبد ربه (۳۳/۳)

[2] المحاسن و الأضداد للحافظ (ص: ۱۴۳، ۱۴۴)

④ ایک اعرابی سے بہترین عورتوں کے اوصاف پوچھے گئے تو اس نے کہا:

''عورتوں میں افضل عورت وہ ہے کہ جب کھڑی ہو تو سب سے لمبی ہو، بیٹھے تو سب سے عظیم اور پر وقار دکھائی دے، بات کرے تو سب سے سچی ہو، غصہ آئے تو حلیم و بردبار بن جائے، ہنسی آئے تو خوبصورت مسکراہٹ بکھیر دے، کوئی چیز پکائے تو غربا میں بانٹے۔ جو اپنے خاوند کی اطاعت شعار ہو، اپنے گھر میں ٹھہری رہے، اپنی قوم میں معزز محترم ہو، اپنی ذات میں عاجز ہو، زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی ہو اور اس کا ہر کام لائقِ تعریف ہو۔''[1]

وفادار اور عہد کی پاسداری کرنے والی:

مثالی اور بہترین عورت کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ وفادار ہوتی ہے۔ بہترین عورت لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے رب، اپنے گھر والوں، اپنے خاوند اور تمام عزیز و اقارب کے ساتھ وفادار ہوتی ہے۔ مثالی مسلمان عورت اپنے رب کے ساتھ وفا کرتی ہے، اس کے فرض کردہ اعمال انجام دیتی ہے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ان سے دور رہتی ہے۔ یوں وہ ہر ممکن اطاعت کرکے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتی ہے۔

اپنے گھر والوں کی زندگی میں ان کی خدمت کرتی ہے اور ان کی وفات کے بعد ان کے لیے دعا کر کے ان سے وفا کا مظاہرہ کرتی ہے۔ اپنے خاند کی زندگی میں اسے پاکیزہ اور مہذب الفاظ سے مخاطب کرتی ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کے محاسن کا تذکرہ کر کے اس سے اپنی وفا کا ثبوت دیتی ہے۔ وہ سب لوگوں کے ساتھ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتی ہے اور اپنے عہد کی پاسدار ہوتی ہے۔

''وفا'' پرہیز گار مومن عورتوں کی صفت ہے۔ قرآن کی سورت آل عمران (آیت: ۷۶) میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾

''البتہ جو شخص اپنا عہد پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔''

[1] العقد الفريد لابن عبد ربه (٦/ ٢٨)

''خیر النساء'' نے وفا کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں، خصوصاً اپنے شوہروں کے ساتھ ان کی وفا بے نظیر ہے۔ ''خیر النساء'' میں سے ایک عظیم خاتون فاطمہ بنت عبد الملک ہیں۔ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی، ایک حکمران کی بیوی اور چار بادشاہوں کی بہن تھی۔ سہاگ رات کو وہ اپنے خاوند کے پاس اس حال میں پہنچی کہ روئے زمین کے سب سے زیادہ قیمتی سونے کے زیورات اور ہیروں جواہرات سے لدی ہوئی تھی۔ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ رشد و ہدات کی طرف پلٹے، انھوں نے اپنے رب کو یاد کیا اور فانی دنیا کا عیش وعشرت ترک کردیا اور اپنی بیوی کو اختیار دے دیا کہ وہ اپنے خاوند اور اپنے زیورات و جواہرات میں سے کسی ایک کو چن لے تو اس عظیم خاتون نے اپنے خاوند کو چن لیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی بیگم کے تمام ہیرے جواہرات مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرادیے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فوت ہوگئے تو ان کی بیوہ فاطمہ کے پاس کچھ گھٹیا سوچ کے لوگ آئے اور ان کے ایک بڑے نے کہا: آپ کے ہیرے جواہرات بیت المال میں بدستور حفاظت سے موجود ہیں، آپ وہ لے لیں اور استفادہ کریں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی بیوہ نے یہ پیش کش حقارت سے مسترد کر دی اور وہ عظیم الشان بات کہی جسے تاریخ کے اوراق نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

''یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے شوہر کی زندگی میں تو ان کی اطاعت کرتی رہی مگر اب ان کے اٹھ جانے کے بعد ان کی نافرمانی شروع کردوں۔''

میری اسلامی بہن! ''بہترین عورت'' کی خوبیاں سیکھیں اور ان صفات پر غور وفکر کریں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں۔ قرآن آپ کے لیے ابدی ہدایت، زندگی کا دستور، نورِ مبین اور فرقانِ حمید ہے۔ مزید برآں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور سلف صالحین کے فرامین کی روشنی میں بہترین عورت کے اوصاف پر غور کیجیے۔

پھر اپنا جائزہ لیں اور اپنے دل سے پوچھیں: کیا میرے اندر یہ خوبی موجود ہے؟ کیا میں نے یہ وصف اپنایا ہے؟ آپ ان صفات کو اختیار کیے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو توفیق عطا فرمائی اور اگر آپ ان صفات سے محروم ہیں تو یہ آپ کے لیے نصیحت ہے اور نصیحت مومنین ومومنات کو نفع دیتی ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی بندگی کے معاملات، گھر والوں کے معالات، خاوند کے ساتھ ہمارا سلوک اور تمام لوگوں کے ساتھ معاملات میں ہمیں وفا کا جو ہر نصیب فرمائے تا کہ ہم ''مثالی خاتون'' کا اعزاز حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری بہو بیٹیوں کو نیک اور صالح بیوی بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ واللہ الموفق

مراجعِ درس

① شوہر وبیوی کے حقوق وفرائض؛ اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

③ حقوق الزوجین۔ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف۔ دار السلام

④ مثالی خاتون۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مجدی فتحی السید۔ ترجمہ: مولانا ابو محمد محمد اجمل

حقوق العباد

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

اسلام نے فرد اور معاشرے کی اصلاح و استحکام اور امن وسکون کے لیے ہر شخص کے حقوق و فرائض مقرر کر دیے ہیں۔ اگر ہم دینی تعلیمات کے مطابق ایک دوسرے کے حقوق خوش دلی سے پورے کرنے لگیں تو بہت سی خرابیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، مگر ہمارے معاشرے کا مزاج بگڑ گیا ہے، اس لیے آج ہر شخص صرف اپنے نفع ونقصان کا ترازو تھامے بیٹھا ہے اور حق و ناحق اور جائز و ناجائز کی تمیز اُٹھ گئی ہے۔ ہر فرد ہر متاع اور ہر نفع خود سمیٹ لینے کی فکر میں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ فرائض سے بیگانگی ہوگئی ہے، خود غرضی کا دور ہے، ایک دوسرے کے حقوق بھلا دیے گئے ہیں۔ جب تک یہ صورتحال نہیں بدلتی، تمام حقداروں کے حقوق بخیر و خوبی ادا کرنے کا احساس پیدا نہیں ہوتا، معاشرے کی حالت اعتدال پر نہیں آئے گی، جب تک ہم سب اپنی جگہ اپنے فرائض نہیں پہچانیں گے اور دوسروں کے واجب الادا حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے، اس وقت تک ہم سچے اور کھرے مسلمان نہیں بن سکتے۔

ان حقوق کو ادا کرنے کا ایک ہی معروف طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو فرائض عائد کیے ہیں، وہ ادا کیے جائیں۔ ان حقوق و فرائض میں سب سے پہلا حق اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسے خلوص دل سے ادا کریں۔ اسی طرح بندوں کے حقوق و فرائض کا معاملہ ہے اور اللہ کے بندوں پر بندے کے حقوق کیا ہیں؟ جنھیں ادا کرنا بھی عبادت اور اجر وثواب ہے۔

1 حقوق العباد میں سب سے پہلے حقوقِ مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ جس کی دلیل سورۃ الاحزاب (آیت: ٦) میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾

''پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں۔''

مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ ﷺ سے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبت کریں۔ آدمی اس وقت مومن نہیں ہوسکتا جب تک یہ محبت اس کی محبتوں پر غالب نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری میں ہے:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک میں اُس کے (ماں) باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔''[1]

٢ پھر حقوقِ والدین کی باری آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء (آیت: ٣٦) میں فرماتا ہے:

﴿وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ﴾

''اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ احسان کرو۔''

٣ اس کے بعد حقوق الزوجین ہیں۔

٤ اولاد کے حقوق ہیں۔

٥ استاد کے حقوق ہیں۔

٦ پڑوسیوں کے حقوق ہیں۔

٧ مصیبت زدہ لوگوں، مسکینوں، فقرا اور بیواؤں، محتاجوں کی اشک شوئی کرنا ہے۔

جہاں تک مصیبت زدہ لوگوں، مسکینوں، فقرا، بیواؤں اور محتاجوں کی اشک شوئی کا تعلق ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور غمگساری کی بات ہے تو قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔ زیادہ نہ سہی آپ صرف تیسویں پارے کی سورۃ الضحیٰ ہی پر نظر ڈال کر دیکھ لیں کہ اس کی آیت (٩، ١٠) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾

''آپ یتیم پر ستم نہ کرنا اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔''

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو تین چیزوں کی تلقین فرمائی ہے:

١ اول یہ کہ آپ یتیم پر سختی نہ کریں، بلکہ اس کی خبر گیری کریں، اس کے سر پر دستِ شفقت رکھیں اور اس کی دل شکنی سے اجتناب کریں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٥)

② دوم یہ کہ سوال کرنے والے کو نہ ڈانٹیں، اس سے سختی اور تکبر نہ کریں، نہ سخت اور تلخ لہجہ اختیار کریں، بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دیں، کیونکہ ان کا حق بھی آپ پر ہے اور اس حق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب قرآنِ کریم کی سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۱۵) میں یوں بیان فرما دیا ہے:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾

"(اے نبی!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ (جو چاہو خرچ کرو، لیکن) جو مال خرچ کرنا ہو وہ (درجہ بدرجہ اہلِ استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے، اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں اللہ رب رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے اور تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"[1]

اسی طرح سورۃ الماعون (آیت: ۱ تا ۳) میں ارشادِ ربانی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ "بھلا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی (بدنصیب) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔"

یہ خطاب اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، لیکن تبصرہ کفارِ مکہ پر ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ اس انکار نے ان میں بہت سی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ یتیم کی دیکھ بھال نہیں کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص قیامت کا منکر ہو، وہ یتیم کے ساتھ کبھی حسنِ سلوک

[1] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٣٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٩٢٤)

نہیں کرسکتا، بلکہ وہ یتیم کو دھکے دے گا، اس کو ستائے گا اور اس کی بے عزتی کرے گا۔

یتیم کے ساتھ وہی اچھا سلوک کرے گا جس کے دل میں مال کے بجائے انسانی اقدار اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت اور محبت ہوگی اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت کے دن اچھی جزا ملے گی۔

اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جو شخص میت کے وارثوں سے زیادہ با اثر اور طاقتور ہوتا، وہ ساری وراثت پر قبضہ جما لیتا اور یتیموں کو دھکے دے کر نکال دیتا۔ اگر کوئی یتیم ان سے مدد مانگنے آتا تو اس سے برا سلوک کرتے تھے اور اس کے اصرار کرنے پر دھکے مار کر دفع کر دیتے تھے۔ اگر کوئی یتیم کی پرورش کا ذمہ لیتا بھی تو اسے ڈانٹ ڈپٹ ہی کرتا رہتا تھا۔ یہ ان کے آخرت کے انکار کا لازمی نتیجہ تھا، جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ڈانٹ پلائی ہے۔

کفار و منافقین جہاں یتیموں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، وہاں وہ مسکین اور محتاج لوگوں کے ساتھ بھی ناروا سلوک کرتے تھے۔ مسکینوں کو خود کھانا کھلانا تو درکنار اپنے گھر والوں کو بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ مسکین ومحتاج کو کھانا دیا کریں۔ اسی طرح دوسرے لوگوں کو بھی مسکین ومحتاج کو کھانا کھلانے پر نہیں اُکساتے تھے کہ وہ معاشرے میں جو غریب، مسکین اور محتاج لوگ بھوکے مر رہے ہیں، ان کے حقوق پہچانیں اور ان کی بھوک مٹانے کے لیے کچھ کریں۔ مسکین اور غریب کو کھانا کھلانا بڑی فضیلت والا عمل ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

دوبارہ زندہ ہونا اور جزا سزا سے دوچار ہونا برحق ہے۔ جس دل میں یہ عقیدہ نہیں ہے، وہ یتیموں اور مسکینوں کے حوالے سے سخت اور خیر و بھلائی سے خالی ہے اور ایسا شخص بدترین مخلوق ہے۔ جو لوگ یتیموں کا ناحق مال کھاتے ہیں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے، ان کے لیے سخت وعید ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور یتیموں، مسکینوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ یتیموں کو نہ جھڑکنے کا حکم تو قرآنِ کریم میں موجود ہے، جبکہ ان کی نگرانی و کفالت کرنے کا اجر و ثواب حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں [اکٹھے] ہوں گے۔'' یوں کہتے ہوئے

نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو باہم ملاتے اور الگ کرتے دکھایا۔[1]

سنن کبریٰ نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں حسن درجے کی سند والا ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''اے اللہ! میں دو کمزور طبقوں: یتیم اور عورت کی حق تلفی کے اس گناہ سے لوگوں کو خبردار کرتا ہوں۔''[2]

صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بیوہ عورت اور فقیر و مسکین شخص کی کفالت و نگرانی کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس شخص کی طرح ہے جو ہمیشہ کا شب زندہ دار ہو، کبھی تہجد نہ چھوڑتا ہو اور ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔''[3]

نیز صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''سب سے بدترین کھانا وہ ہے جو ایسی دعوت کے لیے تیار کیا گیا ہو جس میں صرف مال داروں کو بلایا گیا ہو اور فقرا و مساکین کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہو۔''[4]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

''سب سے بدترین کھانا اس دعوت کا ہے جس میں اسے منع کر دیا گیا ہو جو آنا چاہتا ہے اور اسے دعوت دی گئی ہو جو آنا نہیں چاہتا۔''[5]

امت کے ناتواں اور کمزور لوگ:

امت کے ضعیف و ناتواں اور کمزور لوگوں کو نبی اکرم ﷺ نے رزق میں اضافے اور دشمن پر فتح و نصرت کے حصول کا سبب قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسند احمد میں مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''صرف ضعفا و کمزور لوگوں کی بدولت ہی تمھیں رزق دیا جاتا ہے اور تمھاری مدد و

---

[1] صحیح البخاري (١٠/ ٣٦٥)

[2] السنن الکبریٰ للنسائي، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث (٣٦٧٨) مسند أحمد (٢/ ٤٣٩)

[3] صحیح البخاري (١٠/ ٣٦٦) صحیح مسلم (٨٧٨/ ١١٠) کتاب الأمارة، باب فضل الشهادة في سبیل اللّٰه تعالیٰ.

[4] صحیح البخاري (٩/ ٢١١، ٢١٢) صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٣)

[5] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٣٢)

نصرت کی جاتی ہے۔'' [1]

سنن ابو داود، ترمذی اور نسائی میں صحیح سند سے مروی ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد و نصرت اِس کے ضعیفوں و کمزوروں کی بدولت ہی کرتا ہے، اُن کی نمازوں، دعاؤں اور اخلاص للہ کی وجہ سے۔'' [2]

ویسے بھی محتاجوں اور کمزوروں کی فضیلت کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''فقرا مہاجرین قیامت کے دن مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔'' [3]

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرنا:

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرنا بھی عبادت اور باعثِ اجر و ثواب ہے اور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کا باقاعدہ حکم فرمایا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''نبی مکرم ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم بیمار کی عیادت و مزاج پرسی کریں ....''

اسی حدیث میں آگے یہ بھی ہے:

''[۲] اور ہم [مسلمان کے] جنازے میں شریک ہوں، [۳] چھینک مارنے والا **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ** کہے تو اس کے جواب پر **یَرْحَمُکَ اللّٰہُ** کہیں، [۴] کوئی قسم دے تو اس کی قسم کو سچا کر دکھائیں، [۵] مظلوم کی مدد کریں، [٦] دعوت دینے والے کی دعوت قبول کریں، [۷] آپس میں کثرت سے سلام پھیلائیں۔'' [4]

صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں بیمار کی مزاج پرسی کو بیمار کا حق اور تندرست مسلمان کا فرض و واجب یا ذمہ داری قرار دیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں ہے:

---

[1] صحيح البخاري (٦/ ٦٥) مسند أحمد (١/ ١٧٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٥٩٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٧٠٢) سنن النسائي (٦/ ٤٥) صحيح ابن حبان (١٦٢٠) مسند أحمد (٥/ ١٩٨) صحيح الجامع، رقم الحديث (٢٣٨٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٧٩)

[4] صحيح البخاري (١١/ ١٥، ١٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٦٩)

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں [اور انہی میں سے ایک ہے]: ① مریض کی مزاج پرسی کرنا۔'' جبکہ اس حدیث میں دیگر چار حقوق یہ مذکور ہیں:

''② مسلمان کے سلام کا جواب دینا، ③ چھینکنے والے کی تحمید کا جواب دینا، ④ دعوت قبول کرنا، ⑤ جنازے میں شرکت کرنا۔''[1]

سلام ومصافحہ:

اللہ تعالیٰ نے امتِ اسلامیہ کو جن خصوصیات سے نوازا ہے، انہی میں سے ایک خصوصیت مسلمانوں کا باہم سلام و مصافحہ کرنا بھی ہے۔ گھر میں داخل ہوتے، گھر سے نکلتے، دفتر، کارخانے، مسجد و مدرسے میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، اسی طرح کسی سے ملتے اور بچھڑتے وقت سلام و مصافحہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لیے یہ ایک عظیم تحفہ ہے جس کی عظمت اور فضائل و برکات قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول ﷺ میں کثرت سے آئی ہیں۔ خاص قرآنِ کریم کے ڈیڑھ درجن کے قریب مقامات پر سلام کا ذکر آیا ہے:

① سلام کرنے کی اہمیت کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماے حسنیٰ میں سے ایک اسمِ مبارک ''السلام'' بھی ہے، جس کا معنی ہے: ''امن و آشتی اور خیر و سلامتی عطا کرنے والا۔''

چنانچہ سورۃ الحشر (آیات: ۲۲، ۲۳ اور ۲۴) میں اللہ تعالیٰ کے جو دسیوں اسماے حسنیٰ آئے ہیں، انہی (آیت: ۲۳) میں ﴿اَلسَّلٰمُ﴾ بھی آیا ہے۔

② اس سلام کی اہمیت وعظمت اور مقام و مرتبے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا نام ہی دار السلام رکھا ہوا ہے، چنانچہ سورۃ الانعام (آیت: ۱۲۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''ان کے مالک کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر (جنت) تیار ہے، ان کے کیے (نیک کاموں) کے بدلے اور وہی (اللہ) ان کا مددگار ہے۔''

③ سورت یونس (آیت: ۲۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٥) صحيح مسلم (٢١٦٣)

﴿ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

''اور اللہ (لوگوں کو) اُس گھر کی طرف بلاتا ہے جو (ہلاکت اور تباہی سے) بچا ہوا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔''

اسی اسمِ مبارک پر مشتمل نبی اکرم ﷺ کی ایک بہت ہی مشہور ومعروف دعا بھی ہے جو آپ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کیا کرتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم، سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثاً وَقَالَ: « اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ »

''نبی کریم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے اور پھر یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! تو ہی امن و سلامتی عطا فرمانے والا ہے اور تجھی سے امن و سلامتی ہے، اے جلالت و بزرگی اور عزت و اکرام والے، تو بڑی برکت والا ہے۔''

جبکہ سورت نساء (آیت: ۸۶) میں سلام کے جواب میں اس سے بہتر کلمات کہنے یا کم از کم وہی کلمہ جواب میں پیش کر دینے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴾

''اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم (اس کے جواب میں) اس سے اچھا سلام کرو یا اتنا ہی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔''

زیادہ اچھا جواب دینے کی تفسیر بعض احادیث میں اس طرح آئی ہے کہ ''السلام علیکم'' کے جواب میں ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ اور ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ'' کے جواب میں ''وبرکاتہ'' کا اضافہ کر دیا جائے۔ لیکن کوئی ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' کہے تو پھر انہی الفاظ میں جواب دیا جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ صرف ''السلام علیکم'' کہنے سے دس نیکیاں اور اس کے ساتھ ''ورحمۃ اللہ'' کہنے سے بیس نیکیاں اور وبرکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔[1]

---

[1] سنن أبي داود (٥١٩٥) سنن الترمذي (٢٦٩٠) الأدب المفرد للبخاري (٩٨٦) فتح الباري (١١/ ٥) وإسناده قوى.

سلام کرکے لوگ ایک دوسرے کے لیے امن وسلامتی کی دعائیں کرتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ اپنے انبیائے کرام علیہم السلام پر سلامتی بھیجتا ہے، جیسا کہ سورۃ النمل (آیت: ۵۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

''(اے پیغمبر!) کہہ دے شکر اللہ کا (کہ گناہ گار تباہ ہوئے) اور سلام ہے اللہ کے ان بندوں پر جن کو اس نے (اپنی خلقت میں سے) چن لیا (پسند اور برگزیدہ کیا) بھلا کیا اللہ اچھا ہے یا وہ (بت وغیرہ جھوٹے معبود) جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔''

⑧ صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمام جنتیوں کو بھی سلام کہے گا، جیسا کہ سورت یٰسین (آیت: ۵۸) میں ارشادِ الٰہی ہے: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾

''(سب سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ) مالک مہربان کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا یہ سلام فرشتے اہلِ جنت کو پہنچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ خود سلام سے نوازے گا، جبکہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۴۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا﴾

''جس دن یہ اللہ سے ملاقات کریں گے، اس دن ان کا تحفہ سلام ہوگا اور ان کے لیے اللہ نے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔''

جنت میں سلام کہنے کی تین صورتیں ہوں گی:

① اللہ اہلِ جنت کو سلام کہے گا۔

② فرشتے اہلِ جنت کو سلام کہیں گے۔

③ اہلِ جنت ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کہیں گے۔

السلام علیکم کہنا سنتِ موکدہ ہے اور مسلمانوں میں انس ومحبت پیدا کرنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جو شخص انھیں اکٹھا کر لے اس کا ایمان مکمل ہوگیا: اپنے آپ سے انصاف کرنا اور سب لوگوں کو سلام کہنا اور تنگی کی حالت میں خرچ کرنا۔[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨)

دعوت قبول کرنا:

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے دعوت قبول نہ کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔''[1]

اگر یہ دعوت جائز اور سنت کے مطابق ہے تو پھر کسی وجہ کے بغیر نہ چھوڑیں، اس میں ضرور شرکت کریں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔''[2]

چھینکنے والے کا جواب دینا:

''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) کہہ کر یہ اس کے لیے شکر کے طور پر ہوگا جس نے چھینک کے وقت اپنے پروردگار کی تعریف بیان کی، البتہ اگر وہ چھینک مارتے وقت ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' نہ کہے تو پھر اس کے لیے دعائیہ کلمہ ''یَرْحَمُكَ اللّٰهُ'' کہنا جائز نہیں۔''[3]

خیر خواہی کرنا:

صحیح مسلم میں پانچ کے بجائے چھ حقوق وارد ہوئے ہیں اور اس میں چھٹا حق یہ آیا ہے:

''جب وہ آپ سے نصیحت و خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کر۔ یعنی جب وہ تیرے پاس آ کر اپنے لیے کسی چیز میں تیری خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کریں کیونکہ یہ بھی دین کا حصہ ہے۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''دین خیر خواہی کا نام ہے'' ہم نے کہا: کس سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے، اس کی کتاب سے، اس کے رسول ﷺ سے، مسلمانوں کے حکمرانوں سے اور عام مسلمانوں سے۔''[4]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٤٣٢)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٥٨٥)

[3] صحیح البخاري (٣/ ٩٠) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢١٦٢)

[4] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٥٥)

یہ خیر خواہی اتنی ضروری ہے کہ اگر وہ خیر خواہی طلب کرنے کے لیے نہ بھی آئے اور صورتِ حال یہ ہو کہ اسے کوئی نقصان پہنچنے والا ہو تو آپ پر واجب ہے کہ اس کی خیر خواہی کریں اور اس کو صورتِ حال سے آگاہ کر کے اس نقصان سے بچانے کی کوشش کریں۔[1]

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بیمار کی مزاج پرسی کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور غلام و قیدی کو آزاد کراؤ۔''[2]

نیز صحیح بخاری میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بیمار کی مزاج پرسی کرو اور میت کے جنازے میں شرکت کرو، یہ تمھیں آخرت کی یاد دلائے گا۔''[3]

بیمار کی عیادت کے ثواب کا اندازہ تو صحیح مسلم، سنن ترمذی اور مسند احمد کی اس حدیث سے ہو جاتا ہے جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بیشک مسلمان جب اپنے کسی بیمار بھائی کی مزاج پرسی کے لیے جاتا ہے تو واپس آنے تک وہ جنت کے ''خُرفۃ'' میں ہوتا ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ''جنت کا خُرفۃ'' کیا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جنت کے چنے ہوئے پھلوں کی جگہ'' یا ''جنت کا باغ۔''[4]

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جو مسلمان کسی بیمار مسلمان کی مزاج پرسی صبح کے وقت کرتا ہے اس کے لیے شام تک ستّر ہزار فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جو کوئی شام کو کسی بیمار مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو اس کے لیے صبح ہونے تک ستّر ہزار فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اس کے عوض اُسے جنت اور جنت میں چنا ہوا میوہ ملے گا۔''[5]

---

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٣١٤٦) الصحيحة، رقم الحديث (١٨٣٢)

[2] صحيح البخاري (١٠/ ٩٧)

[3] صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٩٨٨) الصحيحة، رقم الحديث (١٩٨١)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٦٨) صحيح الجامع، رقم الحديث (١٩٤٤)

[5] صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٧٦٧)

مسلمان کی عیادت و مزاج پرسی تو واجبات میں سے ہے اور جب مریض سے تمھاری قرابت ہو، دوستی ہو یا ہمسائیگی ہو تو عیادت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ عیادت مریض اور مرض کے حسبِ حال ہونی چاہیے، کیونکہ حالات کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جو شخص مریض کی عیادت کرے، اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اس کا حال پوچھے اور اس کے لیے دعا کرے اور کشادگی اور امید کا دروازہ کھولے۔ کیونکہ یہ چیز صحت اور شفا کے بڑے بڑے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور مناسب یہ ہے کہ اسے ناصحانہ انداز میں توبہ و استغفار کی تلقین کرے۔ مثلاً اسے کہے: مرض سے اللہ تعالیٰ خطائیں دور کرتا ہے اور برائیاں مٹا دیتا ہے۔ جبکہ ہمارے نبی ﷺ، جنھیں آجکل کافر لوگ دہشت گرد اور کیا کیا نام دے رہے ہیں، اتنے رحم دل اور نرم اخلاق تھے کہ انسانوں تو کیا جانوروں تک کا دکھ درد آپ ﷺ سے نہیں دیکھا جاتا تھا جس کی شہادت دو ایک نہیں درجنوں واقعات میں موجود ہے۔[1]

آپ ﷺ تو نہ صرف اپنے مسلمانوں بلکہ کافروں کی عیادت بھی کرلیا کرتے تھے اور اس کی بہت سی برکات بھی حاصل ہوئیں۔ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا تو نبی مکرم ﷺ اس کی مزاج پرسی کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرمایا: ((أَسْلِمْ)) ''اسلام قبول کرلو۔''

اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس کے باپ نے کہا:

((أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ)) ''ابو القاسم کی اطاعت کرو۔''

وہ لڑکا اسلام میں داخل ہوگیا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ [خوشی کے ساتھ] یہ کہتے ہوئے اس کے گھر سے روانہ ہوگئے:

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے جہنم کی آگ سے نجات دے دی ہے۔''[2]

بیمار کی عیادت کا اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا مقام ہے کہ صحیح مسلم کی ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی نسبت اپنی طرف اس انداز سے فرمائی ہے کہ اس عمل کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن کہے گا:

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: عیدین وقربانی (ص: ۱۹۳ تا ۱۹۹) حقوقِ مصطفیٰ ﷺ (ص ۳۲ تا ۳۹)

[2] صحيح البخاري (٣/ ١٧٦) سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٠٩٥)

’’اے بنی آدم! میں بیمار ہوا، مگر تو نے میری عیادت نہ کی؟‘‘

بندہ کہے گا: ’’اے میرے رب! میں تیری عیادت ومزاج پرسی کیسے کرتا، جبکہ تُو تو تمام جہانوں کا رب ہے؟‘‘

اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

’’کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تُو نے اس کی عیادت نہ کی؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا؟‘‘[1]

اسی حدیث میں بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے کے بارے میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں:

’’اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا طلب کیا مگر تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا؟

بندہ کہے گا: اے اللہ! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا، جبکہ خود تو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے؟‘‘

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’تم سے میرے فلاں بندے نے کھانا طلب کیا مگر تو نے اسے کھانا نہ کھلایا؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا، تو اسے تو میرے پاس پاتا؟‘‘

’’اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی طلب کیا مگر تو نے مجھے پانی نہ پلایا؟

وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! میں تجھے پانی کیسے پلاتا جبکہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے؟‘‘ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ’’میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا مگر تو نے اسے پانی نہ پلایا؟‘‘ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے میرے پاس پاتا؟‘‘[2]

اگر یہ سب کام ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں گے تو اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے، ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٥٦٩)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٥٦٩)

مراجعِ درس

1. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
2. اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. حقوق وفرائض۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
4. صحیح فضائلِ اعمال۔ تالیف: مولانا محمد طیب محمد خطاب بھواروی۔مکتب جالیات، مجمعہ

مصادر ومراجع

① القرآن الکریم۔

② تفسیر ابن کثیر۔

③ تفسیر احسن البیان۔فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف۔

④ تربیتِ اولاد۔تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑤ تربیتِ اولاد اور والدین کی ذمہ داریاں۔تالیف: الشیخ محمد جمیل زینو، ترجمہ: مولانا مختار مدنی۔

⑥ بچوں کی تربیت کیسے؟ تالیف: مولانا انصار زبیر محمدی۔

⑦ حقوق الزوجین۔تالیف: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف۔

⑧ شوہر و بیوی کے حقوق وفرائض۔اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑨ صحیح فضائلِ اعمال۔علامہ ابومحمد اشرف الدین عبدالمومن۔ترجمہ: مولانا زبیر احمد سلفی۔

⑩ فضائلِ اعمال۔مکتب جالیات مجمعہ، ترجمہ: مولانا محمد طیب محمد خطاب بھواروی۔

⑪ مثالی خاتون۔تالیف: فضیلۃ الشیخ مجدی فتحی السید۔ترجمہ: مولانا ابومحمد اجمل۔

گلدستہ دروسِ خواتین

7

ذکرِ موت اور فکرِ آخرت

تالیف
محترمہ ام عدنان قمر

تنقیح و مراجعہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ۔ ڈسکہ

ام القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

فون: 0333-8110896. 0321-6466422

حقیقتِ دنیا کیا ہے؟

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿وَ مَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

''اور یہ دنیا کی زندگی تو سوائے دھوکے کے سامان کے کچھ بھی نہیں۔''

مسلمانو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جیسا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور زادِ راہ لے کر نکلو اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ (آیت: **۲۰**) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ﴾

''جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہو، ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی کر دیں گے اور جو لوگ دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتے ہیں، ہم انھیں اس ہی میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔''

''حَرْثٌ'' کا لغوی معنی تخم ریزی کرنا ہے۔ یہاں اس سے اعمال کے ثمرات و فوائد مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں اپنے اعمال اور محنت کے ذریعے سے آخرت کے اجر و ثواب کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی کھیتی میں اضافہ فرمائے گا، یعنی ایک ایک نیکی کا اجر دس دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ تک عطا فرمائے گا اور جو طالبِ دنیا ہے اس کو دنیا تو ملتی ہے لیکن اتنی نہیں جتنی وہ چاہتا ہے بلکہ اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ دنیا تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اتنی ضرور دیتا ہے جتنی اس نے لکھ دی ہے کیونکہ اس نے سب کی روزی کا ذمہ لیا ہوا ہے، طالبِ دنیا کو بھی اور طالبِ آخرت کو بھی، تاہم جو طالبِ آخرت ہوگا، یعنی آخرت کے لیے کسب و محنت کرے گا تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اسے ﴿اَضْعَافاً مُّضٰعَفَۃً﴾

''کئی گنا بڑھا چڑھا کر'' اجر و ثواب عطا فرمائے گا، جبکہ طالب دنیا کے لیے آخرت میں سوائے جہنم کے کچھ نہیں ہوگا۔ اب یہ انسان کو خود سوچ لینا چاہیے کہ اس کا فائدہ طالبِ دنیا ہونے میں ہے یا طالبِ آخرت ہونے میں...؟

انسان کی حقیقی سعادت اور اس کے توفیق یافتہ ہونے کے دلائل میں سے اہم ترین بات یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور اپنی ساری زندگی کے ہر قسم کے حالات میں شریعتِ الٰہیہ اور دین پر استقامت رکھنے والا ہو، خلوصِ دل سے اللہ کی طرف متوجہ رہنے والا ہو اور آخرت کے لیے زادِ راہ جمع کرنے اور دائمی و اخروی زندگی کے لیے تیاری سے اسے دنیا کی عارضی زیب و زینت کا حصول روکنے نہ پائے، یہی صالحین کا راستہ اور متقین کا منہج و طریقہ ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے:

﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾ [النور: ٣٧]

''ایسے لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکات ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اُس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔''

یہ صالحین خرید و فروخت اور اپنی دنیوی مصروفیات کے باوجود اللہ کی عظمت و کبریائی کو دل سے دور نہیں ہونے دیتے اور عظمتِ الٰہی کا استحضار انھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور ہمیشہ اس کی خشیت و خوف دل میں رکھنے اور حقیقی معنوں میں اس کی بندگی کرنے پر آمادہ کیے رکھتا ہے۔

دنیا کیا ہے؟

ایک مومن کی حقیقی شان بھی یہی ہے کہ وہ عمر کے شب و روز اور زندگی کے اوقات بڑے بڑے اعمالِ صالحہ میں صرف کرتا ہے اور دارِ آخرت کی فوز و فلاح کی تلاش میں لگا رہتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیوی زندگی تو دراصل اخروی زندگی کی فوز و فلاح کے لیے ایک وسیلہ و ذریعہ ہے جس کے بل بوتے پر دائمی سعادت و خوشی حاصل کی جا سکتی ہے، ورنہ یہ دنیا نہ اصل غرض و غایت ہے اور نہ یہ منتہائے نظر اور امید گاہ ہے، بلکہ یہ دنیا ڈھلتی ہوئی چھاؤں اور جانے والی چیز ہے جس سے نیک

بھی کھا رہے ہیں اور بدکار بھی عیش اڑا رہے ہیں۔ کسی کی عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے اور کسی کی رسی کتنی ہی ڈھیلی کیوں نہ چھوڑ دی گئی ہو، اللہ جب چاہے گا اچانک دبوچ لے گا اور دارِ فنا کو ختم کر دے گا۔ اس دنیوی زندگی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں اور نہ اس کا کوئی اعتبار ہی ہے، بلکہ یہ جنت تک پہنچنے یا جہنم رسید ہونے کے راستے کا ایک پل ہے اور بس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی بے ثباتی اور لہو ولعب ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ الحدید (آیت: ۲۰) میں فرمایا ہے:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾

’’خوب جان لو کہ دنیا کی زندگی صرف ایک کھیل تماشا، زیب و زینت، آپس میں فخر و غرور اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھاوا ہے، اس بارش کی مانند جس کی پیداوار کسانوں کو بہت بھلی لگتی ہے، پھر جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اسے زرد رنگ میں دیکھتے ہو، پھر وہ بالکل چورا چورا بن جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب اور اللہ کی مغفرت و رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا اور کچھ بھی تو نہیں۔‘‘

یہاں دنیا کی زندگی کو سرعتِ زوال میں کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کھیتی جب شاداب ہوتی ہے تو بڑی بھلی لگتی ہے، کاشت کار اسے دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ بہت ہی جلد خشک اور زرد رو ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے، اسی طرح دنیا کی زیب وزینت، مال، اولاد اور دیگر چیزیں انسان کا دل لبھاتی ہیں، لیکن یہ زندگی چند روزہ ہی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’یہ دنیا بڑی شیریں اور سرسبز وشاداب ہے، اللہ تمھیں اس دنیا میں رہنے کا موقع دے رہا ہے، تاکہ وہ دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو؟ لہٰذا دنیا اور عورت کی فتنہ انگیزیوں سے ڈر سنبھل کر رہنا۔‘‘[1]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۷۴۲)

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔''[1]

امام احمد اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردار بکری کے پاس سے ہوا جسے اس کے مالکوں نے باہر پھینکا ہوا تھا، اسے دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دنیا اللہ کے نزدیک اتنی وقعت بھی نہیں رکھتی جتنی اب اس بکری کی اس کے مالکوں کے نزدیک حیثیت ہے۔''[2]

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں اس دنیوی زندگی کی نہایت بلیغ اور واضح انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اس کے معاملے میں بندے کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ اللہ کی طرف رجوع و انابت کے سلسلے میں کیسی دلچسپی ہونی چاہیے؟ اپنے نفس پر کنٹرول کر کے اسے نیکی و تقوے کے اعمال پر لگانا چاہیے، نفسانی خواہشات و شہوات سے کلی طور پر اجتناب کرنا چاہیے اور دنیا کی رنگینیوں اور اس کی چمک دمک سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے، بلکہ اس سے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔

حبِ دنیا:

لیکن انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہم میں بڑی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کے ساتھ لمبی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، وہ غفلت و کور چشمی میں مبتلا ہیں اور ان کے دل بد عملی کے نتیجے میں زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ ان کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ ان کے نزدیک دنیوی زندگی کے سوا کسی دوسری زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں رہا۔ جب کسی کے دل پر اس دنیا کی محبت مسلط ہو جائے تو وہ اسے ذکرِ الٰہی بھلا دیتی ہے اور جب کوئی بندہ اللہ کے ذکر کو بھول جائے تو پھر اللہ اسے بھلا دیتا ہے اور اسے اپنے غیظ و غضب اور ہلاکت کا شکار بنا دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی قباحت اور

---

[1] سنن الترمذي (٢٣٢٠) اس حدیث کو امام ترمذی، حاکم، ضیا مقدسی اور البانی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔

[2] مسند أحمد (١/ ٣٢٩) اس حدیث کو امام منذری رحمہ اللہ نے حسن اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

دین کے لیے اس خطرے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی و بگاڑ پیدا نہیں کر پاتے جتنا مال اور برتری کی حرص میں مبتلا انسان فساد برپا کرتا ہے۔''[1]

بعض سلف صالحین کا قول ہے: ''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔''

بعض ائمہ نے کہا ہے:

''جس نے درہم و دینار سے محبت کی وہ ذلت و رسوائی کے لیے تیار رہے!''

حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ نے جب اپنے زمانے کے بعض لوگوں کو دنیا پر جھپٹتے اور آخرت سے غفلت برتتے دیکھا تو فرمایا:

''کیا یہ لوگ یومِ حساب پر ایمان رکھنے والے ہیں؟ ہرگز نہیں، روزِ جزا کے مالک کی قسم! یہ تو اس کو جھٹلا رہے ہیں۔''

حبِ دنیا کی علامات:

حبِ دنیا کے دلوں پر غالب آ جانے اور نفسوں پر قابض ہو جانے کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لوگ عارضی جاہ وجلال، کھلی شہرت اور جھوٹی عزت کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں، چاہے اس کے لیے انھیں اپنے دین کا سودا ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اصل عزت وشرافت سے ہاتھ ہی کیوں نہ دھونے پڑیں۔ کچھ لوگ اس طرح کے بھی ہوتے ہیں، جنھیں مال جمع کرنے اور بینک بیلنس بڑھانے کا شوق ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ ہر مشتبہ اور حرام طریقہ اختیار کرنے پر تیار رہتے ہیں۔

حبِ دنیا کے نتائج:

اسلامی معاشرے کے کتنے ہی ایسے افراد ہیں جن پر حبِّ دنیا غالب آ گئی اور انھوں نے حرص و ہویٰ اور برائی و فحاشی کا حکم دینے والے نفسِ امّارہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، پھر کیا ہوا؟ شراب پینے لگے، منشیات کا استعمال کرنے لگے اور فحاشی ومنکرات کے ارتکاب میں لگ گئے۔ ان کی ان کرتوتوں کو آج کے ذرائع ابلاغ ٹی وی، وی سی آر، سیٹلائٹ چینلز اور انٹرنیٹ وغیرہ نے سہارا دیا

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٧٦) مسند أحمد (٣/ ٤٥٦) اس حدیث کو امام ابن حبان اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

ہے جن کا کام ہی باطل کو بنا سنوار کر حق کی شکل میں پیش کرنا اور لوگوں کو فتنہ وفساد پر اکسانا ہے۔ یہ ذرائع لوگوں کو اخلاق اقدار اور عزت و شرف نامی قیمتی چیزوں کے خلاف بھڑکانے پر لگے ہوئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد اور خصوصاً نوجوان نسل کا ایک بڑا طبقہ اعدائے دین اور دشمنانِ اسلام کی عادات، اخلاق باختگی اور بدکرداری کو اپنا چکا ہے اور یہی دین اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ ان کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھا جائے اور اب یہ اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان میں سے اکثر پر اللہ جل وعلا کا یہ ارشاد صادق آتا ہے:

﴿ فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴾ [مریم: ۵۹]

''پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے، پس وہ عنقریب ''غیّ'' (جہنم کی ایک وادی) میں ڈالے جائیں گے۔''

حبِ دنیا کی ہلاکت خیزیاں:

انھیں اس ہلاکت و بربادی میں ڈالنے والی چیز حبِ دنیا کی طغیانی کے سوا اور کوئی نہیں ہے، یہاں تک کہ انھوں نے آخرت پر بھی دنیا ہی کو ترجیح دی اور یہ ایسی بیماری ہے جس کے نتیجے میں عہدِ حاضر میں امتِ اسلامیہ ضُعف و کمزوری، ذلت و رسوائی، اختلاف وانتشار اور تنازعات میں مبتلا ہوگئی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے کتنے معاملے ایسے ہیں کہ ان میں فیصلہ صادر کرنے والے دشمنانِ دین کفار ہیں، وہ اِن کی دولت خوب سمیٹ رہے ہیں۔ بعض ملکوں پر تو گویا قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، بعض مسلمان ملکوں کے عوام کو طرح طرح کے عذاب دے رہے ہیں اور بے قصور نہتے لوگوں کو چکی کے دو پاٹوں میں پیس رہے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال پر نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد پوری طرح صادق آتا ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ جب میری امت کے افراد دنیا جمع کرنے کی دوڑ میں لگ جائیں گے اور اس دنیا میں اپنا دل لگا لیں گے، دین کے ساتھ ان کا تعلق و رابطہ نہایت کمزور پڑ جائے گا اور یہ لوگ اپنے آپ کو دنیا کے کاموں میں اتنا مصروف کر لیں گے کہ دینی حلقوں اور درسوں میں

جانے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوگا، حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر بیٹھیں گے تو ان کا یہی حال ہوگا جو آج ہے۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ''وفا ہ نہ ہو جن کو اپنے رب سے، وہ کسی سے کیا وفا کریں گے؟''

اللہ کے بندو! غفلت پر ضد اور اللہ سے اعراض و بے رخی پر اصرار کریں نہ آخرت کی نعمتوں کے بدلے میں دنیا کی عیش و عشرت کو ترجیح دیں۔ اللہ تعالیٰ نے غافلوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور ان متقین کو سراہا ہے جو نفسانی خواہشات کی تسکین کے بجائے روزِ آخرت کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کی مثال اور ان کی سزا و جزا کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۃ النازعات (آیت ۳۷ تا ۴۱) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾

''تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی) اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی) اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے (جوابدہی کے لیے) کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو (بُری) خواہشات سے روک لیا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔''

اللہ کے بندو! شیطان کے دھوکے سے بچنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ پرانا دشمن ہے جو ہر زمانے اور علاقے میں نیا لباس زیب تن کیے ظاہر ہو جاتا ہے۔

اللہ والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الفاطر: ٦]

''یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے، تم اسے دشمن ہی سمجھو، وہ تو اپنے گروہ کو صرف اسی لیے بلاتا ہے، تاکہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔''

مزید فرمایا:

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [الفاطر: ٥]

''تمھیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ دھوکے باز (شیطان) تمھیں دھوکے میں ڈالے۔''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت فکرِ آخرت سے غافل ہے اور انھوں نے دنیا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور موت کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ سورۃ الانبیاء (آیت: ۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴾

''لوگوں کا حساب (اعمال کا وقت) نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں۔''

اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جن پر غفلت غالب آ چکی ہے، شیطان اپنا تسلّط جما چکا ہے اور انھیں اللہ کے ذکر اور دارِ آخرت سے غافل کر دیا ہے، باطل خواہشات نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جھوٹی امیدوں کا فسوں ان کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے اور ان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ انھیں دنیوی عیش و لذت اور شہوانی جذبات کی تسکین کے سوا اور کوئی فکر ہی نہیں رہ گئی، یہ جیسے بھی حاصل ہو اور جہاں سے بھی حاصل ہو، اس کی انھیں کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر ان کے سامنے دنیوی مال ومنال آ جائے تو وہ اس پر اللہ کی رضا وخوشنودی اور اجر وثواب کو ترجیح نہیں دیتے، ایسے لوگوں کے بارے میں سورۃ الروم (آیت: ۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾

''وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر ہی کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل بے خبر ہیں۔''

یعنی اکثر لوگوں کو دنیوی معاملات کا خوب علم ہے، چنانچہ وہ ان میں تو اپنی چابک دستی اور مہارتِ فن کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کا فائدہ عارضی اور چند روزہ ہے، لیکن آخرت کے معاملات سے یہ غافل ہیں جس کا نفع مستقل اور پائیدار ہے، یعنی دنیا کے امور کو خوب پہچانتے ہیں اور دین سے بالکل بے خبر ہیں۔

اللہ کے بندو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور وہ گھڑی اپنے ذہن میں رکھو جب اس دنیائے فانی

سے رخصت ہوکر حیاتِ جاودانی کی طرف سفر اختیار کرنا ہے اور پھر وہاں یا تو جنت نشین ہوں گے یا جہنم رسید، اس دن کے لیے پوری تیاری اور زادِ راہ جمع کر کے رکھو۔ اس دن جو شخص جہنم سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ یہ دنیا کی زندگی سامانِ فریب ہے جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب ہے اور جو اس کے دامِ فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام ونامراد ہوا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران (آیت: ۱۸۵) میں فرمانِ الٰہی ہے۔

﴿ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

''اور یہ دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔''

امام قتادہ رحمہ اللہ اس ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سامانِ دنیا ہے، جسے چھوڑ دیا جائے گا، اس ذاتِ گرامی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! قریب ہے یہ دنیا، دنیا والوں سے روٹھ جائے، لہٰذا جس قدر ممکن ہو، دنیا کے اس سامان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دو۔[1]

یہ دنیا گھٹیا اور فانی ہے جو قلیل اور زوال پذیر ہو جانے والی ہے، جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ (آیت: ۱۶، ۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۞ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾

'' مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بقا والی ہے۔''

سورۃ القصص (آیت: ٦٠) میں فرمایا:

﴿ وَ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾

''اور جو چیز تم کو دی گئی ہے، وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

اس لیے عقل مند لوگ فانی چیزوں کو باقی رہنے والی اشیا پر ترجیح نہیں دیتے۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم (٣/ ٨٣٣)

''دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبو لے تو وہ دیکھے کہ اس کی انگلی کے ساتھ سمندر کے پانی میں کس قدر کمی آئی ہے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک مربع بنایا، اس کے درمیان میں ایک لکیر کھینچی جو مربع سے باہر نکل گئی اور اس لکیر کے بازو پر جہاں سے شروع ہوئی تھی، چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا: ''مربع کے اندر آدمی ہے اور مربع اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور لمبی لکیر جو مربع سے باہر نکل گئی ہے، آدمی کی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں مصائب اور آفات ہیں، اگر ایک آفت سے بچ گیا تو دوسری نے آدبایا اور اگر اس سے بھی بچ گیا تو تیسری نے دبوچ لیا۔''[2]

مفسرِ قرآن امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: ہر روز دن کہتا ہے: اے ابنِ آدم! آج تو میں تم پر داخل ہوا ہوں لیکن میں آج کے بعد کبھی تم پر داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ جب یہ دن گزر جاتا ہے تو اسے لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس پر مہر لگا دی جاتی ہے، جسے کوئی توڑ نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ اس دن کا فیصلہ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اس دن ہر کسی کے ساتھ عدل و انصاف کیا جائے گا، ہر چھوٹی بڑی نیکی اور برائی کی جزا و سزا دی جائے گی۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس کی زندگی میں جو دن آئے اس کو غنیمت سمجھے، اللہ کی عبادت اور اپنے فرائض کا خیال رکھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحت دی ہے اور وقت بھی ہمارے پاس ہے، یہ وقت ہی انسان کا اصل سرمایہ ہے، ان دونوں چیزوں کو غنیمت سمجھ کر جنت کا راستہ تلاش کرنے میں صرف کریں۔ اگر اس وقتِ غنیمت کو دنیا حاصل کرنے میں ضائع کردیا تو پھر قرآنِ کریم کی ان آیات پر غور کریں جن میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴾

[یونس: ۷، ۸]

''جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں، وہ دنیا کی زندگی سے خوش اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، ایسے لوگوں کی

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٥٨)

[2] شعب الإيمان للبيهقي (٧/ ٣٦٥) مسند أحمد (١/ ٢٨٥)

زندگی کا مقصد صرف دنیا ہے۔‘‘

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس عارضی زندگی ہی کو اصل زندگی سمجھتے ہوئے اسی میں لطف اندوز ہوتے رہنے اور موت سے پہلے اس کی لذتوں سے فائدہ اٹھانے کو غنیمت سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جو لوگ اس دنیا کی زندگی کو نہیں بلکہ جو موت کے بعد کی زندگی ہے اس کا اعتراف اور وہاں کے ثواب و عقاب کا اقرار کرتے ہیں، ایسے لوگ اللہ کے دوست ہوتے ہیں، ان کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہوتا ہے اور وہ اپنی آخرت کی زندگی کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس (آیت: ۶۲) میں ان الفاظ سے فرمایا ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

’’یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔‘‘

’’خَوْفٌ‘‘ کا تعلق مستقبل سے ہے اور ’’يَحْزَنُوْنَ‘‘ غم کا ماضی سے متعلق ہے، مطلب یہ ہے کہ انھوں نے زندگی خدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے، اس لیے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان پر نہیں ہوگا، جس طرح دوسروں کو ہوگا، بلکہ وہ اپنے ایمان وتقوے کی وجہ سے اللہ کی رحمت وفضلِ خاص کے امیدوار اور اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے والے ہوں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کا ذکر فرما رہا ہے کہ یہ وہ سچے اور مخلص مومن ہیں، جنھوں نے اللہ کی اطاعت کی اور معاصی سے اجتناب کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیا، پھر آیت (۶۳) میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرمائی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔‘‘

ایمان وتقویٰ ہی اللہ تعالیٰ کے قرب کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی سورت (آیت: ۶۴) میں اللہ تعالیٰ کامیابی حاصل کرنے والوں کا ذکر فرما رہے ہیں:

﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾

’’ان کے لیے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔‘‘

اس طرح دنیا میں وہ جو کچھ چھوڑ گئے ہوں گے یا دنیا کی جو لذتیں انھیں حاصل نہ ہوسکی

ہوں گی، ان پر انھیں کوئی حزن وملال نہیں ہوگا۔ ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ دنیا میں جو مطلوبہ چیزیں انھیں نہ ملیں، ان پر وہ غم وحزن کا مظاہر نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا و تقدیر ہے، جس سے ان کے دلوں میں کوئی کدورت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ان کے دل قضائے الٰہی پر مسرور و مطمئن رہتے ہیں۔ نیک لوگ نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے دنیا سے اتنا ہی لیتے ہیں، جتنا ایک مسافر اپنا توشئہ سفر لے کر بے ضرورت چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری حیثیت تو دنیا میں محض اس سوار کی مانند ہے جس نے کسی درخت کے نیچے سایہ لیا اور پھر اسے چھوڑ کر چل دیا ہو۔''[1]

نبی اکرم ﷺ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرماتے ہیں:

''تم دنیا میں ایک مسافر یا راستہ پار کرنے والے آدمی کی طرح زندگی گزارو۔''

اللہ اکبر! وہ لوگ کامیابیاں اور کامرانیاں پا گئے اور ایک ہم ہیں جن کے شب و روز دنیا کی فکر میں لگے ہیں، جو محض ایک دھوکے کا سامان ہے اور ہمیں اپنی ظاہری خوبصورتی سے دنیا دھوکے میں مبتلا کر رہی ہے لیکن پھر بھی ہم اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور آخرت کے بارے میں ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں، جبکہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی حقیر اور بے قدر چیز ہے، دنیا کی محبت بندے کو آخرت میں بالضرور نقصان پہنچاتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح آخرت کی محبت دنیا کو نقصان وضرر پہنچاتی ہے۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت بندے کی ایک عظیم فکر اور اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس کی فکر کا محور آخرت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں تونگری و مالداری پیدا فرما دیتے ہیں، اس کے شیرازے کو یکجا فرما دیتے ہیں جو دنیا کی فکر میں بکھر جاتا ہے اور اس کے پاس دنیا ناک رگڑ کر حاضر ہوتی ہے، لیکن جس کا مرکزِ فکر دنیا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر وضرورت کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں، اس کے شیرازے کو

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٧٧)

بکھیر دیتے ہیں اور دنیا بھی اس کو اتنی ہی ملتی ہے جس قدر اس کے لیے مقدر ہے۔''

یعنی جتنی اس کے نصیب میں اللہ رب العزت نے لکھی ہوتی ہے۔

امام یونس بن عبد الاعلیٰ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں دنیا کی مثال ایسے شخص سے دیتا ہوں جو اپنے نیند کی حالت میں ایسی چیزوں کو دیکھ رہا ہے جو اسے ناگوار بھی گزر رہی ہوں اور پسند بھی ہوں، پس اسی اثنا میں اس کی نیند کھل جاتی ہو۔''

دنیا سائے سے مشابہت میں بہت قریب ہے، تو پھر کیوں آپ اس سائے کو ایک پائیدار حقیقت سمجھتے ہیں جبکہ یہ برابر سکڑتا اور کم ہوتا رہتا ہے۔ آپ اگر اس کے پیچھے اسے پکڑنے کے لیے چلتے ہیں تو وہ پکڑا نہیں جاتا، بلکہ ہم اس کی پکڑ میں آجاتے ہیں۔

دنیا کی مشابہت ایک ایسی بوڑھی، بدشکل اور بے وفا عورت سے بھی دی گئی ہے جو اپنی منگنی کے لیے بناؤ سنگھار کرتی ہے اور میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے کے عیبوں کو چھپا دیتی ہے، اس کی ظاہری شکل کو دیکھ کر ایک شخص دھوکا کھا جاتا ہے، پھر اس سے نکاح کرنے کی درخواست کرتا ہے اور وہ عورت اس سے نکاح کر لیتی ہے، مگر اس نے جس وقت اس کے چہرے سے نقاب کو اٹھایا تو اس نے ایک مصیبت اور آفت کا مشاہدہ کیا۔ بعض نے اسے اسی وقت طلاق دے کر راحت حاصل کر لی اور بعض نے مقام کی نزاکت سے اسے اختیار کر لیا اور اس کی شبِ زفاف شور و ہنگامے کے ساتھ گزری۔

بخدا یہ دنیا ایسی ہی ہے، اس کے شکار میں جو لوگ اُڑے، ان میں سے جتنے لوگ واپس ہوئے، سب کے بازو شکستہ تھے اور جو اس کے جال میں پھنس گئے، ان سب کو اس دنیا نے ذبح کرنے کے لیے تیار کر دیا۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دنیا سے بے رغبتی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت ہی سادہ مزاج تھے اور فقر و درویشی میں زندگی گزارتے تھے اور شان و شوکت سے گریز کرتے تھے۔ امارت کی ذمہ داری نے بھی ان کے مزاج میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ ان کے پاس طاقت تھی، اختیار تھا، دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو چکی

تھیں۔ ہر آدمی ان کی آنکھ کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار تھا، لیکن اس طاقت اور اختیار کو انھوں نے کبھی اپنی ذات کے لیے استعمال نہیں کیا۔ ایک بار عید سے چند دن پہلے کسی نے ان کے کپڑوں میں پیوند دیکھے تو کہا: ''امیر المومنین، آپ دو درہم میں نیا جوڑا کیوں نہیں خرید لیتے؟''

اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا:

''مجھے شرم آتی ہے کہ میں نئے کپڑے پہنوں اور کوفے میں ہزاروں آدمیوں نے پرانے کپڑے پہن رکھے ہوں۔''

اللہ اکبر! یہ تھے خلیفۃ المسلمین۔ انہی کے متعلق ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار اسدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کریں۔ انھوں نے کہا: اللہ گواہ ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے یہ کہتے سنا ہے:

''ارے دنیا! تو مجھے رجھانے آئی ہے، دور رہو، دور ہو جا، میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے، میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں، اب تیری طرف رجوع کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔''

آگے فرماتے ہیں: ''تیری عمر تھوڑی ہے، تیرا عیش حقیر ہے، تیرے خطرات بڑے ہیں۔ ہائے زادِ راہ کی کمی، سفر کی دوری اور راستے کی وحشت انگیزی!!''

یہ بیان سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور حاضرینِ مجلس بھی رونے لگے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ ابو الحسن رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، اللہ کی قسم! وہ ایسے ہی تھے۔''

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں دنیا کی حیثیت:

① حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب قیامت کے ہولناک مناظر سے دل لرزتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا خیال آتا ہے تو طبیعت بے چین اور دل غمگین ہو جاتا ہے۔ کیا معلوم جنت کی طرف جانا ہے یا دوزخ کا سامنا کرنا ہے؟ دنیا دار پر حیرانی ہے کہ موت اس کے پیچھے لگی ہے اور وہ اسے بھلا کر دنیا کی امیدوں اور آرزوؤں میں مگن ہے۔ معلوم نہیں کہ اللہ اس سے راضی ہے یا ناراض، لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ پھر بھی وہ قہقہے لگا رہا ہے۔''

② حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے سوال کیا کہ کبھی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہنستے بھی تھے؟ انھوں نے جواب میں فرمایا: ”ہاں، وہ ہنستے بھی تھے، مگر ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔“ یعنی وہ اللہ سے بے خوف ہو کر نہیں ہنستے تھے۔

③ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ لباس پہنتے۔ خوشبو اس طرح استعمال کرتے کہ جدھر سے گزرتے راستہ معطر ہو جاتا۔ خوش وضع، خوش شکل، خوش کردار اور خوش گفتار تھے۔ اسلام لانے کے بعد آزمایش کا دور شروع ہوا۔ ایک دن مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا، ایک کھال سے ستر پوشی کی ہوئی تھی، جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ جسم کی کھال موٹی اور کھردری ہوگئی تھی۔ یہ ایک کپکپا دینے والا منظر تھا۔ نبی اکرم ﷺ راہِ حق کے مسافر کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

”چند سال پہلے میں نے اس نوجوان کو دیکھا تھا کہ سارے مکے میں اس سے بڑھ کر ناز ونعمت کا پروردہ، خوش رو، خوش لباس اور آسودہ حال کوئی نہ تھا، لیکن آج اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے اور حسنات کے شغف نے اسے دنیوی لذات اور اسبابِ راحت سے بے نیاز کر دیا ہے۔“

پھر یہ صحابیِ رسول ﷺ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے، نبی اکرم ﷺ ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے اور پھر قرآن کریم کی سورۂ احزاب (آیت:۲۳) کی تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

”مومنوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور ان میں بعض موقع کے منتظر ہیں، انھوں نے اپنے عہد و پیمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔“

پھر فرمایا:

”میں نے مکے میں تم جیسا کوئی خوش پوش اور حسین نہیں دیکھا، مگر آج تمھارے بال گرد آلود ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ قیامت

کے دن اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو گے۔‘‘

قرآنِ کریم کی یہ آیت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اس موقع پر جان نثاری کے عجیب وغریب جوہر دکھائے تھے، انھی میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں جو جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، لیکن انھوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اب آیندہ کوئی معرکہ پیش آیا تو جہاد میں ہم بھر پور حصہ لیں گے۔ جیسے حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ وغیرہ جو بالآخر لڑتے ہوئے جنگِ اُحد میں شہید ہوئے۔ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے اَسّی (۸۰) سے زیادہ اوپر زخم تھے۔ شہادت کے بعد ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلی کے پورے سے انھیں پہچانا تھا۔[1]

اس آیتِ کریمہ میں جو لفظ ﴿نَحْبَهٗ﴾ آیا ہے اس کے معنی: عہد، نذر اور موت کے کیے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان صادقین میں سے کچھ نے تو اپنا عہد یا نذر پوری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا ہے اور دوسرے وہ ہیں جو شہادت کی سعادت کے آرزو مند ہیں اور انھوں نے اپنی اس نذر یا عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے:

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس کے چلنے والے خوش رہے پچھتائے کم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خوفِ دنیا:

سعد اپنے والد ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ روزے سے تھے، افطار کے وقت ان کے سامنے کھانا لایا گیا تو فرمانے لگے:

’’مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، وہ مجھ سے بہتر تھے، انھیں صرف ایک چادر میں کفنایا گیا، اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھلا رہ جاتا تھا۔ میں اس وقت اسے دیکھ رہا تھا۔ حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، وہ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ پھر ہمارے لیے دنیا فراخ کردی گئی یا دنیا کے مال سے ہمیں نوازا گیا۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ ہمیں دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو۔‘‘

یہ کہہ کر انھوں نے رونا شروع کردیا، یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھایا۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٠٥) سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٢٠١)

یہ کون ہیں جن کو آخرت کی فکر ہے؟ یہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے ولی ہیں جن کو دنیا حقیر لگتی ہے تو کیوں نہ ہم بھی اس دھوکے باز دنیا کو چھوڑ کر ایک ایسی منزل کی طرف چلیں جو دنیا اور آخرت کے لیے کامیابی ہے اور وہ ہے توبہ، کیونکہ موت تک اس سے وابستگی رہتی ہے، اگر بندہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف سفر کرتا ہے تو توبہ بھی اس کی رفیقِ سفر ہوتی ہے اور اس کے ساتھ قیام کرتی ہے، بس توبہ بندہ مومن کے لیے آغاز بھی ہے اور انتہا بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور: ۳۱]

''اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی یہ آیتِ شریفہ مدینہ منورہ کی سورتوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی مخلوق میں سب سے افضل و بہتر مخلوق سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اپنے ایمان، اپنے صبر، اپنی ہجرت اور اپنے جہاد وغیرہ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں اور تمام مومنین کی کامیابی و فلاح کو توبہ پر موقوف و منحصر فرمایا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی کہ جب تم لوگ فائز المرامی کی امید پر توبہ کرو گے تو تم فلاح پا جاؤ گے، کیونکہ فلاح کی امید صرف تائب لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی تائبین میں سے بنا دے۔ آمین، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرما رہا ہے:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [الحجرات: ۱۱]

''اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔''

صحیحین میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''لوگو! اللہ سے توبہ کیا کرو، اللہ کی قسم! میں دن میں ستر (۷۰) مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔''[1]

نیز نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَ لَجَآءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُوْنَ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُوْنَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ))

''اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں ختم کر کے ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا، جو گناہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٠٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧٠٢)

کرے گی پھر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے اور اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔''

صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، [جو اثنائے سفر میں] کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اتر گیا ہو جو سامانِ حیات سے خالی اور اسبابِ ہلاکت سے بھر پور ہو، اس کے ساتھ بس اس کی سواری اونٹنی ہو اور اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ آرام کرنے کے لیے بازو پر سر رکھ کر لیٹ جائے اور اسے نیند آجائے، جب اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی وہ اپنی اونٹنی [پورے سامان سمیت] غائب ہے اور وہ اس کی تلاش میں نکلے، پھر وہ وہاں آکر اپنے بازو پر سر رکھ کر لیٹ جائے کہ اپنی اونٹنی سے مایوس ہو چکا ہو، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے تو وہ اس کی لگام کو پکڑے اور مارے خوشی کے کہے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا، اللہ کی قسم! مومن بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے متعلق سورت بقرہ (آیت: ۲۵۷) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

''اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے، ان کو (کفر کے) اندھیرے سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے اور کافروں کے حمایتی طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے (ایمان کی روشنی جو اللہ تعالیٰ نے ہر آدمی کی فطرت میں رکھی ہے) نکال کر (کفر کے) اندھیرے میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخی ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے۔''

یہاں آپ ذرا غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے متعلق کیا فرمایا ہے کہ ایمان

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٠٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٦٦، ٢٧٤٤)

والے میرے دوست ہیں اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں، انھیں وہ اپنی آسمانی ہدایات کے ذریعے اندھیروں یعنی گمراہی سے نکال کر روشنی و ہدایت کی طرف لے جاتا ہے۔

سورت آل عمران (آیت: ۱۳۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہوئی ہے۔''

اس تقوے کے نتائج وفوائد آپ ﷺ نے اس طرح بیان فرمائے:

''سب سے زیادہ جو چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی وہ تقویٰ اور خوفِ الٰہی اور حسنِ اخلاق ہے اور جو چیز جہنم میں زیادہ لوگوں کو پہنچائے گی وہ منہ [زبان] اور شرم گاہ (کا غلط استعمال) ہے۔''[1]

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو دوست بنانے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی اور کو دوست بناتے ہیں وہ کون لوگ ہیں اور ان کا حشر کیا ہونے والا ہے؟ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کی سورۃ الکہف (آیت: ۱۰۲) میں اعلان فرما رہا ہے:

﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴾

''کیا یہ کافر یہ سمجھے ہیں کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟ ہرگز نہیں، ہم نے تو ان کے لیے دوزخ کی مہمانی تیار کر رکھی ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کے ٹھکانے کے متعلق فرمار ہاہے اور ہم نے تو ان شاء اللہ اپنے خالق و مالک کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ ہم اس کی رحمت سے جنت کے امید وار ہیں اور اس کی نعمت کو پانے کے آرزو مند ہیں۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٤) مسند أحمد (٢/ ٢٩١)

نفس کی ہرنا جائز خواہش چھوڑ کر صرف اللہ کا ہو جانا:

اگر دل میں جنت کی طلب صادق ہو اور آدمی اپنے آپ کو کسی غلط فہمی یا دھوکے میں مبتلا کر کے نہ بیٹھا ہو تو اس کے لیے جنت کا راستہ بہت واضح ہے کہ نعمتِ ایمان سے آراستہ ہونے کے بعد عملِ صالح پر جان کھپادے، جیسا کہ سورۃ البقرۃ (آیت: ۸۲) میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے وہی جنتی ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

جس طرح ایمان اور عملِ صالح کے لیے رنگ، نسل، زبان یا وطن کی کوئی نسبت ضروری نہیں، اسی طرح عملِ صالح کرنے والا مرد ہو یا عورت، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، سب کی محنت اللہ تعالیٰ کے ہاں یکساں محفوظ ہے، جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۱۲۴) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ نَقِیۡرًا﴾

''اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔''

یہی بات سورۃ المومن (آیت:۴۰) میں بھی دہرائی ہے:

﴿مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾

''جو کوئی برُا کام کرے گا، اس کو ویسا ہی بدلہ ملے گا اور جو کوئی مرد یا عورت اچھا کام کرے ایمان کے ساتھ تو ایسے ہی لوگ بہشت میں جائیں گے، وہاں بے حساب روزی پائیں گے۔''

عملِ صالح:

عملِ صالح پر کار بند رہنے کے لیے دو ہی اصول ہیں: ① دل میں اللہ کا خوف ہو ② اور

نفس کو ناجائز خواہشات سے لگام دے دی جائے، یہی راستہ جنت کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ سورۃ النازعات (آیت: ۴۰، ۴۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى﴾

''اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔''

لہٰذا انسان کو ہر وقت اپنے رب سے ڈرتے رہنا چاہیے، اپنے نفس کو نیکی کے کاموں پر پابند کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ اس کی زندگی کی شام کب اور کہاں ہو جائے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جب تو صبح کرے تو شام کا انتظار نہ کر اور جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت کے زمانے میں مرض کے زمانے کے لیے توشہ لے لے (جو اعمال صحت میں کرتا ہوگا مرض میں ان کا ثواب ملتا رہے گا) اور اپنی زندگی میں موت کے لیے توشہ لے لے۔''[1]

اس بات کو ہم مانتے ہیں کہ آخرت دنیا سے افضل ہے مگر دنیا کا مال جمع کرنے کی فکر میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ موت یقینی چیز ہے جو آ کر رہے گی، مگر اعمال ہم ایسے کرتے ہیں جیسے ہمیں کبھی مرنا ہی نہ ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''[2]

اس لیے کہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا دنیا سے بے رغبتی پیدا ہونے کا سبب ہے جو اصل مقصود ہے اور آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کرنے میں مددگار و معاون اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنے کی ترغیب کا باعث بھی ہے۔ سمجھ دار وہ ہے جو موت کو کثرت سے یاد کرنے والا اور اس کے آنے سے پہلے پہلے اس کے لیے بہترین تیاری کرنے والا ہو۔ آخرت کی تیاری کرنے والے کا تین چیزوں

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤١٦) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٣٣)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٠٧)

سے احترام و اکرام کیا جاتا ہے:

① اسے توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے اور وہ موت کو یاد کرتے ہوئے تقوے کے قریب ہوجاتا ہے۔

② اسے قناعت کی دولت ملتی ہے اور تھوڑے مال پر قناعت میسر ہوتی ہے۔

③ اسے عبادت میں خوشی اور دل کا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جو موت سے غافل رہتا ہے، اس پر تین عذاب مسلط کیے جاتے ہیں:

① گناہوں سے توبہ میں تاخیر ہوتی رہتی ہے۔

② اپنی آمدنی پر راضی نہیں ہوتا، اس کو کم ہی سمجھتا رہتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی بڑھ جائے۔

③ عبادات میں سستی پیدا ہوتی ہے۔

ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ (آیت: ۸) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ﴾

’’(اے میرے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک موت جس سے تم فرار ہوتے ہو، وہ تو یقیناً تمھیں ملنے والی ہے۔‘‘

موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے، اس کے وقت کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ قبر کے کیڑوں کا ہمیں ساتھی بننا ہے، منکر نکیر سے سابقہ پڑنا ہے، زمین کے نیچے مدتوں رہنا ہے، قیامت کا سخت منظر دیکھنا ہے، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ٹھکانا جنت ہے یا جہنم۔ موت کا کسی کو کوئی پتا نہیں کہ کب اور کہاں آئے گی؟ یہ خبریں ہم سنتے رہتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دفن ہوتے بھی دیکھتے ہیں، لیکن پھر بھی یقین نہیں۔

دفن خود صدیا کیے زیرِ زمین پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقین
تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی غافل نہیں کچھ تو عبرت چاہیے نفسِ لعین
مال و دولت کا بڑھنا ہے عبث زائد از حاجت کمانا ہے عبث
دل کا دنیا میں لگانا ہے عبث رہ گزر کو گھر بنانا ہے عبث
حسنِ ظاہر پر اگر تو جائے گا عالمِ فانی سے دھوکا کھائے گا

یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا　　رہ نہ غافل یاد رکھ پچھتائے گا
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے　　کرے جو کرنا ہے آخر موت ہے
دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں　　بحر غفلت یہ تیری ہستی نہیں
رہ گزر دنیا ہے، یہ بستی نہیں　　جائے عیش وعشرت و مستی نہیں
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے　　کر لے جو کرنا آخر موت ہے

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو دھوکے کا سامان قرار دیا ہے۔ واقعی ہی یہ دنیا بڑی ظالم ہے، انسان کو طرح طرح سے اپنی دلچسپیوں کے نرغے میں گھیر رکھتی ہے۔ دنیا والو! دنیا کی زندگی، اس کی دلکشی اور زیب وزینت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ یہ دنیا وہ خوبصورت حسینہ ہے جس کے کروڑوں شوہر ہیں۔ اس نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔ دیکھو! جن لوگوں نے دنیا بھر کی دولت سمیٹ رکھی تھی، وہ یہاں سے کافور اور کفن کے علاوہ کچھ نہیں لے کر گئے۔ یہاں کتنے آئے کتنے چلے گئے، مگر اے انسان! تجھ کو عبرت نہ ہوئی۔ یہاں جو بھی آیا ہے، کوچ کرنے کے لیے ہی آیا ہے، آخرت کی فکر کر اور عملِ صالح سے اپنی مدد کر۔

یوں نہ اپنے آپ کو بے کار رکھ　　آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیر حق سے قلب کو بیزار رکھ　　موت کا ہر وقت استحضار رکھ
آخر موت ہے　　کر لے جو کرنا ہے
دار فانی کی سجاوٹ پر نہ جا　　نیکیوں سے آخرت کا گھر سجا

جیسا کہ سورۃ اعلیٰ (آیت: ۱۷) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴾ ''حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

قرآنِ کریم اور نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے جو دعوت دی گئی ہے کہ اے فانی لذتوں پر مرنے والے انسان! اپنا مرتبہ پہچان، تجھے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی بندگی کے لیے بنایا ہے، تو غیر کا متوالا نہ بن، فائدے کی بات تو یہی ہے کہ انسان فی الواقع اللہ تعالیٰ کا مکمل غلام بن جائے اور اپنا تن، من، دھن اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے۔ جب، جہاں اور جو اللہ حکم دے، بندہ خوش دلی سے اسے بجا لائے اور بندے کا حق بھی یہی ہے کہ وہ صرف اپنے اللہ رب العزت سے پیار کرے، اسی کا ہو جائے۔ ہر

آن، ہر گھڑی نیکی کی شمعیں روشن کرتے رہو تا کہ جب موت آئے تو تیرا دامن اعمالِ صالحہ سے مالا مال ہو اور ربِ کریم تجھ سے خوش ہو کر تجھے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ یہی سعادت ہے، یہی نجات ہے اور یہی جنت کی راہ ہے، جس کا ذکر سورۃ ہود (آیت: ۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب ہی کے ہو کر رہے تو یقیناً وہ جنتی لوگ ہیں اور جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

جو بھی مسلمان کتاب اللہ اور نبی اکرم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق اخلاصِ دل سے کوئی عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسے ابدی عزت وعظمت کا تاج پہنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں حقیقی ایمان پیدا کر دے، اتباعِ سنت کو ہماری زندگی کا حصہ بنا دے، ہمیں دنیا کی چمک دمک سے محفوظ رکھے، ہمیں دنیا میں باعزت و بامراد رکھے اور آخرت میں ہم کامیاب و کامران ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر رہے اور ہمیں ہر موقع پر صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنَّ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. تزکیۃ النفوس۔ علامہ ابن رجب حنبلی، امام ابن قیم الجوزیۃ، الامام الغزالی رحمہم اللہ۔
   ترجمہ: مولانا محبوب احمر قمر الزمان
4. خطباتِ حرمین۔ (جلد اول) ترجمہ: فضیلۃ الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
5. جنت کی راہ۔ تالیف: مولانا ابو عبد الرحمٰن شبیر بن نور
6. دنیا کے اے مسافر۔ تالیف: محترمہ ام منیب

ذکرِ موت، فکرِ آخرت اور قبر

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٥٧]

''ہر متنفّس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آ ؤ گے۔''

اس کائنات کا ایک خالق ہے، اُسی نے تمام چیزوں کو بنایا ہے۔ جس طرح اس نے مخلوقات کو زندگی عطا کی ہے، اسی طرح ان کے لیے موت بھی مقرر کردی۔ ہر موت ہمیں بتاتی ہے کہ ہم اپنے نفس کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری زندگی محض عارضی زندگی ہے۔

اسلام نے اس بارے میں ایک سیدھی سادی قدرتی راہ اختیار کی اور بنی نوع انسان کے آگے عالمِ آخرت کی حقیقت نمایاں کر دی۔ اسلام نے بڑی وضاحت سے بتا دیا ہے کہ کارخانۂ ہستی کا حدود اربعہ صرف یہی عالمِ رنگ و بو نہیں ہے جو تمھارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ میدانوں، کھلیانوں، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں، آبشاروں، بادلوں، آسمانوں کی نیلگوں فضا اور ستاروں کے آگے بھی زمان و مکان کا ایک لامتناہی سلسلۂ کائنات موجود ہے اور اسے تم اسی وقت دیکھ سکو گے جب موت کا سرد ہاتھ تمھاری شمعِ زندگی گل کردے گا۔ جونہی تمھاری آنکھیں بند ہوں گی مشاہدے کی موجودہ دنیا اوجھل ہوجائے گی اور عالمِ غیب کی وہ زندگی صاف دکھائی دینے لگے گی جو ابدی اور لافانی ہے۔ تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے، حشر کے میدان میں کھڑے کر دیے جاؤ گے، میزان (ترازو) نصب کر دیا جائے گا۔ تاکہ ہر کسی کو اس کے کیے ہوئے کا برابر بدلہ دیا جائے۔ اگر نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگیا تو تمھیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اور اللہ نہ کرے، اگر گناہوں کا پلڑا بھاری نکلا تو تم جہنم کی غذا بن جاؤ گے۔

سورت آل عمران (آیت: ۳۰) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۚ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۚ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾

''جس دن ہر شخص، جو بھلائی یا برائی اس نے کی ہے، اپنے سامنے موجود پائے گا (پوری نہ کم نہ زیادہ) آرزو کرے گا: کاش! یہ دن اس سے بہت دور ہوتا اور اللہ تم کو اپنی ذاتِ مقدس سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت رکھتا ہے۔''

لہٰذا ہر شخص اچھی طرح خبر دار ہو جائے کہ موت سائے کی طرح ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہیں، جونہی موت پنجہ مارتی ہے، جیتی جاگتی زندگی اچانک بجھ جاتی ہے۔ آدمی اور اس کے اچھے یا بُرے انجام کے درمیان فاصلہ ہی کتنا ہے؟ صرف ایک لمحے کا! موت کا ایک لمحہ جو انسان کو اس کے انجام سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ زندگی محدود۔ دن گنے چنے۔ انجام موت اور قبر کی تاریکی۔ استغفر اللہ اگر آدمی صرف اپنی موت ہی کو یاد رکھے تو وہ کبھی سرکشی نہ کرے، لیکن ہم نے کبھی موت کو یاد ہی نہیں کیا، ہمیں اس وقت پتا چلتا ہے جب فرشتہ اجل سر پر آ کھڑا ہوتا ہے تو دمِ واپسیں انسان سوچتا ہے ساٹھ ستر سال کی زندگی تو بس یونہی آنکھ جھپکنے میں گزر گئی۔ بچپن ابھی کل کی بات ہے، جوانی ایک حسین خواب سے زیادہ کچھ نہیں لگتی۔ کھونے اور پانے کا جدول بنانے کی فرصت ہی نہیں ملی ......اتنی طویل اور اتنی مختصر زندگی... تب انسان حسرت و یاس کی تصویر بنے زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا اس دنیا سے رختِ سفر باندھتا ہے ؎

چار دن کی زندگی لائے تھے مانگ کر
دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

کاش! ہمیں کبھی اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہونے والی اموات پر فرشتہ اجل کا پیغام سننے کی فرصت میسر آ سکے؟ آہ! یہ زندگی کتنی مختصر ہے...؟

لیکن انسان کہتا ہے: افسوس! میں نے توبہ نہیں کی اور جادۂ خیر کا راہی نہیں بنا۔ میری بے پناہ امنگوں نے اور دنیا کی آسائشوں نے مجھے دھوکے میں مبتلا کیے رکھا۔ میں بھول گیا تھا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن صد افسوس کہ میں آخرت کی زندگی کے لیے

کوئی آسایشوں کا سامان تیار نہ کر سکا۔ کاش! میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر قیام کیا کرتا۔ دن کو روزے رکھا کرتا۔ میں نے عمر کو یوں ہی گنوا دیا۔ ایک ہی موقع تھا جو میں ضائع کر چکا ہوں...!

آہ! حشر کے دن میں کیا کروں گا؟ جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، پل صراط پر پاؤں پھسل پھسل جائیں گے، جب اعمال کو ترازو میں رکھا جائے گا تو میرا کیا حال ہوگا؟ گناہوں سے بھرا اعمال نامہ جب ہاتھ میں دیا جائے گا تو سوائے حسرت و ندامت کے کیا باقی رہ جائے گا؟ لیکن اس وقت یہ سب یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا انسان کو اس سے پہلے اس زندگی کے لیے اللہ اور اس کی رسول ﷺ کے حکم کی مطابق بہترین تیاری کرنی چاہیے۔ ہمارے لیے بہتر زندگی کا واحد راز یہی ہے کہ ہر آدمی اپنی حد میں رہے۔ یہ حدیں کیا ہیں؟

ان کی معلومات قرآنِ کریم پڑھنے اور سمجھنے سے ملیں گی۔ موجودہ دنیا عمل کی جگہ اور آخرت اپنے عمل کا نتیجہ پانے کی جگہ ہے۔ آخرت کے لیے جو کچھ کرنا ہے، اسی موجودہ دنیا میں کرنا ہے۔ اس کے بعد کیے ہوئے کو بھگتنا ہے۔ موجودہ زندگی کا عرصہ بہت کم ہے۔

آخرت میں ہر شخص وہی فصل کاٹے گا جو اس نے موت سے پہلے اس دنیا میں بوئی تھی۔ موت ہماری زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ ہماری ابدی یعنی ہمیشہ کی زندگی کا آغاز ہے۔ موت صرف جسم کی ہوتی ہے، ہماری روح کی نہیں۔ اس دنیا میں آنے کا نام زندگی اور دنیا سے واپسی کا نام موت ہے۔ اس آنے اور جانے کے درمیان جو مختصر وقت ملا ہے وہ عرصۂ امتحان ہے، جیسا کہ سورۃ الملک (آیت: ۲) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۙ وَّهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ﴾

”اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمھاری آزمایش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔“

یعنی انسان دنیا میں آزمایش اور امتحان میں ہے۔ اس لیے آج اور ابھی نیکی، پاکیزگی، پاکدامنی، دانش مندی، درد مندی، سچائی، سخاوت اور بہادری کے اعمال والی زندگی اختیار کر لی جائے، تاکہ آخرت کے کنارے قیامت کے ہجوم و ہیجان میں رب ذوالجلال کے حضور شرمندہ نہ ہونا

پڑے اور ہم دوزخ کے شعلوں سے بچ کر جنت کے محلات میں جانے کے قابل بن جائیں۔

سورت ابراہیم کی (آیت: ۷) میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾

''اگر شکر کروگے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بہت) سخت ہے۔''

اگر دنیا میں اللہ نے کسی کو زیادہ مہلت دے دی اور اس کے مرنے تک اس کا مواخذہ نہیں کیا تو قیامت کے دن تو وہ مواخذہ الٰہی سے نہیں بچ سکے گا، جو کافروں کے لیے اتنا ہولناک دن ہوگا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ جو ہولناکیاں وہ دیکھیں گے اور جو فکر اور خوف اپنے بارے میں انھیں ہوگا، ان کے پیشِ نظر ان کی آنکھیں ایک لحظے کے لیے بھی پست نہیں ہوگی اور کثرتِ خوف سے ان کے دل گرے ہوئے اور خالی ہوں گے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''قیامت کے دن بندے سے جن نعمتوں کے بارے میں سب سے پہلے سوال کیا جائے گا، وہ یہ ہیں کہ اس سے پوچھا جائے گا: کیا ہم نے تمھیں صحیح سلامت جسم عطا نہیں کیا تھا اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟''[1]

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن (کا شکر ادا کرنے) کے بارے میں بہت سے لوگ کوتاہی کرتے ہیں اور وہ تندرستی اور فراغت ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا فائدہ اٹھائیں، اپنے وقت کو زیادہ سے زیادہ عبادت میں صرف کریں اور اللہ کے دیے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''آدم کا بیٹا کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کا مال صرف وہی ہے جو اس نے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٣٥٨) صحيح ابن حبان (٦/ ٣٦٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤١٢)

کھا کر ختم کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا ہے، باقی مال اے آدم کے بیٹے! دوسرے لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانا ہے۔''[1]

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''میت کے ساتھ (قبر تک) تین چیزیں جاتی ہیں: دو چیزیں تو واپس آ جاتی ہیں جبکہ ایک چیز اسی کے ساتھ رہ جاتی ہے، یعنی گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل اس کے ساتھ (قبر تک) جاتے ہیں، گھر والے اور اس کا مال تو واپس آ جاتے ہیں، جبکہ اس کا عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔''[2]

ان احادیث کے بیان کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کو بالکل ترک کر دیا جائے، اسلام میں رہبانیت کا کوئی جواز نہیں، ہمارا مقصد محض یہ ہے جو کسی دانشور کے اس قول میں جھلک رہا ہے:

''اپنی دنیا کا کام یہ سمجھ کر کرو جیسے تمھیں یہیں رہنا ہے اور آخرت کے لیے کام یہ سوچ کر کرو کہ کل ہی موت سے ہمکنار ہونا ہے۔''

مختصر یہ کہ آخرت کو بھلا کر محض دنیا ہی کو اپنی تمام تر کاوشوں کا مرکز نہیں بنا لینا چاہیے، آخرت سے غافل ہو کر اسی دنیا کے شب و روز میں الجھ کر رہ جانا ایک مومن کی شان سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ [العنكبوت: ٦٤]

''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے، کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔''

اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ مبارک دین ہمیں ایمان کی مضبوطی اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٥٨)

[2] صحيح البخاري، باب سكرات الموت، رقم الحديث (٢٩٥٨)

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ [القصص: ٧٧]

''اور جو (مال) تمھیں اللہ نے عطا فرمایا ہے، اس سے آخرت (کی بھلائی) طلب کیجیے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔''

یعنی اپنے مال کو ایسی جگہوں پر خرچ کرو جہاں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے، اس سے تیری دنیا سنورے گی اور وہاں اس کا تجھے اجر وثواب ملے گا۔

دنیا میں جس طرح تجھ پر تیرے رب کا حق ہے، اسی طرح تیرے اپنے نفس کا یعنی کھانا پینا، لباس، گھر، نکاح، بیوی بچوں اور مہمانوں وغیرہ کا بھی حق ہے اور ہر حق والے کا حق ادا کرو، کیونکہ اللہ نے تجھے مال دے کر تجھ پر احسان کیا ہے، تو مخلوق پر خرچ کر کے ان پر احسان کر۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا ہے:

﴿وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ [آل عمران: ١٨٥]

''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے چار چیزوں کا واضح پتا چلتا ہے۔ پہلی یہ کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، دوسری یہ کہ دنیا میں جس نے جو کچھ کیا ہوگا، اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، تیسری اصل کامیابی بتلائی گئی ہے کہ کامیاب وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا اور جنت میں داخل ہو گیا۔ چوتھی یہ کہ دنیا کی زندگی سامانِ فریب ہے، جو اس سے (دامن بچا کر) نکل گیا، وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا، وہ ناکام و نامراد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دنیا میں اس طرح رہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ چلتا مسافر ہو۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

''جب شام ہو جائے تو صبح کا اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور تندرستی میں بیماری کے زمانے کے لیے اچھے اعمال کر لو اور موت سے پہلے زندگی ہی میں اس کی تیاری کر لو۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤١٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤١٦)

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں، بلکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ پچھلی قوموں کی طرح تم پر بھی دنیا فراخ کردی جائے، سوتم اس کے حصول میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا اور وہ تمھیں (اللہ کی یاد اور آخرت سے) غافل کردے گی جس طرح گذشتہ قوموں کو کیا تھا۔''

ایک اور روایت میں ہے: ''وہ تمھیں ہلاک کردے گی جیسا کہ انھیں ہلاک کیا تھا۔''[1]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''پانچ چیزیں پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، تونگری کو فقر و فاقے سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔''[2]

نیز فرمایا:

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''[3]

اور فرمایا: ''جس نے دنیا سے محبت کی اس نے آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، لہٰذا دائمی چیز کو عارضی چیز پر ترجیح نہ دیا کرو۔''[4]

کسی نے کہا ہے:

''جب تمھیں جسمانی راحت اور سکون ہو تو قناعت کا دامن تھام لو، تم شاہانہ زندگی گزارو گے اور ساری دنیا پر حکومت کرنے والے (سکندرِ اعظم) کی طرف دیکھ لو، وہ خوشبو اور کفن کے علاوہ کچھ بھی ساتھ نہیں لے کر گیا۔''

جائے گا جب جہاں سے کچھ بھی نہ پاس ہوگا
دو گز کفن کا ٹکڑا تیرا لباس ہوگا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤٢٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٦١)

[2] مستدرك الحاكم (٤/ ٣٠٦) رقم الحديث (٧٨٤٦) صحيح الجامع، رقم الحديث (١٠٧٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٥٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١١٣)

[4] شعب الإيمان للبيهقي (٧/ ٢٨٨) رقم الحديث (١٠٣٣٧)

شیخ احمد بن علی بن حسین بن شرف دنیا کی حقیقت کے بارے میں کہتے ہیں:

''اس حقیر دنیا سے اپنے آپ کو بچاؤ، (دنیا) دھوکے کا سامان ہے جس کی خوشی عارضی ہوتی ہے جو شخص زندگی میں اس سے بے رغبتی کرتے ہوئے اسے نہیں چھوڑتا، اسے آگاہ رہنا چاہیے کہ عنقریب اس کے مرنے کے بعد لوگ اس سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور دنیا اسے ایک دن قیدی بنا کر اس حال میں قبر میں بے بس کر کے چھوڑ دے گی کہ وہ اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں سے مایوس اور ناامید ہوگا۔

''اس کے افرادِ خانہ اسے بھول جائیں گے جو زندگی میں اس پر جان فدا کرتے تھے، پھر قیمتی کپڑوں کے بعد اسے سستے کپڑے پہنا دیے جائیں گے۔ رونے دھونے اور چیخ پکار کے بعد اسے ایسے گڑھے میں دبا آئیں گے جو اپنی فضا میں وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو جائے گا۔ وہ اس گڑھے میں طویل عرصے تک مقیم رہے گا اور وہاں دوڑنے والے کیڑوں کے سوا کوئی اس کا ساتھی نہیں ہوگا۔ موت نگاہوں سے اوجھل ہے، اس وجہ سے اس کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہونا، کیونکہ ہر کسی کو ایک دن اس سے ضرور ملنا ہے۔ پس ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کر کے موت کے لیے تیاری کر لے اور زندگی کو ختم ہونے سے پہلے بہت غنیمت سمجھو۔ امیدوں اور آرزوؤں سے بچو! کیونکہ یہ زندگی ختم ہو جانے والی ہے اور زندگی کے بعد اس کے اسباب محدود (ختم) ہو کر رہ جائیں گے۔ دینِ ہدایت کی حفاظت کرو، شاید یہی دین مرتے وقت ہماری زندگی کی مہر ہو جائے، یعنی ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔''

آخرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: ٢٨١]

'' اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ [طٰہٰ: ١٣١]

''اور [اے میرے نبی!] ان چیزوں کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں جو چیزیں دنیاوی زندگی کی آرایش کے لیے ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں، تاکہ انھیں اس میں آزمالیں اور آپ کے رب کا دیا ہوا ہی بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔''

اس سے مراد آخرت کا اجر وثواب ہے جو دنیا کے مال واسباب سے بہتر بھی ہے اور اس کے مقابلے میں باقی رہنے والا بھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور بے سروسامانی کا یہ عالم ہے کہ گھر میں چمڑے کی دو چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عمر! کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیصر وکسریٰ کس طرح آرام وراحت کی زندگی گزار رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا، باوجود اس بات کے کہ آپ افضل الخلق ہیں، یہ حال ہے؟ فرمایا: ''عمر! کیا تم اب تک شک میں ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے آرام کی چیزیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔ (یعنی آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا)۔''[1]

لہٰذا اس دلفریب، آرام دہ اور پر آسایش زندگی کے بعد آنے والے تمام مراحل انتہائی کٹھن، تکلیف دہ اور المناک ہیں، ان سب سے پہلا مرحلہ موت کا ہے۔ موت وہ کڑوا گھونٹ ہے جسے ہر جاندار نے پینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [آل عمران: ١٨٥] ''ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔''

دوسری جگہ سورۃ القصص (آیت: ٨٨) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: ٨٨]

''اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩١٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٤٧٩)

اسی طرح سورۃ الرحمٰن (آیت: ۲۷) میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾

''اورصرف تیرے رب کی ذات جوعظمت اورعزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔''

دنیا کے اے مسافر! کیا تو بھول گیا:

ہے تجھے یہاں سے جانا ایک دن　　قبر میں ہوگا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن　　اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن
یہ دنیا فانی ہے محبوب تجھ کو　　ہوئی واہ کیا چیز مرغوب تجھ کو
جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

نئی زندگی کا پہلا سفر:

اسلامی تہذیب کیسی خوبصورت تہذیب ہے کہ مسلمان کے جسم کو زندگی کے اختتام پر بھی بہت احترام سے غسل دے کر، اجلا لباس اور سفید کفن پہنا کر، خوشبوؤں میں بسا کر بہت عزت اور احترام سے کندھوں پر اٹھا کر، اجتماعی نظم وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے نماز جنازہ پڑھ کر، دعاؤں کے ساتھ اللہ سے اس کے لیے مغفرت طلب کرتے ہوئے خاموشی سے اسے اس کی آخری قیام گاہ میں سپرد خاک کر دیا جاتا ہے، جبکہ غیر اسلامی تہذیبوں میں انسانیت کے ایسے احترام کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

نئی زندگی کا پہلا گھر:

قبر دنیا کے آخری گھر کا پہلا دروازہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴾ [عبس: ۲۱] ''پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔''

موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا، تاکہ اس کا احترام برقرار رہے، ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے حرمتی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ))[1] ''قبریں آخرت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۲۳)

''ہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ قبر کے کنارے پر بیٹھ گئے اور اتنا روئے کہ زمین کی مٹی (آنسوؤں سے) تر ہوگئی، پھر فرمایا:

''اے میرے بھائیو! اس گھر کی تیاری کرو۔''[1]

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''میں نے قبر سے زیادہ سختی اور گھبراہٹ والی جگہ اور کوئی نہیں دیکھی۔''[2]

اسی قبر کے فتنے سے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تلقین فرمائی۔[3]

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم لوگ قبروں میں فتنہ دجال کی طرح آزمائے جاؤ گے۔''

صحابہ کرام اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ زار و قطار رونے لگے۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا:

''ابو ہریرہ! کیا دنیا چھوڑنے کی وجہ سے رو رہے ہو؟'' فرمانے لگے:

''نہیں، بلکہ طویل سفر اور قلیل زادِ سفر کی وجہ سے رو رہا ہوں، میں نے ایسے ٹیلے پر شام کی ہے جس سے آگے جنت ہے یا جہنم اور مجھے معلوم نہیں میری منزل کون سی ہے؟''

قبر کی خوفناک گھاٹی:

ہمارے اسلاف جس قدر خوفزدہ رہتے تھے، آج ہم اتنے ہی اس سے بے خوف اور غافل ہوچکے ہیں۔ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں ہم اس قدر کھوچکے ہیں کہ بھولے سے کبھی قبر کا خیال ہی نہیں آتا۔ ہماری اس غفلت پر قرآن کریم کا یہ تبصرہ کس قدر سچ ثابت ہو رہا ہے:

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾ [الأنبياء:١]

''لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔''

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٩٥)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٠٨)

[3] مسند أحمد (٢/ ٤١٦)

[4] سنن النسائي، رقم الحديث (١٤٧٦)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمارے حال پر رحم فرمائے اور موت سے پہلے پہلے ہمیں قبر کی کٹھن کھاٹی کے لیے کچھ تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وقتِ رخصت:

زندگی کا سفینہ جب کنارے آ لگتا ہے تو ایک اندرونی حس موت کے مسافر کو مطلع کر دیتی ہے کہ اب عمر کی نقدی ختم ہوئی، کوچ کا وقت آ پہنچا اور روانگی شروع ہونے والی ہے۔ تو ایسے میں ہم دنیا سے روانگی کی تیاری کس طرح کریں؟ آیئے اس سلسلے میں ہم رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے راہنمائی حاصل کریں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مریض کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہے۔ تقدیر پر صبر کرے اور اپنے پروردگار کے بارے میں حسنِ ظن رکھے۔ یہ بات اس کے حق میں بہت مفید ہے۔ نبیِ رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم میں سے جو بھی فوت ہو رہا ہو، اسے اپنے رب کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا چاہیے۔“[1]

ہر مریض کو چاہیے کہ خوف اور امید کی کیفیت میں رہے اور وقتِ وفات امید کی جانب اس پر غالب ہو، اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرتا رہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار بھی ہو۔

جانے والے کو ہم کیسے رخصت کریں؟

انسان جب اس دنیا سے اگلی اور ابدی منزل کی طرف سفر شروع کر رہا ہوتا ہے تو وہ بڑی پریشان کن حالت سے دو چار ہوتا ہے، اس لیے لواحقین اگر احتیاط سے کام لیں تو انجام اچھا ہو سکتا ہے۔ جب کوئی نزع کی حالت میں ہو اور مرنے لگے تو جو بھی پاس ہو، اس کو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

① کلمہ توحید کی تلقین کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”اپنے مرنے والوں کو ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ کی تلقین کیا کرو۔ جس نے مرتے وقت ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ کہا، وہ بالآخر جنت میں جائے گا، خواہ اس سے پہلے اسے کتنی ہی سزا ملے۔“[2]

کلمہ طیبہ کی تلقین اس طرح کرے کہ ”لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ“ کو اس کے سامنے اونچی آواز سے

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٧٧)

[2] موارد الظمآن (٢/ ٤٦٣)

پڑھے اور اسے پڑھنے کے لیے کہے۔

② نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جب تم کسی مریض یا مرنے والے کے پاس ہو تو صرف اچھی بات کہو، کیونکہ فرشتے بھی تمھاری بات پر آمین کہتے ہیں۔''[1]

اگر قریب المرگ شخص دعا یا نماز پڑھنا چاہے تو اس کی مدد کی جائے۔ قریبی عزیزوں کو اس پر ہاتھ پھیر کر معوذتین، سورت اخلاص اور مسنون دعائیں پڑھ کر اس پر دم کرنا چاہیے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم ﷺ کے لیے کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معوذتین پڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو دم کرتی جاتی تھیں اور برکت کی امید میں آپ ﷺ کا ہاتھ آپ ﷺ کے جسمِ مبارک پر پھیرتی جاتی تھیں۔[2]

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وفات کے وقت نبی اکرم ﷺ کے سامنے پانی کا ایک کٹورا رکھا تھا۔ آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے اور منہ پر پھیرتے اور فرماتے:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ﴾[3]

''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، بے شک موت کے لیے سختیاں اور بے ہوشیاں ہیں۔''

موت کی سختی:

موت کی سختی کا حال صرف وہی جانتا ہے جس پر گزر چکی ہے، دوسرا محض قیاس آرائی کر سکتا ہے، یا مرنے والے کی حالت دیکھ کر کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ موت براہِ راست روح کو کھینچتی ہے جو بدن کے سارے اعضا میں پھیلی ہوئی ہے۔ کمزوری کی وجہ سے انسان میں اتنی قوت نہیں رہتی کہ وہ کراہنے سے کچھ آرام پالے۔ سب سے پہلے پاؤں ٹھنڈے ہوتے ہیں اور وہیں سے پہلے روح کھینچی جاتی ہے، پھر پنڈلیوں اور رانوں سے روح کھینچی جاتی ہے، اسی طرح ہر عضو ٹھنڈا ہوتا رہتا ہے اور ہر عضو کو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جس قدر زندگی میں اسے کانٹے سے ہوتی ہے، یہاں تک کہ روح حلق تک پہنچتی ہے تو آنکھوں سے نور جاتا رہتا ہے، پھر منہ کے ذریعے سے روح نکل جاتی ہے۔ نبی مکرم ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩١٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٤٣٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٤٤٩)

《اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ فِتْنَةِ الْمَمَاتِ》[1]

''اے اللہ! میں زندگی اور موت کی آزمایش سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔''

مرنے کے بعد کوئی شخص واپس نہیں پلٹتا، اس لیے ٹھیک مرنے کی کیفیت بتانا تو ممکن نہی البتہ قرآن و حدیث میں موت کی شدت اور سختی کا جو ذکر آیا ہے اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ دنیاوی زندگی کے سارے مصائب و آلام، سارے رنج و غم اور ساری تکلیفیں مصیبتیں اکٹھی کردی جائیں تو موت کی تکلیف اور شدت ان سے کہیں زیادہ ہوگی۔ سورت ق (آیت: ۱۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور موت کی بے ہوشی حق لے کر آ پہنچی۔''

حق سے مراد عالمِ برزخ کے حقائق اور سچائیاں ہیں۔ فرشتے نظر آجاتے ہیں۔ یعنی موت کے ساتھ حق واضح اور ان وعدوں کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے جو قیامت اور جنت و جہنم کے بارے میں انبیا علیہم السلام کرتے رہے ہیں۔ عذاب یا ثواب کا یقین ہو جاتا ہے۔ موت کی سختی اور شدت کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ القیامہ (آیت: ۲۶ تا ۲۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴾

''جب جان حلق تک پہنچتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟ اور وہ یقین کرے گا کہ (اب دنیا سے) جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔''

پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جانے کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت پے در پے تکلیفیں پہنچیں گی، اس وقت حاضرین میں سے کوئی ہے جو جھاڑ پھونک کے ذریعے سے تمھیں موت کی سختی سے چھڑا لے؟ ہرگز نہیں اور وہ شخص یقین کرلے گا کہ اب مال، اولاد اور دنیا کی ہر چیز سے جدائی کا مرحلہ آ گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: ''موت کی تکلیف بڑی شدید ہے۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨٣٢٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤١٨٤)

دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لذتوں کو مٹا دینے والی چیز (یعنی موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''[1]

رسولِ کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مرض میں وفات پائی، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب اور بے چینی کا یہ عالم تھا کہ پانی کا پیالہ ساتھ رکھا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار ہاتھ مبارک ڈبوتے اور چہرہ مبارک پر ملتے، اپنی چادر کبھی چہرہ مبارک پر ڈالتے اور کبھی ہٹا لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی غشی طاری ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ مبارک سے پسینہ پونچھتے اور فرماتے جاتے:

((اِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَکَرَاتٍ))[2]

''موت کے لیے بڑی سختیاں ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی تکلیف دیکھنے کے بعد اب میں کسی کے لیے موت کی سختی کو زیادہ نہیں سمجھتی۔[3]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (فاتح مصر) اپنی زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے:

''ان لوگوں پر تعجب ہے جن کے ہوش وحواس موت کے وقت درست ہوتے ہیں، مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب خود موت کے کنارے پہنچے تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں ان کی بات یاد دلائی۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگے: موت کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے، بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں کے درمیان پس رہا ہوں، میری گردن پر جیسے کوئی پہاڑ رکھا ہوا ہے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھرے ہوئے ہیں اور ایسے معلوم ہو رہا ہے جیسے میری سانس سوئی کے ناکے سے گزر رہی ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ موت کا لمحہ دنیا اور آخرت کی تمام ہولناکیوں سے زیادہ ہولناک ہے۔ یہ آریوں کے چیرنے سے زیادہ اذیت ناک، قینچیوں کے کاٹنے سے زیادہ سخت اور ہنڈیوں کے ابالنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اگر مردہ زندہ ہو کر لوگوں کو موت کی سختی سے آگاہ

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت (٢/ ٣٤٣٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٤٥)

[3] صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب مرض النبي ﷺ و وفاته (٤١٨١)

کر دے تو لوگوں کا آرام اور نیند ختم ہو جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيَّ الْمَوْتَ" "یا اللہ! مجھ پر موت کی سختی آسان فرمانا۔"

نیک میت کا معاملہ:

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن اور کافر کی موت کی الگ الگ کیفیت بیان فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو آسمان سے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں جو روشن چہرے والے گویا سورج ہوں ان کے پاس جنت سے لایا ہوا کفن ہوتا ہے اور جنت ہی کی خوشبو۔ وہ آکر تا حدِ نگاہ بیٹھ جاتے ہیں۔ آخر میں ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں۔ ملک الموت علیہ السلام اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں: اے پاکیزہ روح! (دوسری روایت میں ہے: مطمئن روح!) اپنے پروردگار کی مغفرت ورضا مندی کے پاس پہنچ۔ (رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا:

"پھر وہ اس طرح نکلتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشکیزے کے منہ سے ٹپکتا ہے، چنانچہ ملک الموت علیہ السلام اسے لے لیتے ہیں۔"[1]

سورۃ الفجر (آیت: ۲۷ تا ۳۰) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴾

"اے مطمئن روح! تو اپنے رب کی طرف چل، اس حال میں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی، پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔"

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ [النحل: ٣٢]

"جن کی جان فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو (فرشتے) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم عمل کرتے تھے۔"

---

[1] مسند أحمد (٤/ ٢٨٧)

فرشتے خود ''السلام علیکم'' کہہ کر انھیں پہلے سلامتی کی دعا دیتے ہیں، پھر انھیں جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور ابھی وہ اس دنیا سے پوری طرح رخصت بھی نہیں ہوتے کہ انھیں جنت میں داخل ہونے کی بشارت دے دی جاتی ہے۔

جب روح نکل جاتی ہے تو زمین وآسمان کے درمیان ہر فرشتہ اس کے حق میں دعاے رحمت کرتا ہے اور آسمان کے تمام فرشتے اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ روح کے استقبال کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ تمام دروازوں کے نگران اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ اسے ہمارے پاس سے لے کر گزرا جائے۔ جب ملک الموت علیہ السلام روح قبض کرتے ہیں تو دوسرے فرشتے آنکھ جھپکنے سے پہلے ان سے وصول کر لیتے ہیں، پھر اسے جنتی کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں۔ جب فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں، وہ دریافت کرتے ہیں: اتنی پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے جواب میں اس کا خوبصورت ترین نام بتاتے ہیں: یہ فلاں ابن فلاں ہے۔

آسمان کے فرشتے اس کے لیے دروازہ کھولتے ہیں، اسے خوش آمدید کہتے ہیں اور اس پاک روح کو اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بشارت دیتے ہیں۔ فرشتے اسے دوسرے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، آسمانِ اول کے فرشتے مومن آدمی کی عزت افزائی کے لیے دوسرے آسمان تک الوداع کہنے ساتھ جاتے ہیں۔ دوسرے آسمان پر مومن کی روح کو پہلے آسمان کی طرح خوش آمدید کہا جاتا ہے، پھر تیسرے، چوتھے، حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک روح پہنچ جاتی ہے، وہاں پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ میرے اس بندے کا نام علّیین (بلند مرتبہ والے لوگوں کی فہرست) میں لکھ لو۔ فوت ہونے والے اہلِ ایمان کی روحیں جب علّیین میں پہنچتی ہیں تو پہلے سے موجود اہلِ ایمان کی روحوں سے مل کر انھیں خوشی ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کا حال احوال دریافت کرتے ہیں، پھر اس کی روح کو سوال وجواب (منکر نکیر) کے لیے دوبارہ جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔[1]

قبر میں سوال وجواب کرنے والے فرشتوں کو منکر اور نکیر کہا جاتا ہے، ان کا چہرہ سیاہ، آنکھیں گہرے رنگ کی موٹی موٹی اور چمک دار، دانت گائے کے سینگ کے برابر بڑے بڑے اور

---

[1] الترغیب و الترهیب، رقم الحدیث (٥٢٢١)

آواز بجلی کی طرح گرجدار ہوتی ہے۔ اپنے دانتوں سے زمین اکھیڑتے ہوئے آتے ہیں اور اکھڑ لہجے میں پوچھتے ہیں: ﴿مَنْ رَبُّكَ؟﴾ ''تیرا رب کون ہے؟'' ﴿مَنْ نَبِيُّكَ؟﴾ ''تیرا نبی کون ہے؟'' ﴿مَا دِيْنُكَ؟﴾ ''تیرا دین کیا ہے؟''

بعض روایات میں ایک چوتھے سوال کا بھی ذکر ہے: ﴿مَا يُدْرِيْكَ؟﴾ ''تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟'' اور وہ کہتا ہے کہ ''میں نے اللہ کی کتاب میں پڑھا، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔''[1]

یہ منظر کیسا ہوگا؟ ایک تو قبر کی تاریکی، دوسری تنہائی، منکر نکیر کے انتہائی ڈراؤنے چہرے دیکھنے کے باوجود مومن آدمی کسی قسم کا خوف اور گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا اور پورے اطمینان سے منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ بعض اہلِ ایمان کو سوال وجواب کے وقت سورج غروب ہوتے دکھایا جاتا ہے۔ چنانچہ مومن آدمی فرشتوں کے سوال کے جواب میں کہتا ہے: ذرا ٹھہرو! مجھے پہلے نمازِ عصر ادا کر لینے دو، پھر میں تمھارے سوالوں کے جواب دوں گا، لیکن جب اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ نماز ادا کرنے کی جگہ نہیں تو پھر وہ منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتا ہے۔ اگر وہ ان کے سوالوں کا صحیح جواب دے دے تو اللہ تعالیٰ اس کے کامیاب ہونے کے نتیجے کا اعلان کرتے ہیں اور قبر میں اسے چھے انعامات سے نوازنے کا حکم جاری کرتے ہیں:

1. اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے۔
2. جنت کا لباس پہنایا جاتا ہے۔
3. اس کی قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے جنت کی پاکیزہ خوشبو کے جھونکے آتے رہتے ہیں اور جنت میں اسے اس کے اہلِ خانہ اور اموال دکھائے جاتے ہیں۔
4. قبر میں جنت کی بشارت۔
5. قبر میں تا حدِ نگاہ وسعت۔
6. قبر روشن کردی جاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے رخصت ہوتے ہیں تو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٩٩)

وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ تیرا دین کیا ہے؟ مومن کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ دونوں کہتے ہیں کہ کون صاحب ہیں جو تمھارے درمیان بھیجے گئے تھے؟ مومن کہتا ہے کہ وہ میرے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ مومن کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب میں پڑھا ہے، اس بس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی ہے، پھر ایک منادی کرنے والا آسمان میں اعلان کرتا ہے:

''میرے بندے نے سچ کہا، اس کا ٹھکانا جنت میں بنا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔''[1]

جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آنے لگتی ہیں۔ اس کی قبر حدِ نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا:

''اس کے پاس ایک خوش شکل آدمی آتا ہے جس کے کپڑے بھی خوبصورت اور خوشبو بھی عمدہ، وہ آکر کہتا ہے: میں تجھے اچھی خبر کی بشارت دیتا ہوں: یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ جواب میں کہے گا: اللہ تمھیں بھی خوش رکھے۔ تم کون ہو؟ وہ جواب دیتاہے: میں تیرا نیک عمل ہوں۔ وہ بندہ کہتا ہے: اے میرے رب! قیامت قائم کر دے، تاکہ میں اپنے اہل اور مال کے پاس لوٹ سکوں۔''

''پھر دوزخ کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے: اس عذاب کو دیکھ لو! جس سے اللہ عزوجل نے تمھیں رہائی دے دی، پھر جنت کی طرف سے ایک کھڑکی کھول کر اسے کہا جاتا ہے۔ اب یہ نعمتیں اور آسایشیں بھی ملاحظہ کر لو جو اللہ عزوجل نے تمھارے لیے تیار کی ہیں۔

''اس کے بعد اسے بڑے ادب سے قیامت تک آرام سے سونے کی ہدایت کی جاتی ہے، مومن کو قبر میں کسی قسم کی گھراہٹ نہیں ہوگی اور اس کی قبر میں چودھویں رات کے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٩٩)

چاند جیسی مسحور کن روشنی ہوگی۔ پھر اس کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیا جاتا ہے اور قبر اسے اس طرح اپنی گود میں لے کر دباتی اور ملتی ہے جیسے کوئی ماں اپنے بچھڑے ہوئے بچے کو سینے سے لگا کر پیار سے ملتی ہے۔"[1]

قبر کا مومن میت کو دبانا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) وہ شخص ہے جس کی وفات پر اللہ تعالیٰ کا عرش ہل گیا، جس کے لیے آسمانوں کے سارے دروازے کھول دیے گئے، جس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، لیکن قبر نے انھیں بھی ایک مرتبہ دبایا، پھر فراخ ہوگئی۔"[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبر میں دبائے گئے، میں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی: اے اللہ! اس کی یہ تکلیف دور فرمادے۔ (اور اللہ نے دور فرمادی)۔"[3]

قبر کشادہ ہوئی راضی رحمٰن ہویا
رب دا مہمان بنیا دور شیطان ہویا

اب کوئی تکلیف نہیں رہی۔ یہ تھی مومن کی مہمان نوازی جو اس کے رب کی طرف سے شروع ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری قبروں کو کشادہ فرما دے اور ہمیں قبر میں جنت کی نعمتوں سے نوازے اور دنیا میں نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، جس سے ہمارا رحمٰن راضی ہو جائے، آمین۔

مراجعِ درس

1. قبر کا بیان۔ تالیف: مولانا اقبال کیلانی
2. قیامت۔ تالیف: الشیخ عبداللہ بن جار اللہ بن ابراہیم۔ ترجمہ: مولانا تنویر احمد
3. دنیا کے اے مسافر۔ تالیف: ام منیب
4. موت کے بعد کیا دیکھا؟ تالیف: مولانا سلیم رؤف

---

[1] مسند أحمد، الترغيب الترهيب، رقم الحديث (٥٢٢٠)

[2] رواه النسائي، كتاب الجنائز، باب ضمة القبر (٢/ ١٩٤٢)

[3] مستدرك الحاكم، كتاب معرفة الصحابة، باب تحرك العرش لسعد (٤/ ٤٩٧٧)

عذابِ قبر

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الانعام (آیت: ۹۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

’’اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے (پیغمبر نہ ہو اور پیغمبری کا دعویٰ کرے) یا یوں کہے کہ مجھ پر (اللہ کی طرف سے) وحی آئی اور اُس پر کوئی وحی نہ آئی ہو اور (اسی طرح اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا) جو کہے میں بھی ایسا ہی قرآن اُتار دوں گا جیسے اللہ نے اتارا، کاش تو ان ظالموں کو اُس وقت دیکھے جب موت کی سختیوں (سکرات) میں پڑے ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے (کہہ رہے ہوں) اپنی جانیں نکالو آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا ملے گی، کیونکہ تم اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور تم اُس کی آیتوں پر اکڑ جاتے تھے۔‘‘

کافر اور بدکار کے ساتھ معاملہ:

قبر میں جہاں تک ایک فاجر وفاسق، اللہ اور اس رسول کے نافرمان شخص کا معاملہ ہے تو وہ بالکل مومن کے برعکس ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں سورۃ الانفال (آیت: ۵۰) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَ اَدْبَارَھُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ﴾

’’اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں) کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو۔‘‘

کافر کی روح قبض کرتے وقت فرشتے ان کے چہروں پر تھپڑ اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہیں اور ساتھ ساتھ آگ کے عذاب کی خوشخبری بھی دیتے ہیں۔ سورت محمد (آیت: ۲۷) میں ان لوگوں کا اللہ رب العزت نے اس طرح ذکر کیا:

﴿ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ﴾

’’تو اس وقت (ان کا) کیسا (حال) ہوگا؟ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہوئے ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔‘‘

سورۃ الانعام (آیت: ۹۳) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نافرمانوں کا جس طرح ذکر فرمایا ہے، وہ درس کے شروع ہی میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

یہ اس وقت کی کیفیت بیان کی گئی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ روحیں فرشتوں سے بچنے کے لیے جسم کے اندر چھپتی اور اِدھر اُدھر بھاگتی ہیں تو فرشتے سختی اور زور سے انھیں پکڑ کر کھینچتے اور مارتے ہیں، پھر سختی کے ساتھ جان کو نکال لیتے ہیں اور یہیں سے عذاب کے آغاز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ کافر، اللہ کے نافرمان کی روح قبض کرنے آسمان سے ایسے فرشتے آتے ہیں جو بڑے سخت اور طاقتور ہوتے ہیں، ان کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس جہنمی ٹاٹ ہوتے ہیں اور وہ ان کے پاس تاحدِ نگاہ بیٹھ جاتے ہیں، پھر روح قبض کرنے پر مامور فرشتہ اس کے قریب آتا ہے اور اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتا ہے: اے خبیث جسم میں رہنے والی خبیث روح! باہر نکل اور کھولتے ہوئے پانی، پیپ اور اسی طرح کے بہت سے عذابوں کی خبر سن! یہ کہتے ہی فرشتہ اڑ کر اس کے جسم میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کے جسم کی گہرائیوں سے روح کھینچ کر اس طرح باہر

نکال لاتا ہے جس طرح بھیگی روئی میں پیوست کانٹوں کو کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ اس عمل میں اس کی رگیں اور پٹھے چور چور ہوجاتے ہیں۔ روح قبض کرنے کے بعد باقی فرشتے آنکھ جھپکنے تک بھی اسے اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے۔ روح کو ان سے لے کر ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں، اس ٹاٹ سے ایسی بدبو نکلتی ہے جس طرح زمین پر گلے سڑے بدبودار مردار سے نکلتی ہے۔ سارے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ کفن پہنانے کے بعد آسمانِ دنیا پر پہنچا کر اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولنے کی درخواست کی جاتی ہے تو دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ آسمان کے تمام دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ہر دروازے کا نگران فرشتہ اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتا ہے کہ یہ بد روح یہاں سے نہ گزاری جائے۔ پھر آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں:

''یہ کون ہے؟'' جواب میں کہا جاتا ہے: ''یہ فلاں شخص ہے۔'' یعنی بہت برے طریقے سے اس کا نام بتایا جاتا ہے۔ آسمان کے فرشتے کہتے ہیں:

''اس خبیث روح کے لیے جو خبیث جسم میں تھی، کوئی خوش آمدید نہیں۔''

ہر طرف سے ایک ہی آواز ہو گی کہ لعنت ہو، لعنت ہو، لہٰذا بجائے دروازے کھلنے کے پروردگارِ عالم کی طرف سے آواز آتی ہے کہ اس کے اعمال ''سجین'' (برے لوگوں کا قید خانہ) میں لکھ کر اسے واپس زمین کی طرف لے جاؤ۔[1]

اس قسم کے لوگ جنت میں داخل نہیں ہو گے، ان کا جنت میں جانا اتنا ہی محال ہے، جتنا سوئی کے ناک (سوراخ) میں اونٹ کا داخل ہونا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیات اور اللہ کے احکام کو جھٹلایا، تکبر کیا، من مانی کی، نافرمانی کی اور یہ انہی بدعملوں کی سزا ہے۔ چنانچہ تعمیلِ حکم میں فرشتے اس کی روح کو آسمان سے زمین کی طرف نیچے پھینک دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس کے جسم پر آ گرتی ہے یوں اس کی روح واپس کردی جاتی ہے، پھر وہ تجہیز و تکفین کے تمام مراحل کا مشاہدہ کرتی ہے۔

قبرستان کی طرف روانگی:

ان مراحل کی تکمیل کے بعد جب لاش چار پائی پر رکھ دی جاتی ہے اور آخری دیدار کے لیے

[1] سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر الموت و الاستعداد له (٢/ ٣٤٣٧)

لوگ منہ دیکھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور پھر تدفین کے لیے لوگ اسے اٹھا کر چل پڑتے ہیں تو وہ کہتی ہے: ہائے افسوس! مجھے کہاں لیے جاتے ہو؟ جب جسم لحد میں اتار دیا جاتا ہے، یعنی میت کو دفن کردیتے ہیں تو روح جسم میں واپس آجاتی ہے، یہ ہی قبر جو باہر سے گلاب کے پھولوں کی زبردست خوشبو، اگر بتیوں کی لپٹیں اور گیلی مٹی کی مہک ہوتی ہے،اس کے اندر گھبراہٹ، سخت اندھیرا اور تنہائی ہوگی۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ کالا ہوگا اور بڑی بڑی سرخ آنکھوں والے، ان کی شکل بہت ہی خوفناک ہوگی جو اس سے انتہائی غضب ناک لہجے کے ساتھ اس کے رب، دین اور نبی ﷺ کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''منافق یا کافر انسان کے جسم میں جب روح لوٹائی جاتی ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے افسوس! مجھے کوئی پتا نہیں، پھر وہ کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا: میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کہتے ہیں: یہ کون صاحب ہیں جو تمھارے درمیان بھیجے گئے تھے؟ وہ اٹک اٹک کر کہتا ہے: مجھے کوئی علم نہیں، میں کچھ نہیں جانتا، پھر فرشتے کہتے ہیں: نہ تو نے جانا، نہ پڑھا۔ یہ کہتے ہوئے وہ اسے ایسی ضرب لگاتے ہیں کہ وہ تڑپ کر چیخ اٹھتا ہے۔''[1]

قبر کا شکوہ:

اللہ کے نافرمان کے ساتھ قبر کا یہ شکوہ ہوگا:

''اے غافل انسان! تو دنیا میں مگن تھا، مگر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس دن میں نے تجھے آواز نہ دی ہو کہ میں وحشت کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں خاک کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، لیکن تم نے کوئی پروا نہ کی۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے میرے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قابلِ نفرت تو تھا۔ آج میں تجھ پر حاکم بنا دی گئی ہوں اور تو میری طرف مجبور کر دیا گیا ہے، تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیسا بُرا سلوک کرتی ہوں۔''

پھر اللہ تعالیٰ قبر کو حکم دیتا ہے: آج تیرے اندر میرا نافرمان آ گیا ہے جو دنیا میں میری نعمتیں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۲۷۳) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۸۷۰)

کھا کر میری زمین پر بڑے تکبر کے ساتھ اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اور کبھی میرا شکر ادا نہیں کیا کرتا تھا، آج اس کو پکڑ لے اور دبا لے۔ لہٰذا اس پر قبر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں پیوست ہو جاتی ہیں، پھر اس کے لیے آگ کا بستر بچھا کر جنت کی طرف ایک کھڑکی کھول کر اسے کہا جاتا ہے کہ وہ نعمتیں اور آسائشیں ایک نظر دیکھ لو جن سے اللہ عزوجل نے تمھیں محروم کر دیا ہے، پھر اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے جہنم کی گرمی اور بدبو اس تک پہنچتی رہتی ہے، پھر اسے کہا جائے گا کہ اب جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لو۔

دونوں کا نظارہ کرنے کے بعد اس کے برے اعمال انتہائی مکروہ اور بدصورت انسانی شکل میں اس کے پاس آتے ہیں جس سے کافر کے خوف اور گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کا نافرمان اسے کہے گا: تم کون ہو؟ وہ کہے گا:

''میں تمھارا عمل ہوں، تجھے برے انجام کی بشارت دینے آیا ہوں جس کا وعدہ تم سے کیا گیا تھا۔''

پھر کافر اور اللہ کے نافرمانوں کے اوپر ایک اندھا اور بہرہ فرشتہ مسلط کیا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے، وہ اس سے ایک کاری ضرب لگاتا ہے جس کی مار سے کافر کا جسم ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور اس کی تکلیف سے وہ ایسی چیخ مارتا ہے، جسے جن و اِنس کے علاوہ ہر جاندار سنتا ہے، پھر دوبارہ اسے صحیح وسالم بنا دیا جاتا ہے اور فرشتہ پھر مارتا ہے، وہ قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ اس وقت یہ اللہ کا نافرمان کہے گا: اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔''[1]

مزید فرمایا:

''قبر میں کافر کو ڈسنے کے لیے ایسے سانپ اور بچھو مسلط کیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھونک مارے تو زمین پر کبھی کوئی چیز پیدا نہ ہو۔ قیامت تک اسے بچھو اور اژدھے ڈستے رہیں گے۔ زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کافر پر تنگ ہو جا۔ چنانچہ زمین اس پر اس قدر تنگ ہوتی ہے کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں۔''[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٥٣)

[2] مسند أحمد (٤/ ٢٨٨)

یاد رہے کہ جہنم میں ڈسنے والے سانپوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ اونٹوں کے برابر ہوں گے اور ان کے ایک مرتبہ ڈسنے سے جہنمی چالیس سال تک اس کے زہر کا اثر محسوس کرتا رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے کافروں کو قبر میں دیے جانے والے عذاب کے بارے میں فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک کافر پر (قبر میں) ننانوے اژدھے مسلط کیے جاتے ہیں، ہر اژدھے کے ستر منہ ہوتے ہیں اور ہر منہ کے سات سر ہوتے ہیں اور یہ اژدھے کافر کو قیامت تک ڈستے اور زخمی کرتے رہتے ہیں۔“[1]

خیال رہے قبر سے مراد برزخ کی زندگی ہے، یعنی دنیا کی زندگی کے بعد اور آخرت کی زندگی سے قبل، یہ ایک درمیان کی زندگی ہے جس کا عرصہ انسان کی موت سے قیامت کے وقوع تک ہے۔ یہ برزخی زندگی کہلاتی ہے، چاہے کسی کو درندے نے کھا لیا ہو، چاہے کسی کی لاش سمندر کی موجوں کی نذر ہوگئی ہو یا اسے جلا کر راکھ بنا دیا گیا ہو یا قبر میں دفنا دیا گیا ہو۔ یہ برزخ کی زندگی سب کے لیے ہے، جس میں عذاب دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

عذابِ قبر کے چند عبرت آموز واقعات:

عذابِ قبر کے بعض واقعات گاہے بگاہے اخبارات اور جرائد ومجلات میں شائع ہوتے رہتے ہیں یا سننے میں آتے رہتے ہیں۔ درجِ ذیل واقعات عبرت کے لیے شامل کیے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ انھیں پڑھنے کے بعد سعید روحیں ان سے عبرت حاصل کریں گی۔ احادیث کے علاوہ دیگر واقعات کی صحت کی ذمہ داری راویوں پر ہے یا ان رسائل و جرائد پر جن کا ساتھ ہی حوالہ دیا گیا ہے۔

① عہدِ نبوی ﷺ کا واقعہ:

عہد نبوی ﷺ میں عذابِ قبر کا ایک عبرت ناک واقعہ جسے مدینہ منورہ کے سب لوگوں نے دیکھا۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عیسائی آدمی مسلمان ہوا، اس نے سورت بقرہ اور سورت آل عمران پڑھ لی اور رسولِ اکرم ﷺ کے لیے وحی کی کتابت کرنے لگا، لیکن بعد میں

[1] الترغيب والترهيب ، رقم الحديث (٥٢١٦) في سنده دراج، و حديثه حسن و اختلف فيه كما قال الهيثمي في المجمع (ص: ٥٨)

مرتد ہوگیا اور کہنے لگا:

''محمد (ﷺ) کو تو کسی بات کا پتا ہی نہیں، جو کچھ میں لکھ دیتا ہوں بس وہی کہہ دیتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جب اسے موت دی تو عیسائیوں نے اسے دفن کر دیا، صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ قبر نے اسے باہر نکال پھینکا ہے۔ عیسائیوں نے کہا: یہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا کام ہے، کیونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے، لہٰذا انھوں نے اس کی قبر کھود کر لاش باہر پھینکی ہے، اگلے روز عیسائیوں نے نئی قبر کھود کر اسے پہلے کی نسبت زیادہ گہرا دفن کیا، لیکن جب صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ قبر نے پھر اسے باہر نکال پھینکا ہے۔ عیسائیوں نے پھر الزام لگایا کہ یہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کا کام ہے، چونکہ وہ ان کے دین سے بھاگ کر آیا ہے، لہٰذا انھوں نے اس کی قبر کھود کر لاش باہر نکال پھینکی ہے۔ عیسائیوں نے پھر اس کی قبر بنائی اور اسے اتنا گہرا کھودا جتنا کھود سکتے تھے، اگلی صبح قبر نے پھر اسے نکال باہر پھینکا۔ تب عیسائیوں کو یقین ہوگیا کہ یہ مسلمانوں کا فعل نہیں، پھر انھوں نے اس کی لاش ایسے ہی چھوڑ دی۔[1]

۲ قبر کا بچھو:

جنگِ عظیم دوم کے دوران میں محوری طاقتوں کی ہندوستان پر بمباری کے دوران میں انگریزی فوج کو سنگاپور اور برما میں ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انگریز جرنیل نے ہتھیار ڈالتے وقت فوجیوں کو اجازت دے دی کہ جو فوجی فرار ہوکر جانیں بچا سکتے ہیں وہ فرار ہوجائیں۔ فوج کے ایک میجر طفیل اپنے ایک ساتھی میجر نہال سنگھ کے ساتھ فرار ہوئے۔ میجر طفیل بیان کرتے ہیں کہ ہم دونوں اندھیری رات میں گھوڑوں پر سوار ہوکر نکلے اور برما کے محاذ سے سرپٹ بھاگے۔ برما گھنے، گنجان، تاریک اور خطرناک جنگلوں کا ملک ہے جن میں سے گزرنا بڑا مشکل کام تھا۔

بہر حال ہم نے اندازے سے ہندوستانی صوبے آسام کا رخ کیا، جہاں جاپانی بمباری کے باوجود ہنوز انگریزی تسلط برقرار تھا۔ گھنے جنگلوں میں ہم فوجی لکڑیوں سے راستے کاٹتے چھانٹتے چلے جا رہے تھے۔ دنوں کی گنتی نہ راتوں کا شمار یاد رہا۔ کھانے پینے کا سامان ختم ہوتا جا رہا تھا۔ جنگلی پھلوں اور ندی نالوں کے پانی پر گزارا ہونے لگا۔ بعض دفعہ درندوں اور خطرناک سانپوں سے بھی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤١٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٦٤)

واسطہ پڑا، مگر ان سے بچ بچا کر نکلتے گئے۔ ایک دن سامنے کھلی جگہ پر قبرستان دکھائی دیا، پچیس تیس قبریں ہوں گی۔ ایک قبر سے مردے کی تقریباً آدھی نعش باہر نکلی ہوئی، کچھ گلی سڑی اور کچھ بچی ہوئی دکھائی دی۔

اس پر ایک چھوٹے سائز کے کچھوے کے برابر بچھو بیٹھا اسے بار بار ڈنگ مارتا تھا اور نعش سے خوفناک چیخیں نکلتی تھیں، بعینہٖ جیسے وہ بھیانک بچھو کسی جیتے جاگتے انسان کو کاٹتا تو اس کی شدتِ درد سے چیخیں نکلتیں، جو زندہ انسانوں اور جانوروں کو دہلانے بلکہ بے ہوش کرنے کے لیے کافی ہوتیں۔ یہ ایک خاصا وحشت ناک اور دہشت انگیز منظر تھا۔

میجر نہال سنگھ نے میرے منع کرنے کے باوجود بچھو پر گولی چلادی۔ ایک شعلہ سا نکلا لیکن بچھو پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نہال سنگھ نے گولی چلانے کی نیت سے دوبارہ نشانہ لیا تو میں نے اسے سختی سے منع کیا اور اپنی راہ لینے کے لیے کہا، لیکن میجر نہال سنگھ آخر سکھ تھا، اس نے میری بات سنی ان سنی کردی اور بظاہر قبرستان کے ایک مردے کو بچھو سے بچانے کے لیے دوبارہ گولی داغ دی۔ پھر ایک شعلہ سا نکلا، لیکن بچھو پر کوئی اثر نہ ہو۔ اس پر بچھو نعش کو چھوڑ کر ہماری طرف بڑھا۔ میں نے نہال سنگھ سے کہا کہ اب بھاگو یہاں سے، بچھو کا نعش چھوڑ کر ہماری طرف بڑھنا خطرے سے خالی نہیں۔

ہم نے گھوڑے دوڑا دیے۔ خاصی دور آگے جا کر پیچھے نظر ڈالی تو بچھو ہمارے تعاقب میں تیزی سے چلا آ رہا تھا، ہم نے گھوڑوں کو پھر ایڑ لگائی۔ چند میل آگے جا کر ایک ندی سامنے آ گئی جو خاصی گہری معلوم ہوتی تھی۔ ہم تھوڑی دیر کے لیے سوچنے لگے کہ ندی میں گھوڑے ڈال دیں یا کنارے کنارے چل کر کوئی پل، گھاٹ وغیرہ تلاش کیا جائے، لیکن ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ دیکھا وہی بچھو ہمارے قریب پہنچا ہی چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جنگ آزمودہ اور مسلّح فوجی ہونے کے باوجود ہم پر سخت گھبراہٹ طاری ہوگئی اور ہمارے گھوڑے ٹاپو مارنے لگے، جیسے وہ بھی بچھو سے خوفزدہ ہوگئے ہوں۔ بچھو کا رخ نہال سنگھ کی طرف تھا۔

نہال سنگھ نے خوف اور حواس باختگی کے عالم میں اپنا گھوڑا ندی میں ڈال دیا تو اس کے تعاقب میں بچھو بھی ندی میں اتر گیا۔ خدا جانے بچھو نے اسے پاؤں یا ٹانگ یا جسم کے کس حصے پر کاٹا کہ گھوڑے نے بھی اس غیر معمولی قسم کی بلائے بے درماں بچھو کی آمد سے خوف محسوس کیا۔ اس

پر کپکپی سی طاری ہوگئی۔ نہال سنگھ نے کرب ناک چیخ کے ساتھ مجھے پکارا: ''طفیل! میں ڈوب رہا ہوں، جل رہا ہوں، مجھے بچھو سے بچاؤ'' میں نے بھی گھوڑے کو ندی میں ڈال دیا اور سہارے کے لیے بایاں ہاتھ نہال سنگھ کی طرف بڑھایا جسے اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہاں ندی کا عام پانی نہیں بلکہ آگ کا زہریلا لاوا بہہ رہا ہے، جو نہ صرف میرے ہاتھ کو جلا ڈالے گا، بلکہ میرے باقی جسم کو بھی مکئی کے بھٹے کی طرح ابال کر رکھ دے گا، میں نے اوسان بحال رکھے اور جلدی سے فوجی ککری نکالی اور اپنا بایاں بازو کاٹ کر پھینک دیا۔ میں نے اپنے آپ کو نہال سنگھ کی گرفت سے چھڑا لیا تھا، لہٰذا جلدی سے گھوڑے سمیت کنارے کا رخ کیا۔ میجر نہال سنگھ مجھے آوازیں دیتے دیتے اور درد سے چیختے کراہتے گھوڑے سمیت کھولتے پانی کی دیگ میں ڈوب چکا تھا اور سطحِ آب پر بڑے بڑے اونچے آتشیں بلبلے اٹھ رہے تھے۔ کنارے کے قریب پانی کا درجہ حرارت نارمل معلوم ہوا۔

وہ قہرِ خداوندی ... بچھو ... اپنا کام کر کے جا چکا تھا، وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دیا۔ اللہ کے لشکروں میں سے وہ اکیلا ایک غیبی لشکر کے مانند تھا۔ اس نے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ غالبًا جدھر سے آیا تھا ادھر ہی کو اپنے اصل کارِ مفوض کی طرف لوٹ گیا۔[1]

③ ٹیڑھی قبر:

ایک پولیس آفیسر کو سپردِ خاک کیا جانے لگا تو اس کی قبر ٹیڑھی ہوگئی جب نئی قبر کھودی گئی تو وہ بھی ٹیڑھی ہوگئی۔ آغاز میں لوگوں نے اسے گورکن کا قصور سمجھا، مگر جب یکے بعد دیگرے پانچ بار قبر کھودی گئی اور بار بار ٹیڑھی ہوتی رہی تو جنازہ میں شریک لوگوں نے مل کر میت کے لیے مغفرت کی دعا کی اور پانچویں بار زبردستی میت قبر میں اتار دی گئی، حالانکہ قبر پہلے کی طرح ہی ٹیڑھی تھی۔ یہ واقعہ راولپنڈی کے مشہور قبرستان اتر امرال میں پیش آیا۔[2]

④ قبر میں سانپ اور بچھو:

نارنگ منڈی (ضلع شیخوپورہ) کے نواحی قصبے جنے سنگھ والا میں دو متحارب گروپوں کے

---

[1] قبر کے بچھو۔ اردو ڈائجسٹ (اپریل ۱۹۹۲)

[2] روزنامہ جنگ، لاہور (۱۷ دسمبر ۱۹۹۰، ۲۸ جمادیٰ الاولیٰ، ۱۴۱۱ھ بروز پیر)

درمیان فائرنگ ہوئی جس سے تین افراد ہلاک ہوگئے، ان میں سے ایک آدمی کو اس کے ورثا تابوت میں بند کرکے دفن کرنے کے لیے لائے اور قبر کھودی تو اس سے سانپ اور بچھو نکل آئے ورثا نے خوف زدہ ہوکر دور ہی سے قبر پر مٹی ڈال دی اور تابوت واپس لے گئے۔[1]

⑤ قبر میں لرزش:

گوجرانوالہ کے نواحی قصبہ کھیالی کے قبرستان میں دفن کی جانے والی خاتون کی قبر میں لرزش نے علاقے میں خوف و ہراس پھیلا دیا۔ تفصیلات کے مطابق عورت کو جب قبر میں دفن کیا گیا تو وہاں موجود لوگوں نے محسوس کیا کہ مرحومہ کی قبر لرز رہی ہے۔ بعض لوگوں نے قبر کے ساتھ کان لگا کر آواز سنی تو قبر کے اندر سے ٹھک ٹھک کی آوازیں اور دھمک سنائی دی، چنانچہ ایک معروف عالمِ دین سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے میت کو کسی دوسری جگہ دفن کرنے کا مشورہ دیا جس پر لوگوں نے اس عالم کی موجودگی ہی میں قبر کھود ڈالی۔ جونہی تختے ہٹائے گئے، تو عجیب وغریب سی تیز قسم کی بو سے گورکن کو قے کے دورے آنے لگے جس پر قبر دوبارہ بند کردی گئی اور میت کے لیے مغفرت کی دعا کی گئی جس کے بعد آہستہ آہستہ لرزش ختم ہوگئی۔[2]

⑥ سانپ... سانپ:

ایک زمیندار گھرانے کی صاحبِ حیثیت ماں باپ کی اکلوتی بیٹی کو ورثے میں بہت بڑی جائیداد، ڈھیروں سونا اور نقد روپے ملے۔ روپیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اسے سخت کوفت ہوتی، اگر کوئی خاتون اسے مسجد، مدرسہ وغیرہ بنوانے یا کسی یتیم اور بیوہ کی مدد کرنے کا کہتی تو اس کا چہرہ مکدر ہو جاتا۔ میں نے آخری بار اسے ۱۹۶۸ء میں بسترِ مرگ پر بے ہوشی کی حالت میں سول ہسپتال لاہور، انتہائی نگہداشت (آئی سی۔ یو) وارڈ میں دیکھا۔ اس کی نبضیں ڈوب چکی تھیں، سانس رک رک کر وقفوں وقفوں سے آرہی تھی، آنکھیں پتھرا چکی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب قریب کھڑے تھے تاکہ اس کی موت کا سرٹیفکیٹ دے کر رخصت ہوں۔ اچانک اس کے بدن نے حرکت شروع کردی، اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوئے، رونگٹے کھڑے ہوگئے، جسم سے پسینہ بہہ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، لاہور (۱۹/ اگست ۲۰۰۰ء)

[2] روزنامہ نوائے وقت، لاہور (۲۳/ جون ۱۹۹۳ء)

نکلا، اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ سب لوگوں نے سنا کہ وہ تھرائی ہوئی آواز میں ''سانپ سانپ'' کہہ کر اس سے بچنے کے انداز میں ہاتھ پاؤں ہلا رہی تھی۔ میں یہ مشاہدہ کر کے خوف زدہ ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ طبی نقطہ نظر سے آپ اس کی آخری حرکت کو کیا نام دیں گے؟ ڈاکٹر صاحب نے بھی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے لیے یہ مشاہدہ کسی طبی معجزے سے کم نہیں۔ یہ حرکت اور سانپ سانپ کی آوازیں یقیناً ایک میت کے منہ سے نکلی ہیں، اس گہری بے ہوشی کے عالم میں نہ وہ بول سکتی تھی اور نہ حرکت کرسکتی تھی۔[1]

یہ چند واقعات عذابِ قبر (یا برزخ) سے متعلق تھے۔ مذکورہ واقعات جہاں عذابِ قبر کا واضح ثبوت ہیں وہیں ہمارے لیے باعثِ عبرت بھی ہیں۔ لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کرنا چاہیے اور نماز پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ سے موت کی سختیوں اور قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے، کیونکہ قبر ہی دوسری زندگی کا پہلا دروازہ ہے اور اس دروازے کے ذریعے سے آدمی آج کی دنیا سے نکل کر کل کی دنیا میں داخل ہوجاتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص جو آج قبر کے اِس پار ہے وہ کل اپنے آپ کو قبر کے اُس پار پائے گا، کیونکہ اس دنیا میں آنا ہماری مرضی سے ہوتا ہے نہ اس دنیا سے جانا ہمارے اختیار میں ہے۔ حقیقت یہی ہے ؎

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

عذابِ قبر اور سلف صالحین:

رسولِ اکرم ﷺ ہر نماز میں عذابِ قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت ہانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ آپ سے عرض کی گئی: ''آپ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تو نہیں روتے لیکن قبر کے ذکر پر اس قدر روتے ہیں؟'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے، اگر کسی نے اس سے نجات

[1] دولت سے محبت کا انجام، از محمد اکرم رانجھا، ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (ستمبر ۱۹۹۹ء)

پالی تو اگلی منزلیں اس کے لیے آسان ہوں گی اور اگر اس سے نجات نہ ملی تو بعد کی منازل اس سے کئی گنا زیادہ سخت ہوں گی۔''

② حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''اگر [مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا] تم [اپنے مُردے] دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمھیں عذابِ قبر [کی آوازیں] سنوا دے۔''[1]

③ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
''بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں وہ تم نہیں سنتے۔ اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں [یعنی تم لوگ عذابِ قبر دیکھ لو] تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اور بستروں پر بیویوں سے لطف اندوز نہ ہوسکتے، بلکہ اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے میدانوں کی طرف نکل جاتے۔''

④ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:
''میں نے قبر سے زیادہ گھبراہٹ اور سختی والی کوئی اور جگہ نہیں دیکھی۔''[2]

⑤ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذابِ قبر کا ذکر فرمایا جس میں آدمی مبتلا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرما رہے تھے تو مسلمانوں نے (خوف زدہ ہوکر) چیخنا چلانا شروع کر دیا۔[3]

⑥ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قبر میں سوال و جواب کے ڈر سے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ تدفین کے بعد میری قبر پر دیر تک کھڑے ہوکر دعا کرتے رہنا۔[4]

⑦ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے یہ حدیث خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی بلکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنی ہے، جنھوں نے بتایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں ایک خچر پر جا رہے تھے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها، باب عرض المقعد علی المیت و عذاب القبر (٢٨٦٨)

[2] سنن الترمذی، أبواب الزهد، باب ما جاء في فظاعة القبر (٢/ ١٨٧٧)

[3] صحیح البخاري، کتاب الجنائز (٢/ ١٩٤٩)

[4] صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الإیمان یهدم ما قبله وکذا الهجرة (١٢١)

خچر بِدکا، قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دیتا۔ وہاں چھے، پانچ یا چار قبریں تھیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

''ان قبروں والوں کے بارے میں کوئی شخص جانتا ہے (یہ کون لوگ ہیں؟)'' ایک آدمی نے عرض کی: میں جانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ لوگ کب مرے؟'' اس آدمی نے کہا: شرک کے زمانے میں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگ قبروں میں آزمائے جاتے ہیں، اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے مردے دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ کے حضور دعا کرتا کہ وہ تمھیں بھی عذابِ قبر سنائے جس طرح کہ میں سنتا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کی جہنم کے عذاب سے!''[1]

⑧ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے قبر اور آخرت کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کا خطبہ سنا تو تمنا کرنے لگے کہ ''کاش میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''

وحشتِ قبر سے نجات کے لیے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نصیحت:

⑨ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''لوگو! میں تمھارا خیر خواہ اور تم سے شفقت کرنے والا ہوں، وحشتِ قبر سے بچنے کے لیے رات کی تاریکی میں نماز (تہجد) پڑھا کرو۔''[2]

⑩ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے مرض الموت میں رونے لگے، آپ سے پوچھا گیا: ''کیوں رو رہے ہیں؟'' فرمانے لگے: ''میں تمھاری اس دنیا (کو چھوڑنے کی) وجہ سے نہیں روتا، بلکہ آیندہ (پیش آنے والے) طویل سفر اور قلتِ زادِ سفر کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ میں نے ایسی بلندی پر شام کی ہے جس کے آگے جنت ہے یا جہنم اور میں نہیں جانتا ان دونوں میں سے میرا مقام کونسا ہوگا؟''[3]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها (٢٨٦٧)

[2] حلية الأولياء (١/ ١٦٥)

[3] كتاب الزهد لابن المبارك (ص: ١٩٨)

قبر کی یاد نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کو اس قدر رلایا کہ بے ہوش ہوگئے:

⑪ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''تعجب ہے اس شخص پر جو جانتا ہے کہ موت اس کا انجام ہے، قبر اس کا ٹھکانا ہے (اس کے باوجود اسے اس دنیا میں قرار حاصل ہے اور وہ سکون کی زندگی بسر کررہا ہے)۔''

راوی کہتا ہے کہ حضرت مالک بن دینار نے یہ کہا اور زاروقطار رونے لگے، حتیٰ کہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔[1]

⑫ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں یہ دعا مانگتے سنا ہے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ الْمَمَاتِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ»[2]

''یااللہ! میں قبر، دجال، زندگی اور موت کے فتنے سے نیز جہنم کی آگ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''

⑬ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس رات میرے ہاں تشریف لاتے اس رات کے آخری حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع (مدینہ کا قبرستان) تشریف لے جاتے اور فرماتے:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِين، وَاَتَاكُمْ مَا تُوعدُون، غَداً مُؤَجَّلُون وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنْ»[3]

''اس گھر کے مومنو! السلام علیکم، تم کو وہ کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور (اس کا باقی حصہ) کل (قیامت کے بعد) کے لیے موخر کردیا گیا ہے۔ ہم بھی ان شاء اللہ تمھارے پاس آنے والے ہیں۔ یا اللہ! بقیع غرقد والوں کے گناہ معاف فرما۔'' آمین ثم آمین

ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم ان کے لیے دعا کریں جو لوگ فوت ہوگئے ہیں اور اپنے لیے بھی کیونکہ ہماری بھی منزل وہی ہے، یہاں پر تو ہم سب ایک ان دیکھی راہ کے مسافر ہیں۔

مسافر کون ہے؟ سفر کرنے والا۔ سفر کی نوعیت کیا ہے؟ ایک دن کا؟ ایک ہفتے کا؟ ایک سال

[1] صفة الصفوة (٣/ ١٩٨)

[2] صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب التعوذ من عذاب القبر (٦٠١٥)

[3] صحيح مسلم كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور و الدعا لأهلها (٩٧٤)

کا؟ تفریح کے لیے جارہے ہیں یا کہیں رہنے کے لیے جارہے ہیں یا کسی سے ملنے کے لیے جارہے ہیں؟ اگر ساری زندگی کے لیے جارہے ہیں تو سفر کی تیاری کی نوعیت میں فرق ہوگا۔ کامیاب اور دانا مسافر کون ہے؟ جو سفر کی مدت اور اس کی نوعیت کو مدنظر رکھ کر تیاری کرے، ورنہ سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موت کا سفر ہر انسان کی زندگی کا آخری سفر ہے۔ اسی کو ہم ''سفرِ آخرت'' کہتے ہیں۔

پھر کچھ سفر مجبوراً یا لازماً کرنا ہوتے ہیں اور کچھ اختیاری لیکن آخری سفر کے لیے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ ہمیشہ کے لیے اور ضرور جانا ہے۔ ہر ایک کو جانا ہے، وہی آخری ٹھکانا، آخری منزل اور آخری گھرانا ہے۔ ساتھ ہی جزا اور سزا کا معاملہ بھی ہے۔ سفر کا وقت طے شدہ ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اچانک کوچ کرنا ہے، واپسی ممکن نہیں۔ خالی ہاتھ جانا ہے، کوئی مددگار ساتھ نہیں، اکیلے جانا ہے۔ ہاں! صرف اعمالِ صالحہ کی کرنسی ساتھ ہوگی جو روزِ قیامت کیش ہوگی، وہی کام آئے گی۔

ہر مسافر کو بس اپنے اعمال ہی ساتھ لے کر جانے ہیں۔ ربِ کائنات سے ملاقات بھی ہوگی لیکن انسان کتنا نڈر اور کیسا بے خوف بنا ہوا ہے، حالانکہ اس کے لیے کتنی نازک گھڑی اور کیسی کڑی آزمایش آنے والی ہے۔ موت کا سفر سب سے مختلف سفر ہے، اس لیے مسافر کو اس سفر کے لیے باقاعدہ محنت کی ضرورت ہے۔ یہ دنیا ہم نے بنائی ہے نہ ہم اس کے مالک ہیں۔ اس دنیا کے مالک کی مرضی کے مطابق چلیں گے تو معاملہ صحیح اور سفر کامیاب ہوگا، تب ہی محفوظ منزل تک پہنچیں گے۔

مسافر کی منزل

دُنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے

جب سے بنی ہے دُنیا لاکھوں کروڑوں آئے
باقی رہا نہ کوئی، مٹی میں سب سمائے

اس بات کو نہ بھولو سب کا یہی حشر ہے
دُنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے

آنکھوں سے تو نے اپنی کتنے جنازے دیکھے
ہاتھوں سے تو نے اپنے کتنے دفنائے مردے

انجام سے تو اپنے کیوں اتنا بے خبر ہے؟
دُنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے

مخمل پہ سونے والے مٹی پہ سو رہے ہیں
شاہ و گدا وہاں سب ایک ہو رہے ہیں

دونوں ہوئے برابر یہ موت کا اثر ہے دُنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے
مٹی کے پتلے تم کو مٹی میں ہے سمانا ایک دن یہاں تو آیا ایک دن یہاں سے جانا
رہنا نہیں ہے یہاں پر جاری تیرا سفر ہے دُنیا کے اے مسافر! منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے دنیا کے اسے مسافر! منزل تیری قبر ہے

ہر آدمی زندگی سے موت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ کسی کا سفر دنیا کی خاطر اور کسی کا سفر عقبٰی کی خاطر۔ جو شخص اللہ اور آخرت کی فکر میں جی رہا ہے، وہ اپنے آپ کو بچا رہا ہے اور جو شخص دنیا کی دلچسپیوں اور اپنے نفس کی خواہشوں میں جی رہا ہے، وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے۔ زندگی کس قدر بامعنی ہے، مگر اس کا المناک انجام اسے کس قدر بے معنی بنا دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ آدمی بظاہر کتنا آزاد ہے مگر موت کے سامنے وہ کتنا مجبور نظر آتا ہے۔ ہر بندہ اپنی زندگی کو بے انتہا تصور کیے ہوئے ہے۔ اس موجودہ دنیا میں اپنی ''کل'' کو سنوارنے اور تعمیر کرنے کا ایک منصوبہ لیے ہوئے ہے، مگر اچانک موت آ کر بتاتی ہے کہ تمھاری ''کل'' اس دنیا میں نہیں بلکہ اگلی دنیا میں شروع ہونے والی ہے جو ابدی دنیا ہے، انسان منصوبے ضرور بنائے، لیکن آخرت کو سامنے رکھ کر اور یہی اس کے لیے بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن آدمی کے لیے موت (اللہ کی طرف سے) تحفہ ہے۔''[1]

کیونکہ مرنے کے بعد مومن آدمی دنیا کے مصائب و آلام سے نجات پاتا ہے اور آخرت کی ابدی نعمتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس لیے موت کو مومن کے لیے تحفہ کہا گیا ہے، جبکہ فاسق آدمی کی موت سے انسانی مخلوق کے علاوہ جانورا ور حجر و شجر تک نجات پاتے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ ہمیں مومن والی موت نصیب فرمائے، صحیح معنوں میں موت اور قبر کی فکر ہمارے دلوں میں ڈال دے اور اللہ رب العالمین ہمیں بھی ان دو دنوں کی زندگی میں نیک اور صالح کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان لوگوں کا ساتھ نصیب فرمائے جن کے بارے میں حضرت

---

[1] الطبراني، الترغيب و الترهيب، رقم الحديث (٥١٢٣)

[2] صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت (٦١٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٥٠)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔''

ہم نے عرض کی: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ کا شکر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے حیا تو کرتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایسے نہیں بلکہ اس طرح جیسے حیا کرنے کا حق ہے اور وہ یہ کہ تم حفاظت کرو سر کی اور جو کچھ سر میں ہے، [یعنی آنکھ، کان اور زبان وغیرہ کی] اور پھر پیٹ کی حفاظت کرو [کہ اس میں کوئی حرام چیز نہ جائے] اور ان چیزوں کی حفاظت کرو جو پیٹ کے ساتھ لگی ہوئی ہیں [یعنی شرمگاہ اور ہاتھ پاؤں وغیرہ] اور یاد کرو [قبر میں] ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو۔ جو شخص آخرت کی زندگی کا خواہشمند ہو اسے چاہیے کہ دُنیا کی زیب و زینت چھوڑ دے۔ جس شخص نے یہ سارے کام کیے، اس نے گویا اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کی جس طرح واقعی حیا کرنے کا حق تھا۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق سے نوازے، کیونکہ دنیا اور آخرت کی کامیابی توحید کو اپنانے اور قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے میں ہے۔ قرآن اور سنت کی اتباع ہی دراصل جنت کا راستہ ہے۔

یا أرحم الراحمین! آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں!

کتابِ مبین نازل فرمانے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجنے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کو بشیر و نذیر، رؤف اور رحیم بنا کر بھیجنے والے آپ ہی ہیں، ہمیں خیرِ امت کے شرف سے نوازنے والے آپ ہی ہیں۔ ہمارے لیے دینِ اسلام پر چلنا آسان فرمانے والے آپ ہی ہیں۔ ہر طرح کی حمد وثنا صرف اور صرف آپ ہی کے لائق ہے۔

اے اللہ! ہماری طویل زندگی کا ایک ایک لمحہ خیر وبرکت سے، بھلائی اور عافیت سے بسر کروانے والے آپ ہی ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمارا ایک ایک لمحہ آپ کی رحمت و مغفرت کا محتاج ہے۔ ہم آپ کی بارگاہ میں رحم وکرم کی بھیک مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارے ایمانوں کی حفاظت

---

[1] صحیح سنن الترمذی، أبواب صفة القیامة (۲/ ۲۰۰۰)

فرمانا۔ اے ہمارے رحیم و کریم رب! اپنے رحم وکرم سے ہمارے لیے سکراتِ موت کے لمحے آسان فرمانا اور عذابِ قبر و عذابِ جہنم سے محفوظ رکھنا۔ اے اللہ! اپنی رحمتِ خاص سے ہماری روح کو بھی نیک اور متقی لوگوں کی روحوں میں شامل فرما دینا۔

﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ﴾ ''اے میرے رب! معاف فرما اور رحم فرما!''

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے موت کے وقت رحم کے فرشتے بھیجنا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے موت کے وقت ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' نصیب فرمانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے ہماری روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دینا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے اپنے مقرب فرشتوں کو ہمارے حق میں خیر و برکت کا گواہ بنانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے ہمارا نام علیین میں لکھنے کا حکم صادر فرمانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے قبر کی گھبراہٹ، خوف اور وحشت سے محفوظ فرمانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے ہماری قبر کو چودھویں کے چاند جیسی روشنی سے منور فرمانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے ہماری قبر کو حدِ نگاہ تک فراخ فرمانا۔

اے اللہ......! اپنے رحم وکرم سے ہماری قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنانا۔

اے ہمارے رب......! ہم گناہ گار سیاہ کار آپ کے رحم و کرم کے بھکاری ہیں۔ ہم آپ کے رحم وکرم کی بھیک مانگتے ہیں۔

اے ہمارے رحیم و کریم رب ......! ہماری جھولیاں اپنے بے حد وحساب رحم سے بھر دیں۔

اے ہمارے غفور وغفار رب ......! رحم فرما۔

﴿رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ [المومنون: ١١٨]

''اے میرے رب! (ہمارے گناہ) معاف فرما اور (ہم پر) رحم فرما تو سارے رحم کرنے والوں سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔''

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [البقرة: ١٢٧]

''اے ہمارے رب! ہماری طرف سے اس خدمت کو قبول فرما بے شک تو سننے اور

جاننے والا ہے۔''

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنَّ لَّا اِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ اِلَيْكَ.

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. قبر کا بیان۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی
4. قیامت۔ تالیف: الشیخ عبداللہ بن جار اللہ بن ابراہیم۔ ترجمہ: مولانا تنویر احمد
5. دنیا کے اے مسافر۔ تالیف: ام منیب
6. موت کے بعد کیا دیکھا؟ تالیف: مولانا سلیم رؤف

غسلِ میت، تکفین و تدفین اور جنازہ

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت آلِ عمران (آیت: ۱۸۵) سورت انبیا (آیت: ۳۵) اور سورت عنکبوت (آیت: ۵۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

ابتدائے آفرینش اور تخلیقِ آدم علیہ السلام سے لے کر موت و حیات کا یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اور جو بھی جاندار اس دنیا میں آیا ہے، اُسے اپنی حیاتِ مستعار مکمل کر کے ایک نہ ایک دن یہاں سے رخصت ہونا ہی ہوتا ہے۔ موت کا یہ جام اپنے کیے ہوئے عملوں کے اعتبار سے چاہے کسی کے لیے تلخ ہو یا شیریں، بہرحال ہر کسی کو پینا ہی ہوتا ہے اور موت وہ اٹل حقیقت ہے جس سے کسی نیک و بد، شاہ و گدا اور غنی و فقیر کو مفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم کے مختلف مقامات پر اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے، یعنی موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے منکرینِ دین بھی انکار نہیں کر سکتے۔

جب ہماری زندگی کی بس صرف یہی حقیقت ہے تو آج اِس کا، کل اُس کا اور پھر ایک دن اپنا بھی جنازہ اُٹھے گا اور اس کا مشاہدہ ہم آئے دن اپنی آنکھوں سے کرتے ہی رہتے ہیں۔ مرنے والے کے لیے اس کے اعزّا و اقارب کی طرف سے سب سے بڑا تحفہ اس کے جنازے میں شریک ہونا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہوتا ہے۔

جنھیں دعائے جنازہ ہی نہیں آتی، وہ اپنے کسی عزیز کو الوداعی تحفہ کیا دیں گے؟ سوائے اس کے کہ امام کے پیچھے ستون بن کر کھڑے ہو جائیں۔ وہ ٹسوے تو بہاتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی دنیوی مصلحت کے منقطع ہو جانے یا کسی خاص قرابت کی وجہ سے اس کی موت پر دُکھ بھی پہنچا ہو اور

آنکھوں سے ٹپکنے والا پانی واقعی اشک ہائے غم ہو، لیکن ذرا اس نقطے پر کچھ تو غور کیجیے کہ یہ اب اس کو دے کیا سکے گا؟ جبکہ اِس نے اس پہلو کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں دی تھی، گلستانِ رسول ﷺ کی کلیوں سے کبھی کچھ چنا ہی نہیں تھا کہ محبت وشفقت اور اُنس وقرابت کا ثبوت دینے والی دعاؤں کی کلیوں سے ہار بنا کر اپنے سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جانے والے اس عزیز کے گلے میں سجا دے۔

ماں کی ممتا کے انمٹ نقوش تو اس کے دل پر ثبت ہیں، لیکن اس کے دمِ واپسیں یہ اُسے کیا صلہ دے گا؟ باپ کی شفقت اُسے کبھی نہیں بھولے گی مگر اُسے جاتے وقت یہ کیا پیش کرے گا؟ بہن بھائی کی محبتیں اسے مدتوں یاد رہیں گی، مگر اِس نے اُنہیں ان کی محبتوں کا کیا صلہ دیا؟ میاں بیوی کا پیار انھیں عمر بھر تڑپائے گا، مگر جب وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے لگے تو ایک نے دوسرے کی عمر بھر کی چاہتوں کا کیا بھرم رکھا؟ نازونعمت سے پالے ہوئے بیٹے بیٹی کی وفات اسے زندگی سے بیزار کرگئی ہے، مگر اس کی موت پر اس نے اسے کیا دے بھیجا؟ انتہائی قریبی تعلقِ خاطر والے احباب میں سے کسی کی جوان مرگی اِسے ادھ موا کر گئی ہے، لیکن اس کی طرف سے آج وہ خالی ہاتھ ہی جا رہا ہے۔ لہٰذا ذکرِ موت اور فکرِ آخرت سے اتنا بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔

موت شہید کی ہو یا عام مرگ، موت بہرحال موت ہی ہے جو پسماندگان اور عزیز و اقارب کے لیے صدمے اور دُکھ کا باعث بنتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ زندگی خوشی وغم اور شادی ومرگ سے عبارت ہے۔ موت وحیات کا نظام کائنات کا ایک جز ہے اور ہر ذی رُوح کی موت کا وقت مقرر ہے جس سے کسی کو مفرّ نہیں۔ برگزیدگانِ الٰہیہ پیغمبر علیہم السلام ہوں، ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم یا دیگر اولیاء اللہ رحمہم اللہ ہوں، موت کا جام ہر کسی کے لیے مقرر ہے۔ دشمنانِ دین ہوں، اپنے آپ کو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کہلوانے والے صاحبِ جبروت وسطوت ہوں، شاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا فقیر، موت بہرحال سب کا مقدر ہے، جیسا کہ شروع میں آیت گزری ہے۔

اسی قانونِ الٰہی کے تحت جب کسی کو موت آجائے تو ایسے موقع پر فطرتی اَمر ہے کہ پسماندگان کو صدمہ اور دُکھ تو پہنچے گا، مگر اس کے اظہار کی کہاں تک اور کس طرح گنجائش ہے؟ اس سلسلے میں بھی شریعتِ اسلامیہ میں واضح ہدایات موجود ہیں، چنانچہ سورت بقرہ (آیت: ۱۵۵ تا ۱۵۷) میں اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع پر صبر و ہمت سے کام لینے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾

''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں جو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ہے اور یہی لوگ (آخرت میں) کامیابی پانے والے ہیں۔''

مصیبت آ جائے، دل دُکھوں سے بھر جائے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑے تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے رونا اور آنسو بہانا بھی جائز ہے، کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں ایسے کئی مواقع پر خود نبی رحمت ﷺ کا آنسو بہانا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم اور ابو داود میں اپنی بیٹی کی ایک لختِ جگر (امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا) (صحيح البخاري، رقم الحديث: ١٢٨٤، مسلم مع النووي: ٣/ ٦/ ٢٢٤، صحيح سنن أبي داود: ٢٦٨٠) اور خود اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر آنسو بہانا ثابت ہے۔[1]

بشرطیکہ رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ زبان نہ چلائی جائے، مرنے والے کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آنے والے مصائب کا ذکر نہ چھیڑا جائے، کیونکہ بخاری ومسلم اور ابو داود میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل کے حُزن وغم پر عذاب نہیں کرے گا، البتہ اس کے عذاب دینے یا رحم فرمانے کا تعلق اِس سے ہے اور یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔''[2]

مُحتَضَرُ [جو شخص مرنے کے قریب ہو] کے احکام:

جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو سنت یہ ہے کہ اس کو قبلے کی طرف متوجہ کر دیں۔[3] یعنی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣/ ٢٠٦)، رقم الحديث (١٣٠٣) مسلم مع شرح النووي (٨/ ١٥/ ٧٥)

[2] صحيح البخاري مع الفتح (٣/ ٢٠٩)، رقم الحديث (١٣٠٤) صحيح مسلم مع شرح النووي (٣/ ٦/ ٢٢٦) صحيح أبي داود، رقم الحديث (٢٦٨١)

[3] أخرجه الحاكم، الدراية لابن حجر (١/ ٢٢٨، ٢٢٩)

دائیں کروٹ پر اس طرح لٹائیں کہ اس کا منہ قبلے کی طرف ہو۔[1]

اگر کسی وجہ سے اس طرح نہ لٹا سکیں تو چت لٹائیں، اس طرح کہ اس کے پیر قبلے کی طرف ہوں اور سر کے نیچے تکیہ یا کوئی اور چیز رکھ کر اونچا کردیں کہ منہ قبلے کی طرف ہوجائے۔ اس طرح لٹانے سے بھی سنت ادا ہوجائے گی، اگر قبلے کی طرف متوجہ کرنے میں مریض کو تکلیف ہو، تو جس حالت پر ہو اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں۔

اس کو کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کی تلقین کریں، یعنی اس کے پاس بیٹھ کر یہ کلمہ بآواز بلند لیکن اچھے انداز سے کہیں کہ وہ سنے اور یہ کلمہ اس کو یاد آجائے اور اس کو پڑھنے کے لیے کہیں، مگر ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کہیں۔ جی ہاں، لگاتار دیر تک نہ کہتے رہیں اور نہ چلا کر شور وغل کے ساتھ کہیں، کیونکہ مریض پر جان کنی کا وقت نہایت نازک ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ آزردۂ خاطر ہوکر کہیں زبان سے کوئی ناملائم بات نکلے یا اس کے دل کو اس سے نفرت ہو جائے۔ مریض جب ایک بار ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' کہے، تو پھر تلقین کی ضرورت نہیں، ہاں اس کلمے کے بعد کوئی دوسری بات بولے تو پھر تلقین کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کلمے کو پھر کہے اور اس کا آخری کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' ہو جائے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس شخص کا آخری کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' ہوگیا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[2]

جب روح قبض ہوجائے تو آنکھیں بند کر دیں، ہاتھ پیر سیدھے کر دیے جائیں، تمام بدن کپڑے سے ڈھانپ دیا جائے، میت کے لیے اور اپنے لیے دعاے استغفار کریں اور کوئی بُرا کلمہ زبان سے نہ نکالیں، کیونکہ اس وقت جو کچھ کہا جاتا ہے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بند کر دیا تو ان کے گھر کے بعض لوگ رونے چلانے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جانوں کے لیے نیک دعا کے سوا کوئی بد دعا نہ کرو، اس لیے کہ جو تم لوگ کہتے ہو، اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی جس کا ترجمہ یوں ہے:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣١١) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٧١٠)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١١٦)

''اے اللہ! تو ابوسلمہ کو بخش دے اور ہدایت والوں میں اس کا درجہ بلند کر اور اس کے پسماندگان میں ان کا خلیفہ بن، یعنی ان کا محافظ ونگہبان رہ اور ہم لوگوں کی اور ان کی مغفرت کر یا رب العالمین اور ان کے لیے ان کی قبر میں کشادگی اور ان کے لیے ان کی قبر میں روشنی کر۔''[1]

موت کے صدمے کے وقت صبر کرنا چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے:

((﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ﴾ اللّٰهُمَّ اُجُرۡنِيۡ فِيۡ مُصِيۡبَتِيۡ وَ اخۡلُفۡ لِيۡ خَيۡراً مِنۡهَا))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔''[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

''جب [میرے شوہرِ اوّل] حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا؟ یہ اس خاندان کے پہلے شخص تھے، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پہلی ہجرت کی تھی، پھر میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں ان سے بہتر شخص [رسول اللہ ﷺ] مجھ کو عطا فرمائے۔''[3]

جو لوگ مصیبت کے وقت صبر کرتے اور ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ﴾ پڑھتے ہیں، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رحمت و مہربانی اور ہدایت کی بشارت دی ہے جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۵۷) گزرا ہے۔

تجہیز و تکفین:

جب روح قبض ہوجائے تو فوراً تجہیز و تکفین کا سامان کرنا چاہیے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے،

[1] صحیح مسلم (۷/ ۹۰۲)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۱۸)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۹۱۸)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا تو بس یہی گمان ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی موت آ پہنچی ہے، ان کے مرنے کی مجھے خبر دینا اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا، اس لیے کہ مسلمان کی لاش کو اس کے لوگوں میں روکنا مناسب و سزا وار نہیں۔[1]

کوئی شخص مرگیا اور اس نے اپنی بیوی کا حق مہر ادا نہیں کیا اور کچھ مال بھی نہیں چھوڑا تو اس صورت میں بیوی اگر اس کو اپنا حق مہر خوشی سے معاف کردے تو بڑے ثواب کی بات ہے اور یہ اس کا اپنے شوہر متوفی پر بہت بڑا احسان کرنا ہے، لیکن اگر وہ مال چھوڑ گیا ہے، تو اس صورت میں اس کی بیوی سے خواہ مخواہ مہر معاف کرانا جائز نہیں، بلکہ اس صورت میں ورثا پر لازم ہے کہ اس کی بیوی کا مہر اور دوسرے قرض خواہوں کا قرض فوراً ادا کریں۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں سے اس کو نجات دے گا۔[2]

رسول اللہ ﷺ پہلے ایسے شخص کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جو قرض دار مرتا اور مال نہ چھوڑ جاتا، جس سے اس کا قرض ادا کیا جاتا، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ تم لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ لو، پھر جب فتوحات ہوئیں اور غنیمت کے مال آئے، تو رسول اللہ ﷺ ایسے قرض دار میت کا قرض خود اپنی طرف سے ادا فرماتے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے۔

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ:

صحیح مسلم اور سننِ اربعہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کی میت لائی گئی جس نے لوہے کے آنکس (چوڑے تیر) سے خودکشی کی تھی تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔“[3]

ایسے شخص کی نمازِ جنازہ عام مسلمان تو پڑھ سکتے ہیں، لیکن مسلمانوں کے ائمہ و سلاطین نہ پڑھیں، تاکہ لوگوں کو ایسے شنیع فعل سے عبرت حاصل ہو، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے خود تو ایسے افراد کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، لیکن دوسروں کو حکم دیا کہ تم اس کی نمازِ جنازہ پڑھو، کیوں وہ ایسے کبیرہ گناہ کے بعد بھی مسلمان ہوتا ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٥٩)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٦٣)

[3] فتح الباری مع التعليق (٣/ ٢٢٧)

تجہیز و تکفین اور جنازہ و تدفین میں جلدی کرنا:

حدیث شریف میں اس بات کی بڑی تاکید آئی ہے کہ جب کسی کی موت واقع ہوجائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور جنازہ و تدفین میں جلدی کی جائے، اس میں بلاوجہ تاخیر کرنا صحیح نہیں ہے، بظاہر اگرچہ یہ جفا اور سختی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ وفا اور احسان ہے، مثلاً مرنے والا نیک آدمی ہے تو اسے جلد از جلد اللہ کی نعمتوں کی طرف روانہ کردینا ہی اس کے لیے بہتر ہے، ہاں اگر وہ ایسا نہیں تو بھی اسے اس کے اصل ٹھکانے کی طرف پہنچا دینا اور اس فریضے سے جلد سبک دوش ہوجانا ہی مناسب ہے، اس کی تائید بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ابو داود اور معجم طبرانی کبیر میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی موت کے واقعہ کے ضمن میں ہے:

"تجہیز و تکفین میں جلدی کرو کیونکہ کسی مسلمان کی میت کو یہ لائق نہیں کی اُسے اس کے گھر والے اپنے مابین روک رکھیں۔"[1]

اسی طرح سنن ترمذی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے:

"علی! تین کام کرنے میں تاخیر نہ کرو: ① نماز ادا کرنے میں جب اس کا وقت ہو جائے۔ ② نمازِ جنازہ پڑھنے میں جبکہ موت واقع ہوجائے۔ ③ جب بیوہ (یا نوجوان کنواری) کے لیے مناسب رشتہ مل جائے تو اس کی شادی کرنے میں۔"[2]

غسلِ میّت کا حقدار:

میت کو غسل وہ دے جس کا تعلق میت کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی ہو، ہاں اگر وہ غسل دینے کا طریقہ نہ جانتا ہو تو کوئی بھی مسلمان غسل دے سکتا ہے، بشرطیکہ غسل دینے والا پرہیز گار اور امانت دار ہو۔ یہ بات مسند احمد اور طبرانی اوسط میں مذکور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتی ہے اور اُسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جس شخص نے کسی میّت کو غسل دیا تو امانت داری اور حکمِ شریعت کے مطابق غسل دے، اگر اُسے میّت سے کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوئی اور اس نے اسے ظاہر نہ کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے اُس کی ماں نے آج ہی اُسے جنم دیا ہو۔[3]

---

[1] سنن أبي داود مع العون (٨/ ٤٣٥)

[2] سنن الترمذي مع التحفة (٤/ ١٨٩، ١٩٠)

[3] الفتح الرباني (٧/ ١٥٣)

بیوی کے اپنے شوہر کو غسل دینے کے دلائل:

① سنن ابو داود، بیہقی، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں نبی اقدس ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتی تھیں:

''جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے، اگر پہلے معلوم ہوجاتی تو نبی اکرم ﷺ کو صرف آپ ﷺ کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔''[1]

② اِسی طرح متعدد آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے خود انھیں غسل دیا تھا۔[2]

③ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی بیوی انھیں غسل دے۔

④ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی ہی نے غسل دیا تھا۔[3]

شوہر کے اپنی بیوی کو غسل دینے کے دلائلِ جواز:

جمہور اہلِ علم کے نزدیک شوہر بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

''تم اگر مجھ سے پہلے وفات پا گئیں تو تمھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ میں خود تمھیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا، پھر تمھاری نمازِ جنازہ پڑھوں گا اور تمھیں دفن کروں گا۔''[4]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو اس کے مرجانے کے بعد غسل دے سکتا ہے اور وہ اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔[5]

اِسی طرح مسند شافعی، سنن دارقطنی، مستدرک حاکم اور بیہقی میں مذکور ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ان کے شوہرِ نامدار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُنھیں غسل دیا تھا۔[6]

---

[1] سنن أبي داود مع العون (٨/ ٤١٥)

[2] نيل الأوطار (١/ ٢٣٩ و ٣/ ٤/ ٢٧)

[3] المغني لابن قدامة (٢/ ٤٣٥)

[4] سنن ابن ماجه (١/ ٧٤٠) سنن الدار قطني (١/ ٢/ ٢٧٤)

[5] نيل الأوطار (٢/ ٤/ ٢٧)

[6] إرواء الغليل للألباني (٣/ ١٦٢)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق دار ہے۔''[1]

جمہور اہلِ علم کا کہنا ہے کہ میاں بیوی کا رشتہ انتہائی قریبی ہوتا ہے اور زندگی بھر ان میں جو باہمی قُرب و محبت رہی ہوتی ہے، اُسی کے نتیجے میں جس قدر عمدگی سے وہ دونوں ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں، یہ کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہوسکتا۔

احناف کا کہنا ہے کہ شوہر کے وفات پا جانے سے عدّت کے (چار ماہ دس) دن پورے ہونے تک بیوی اس کے لیے محرم ہوتی اور اس کی زوجیت میں رہتی ہے، لہٰذا وہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے جبکہ اس کے برعکس بیوی کا انتقال ہوجانے کے بعد وہ اپنے شوہر کے لیے محرم نہیں رہتی، لہٰذا اس کا اُس کی طرف دیکھنا اور اُسے چھونا تک جائز نہیں۔[2]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہیں کہ ''میں تمھیں غسل دیتا۔'' لہٰذا انتقال کے بعد بھی بیوی کی میت اپنے شوہر کے لیے غیر محرم نہیں ہوتی، اُس کا اُسے دیکھنا یا چھونا اور غسل دینا جائز ہے۔

غسل میت کا بیان:

شہید کے سوا ہر میت کو غسل دینا ضروری ہے، شہید کو غسل کے بغیر اس کے کپڑوں میں خون سمیت دفن کرنے کا حکم ہے۔ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص میت کو غسل دے اور چھپائے یعنی اس بات کو چھپائے جو ظاہر کرنے کے قابل نہ ہو، تو اس کے چالیس کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔''[3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرفوع روایت میں مروی ہے:

''جو شخص میت کو غسل دے اور اور غسل دینے میں امانت ادا کرے، یعنی شریعت کے مطابق غسل دے اور کوئی مکروہ و ناقابلِ ذکر بات اس سے معلوم ہو، تو اس کو ظاہر نہ کرے۔ پس وہ شخص اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے جس

---

[1] سنن البيهقي (٣/ ٤٠٩)

[2] الفتح الرباني (٧/ ١٥٧)

[3] مستدرك الحاكم (١/ ٣٥٤، ٣٦٢)

دن اس کو جنا تھا اور چاہیے کہ میت کو اس کے قرابت دار غسل دیں، جو قرابت میں زیادہ قریب ہوں، بشرطیکہ ان کو غسل دینے کا طریقہ معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو، تو وہ لوگ غسل دیں جو پرہیز گار اور امانت دار ہوں۔‘‘[1] لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔[2]

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ میت کو غسل دینا بہت ہی ثواب کا کام ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کو اس کے قرابت دار لوگ غسل دیں جو قرابت میں زیادہ قریب ہوں اور اگر ان کو غسل دینے کا طریقہ معلوم نہ ہو تو دوسرے لوگ غسل دیں جو دین دار اور پرہیز گار ہوں۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ:

سب سے پہلے جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کریں تو اس کے کپڑے اتار دیں، مگر بدن کا جتنا حصہ زندگی کی حالت میں چھپانا ضروری ہے اس کو بے ستر نہ کریں، پھر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اس کا استنجا کرائیں اور بدن پر کہیں نجاست ہو تو اس کو بھی پاک کریں، پھر وضو کرائیں اور سر اور ڈاڑھی میں بال ہوں تو انھیں کسی صاف کرنے والی چیز (صابن وغیرہ) سے دھوئیں۔ اگر میت عورت ہو تو اس کے سر کی چوٹیوں کو کھول کر اس کا سر دھوئیں، پھر تین بار پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیں اور آخری بار پانی میں کافور ملائیں، اگر تین بار سے زیادہ غسل دینے کی ضرورت محسوس ہو تو پانچ بار غسل دیں یا پانچ بار سے بھی زیادہ، مگر طاق ہونا چاہیے اور غسل دینے میں دائیں طرف سے شروع کریں۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دے رہی تھیں، اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ اگر تم کو ضرورت محسوس ہو اور آخری غسل میں کافور ڈالو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی دائیں طرف سے اور وضو کی جگہوں سے شروع کرو۔[3]

نرمی اور آہستگی سے غسل دیں اور میت سے کوئی مکروہ اور معیوب بات معلوم ہو تو اس کو چھپائیں اور کسی پر ظاہر نہ کریں۔ جس مقام میں غسل دیں وہاں پردہ کرلیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

---

[1] مسند أحمد (٦/ ١١٩، ١٢٠)

[2] نيل الأوطار (٤/ ٢٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٦٧، ١٢٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٣٩)

سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔[1]

نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے مردوں کی خوبیوں کو بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔''[2]

بعض علمائے کرام لکھتے ہیں کہ غسل دینے والا جب میت کی کوئی اچھی بات دیکھے، مثلاً اس کے چہرے کا چمکنا اور روشن ہونا یا اس سے خوشبو کا معلوم ہونا، تو بہتر ہے کہ اس کو لوگوں سے بیان کرے اور اگر کوئی مکروہ بات دیکھے، مثلاً اس کے چہرے یا بدن کا سیاہ ہوجانا یا اس کی صورت کا بدل جانا یا اس سے بدبو معلوم ہونا تو اس کو لوگوں پر ظاہر کرنا جائز نہیں۔

فائدہ:

جب میت کو غسل دینے کے لیے تخت یا چارپائی پر لٹائیں تو کس رخ پر لٹائیں؟

اس بارے میں کوئی حدیث تو ہماری نظر سے نہیں گزری، تاہم علما کی آرا اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے، اسی طرح غسل دینے کے وقت بھی لٹانا چاہیے اور بعض کہتے ہیں اس طرح لٹایا جائے کہ اس کے پیر قبلے کی طرف ہوں۔

مذکورہ بالا حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا چاہیے، رہی یہ بات کہ بیری کے پتوں کو کس طریقے سے استعمال کرنا چاہیے، سو اس کے متعلق حدیث سے کوئی تشریح نہیں ملتی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بیری کے پتوں کو پانی میں ڈالیں اور پانی کو خوب حرکت دیں، یہاں تک کہ جھاگ نکلے، پھر اس جھاگ کو میت کے تمام بدن پر ملیں۔ پھر خالص پانی ڈالیں، یہ ایک غسل ہوا۔ ملکِ عرب میں یہ دستور ہے کہ بیری کے پتوں کو پانی میں پیس کر میت کے تمام بدن پر ملتے ہیں، پھر خالص پانی سے بدن کو صاف کردیتے ہیں۔

میت چونکہ منہ اور ناک سے پانی خارج نہیں کرسکتی، اس لیے میت کو مضمضہ [کلی کرانے] اور استنشاق [ناک میں پانی ڈالنے] کے ساتھ وضو نہیں کرانا چاہیے، صرف انگلی پر کپڑا لپیٹ کر اس کے مسوڑھوں، دانتوں اور لبوں کو مل دیا جائے اور ناک کے نتھنوں میں انگلی پھیری جائے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٨٠)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩٠٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠١٩)

فائدہ:

تین بار غسل دینے کے بعد میت کی شرم گاہ سے کوئی شے خارج ہو تو اس کا دھو دینا کافی ہے یا پھر دوبارہ غسل دینا چاہیے؟ اس بارے میں علما کے دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دھو دینا کافی ہے، پھر دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں، یہی علمائے حنفیہ کا قول ہے اور امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تین بار غسل دیا جائے۔ اگر تین بار غسل دینے کے بعد کوئی شے خارج ہو تو پانچ بار غسل دیا جائے۔ اگر پانچ بار غسل دینے کے بعد کوئی شے خارج ہو تو سات بار غسل دیا جائے۔ یہ امام محمد بن سیرین وہ شخص ہیں جو تجہیز و تکفین کے احکام و مسائل کو تمام تابعین سے زیادہ جاننے والے تھے، انھوں نے غسل دینے کا طریقہ حضرت حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے سیکھا تھا اور خوابوں کے معروف تعبیر دان بھی تھے۔

فائدہ:

کوئی مسلمان مرجانے کے بعد نجس و ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اپنی میت کو نجس مت کہو، کیونکہ مومن نجس نہیں، نہ زندگی کی حالت میں اور نہ مرنے کے بعد۔[1]

کفن کا بیان:

میت نے اگر کچھ مال چھوڑا ہے تو پہلے اس سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی، اگر اس قدر مال چھوڑا ہے کہ اس سے کفن مسنون ہوسکتا ہے تو کفن مسنون ہی دینا چاہیے، یعنی میت مرد ہو تو تین کپڑے اور عورت ہو تو پانچ کپڑے اور اگر اس قدر مال نہیں چھوڑا ہے تو تین اور پانچ کی کوئی قید نہیں، دو کپڑے ہوسکیں تو دو ہی کافی ہیں، ایک ہوسکے تو ایک ہی کافی ہے، بلکہ ضرورت کے وقت ایک ایسے کپڑے میں بھی کفنانا جائز ہے جو اس قدر لمبا نہ ہو کہ میت کے پورے قد کو چھپائے، ایسی صورت میں سر کی طرف کفنانا چاہیے اور پیروں کی طرف اذخر [ایک خوشبو دار گھاس کا نام ہے جو عرب میں ہوتی ہے] سے یا کسی اور گھاس سے چھپا دینا چاہیے۔

حضرت عبد اللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ اُحد کے دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

---

[1] سنن سعيد بن منصور. فتح الباري شرح صحيح البخاري (٣/ ١٢٧)

شہید ہوئے تو ان کے کفن کے لیے کوئی کپڑا نہیں ملا، مگر ایک ایسی چادر تھی جس سے ہم لوگ ان کا سر چھپاتے تو پیر کھل جاتے اور پیر چھپاتے تو سر کھل جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم لوگ ان کا سر چھپائیں اور پیروں پر اذخر ڈال دیں۔[1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح ایک ناکافی کپڑے میں کفنائے گئے تھے کہ سر کی طرف کفن تھا اور پیر اذخر گھاس سے چھپا دیے گئے تھے۔

کفن کا کپڑا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"سفید کپڑے پہنو، کیونکہ وہ تمھارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں اور ان میں اپنے مُردوں کو کفناؤ۔"[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن سفید ہونا بہتر ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔"[3]

اچھے کفن کا مطلب یہ ہے کہ عدد اور طول و عرض میں کامل اور سنت کے مطابق ہو، اور قیمت میں اوسط درجے کا ہو اور پاک و صاف اور ساتر ہو۔ اچھے کفن سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بیش قیمت ہو، کیونکہ بیش قیمت کفن دینے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کفن میں حد سے نہ بڑھو [یعنی بیش قیمت کفن نہ دو] کیوں کہ وہ بہت جلد چھین لیا جائے گا (یعنی گل سڑ جائے گا)۔"[4]

کفن کے لیے نیا کپڑا ہونا ضروری نہیں ہے، پرانے اور مستعمل کپڑے میں بھی مُردوں کو

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٧٥)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٨٧٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٤٧٢)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٤٣)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٥٤)

دفن کرنا جائز و درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کفن میں اپنا مستعمل تہبند دیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے مرنے کے وقت اپنے اس کپڑے کی طرف اشارہ کرکے جس کو وہ پہنے ہوئے تھے، فرمایا کہ میرے اس کپڑے کو دھولینا اور دو نئے کپڑے لے لینا اور مجھے ان ہی پرانے اور نئے کپڑوں میں کفنانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ کا یہ کپڑا تو پرانا ہے، آپ نے فرمایا: مردے کی نسبت زندہ نئے کپڑے کا زیادہ مستحق ہے۔[1]

اپنا کفن خود تیار کر کے رکھ لینا:

اپنی زندگی میں اپنے لیے کفن تیار رکھنا جائز ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز ایک اچھی چادر پہن کر باہر تشریف لائے۔ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! یہ چادر مجھے عنایت فرمایئے۔ لوگوں نے اس سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو رغبت سے پہنا تھا اور تم کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے، اس شخص نے کہا: میں نے اس کو پہننے کے واسطے نہیں مانگا ہے، بلکہ میں نے اس کو اپنے کفن کے واسطے مانگا ہے۔[2]

کفن کو زمزم میں بھگونے کی رسم:

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ آج کل حجاجِ کرام اپنے لیے اور اپنے اعزا و اقارب کے لیے کفن کا کپڑا آبِ زمزم میں بھگو کر لاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ، صحابہ و تابعین اور سلفِ صالحین سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ آبِ زمزم فی نفسہٖ بڑا بابرکت ہے، لیکن اگر مرنے والے کے عمل ہی درست نہ ہوں تو پھر آبِ زمزم تو کیا، عبد اللہ بن ابی بن سلول کو تو نبی اکرم ﷺ کی مبارک قمیص اور نمازِ جنازہ سے بھی فائدہ نہیں ہوا تھا اور پھر اس جیسوں کی نمازِ جنازہ سے آپ ﷺ کو منع ہی کر دیا گیا تھا۔[3]

اس واقعے میں بڑی عبرتیں اور لمحاتِ فکر یہ ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٨٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٧٧)

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: سورة التوبة (آیت: ٨٠ اور ٨٤) صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الكفن في القميص... مع الفتح (٣/ ١٣٨)

کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کا رواج:

آج کل کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کا بھی کافی رواج ہے، حالانکہ قرآن وسنت، خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل، آثارِ صحابہ وتابعین اور اقوالِ ائمہ کرام، کسی سے بھی یہ فعل ثابت نہیں، لہٰذا جو کام خیر القرون میں نہ ہوا ہو، وہ باعثِ خیر و برکت ہرگز نہیں ہوسکتا۔[1]

مردوں کے لیے کفنِ مسنون کا بیان:

مردوں کے لیے کفنِ مسنون تین کپڑے ہیں اور وہ تین لفافے ہیں، یعنی تین چادریں جو اس قدر لمبی اور چوڑی ہوں جن میں میت کو خوب اچھی طرح لپیٹ سکیں اور وہ قدم تک بخوبی چھپ جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین کپڑوں میں کفنائے گئے، جو سفید تھے اور مقامِ سحول کے بنے ہوئے اور سوتی تھے جن میں نہ کرتا تھا نہ عمامہ۔''[2]

جامع ترمذی [حدیث: ۹۹۷] میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں، ان تمام روایتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت زیادہ صحیح ہے اور اکثر اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے اور مردوں کو کرتا، ازار اور لفافے میں بھی کفنانا ثابت ہے۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ (۲/ ۱۹۰، ح: ۵۷۶) موطا امام محمد رحمہ اللہ (ص: ۱۶۲)، بخاری (رقم الحدیث: ۱۲۶۹) اور مسلم (رقم الحدیث: ۲۴۰۰) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی کا جب انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنا کرتا عنایت فرمایئے، میں اس میں اپنے باپ کو کفناؤں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا کرتا دے دیا۔

مَردوں کو کفن دینے کا طریقہ:

① کفنانے سے پہلے مردوں کے سر اور ڈاڑھی اور کفن میں حنوط لگانا چاہیے اور اگر حنوط موجود نہ ہو تو عطر یا کوئی اور خوشبو استعمال کرنا چاہیے۔

② مسند احمد (۳/ ۳۳۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب

---

[1] أحكام الجنائز (ص: ٢٤٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٧٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٤١)

تم میت کو دھونی دو تو تین مرتبہ دو اور بیہقی (۳/ ۴۰۵) کی روایت میں ہے کہ میت کے کفن کو تین بار دھونی دو۔

③ سجدے کی جگہوں پر کافور ملنا چاہیے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میت کے مواضعِ سجود (یعنی دونوں ہتھیلیوں، ناک، پیشانی، دونوں زانوں اور دونوں پاؤں کے اگلے حصہ) پر کافور ملا جائے۔

عورتوں کے کفنِ مسنون کا بیان:

عورتوں کے لیے کفنِ مسنون کے جو پانچ کپڑے ہیں، وہ یہ ہیں: تہمد، کرتا اور خمار جس کو دامنی کہتے ہیں یعنی سر بند اور دو لفافے یعنی دو چادریں، حضرت لیلیٰ ثقفیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''ان عورتوں میں مَیں بھی تھی جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ان کی وفات کے وقت غسل دیا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہم کو تہمد دیا، پھر کرتا، پھر خمار، پھر چادر، پھر ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹی گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس کفن تھا، ایک ایک کپڑا ہم کو دیتے تھے۔''[1]

حدیث میں اس کی تصریح نہیں آئی ہے کہ عورتوں کے کفن میں جو تہمد دیا جائے وہ کتنا لمبا اور کتنا چوڑا ہونا چاہیے، لیکن یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے کفن میں اپنا تہمد اپنی کمر سے کھول کر دیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے تہمد کی لمبائی چوڑائی شرعی تہمد کے مطابق ہونی چاہیے اور عورتوں کا کرتا مونڈھے سے قدموں تک ہونا چاہیے، جیسا کہ زندہ عورتوں کو اتنا لمبا کرتا پہننا درست ہے اور خمار یعنی سر بند کا طول وعرض اس قدر ہونا چاہیے کہ عورت کا سر مع اس کے بالوں کے اس میں چھپ سکے۔

عورتوں کو کفن پہنانے کا طریقہ:

کفنانے سے پہلے مرد کی طرح عورت کے سجدے کی جگہوں پر بھی کافور ملنا چاہیے اور حنوط یا عطر استعمال کرنا چاہیے، عورت کے سر کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈال دینا چاہیے، سر کے آگے کے بالوں کی ایک چوٹی بنائی جائے اور سر کے دونوں جانب کے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی جائیں اور عورت کے کفن کو بھی کسی خوشبو دار چیز اگر یا لوبان سے دھونی دی جائے۔

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (۳۱۵۷)

عورت کو پہلے تہہ میں لپیٹیں اور تہبد کو زندہ کی طرح کمر سے نہ باندھیں، بلکہ بغل سے لے کر سینہ اور کمر اور ران وغیرہ بدن کے جس قدر حصے پر لپیٹ سکیں لپیٹیں، پھر کرتا پہنائیں، پھر خمار یعنی سربند سے اس کے سر اور بالوں کو چھپائیں، پھر دونوں لفافوں میں لپیٹیں، پھر سر اور پیر کی طرف کفن کو گرہ لگا دیں۔

مراجعِ درس

1. مقالاتِ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ۔
2. نمازِ جنازہ۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. دنیا کے اے مسافر۔ تالیف: محترمہ ام منیب

دوسری زندگی کا پہلا سفر

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت عبس (آیت: ۲۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ ﴾ ''پھر اس کو موت دی، پھر قبر میں دفن کرایا۔''

خوبصورت تہذیب:

اسلامی تہذیب کیسی خوبصورت تہذیب ہے کہ مسلمان کے جسم کو زندگی کے اختتام پر بھی بہت احترام سے غسل دے کر، اجلا لباس اور سفید کفن پہنا کر، خوشبوؤں میں بسا کر بہت عزت و احترام کے ساتھ کندھوں پر اٹھا کر، اجتماعی نظم کا مظاہرہ کرتے ہوئے نمازِ جنازہ پڑھ کر دعاؤں کے لیے مغفرت طلب کرتے ہوئے خاموشی سے اسے اس کی آخری قیام گاہ میں سپردِ خاک کردیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس غیر اسلامی تہذیبوں میں انسانیت کے ایسے احترام کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

جنازہ اٹھانے اور اس کے ساتھ چلنے کا بیان:

جنازہ اٹھانے میں کسی قسم کی کوئی دعا ثابت نہیں ہے۔ خود سرورِ عالم رسول اللہ ﷺ نے جنازہ اٹھایا ہے اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور ائمہ دین رحمہم اللہ نے جنازہ اٹھایا ہے، لہٰذا جو شخص جنازے کے اٹھانے میں کوئی دعا ثابت سمجھے وہ ضعیف الایمان ہے۔

جنازے کے ساتھ چلنا ایک حق ہے من جملہ ان حقوق کے جو مسلمانوں میں باہم ایک دوسرے پر واجب ہیں۔ اس کے علاوہ جنازے کے ساتھ چلنے میں بڑا ثواب ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں باہم ایک دوسرے پر پانچ حق واجب ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٨٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٦٢)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص ایمان کا کام سمجھ کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور برابر اس کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ اس کے جنازے کی نماز پڑھے اور اس کے دفن سے فارغ ہو تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا، ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص اس کے جنازے کی نماز پڑھ کر دفن سے پہلے ہی لوٹ آئے، تو وہ ایک قراط ثواب لے کر لوٹے گا۔“[1]

سبحان اللہ! جنازے کے ساتھ جانے میں کتنا بڑا ثواب ہے، مگر بہت سے مسلمان اپنی غفلت کی وجہ سے اتنے بڑے ثواب سے اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں۔ جنازے کو سرعت اور تیزی کے ساتھ لے چلنے کا حکم ہے۔[2]

جنازے کے ساتھ عورتوں کا جانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس روایت کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳/۱۸۲) میں ذکر کیا ہے اس روایت میں ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے، تو آپ ﷺ نے عورتوں کو دیکھ کر ان سے پوچھا: کیا تم جنازے کو اٹھاؤ گی؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دفن کرو گی؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوٹ جاؤ گنہگار ہو کر![3]

جو لوگ جنازے کے ساتھ جائیں ان کو چاہیے کہ جب تک جنازہ کندھے پر سے زمین پر نہ رکھا جائے تب تک نہ بیٹھیں۔ کیوں کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم لوگ جنازے کے ساتھ چلو تو نہ بیٹھو، یہاں تک کہ جنازہ رکھا جائے۔“[4]

جنازے کے ساتھ کوئی کلمہ یا کوئی دعا یا قرآنِ مجید بلند آواز سے پڑھتے ہوئے نہیں چلنا چاہیے۔[5] کیونکہ حدیثِ صحیح سے اس کا کچھ ثبوت نہیں ملتا۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٤٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣١٥)

[3] مسند أبي يعلى (٤/ ١٣٢) رقم الحديث (٤٠٤٣)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣١٠) صحيح مسلم (٩٥٨)، سنن أبي داود (٣١٧٣)

[5] دیکھو: الدر المختار (٢/ ٢٣٣) مع رد المحتار وغيره

نمازِ جنازہ کا بیان:

نماز جنازہ کے لیے وضو ضروری ہے، جیسا کہ دوسری نمازوں کے لیے ضروری ہے۔ جنازے کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز و درست ہے۔ صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۹۷۳) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ سہل سہیل رضی اللہ عنہما کے جنازے کی نماز بھی مسجد ہی میں پڑھی گئی۔[1] مگر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کی عادت نہیں بنانی چاہیے، بلکہ نمازِ جنازہ کے لیے مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ مقرر کرنی چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدِ نبوی کے علاوہ ایک خاص جگہ نمازِ جنازہ کے لیے مقرر تھی۔[2]

نمازِ عصر اور نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، ہاں آفتاب کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے وقت اور ٹھیک دوپہر کو آفتاب کے کھڑے ہونے زوال کے وقت نمازِ جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے۔

نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ میت اگر مرد ہو تو اس کے سر کے پاس اور عورت ہو تو اس کی کمر کے پاس امام کھڑا ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ مسند احمد (۳/ ۱۱۸) سنن الترمذی (رقم الحدیث: ۱۰۳۴) اور سنن ابن ماجہ (رقم الحدیث: ۱۴۹۴) میں ابو غالب سے روایت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کے جنازے کی نماز پڑھی تو اس کے سر کے پاس کھڑے ہوئے، جب وہ جنازہ اٹھایا گیا تو ایک عورت کا جنازہ لایا گیا۔ پھر اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھی تو اس کے وسط میں کھڑے ہوئے اور ہم لوگوں میں علاء بن زیاد علوی بھی تھے، انھوں نے جب مرد اور عورت کے جنازے میں کھڑے ہونے کا یہ فرق دیکھا تو کہا: اے ابو حمزہ! (ابو حمزہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) کیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد کے جنازے میں اور عورت کے جنازے میں کھڑے ہوتے تھے، جہاں آپ کھڑے ہوئے ہیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ (اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن کہا ہے)

صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۳۳۲) میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں

---

[1] الدراية (۱/ ۲۳۵)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۳۲۹)

نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک عورت پر جنازے کی نماز پڑھی جو اپنے نفاس میں وفات پا گئی تھی، تو رسول اللہ ﷺ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے۔

ان دونوں حدیثوں سے صاف طور سے ثابت ہوا کہ میت مرد ہو تو امام کو اس کے سر کے پاس اور عورت ہو تو اس کے وسط میں کمر کے پاس کھڑا ہونا چاہیے۔

جنازے کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد سورت فاتحہ اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا اور چوتھی کے بعد سلام پھیرنے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ نمازِ جنازہ میں سنت یہ ہے کہ سورت فاتحہ پڑھے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے، پھر میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرے اور قراءت نہ کرے مگر ایک بار، پھر سلام پھیر دے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ (كذا فى النيل: ٧٠/٤)

رسول اللہ ﷺ سے نمازِ جنازہ میں احادیثِ صحیحہ سے چار تکبیریں ثابت ہیں۔

نماز جنازہ کی دعائیں:

① صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۹۶۳) میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی، میں نے آپ ﷺ کی دعا یاد کرلی، آپ ﷺ یوں دعا فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَاَبْدِلْهُ دَاراً خَيْراً مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْراً مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجاً خَيْراً مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ»[1]

”اے اللہ! تو اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر اور اس کو عافیت دے اور اس کے گناہ معاف کر اور اس کی مہمانی اچھی کر اور اس کی قبر کو کشادہ کر اور اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے اور اس کو گناہوں سے پاک کر جیسا کہ تو نے سفید کپڑے کو میل

---

[1] صحيح مسلم (٢/ ٦٦٣) الفتح الرباني (٧/ ٢٣٧، ٢٣٨)

کچیل سے پاک کیا اور اس کے گھر سے اچھا گھر اور اس کے گھر والے سے اچھے گھر والے اور اس کے جوڑے سے اچھا جوڑا اس کو بدلے میں دے اور اس کو جنت میں داخل کر اور اس کو قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے پناہ میں رکھ۔'' نمازِ جنازہ کی تمام دعاؤں سے یہ دعا زیادہ صحیح ہے۔

2. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا وَأَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْإِسْلَامِ وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوحَهَا وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهَا»[1]

''اے اللہ! تو اس کا رب ہے، تو ہی نے اس کو پیدا کیا اور تو ہی نے اس کو اسلام کی ہدایت دی اور تو ہی نے اس کی روح کو قبض کیا اور تو ہی اس کے پوشیدہ اور اس کے ظاہر کو خوب جانتا ہے، ہم لوگ سفارشی ہوکر آئے ہیں، پس تو اس کو بخش دے۔''

3. ایک معروف دعا یہ بھی ہے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَاراً خَيْراً مِنْ دَارِهٖ وَ أَهْلًا خَيْراً مِنْ أَهْلِهٖ وَزَوْجاً خَيْراً مِّنْ زَوْجِهٖ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِن عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ»[2]

''اے اللہ تو اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر اور اس کو عافیت دے اور اس کے گناہ معاف کر اور اس کی مہمانی اچھی کر اور اس کی قبر کو کشادہ کر اور اس کو پانی، برف اور اولے سے دھو دے اور اس کو گناہوں سے پاک کر جیسا کہ تو نے سفید کپڑے کو میل کچیل سے پاک کیا اور اس کے گھر سے اچھا گھر اور اس کے گھر والوں سے اچھے گھر والے اور اس کے جوڑے سے اچھا جوڑا اس کو بدلے میں دے اور اس کو جنت میں داخل کر اور اس کو قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے پناہ میں رکھ۔''

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٢٠٠) سنن النسائي، عمل اليوم والليلة، رقم الحديث (١٨٥٠)
2. جامع الترمذي، رقم الحديث (١٠٢٥)

قبرستان کے آداب:

قبرستان پہنچ کر جب تک جنازہ زمین پر نہ رکھا جائے، تب تک بیٹھنا منع ہے۔ قبرستان میں غافل اور بے پرواہ لوگوں کی طرح ہنسی مذاق اور دنیاوی باتیں نہ کی جائیں۔

قبر اور دفن کا بیان:

مسند احمد (۳/ ۱۳۹) اور سنن ابن ماجہ (رقم الحدیث: ۱۵۵۷) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینے میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے، ایک بغلی (لحد والی) قبر کھودتا تھا اور ایک شق یا صندوقی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں کے پاس آدمی بھیجا کہ جو پہلے آئے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قبر کھودے، پس پہلے وہ شخص پہنچا جو بغلی قبر کھودتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغلی قبر کھودی گئی، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے بھی بغلی قبریں کھودی گئی تھیں۔[1]

دونوں قسم کی قبر میں میت کے رکھنے کی جگہ اتنی کشادہ ہونی چاہیے کہ اس میں وہ کسی تنگی کے بغیر رکھا جاسکے۔ قبر کھودنے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، کسی مردے کی کوئی پرانی ہڈی نکلے تو ٹوٹنے نہ پائے۔ جو ہڈی نکلے اس کو حفاظت کے ساتھ تمام پھر اسی قبر میں دفن کردینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مردہ کی ہڈی کا توڑنا ایسا ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی کا توڑنا۔“[2]

مردے کو لحد میں رکھنے کے لیے بقدرِ ضرورت دو یا تین یا چار آدمی قبر میں داخل ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں چار آدمی داخل ہوئے تھے۔ عورت کی قبر میں اس کے محرم لوگ داخل ہوں۔ عورت کی قبر میں اس کا شوہر بھی داخل ہوسکتا ہے، اگر محرم یا شوہر موجود نہ ہوں تب غیر محرم داخل ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مردہ قبر کی پاؤں والی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے۔[3]

میت اگر عورت ہے تو قبر میں داخل کرنے کے وقت قبر پر پردہ کرنا چاہیے اور اگر مرد ہے تو پردہ نہیں کرنا چاہیے، اس بارے میں کئی روایتیں آئی ہیں۔ میت کو جب قبر میں داخل کریں تو کہیں:

---

[1] التلخیص (۲/ ۱۲۷) الدرایة (۱/ ۲۳۹) رقم الحدیث (۳۰۹)

[2] سنن أبي داود، رقم الحدیث (۳۲۰۷)

[3] مصنف ابن أبي شیبة (۳/ ۱۷) رقم الحدیث (۱۱٦۷۷)

((بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) ”اللہ کے نام سے اور رسول ﷺ کی ملت پر۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جب تم لوگ مُردوں کو قبر میں رکھو تو کہو:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ))[1]

پھر اس کے سر اور پیر کی گرہ کھول دینا چاہیے۔[2]

پھر کچی اینٹوں کو کھڑی کر کے لحد کو بند کریں، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی لحد کچی اینٹوں سے بند کی گئی تھی۔[3]

امام نووی نے مسلم کی شرح (۱/ ۳۱۱) میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی لحد نو اینٹوں سے بند کی گئی تھی۔ جب لحد بند ہوجائے تو عورت کی قبر سے پردہ ہٹالیں اور آہستہ آہستہ مٹی گرائیں اور سب لوگ دونوں ہاتھوں سے تین تین بار مٹی ڈالیں۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز پڑھی اور ان کی قبر پر آئے اور تین بار دونوں ہاتھوں سے کھڑے ہوکر مٹی ڈالی۔[4]

صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۳۹۰) میں سفیان تمار سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو مسنم یعنی کوہانِ شتر کی طرح بنائی ہوئی دیکھا تھا۔ پھر قبر پر پانی چھڑکیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر ایک مشکیزہ پانی چھڑکا گیا تھا اور جس نے پانی چھڑکا تھا وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ سر کی طرف سے شروع کرکے پیر تک پہنچایا۔[5]

قبر پر پانی چھڑکنے کے بارے میں کئی حدیثیں آئی ہیں۔ پھر سب لوگوں کو چاہیے کہ قبر کے پاس کھڑے ہوکر میت کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے اور اس کو منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ثابت قدم رکھے۔

---

[1] سبل السلام (٢/ ١٥٤) التلخيص (٢/ ١٢٩) نيل الأوطار (٤/ ٨٠، ٨١)

[2] شرح معاني الآثار للطحاوي (١/ ٥٠٧)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٦)

[4] سنن الدارقطني (١/ ٧٦)

[5] دلائل النبوة للبيهقي (٧/ ٢٦٤)

سنن ابو داود (رقم الحدیث: ۳۲۲۱) اور مستدرک حاکم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے دعاے مغفرت کرو اور اس کے لیے ثابت قدم رہنے کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔ (امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)

قبر کے پہچاننے کے لیے قبر کے سرہانے کوئی بھاری پتھر رکھ دینا یا گاڑ دینا جائز و درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے ایک بھاری پتھر رکھ دیا تھا۔[1]

قبر کو پکی کرنا، اس پر عمارت بنانا، اس پر چراغ جلانا، اس پر مجاور بن کر بیٹھنا، اس پر ٹیک لگانا، اس پر چلنا، اس پر لکھنا، اس کی طرف نماز پڑھنا، یہ سب باتیں ممنوع و ناجائز ہیں، احادیثِ صحیحہ سے ان باتوں کی ممانعت ثابت ہے۔

بہت سے لوگ جو بیری کی شاخ یا انار کی شاخ قبر میں گاڑتے ہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ڈھیلوں پر سورت اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا یا قرآنِ مجید کی کوئی آیت یا کوئی دعا لکھ کر قبر میں رکھنا یا کعبہ شریف کا غلاف یا کسی بزرگ کا کوئی کپڑا یا اس کی کوئی اور چیز تبرکاً قبر میں رکھنا جائز نہیں ہے یہ کام ناواقف اور جاہل لوگوں کا ہے۔ ایسے کاموں سے احتراز و اجتناب لازم ہے۔ قبر کو زیادہ اونچا نہیں بنانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر زمین سے ایک بالشت اونچی بنائی گئی تھی۔[2]

دوسری زندگی کا پہلا گھر:

قبر دنیا کا آخری گھر اور آخرت کا پہلا دروازہ ہے۔ موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ اس کا احترام برقرار رہے ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش نوچ نوچ کر کھاتے، جس سے اس کی بے حُرمتی ہوتی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''قبریں آخرت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔''[3]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٦٢)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٩)

[3] مسند أحمد (٣/ ٢٣)

ہم نبی رحمت ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہوئے تو آپ ﷺ قبر کے کنارے پر بیٹھ گئے اور اتنا روئے کہ زمین کی مٹی (آنسوؤں سے) تر ہوگئی، پھر فرمایا:

''میرے بھائیو! اس جیسے گھر کی تیاری کرو۔''

قبر کا ساتھی:

مرنے والے کا اچھا عمل اچھی انسانی صورت میں قبر میں اس کے ساتھ رہے گا اور بُرا عمل بُری انسانی شکل میں اس کے پاس رہے گا اور اس کے لیے مزید اذیت کا سبب بنے گا۔[1]

ایک اور حدیث کے مطابق تین چیزیں انسان کی ساتھی ہیں:

① پہلا ساتھی مال و اسباب جو مرتے ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

② دوسرا ساتھی، کنبہ، قبیلہ اور حلقہ احباب جو تدفین تک ساتھ دیتے ہیں، پھر واپس چلے جاتے ہیں۔

③ تیسرا ساتھی، عمل جو قبر میں داخل ہونے اور وہاں سے اٹھنے تک ساتھ نبھاتا ہے۔

تینوں ساتھیوں میں سے یہی تیسرا میت کا سچا دوست ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری

اہلِ میت کے ہاں کھانا بھیجنا:

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کے لیے کھانا بناؤ۔ اس لیے کہ ان کو ایسی خبر ملی ہے جو ان کو کھانا بنانے سے روکتی ہے۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرابت داروں اور پڑوسیوں کو چاہیے کہ موت کے دن کھانا پکا کر اہلِ میت کے گھر بھیجیں۔

تعزیت:

مصیبت والوں کی تعزیت کرنا یعنی ان کو صبر کی تلقین کرنا اور تسلی دینا سنت ہے۔ تعزیت سے

[1] مسند أحمد (٤/ ٢٨٧، ٢٨٨)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٣٢) سنن الترمذي (٩٩٨) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٦١٠)

اہلِ مصیبت کے مغموم دلوں کوتسلی ہوتی ہے اور ان کو صبر وسکون حاصل ہوتا ہے اورتعزیت کرنے والوں کوثواب ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جومسلمان اپنے کسی بھائی کی مصیبت میں اس کی تعزیت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عزت و وقار کا حلہ پہنائے گا۔''[1]

تعزیت کی فضیلت میں کئی حدیثیں آئی ہیں،تعزیت کے لیےکوئی خاص الفاظ مقررنہیں ہیں، ایسا مضمون ہونا چاہیے جس سے رنج وغم دور ہو اورصبر وتسلی حاصل ہو۔تعزیت کے وقت میت کے لیے دعا کرنا بھی آیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک صاحبزادی سے جبکہ ان کا ایک لڑکا وفات پا گیا تھا، اس طرح تعزیت فرمائی ہے:

((اِنَّا لِلّٰہِ مَا أَخَذَ وَلَہٗ مَا أَعْطیٰ وَ کُلُّ شَيءٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُسَمّٰی))

''اللہ تعالیٰ ہی کا تھا، جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔''

((فَلْتَصْبِرِی))[3] ''پس صبر کرو۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک صحابی کا ایک چھوٹا لڑکا فوت ہوگیا۔آپ ﷺ نے اس کی تعزیت کی اور ایک حدیث سُنائی، اس حدیث کو یاد کرلینا چاہیے:

سنن نسائی (رقم الحدیث: ۲۰۹۰) اور مسند احمد بن حنبل (۳/ ۴۳۶ و ۵/ ۳۴، ۳۵) میں قرہ مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیٹھتے تھے تو آپ ﷺ کے حضور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بھی بیٹھا کرتی تھی، جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک شخص تھا اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا تھا، جب وہ حضورِ نبوی میں آتا تو اپنے ساتھ اپنے اس چھوٹے بچے کو بھی لاتا اور حلقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کو اپنے آگے بٹھالیتا، ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کہا:

تم اپنے اس بچے سے بہت محبت کرتے ہو [کہ ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتے ہو]؟

اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جس قدر میں اپنے اس بچے سے محبت رکھتا ہوں اسی

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٦٠١)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٢٣) سنن النسائي، رقم الحديث (١٨٨١)

[3] صحيح البخاری، رقم الحديث (١٢٨٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٢٣)

قدر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے محبت رکھے۔ اتفاق یہ کہ وہ لڑکا فوت ہوگیا۔ اس شخص نے حضورِ نبوی میں آنا ترک کردیا کہ حلقہ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھوں گا اور اپنے آگے بچے کو نہ دیکھوں گا تو بہت قلق ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے جب اس شخص کو حلقہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہیں دیکھا تو فرمایا: کیا بات ہے کہ فلاں شخص کو نہیں دیکھتا ہوں؟

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اس کا وہ چھوٹا پیارا بچہ فوت ہوگیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اس سے ملاقات کی اور اس کی تعزیت کی اور تسلی وتشفی دی اور فرمایا: اے فلاں! کیا تمھیں یہ پسند ہے کہ تم [دنیا میں] اپنی عمر بھر اپنے بچے سے فائدہ اٹھاؤ یا یہ پسند ہے کہ کل [قیامت کے دن] جنت کے جس دروازے پر تم پہنچو تمھارا وہ بچہ تمھارے لیے جنت کا دروازہ کھولنے کے لیے پہلے سے موجود رہے؟ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہی پسند ہے کہ میرا بچہ جنت کے دروازے پر پہلے سے موجود رہے کہ میرے لیے دروازہ کھول دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سو تمھارے لیے ایسا ہی ہوگا۔

کسی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ بات خاص اسی شخص کے لیے ہے یا سب لوگوں کے کے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب لوگوں کے لیے ہے۔

زیارتِ قبور:

قبرستان کی زیارت کرنا مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے بعض حدیثوں سے جائز معلوم ہوتا ہے اور بعض سے ناجائز۔ تاہم کبھی کبھار ہو تو الگ بات ہے، کثرت سے عورتوں کے لیے زیارت کی اجازت نہیں ہے۔

قبر کی زیارت اس غرض سے مشروع ہوئی ہے کہ مُردوں کے لیے استغفار و دعا کی جائے، قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل ہو اور اپنی موت اور آخرت یاد آئے، دنیا سے دل کا تعلق کم ہو، آخرت کے سامان کا خیال وفکر پیدا ہو، پس اسی غرض کے حصول کے لیے قبروں کی زیارت کرنا چاہیے۔

زیارتِ قبر کے لیے کوئی خاص دن یا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے، جب اور جس وقت چاہے دن کو یا رات کو زیارت قبر کے لیے قبرستان میں جائے۔ ہاں جمعہ کے روز قبروں کی زیارت کرنا بہ نسبت اور دونوں سے افضل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری

ہر باری کی رات کو آخر شب میں جنت البقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور کہتے تھے:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَ اتَاكُمْ مَا تُوعَدُونَ غَداً مُؤَجَّلُونَ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُونَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ﴾[1]

''اے قبروں میں رہنے والی ایمان والی قوم! تم پر سلام اور تمھارے پاس وہ چیز آ گئی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کل تک [یعنی قیامت تک] تم مہلت دیے گئے ہو اور ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں، اے اللہ! بقیع الغرقد میں رہنے والوں کو بخش دے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی قبروں پر گزرے تو اپنے روئے رخِ مبارک کو قبروں کی طرف کیا اور کہا:

﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَ نَحْنُ بِالْأَثَرِ﴾[2]

'' قبروں کے رہنے والو! تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو بخشے، تم ہم سے پہلے گزر گئے اور ہم بھی پیچھے پہنچنے والے ہیں۔''

زیارتِ قبور کے وقت قبر کو سجدہ کرنا، اس کو بوسہ دینا، اس سے معانقہ کرنا، اس کا طواف کرنا، اس کے سامنے جھکنا، اس پر چادر یا غلاف چڑھانا، مُردوں سے مرادیں اور حاجتیں مانگنا؟ یہ سب باتیں حرام و ناجائز ہیں۔ ثواب رسانی کے لیے شریعت سے نہ کوئی خاص دن مقرر ہے اور نہ کوئی خاص وقت، جب اور جس وقت چاہے مُردوں کے لیے صدقہ کرے اور ان کے لیے دعا و استغفار کرے۔ ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے دن، ساتویں، دسویں، چالیسویں دن کو یا کسی اور دن کوئی مخصوص کام کرنا ناجائز ہے۔

یہ حدیث جو مشہور ہے کہ مومنین کی روحیں جمعہ کی شب کو اور عیدین اور شبِ برات کو چھوٹتی ہیں اور پہلے اپنی قبروں کو اور پھر اپنے گھروں کو آتی ہیں، پھر نرم آواز سے اپنے اقربا کو پکارتی ہیں کہ ہمارے لیے کچھ صدقات خیرات کرو۔ پس اگر وہ کچھ صدقات و خیرات کرتے ہیں تو دعا دے جاتی ہیں، ورنہ ناخوش ہوکر چلی جاتی ہیں۔ یہ حدیث بالکل بے اصل و من گھڑت ہے، ہرگز اعتبار کے لائق نہیں۔

---

[1] صحيح مسلم (١٠٢/ ٩٧٤)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (١٠٥٣) امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

میت کے ساتھ قبر پر کھانا یا غلہ یا نقدی لے جانا اور وہاں فقرا و مساکین کو تقسیم کرنا شریعت سے ثابت نہیں، اس سے بچنا چاہیے۔

کچھ لوگ اجرت دے کر میت کے لیے قرآن پڑھاتے ہیں، سو اس صورت میں میت کو ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ بلکہ یہ دونوں پڑھنے والے اور پڑھانے والے گناہگار رہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قبر کے اندر میت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈوب رہا ہو اور فریاد کر رہا ہو، میت منتظر رہتی ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے کوئی دعا اس کو پہنچے، پس جب کوئی دعا اس کو پہنچتی ہے تو وہ دعا اس کو دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں پر پہاڑوں کے مانند [ثواب، رحمت اور مغفرت] داخل کرتا ہے اور زندہ لوگوں کا تحفہ مُردوں کی طرف یہ ہے کہ ان کے لیے استغفار کیا جائے۔''[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے مُردے ہماری دعا اور استغفار کے بہت محتاج ہیں، پس مردوں کے لیے کثرت سے دعا اور استغفار کرنا چاہیے نہ کہ ان سے کچھ مانگنا چاہیے۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر: ١٠]

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ﴾ [نوح: ٢٨] ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ [الإسراء: ٢٤]

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ، وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

مراجعِ درس

1. مقالاتِ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ۔
2. نمازِ جنازہ۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. دنیا کے اے مسافر۔ تالیف: محترمہ ام منیب

[1] شعب الإيمان للبيهقي (٦/ ٢٠٣) رقم الحديث (٧٩٠٥) و (٧/ ١٦) رقم الحديث (٩٢٩٥) مشكاة (٢٣٥٥)

قیامت کی چھوٹی نشانیاں ①
(۱۔۲۲)

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الحشر (آیت: ۱۸) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس نے کل قیامت کے لیے کیا (سامان) آگے بھیجا ہے اور خدا کا خوف رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ کو تمھارے (سب) کاموں کی خبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بعد دارِ آخرت میں اٹھائے جانے کا قضیہ ہی وہ قضیہ ہے جس پر عقیدہ کی بنیاد کھڑی ہے۔ یومِ آخرت میں پیش آنے والی چیزیں اور اس کی علامات پر ایمان رکھنا ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ اس کا ادراک عقل کے ذریعے نہیں کیا جاسکتا، اور نہ وحی کی نصوص کے سوا اس کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہے۔ نئی رات ایمان بالغیب کے معنی یہ ہیں کہ ہر اس چیز پر کامل ایمان ویقین رکھا جائے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہو اور وہ خبر صحیح طریق سے آپ ﷺ سے منقول ہو، چاہے اس کا مشاہدہ ہم نے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ہم اس با ت کا یقین رکھیں کہ یہ بات سچ اور حق ہے۔ انھی چیزوں میں سے علاماتِ قیامت بھی ہیں، مثلاً: خروجِ دجال، نزولِ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، خروجِ دابہ (ایک عجیب الخلقت جانور کا نکلنا) مغرب سے طلوعِ آفتاب اور اسی طرح کی دیگر علامات جو صحیح دلائل سے ثابت ہیں۔

علاماتِ قیامت کے بارے میں جاننے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو مسلسل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہے اور روزِ قیامت کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔

ان کے ذکر سے غافل لوگ بیدار اور توبہ پر آمادہ ہوتے ہیں، یہ چیز انھیں دنیا کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی۔ علاماتِ قیامت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ہم جان لیتے ہیں کہ ان واقعات کا سامنا شرعی طریقے سے کیسے کرنا ہے؟ اس طرح معاملے کے خلط ملط ہونے کا امکان نہیں رہتا، مثلاً: ہمیں دجال کے بارے میں تفصیل کے ساتھ خبر دی گئی ہے حتیٰ کہ اس کی آنکھوں، اس کی پیشانی اور ان چیزوں کے بارے میں بھی جو اس کے پاس ہوں گی، آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ کیسی ہوں گی؟ تاکہ ہم کسی فتنے میں مبتلا نہ ہوں اور اسے پہچان لیں کہ یہ دجال ہے۔ ہم مستقبل میں پیش آمدہ واقعات کا سامنا کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں گے، کیونکہ اگر کوئی چیز اچانک سامنے آجائے تو آدمی فطری طور پر گھبرا جاتا ہے اور حیرت و استعجاب کا شکار ہو جاتا ہے۔ علاماتِ قیامت پر ایمان رکھنے سے آدمی کا عقیدہ مضبوط ہوتا ہے، ایمان و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے اور جب کبھی ان میں سے کوئی علامت ظاہر ہوتی ہے، تو جس دین پر آپ چل رہے ہیں، اس کی صداقت وحقانیت آپ پر مزید روشن اور واضح ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازیں کچھ دیگر ثمرات وفوائد بھی علاماتِ قیامت کے اس علم میں موجود ہیں، جن کے ہماری عملی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی جو نشانیاں بیان فرمائیں، ان میں سے کئی نشانیاں اپنے ظہور کے بعد اوراقِ تاریخ پر نقوش ثبت کر گئیں اور کئی نشانیاں سامنے نظر آرہی ہیں اور کئی مستقبل کے پردے سے جھانک رہی ہیں۔

قیامت کا قرب:

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب آنے اور دنیا کے خالی ہونے اور اس کے ختم ہو جانے کی خبر دی ہے، جیسا کہ سورۃ الانبیاء (آیت: ۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴾

”لوگوں کے لیے ان کا (وقتِ) حساب نزدیک آپہنچا ہے جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کرنے والے ہیں۔“

سورت معارج (آیت: ۶، ۷) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ۝ وَّنَرٰهُ قَرِیْبًا ﴾

''وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دُور ہے اور ہماری نظر میں نزدیک۔''

اس کے بارے میں بہت سی احادیثِ مبارکہ بھی موجود ہیں۔ حافظ ابوبکر بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اور اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا، بلکہ صرف تھوڑا ہی سا غروب ہونے سے باقی رہ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! گزری ہوئی دنیا کے مقابلے میں دنیا صرف اتنی باقی رہ گئی ہے جتنا تمھارے آج کے گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں یہ تھوڑا سادن باقی رہ گیا ہے۔'' اس وقت ہم سورج کا تھوڑا سا حصہ دیکھ رہے تھے۔[1]

ایک اور حدیث جو سابقہ حدیث کی تائید وتفسیر ہے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت سورج عصر کے بعد قعیقان پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سابقہ لوگوں کے مقابلے میں تمھاری عمریں اتنی ہیں جتنا گزرے ہوئے دن کے مقابلے میں آج کا باقی دن ہے۔''[2]

قرآنِ کریم کی آیات اور صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قیامت قریب اور نزدیک ہے، کیونکہ قیامت کی اکثر نشانیوں کا ظہور اس کے قرب کی دلیل ہے اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہم دنیا کے آخری ایام میں زندگی گزار رہے ہیں۔

علاماتِ قیامت کی دو قسمیں:

① اشراط صغریٰ [چھوٹی علامتیں]: یہی وہ نشانیاں ہیں جو قیامت سے پہلے مختلف زمانوں میں رونما ہوں گی اور عادی ومعمولی قسم کی ہوں گی جیسے علم کا اٹھ جانا، جہالت کا دور دورہ ہونا، کثرت سے شراب نوشی، عمارتوں کے سلسلے میں فخر ومباہات، قتل وخونریزی کی کثرت، دیانت داری کا انسانی قلوب سے خاتمہ، خاص خاص لوگوں کو سلام کہنا، سیٹلائٹ چینلز کی بھر مار، جھوٹی گواہی دینا، سچی گواہی کو چھپانا، طاقتور کمزور کو کھا جائے گا، اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٩١)

[2] مسند أحمد (٢/ ١١٥، ١١٦)

نہ کرنا، ایسی بارش جس میں مٹی اور پتھر کے گھر بچ نہ سکیں گے، سب سے ذلیل شخص قوم کا سربراہ ہوگا اور اسی طرح کی دیگر بہت سی علامتیں ہیں۔

② اشراط کبریٰ [بڑی علامتیں]: یہ وہ بڑے بڑے امور ہیں جو قربِ قیامت کے وقت ظاہر ہوں گے اور غیر عادی وغیر معمولی قسم کے ہوں گے جن کے ظاہر ہونے کے بعد جلد ہی قیامت قائم ہو جائے گی۔ یہ دس (۱۰) نشانیاں ہیں اور تا حال ان میں سے کوئی ایک نشانی بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ کس بارے میں بات چیت کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، تو رسول اللہ نے فرمایا: سنو! قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک اس سے قبل تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علامات کا ذکر فرمایا:

① دخان یعنی دھواں۔ ② دجال کا ظہور۔ ③ عیسی علیہ السلام کا نزول۔ ④ یاجوج و ماجوج کا خروج۔ ⑤ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ ⑥ خروجِ دابہ (عجیب الخلقت جانور کا ظہور)۔

تین جگہ زمین کے دھنسنے کے واقعات رونما ہوں گے:

⑦ مشرق میں زمین کا دھنس جانا۔ ⑧ مغرب میں زمین کا دھنس جانا۔ ⑨ جزیرۃ العرب میں زمین کا دھنس جانا۔ ⑩ سب سے آخر میں جو علامت ظاہر ہوگی وہ یہ ہے کہ یمن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔[1]

بعض دیگر احادیث میں کچھ اور علامات کا ذکر بھی آیا ہے، ان میں امام مہدی کا ظاہر ہونا، کعبہ کا گرایا جانا، قرآنِ کریم کا زمین سے اٹھا لیا جانا شامل ہیں۔ بعض علما نے ظہور کے اعتبار سے علاماتِ قیامت کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

① ایک قسم جو ظاہر ہوئی اور گزر چکی ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، چاند کا دو ٹکڑے ہونا اور مدینہ منورہ میں ایک ہولناک آگ کا ظاہر ہونا۔

② جو ظاہر ہوئی اور مستمر ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۹۰۱)

③ جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔

پہلی دونوں قسمیں تو قیامت کی چھوٹی علامات میں داخل ہیں اور تیسری قسم علاماتِ صغریٰ و کبریٰ اور بعض علاماتِ صغریٰ و کبریٰ کے درمیان مشترک ہیں۔

قیامت کی علاماتِ صغریٰ:

پہلی قسم: وہ علامات جو واقع ہو چکی ہیں اور ان میں سب سے پہلی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی بعثت ہے۔

1 بعثتِ مصطفیٰ ﷺ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے اور قیامت کو ان دونوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔'' فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کو آپس میں ملا دیا۔[1]

لہٰذا قیامت کی پہلی نشانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہے، چنانچہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت ہی آنے والی ہے اور اس پر ترمذی کی روایت دلیل ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: قیامت کی پہلی علامت نبی اکرم ﷺ ہیں، کیونکہ وہ نبی آخر الزماں ہیں اور اس طرح انھیں مبعوث کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔[2]

سورۃ الاحزاب (آیت: ۴۰) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

''لوگو! محمد تمھارے مَردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (اس کو ختم کر دینے والے) ہیں اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

---

1 صحيح مسلم مع شرح النووي (١٨/ ٨٩، ٩٠)

2 التذكرة في أحوال الموتىٰ و أمور الآخرة (ص: ٦٢٦)

② نبی اکرم ﷺ کی وفات:

نبی اکرم ﷺ کی وفات بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، چنانچہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت سے پہلے چھ نشانیوں کو شمار کرلو: میری موت ....''[1]

نبی اکرم ﷺ کی موت مسلمانوں پر واقع ہونے والی سب سے بڑی مصیبت تھی۔ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوچکی تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جس دن رسول اللہ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے اس کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس کی ہر چیز تاریکی کی لپیٹ میں آ گئی، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی اور ہم ان کے دفن میں لگے ہوئے تھے کہ ہمارے دل بدل گئے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جو خلوص و محبت اور نرمی پاتے تھے ان کی کیفیت بدل گئی، کیوں کہ آپ ﷺ کی طرف سے جو تعلیم و تربیت ان کو ملتی تھی وہ ختم ہوگئی۔''[2]

نبی اکرم ﷺ کی موت کی وجہ سے آسمان سے وحی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات بھی اسی طرح ہوئی جس طرح لوگوں کی وفات ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کے لیے اس دنیاوی زندگی میں خلود [دوام] نہیں لکھا ہے، بلکہ یہ دنیا ایک گزرگاہ ہے، جائے قرار نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾

[الأنبياء: ٣٤، ٣٤]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٦/ ٢٧٧)

[2] فتح الباري (٨/ ١٤٩)

''اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا، بھلا اگر تم فوت ہو جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اورتم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔''

یہ آیات اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ موت حق ہے اور ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، خواہ وہ مخلوقات کے سردار اور متقیوں کے امام حضرت محمد ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔

آپ ﷺ کی موت جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: پہلا امر تھی جو اسلام پر مصیبت بن کر طاری ہوئی ...پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موت۔ نبی اکرم ﷺ کی موت سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور نبوت ختم ہوگئی اور عربوں کے ارتداد سے شر کی ابتدا ہوگئی اس کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ آپ ﷺ کی موت انقطاعِ خیر کا پہلا زینہ تھی اور وہیں سے خیر کے گھٹنے کی ابتدا ہوگئی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

آپ کے بعد ایسے حوادث وجود میں آئے جو جسم و جان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوئے۔

③ چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا:

اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب کی سورۃ القمر (آیت: ۱،۲) میں فرماتے ہیں:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾

''قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر یہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو پہلے سے چلا آنے والا جادو ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ انشقاقِ قمر کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آیا تھا، جیسا کہ صحیح سند سے ثابت متواتر احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں پیش آیا تھا اور یہ آپ ﷺ کے حیرت انگیز معجزات میں سے ایک ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اہلِ مکہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ انھیں کوئی نشانی دکھائیں تو آپ ﷺ نے انھیں چاند کا دوٹکڑوں میں بٹ جانا دکھلایا۔''[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ ہم منیٰ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک چاند پھٹا اور وہ دوٹکڑوں میں بٹ گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے پیچھے جا گرا اور دوسرا آ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''گواہ رہنا۔''[2]

مشرکینِ مکہ نے پھر بھی آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ لہٰذا یہ مشرکین کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً﴾ ''اور اگر وہ (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں۔'' نشانی سے مراد دلیل، حجت اور برہان ہے تو ﴿يُعْرِضُوْا﴾ ''وہ اعراض کر لیتے ہیں۔'' کہ اسے تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اعراض کرتے ہوئے اسے پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ﴿وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ ''اور کہتے ہیں: یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔'' یعنی کہتے ہیں کہ یہ دلائل وبراہین جو ہم نے دیکھے ہیں، یہ تو جادو ہے جو ہم پر کیا گیا ہے۔ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴾ [القمر: ٣]

''اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔''

جب حق ان کے پاس آ گیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی اور از راہِ جہالت وحماقت جس کا ان کے ارادوں اور ان کی خواہشوں نے انھیں حکم دیا تھا، اس کی پیروی کی۔ پس ایسے لوگوں کو تنبیہات فائدہ نہیں دیتیں، یعنی جس کے مقدر ہی میں اللہ تعالیٰ نے بدبختی لکھ دی ہو تو اس کے بعد اسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو لوگ ایمان نہیں رکھتے۔

4 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دنیا سے چلے جانا:

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

1 صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٦٣٧) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٠٢)

2 صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٦٣٦) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٠٠)

''آسمان کے ستارے آسمان کے لیے امن وسلامتی (کی ضمانت) ہیں۔ جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو وہ (قیامت) آجائے گی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں اپنے صحابہ کے لیے امن وسلامتی ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو صحابہ پر وہ حالت آجائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ امت کے لیے امن وسلامتی کی ضمانت ہیں۔ جب صحابہ چلے جائیں گے تو امت کو وہ (اختلاف وانتشار) پیش آجائے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔''[1]

5 فتحِ بیت المقدس:

بیت المقدس کا فتح ہونا علاماتِ قیامت سے ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو اس وقت بیت المقدس پر سلطنتِ روم کے عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ سلطنتِ روم اس وقت بہت طاقتور اور با اختیار حکومت تھی۔ انہی حالات میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے ہاتھوں بیت المقدس کے فتح ہونے کی خوشخبری سنائی اور اسے قیامت کی نشانیوں میں شمار کیا، جیسا کہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''چھے نشانیاں قیامت سے پہلے شمار کرلو۔'' ان میں سے ایک نشانی آپ ﷺ نے فتحِ بیت المقدس کو قرار دیا۔''[2]

بیت المقدس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت (۱۶ ہجری = ۶۳۷ء) میں فتح ہوا، آپ نے اسے کفر سے پاک کردیا اور اس میں ایک مسجد بنادی۔ بیت المقدس دوبار فتح ہوا، ایک بار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور دوسری بار سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہدِ حکومت (۵۸۳ہجری / ۱۱۸۷ء) میں اور ایک بار پھر اللہ کے حکم سے یہ ایک مومن جماعت کے ہاتھوں فتح ہوگا، حتیٰ کہ درخت اور پتھر بھی بول کر کہیں گے:

''اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ ایک یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ آؤ اسے جلدی سے قتل کر ڈالو۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، رقم الحديث (٢٥٣١)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٧٦)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٢١)

6 طاعون کا وائرس:

بکریوں کی قُعَاصی جیسی بیماری سے لوگوں کی کثرت موت واقع ہوگی یہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں طاعونِ عمواس کے وقت یہ نشانی ظاہر ہوچکی ہے اور طاعونِ عمواس فتحِ بیت المقدس کے بعد واقع ہوا ہے۔[1]

اس وبا میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موت سے ہم کنار ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے مرنے والوں کی تعداد پچیس ہزار تک جا پہنچی تھی اور اس وبا میں مشاہیر میں سے اس امت کے امین حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔[2]

7 مال کی بہتات اور صدقے سے استغنا:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں آدمی سونے کا صدقہ لے کر گھومے گا مگر کوئی بھی اسے لینے والا نہیں ملے گا۔“[3]

آخری زمانے میں مال اس قدر عام ہوجائے گا کہ آدمی اپنا مال جس شخص کے سامنے بھی پیش کرے گا وہ جواب دے گا مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے اور یہ [واللہ اعلم] اشارہ ہے اس چیز کی جانب جو امام مہدی و حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے میں واقع ہوگی اور مال کی کثرت اس قدر ہوگی کہ زمین اپنے خزانوں اور برکتوں کو نکال دے گی۔

8 فتنوں کا اظہار:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ان بڑے فتنوں کا ظاہر ہونا ہے جن میں حق اور باطل خلط ملط ہوجائیں گے، چنانچہ ایمان متزلزل ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی صبح مومن ہوگا اور شام کو کافر ہوجائے گا، شام کو مومن گا اور صبح کافر ہوجائے گا، جیسے جیسے فتنے ظاہر ہوتے جائیں گے مومن کہے گا کہ اسی میں میری ہلاکت ہے، پھر جب ایک فتنہ ختم ہوگا اور دوسرا

1 فتح الباري (٦/ ٢٧٨)

2 البداية و النهاية (٧/ ٩٤)

3 صحيح مسلم (٧/ ٩٦)

ظاہر ہوگا تو وہ کہے گا یہی ہے یہی ہے۔ مجھے ہلاک کرنے والا فتنوں کی حدیثیں بڑی کثرت کے ساتھ آئی ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنی امت کو فتنوں سے ڈرایا ہے اور فرمایا ہے:

''ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔''[1]

جن فتنوں سے نبی اکرم ﷺ نے پناہ مانگنے کے لیے کہا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری فتنہ وہ ہے جس کا تعلق ایمان وعمل سے، جبکہ باطنی کا تعلق دل و دماغ سے ہے جس کا ادراک نظریں نہیں کر پاتیں، مثلاً: نفاق، حسد، بغض، کینہ، نفرت، غیظ وغصہ اور اسی طرح کے کئی اور فتنے ہیں جن کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے ظاہر اور باطن کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

9 نبی اکرم ﷺ کی جنگ صفین کے بارے میں پیشین گوئی:

علاماتِ قیامت میں وہ جنگیں اور معرکے بھی شامل ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے، خواہ یہ جنگیں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوں یا خود مسلمانوں ہی کے درمیان ہوں۔ مسلمانوں کے مابین معرکوں میں سے ایک جنگِ صفین بھی ہے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی فوجوں کے درمیان ۳۶ھ میں ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک دو عظیم جماعتیں آپس میں لڑائی نہ کرلیں۔ ان کے درمیان قتل وخون ریزی کا ایک عظیم معرکہ برپا ہوگا، حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔''[2]

تنبیہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان پیدا ہونے والے فتنے کے بارے میں اہلِ سنت کا موقف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عام بشر تھے، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی وہ سب کچھ ہوا جو دیگر عام انسانوں کے ہاں ہوتا ہے۔ وہ اجتہاد بھی کرتے تھے، ان سے خطا بھی واقع ہو جاتی

[1] صحيح مسلم (١٧/ ٢٠٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١٢١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٧)

تھی، آپس میں چپقلش بھی ہو جاتی تھی، بلکہ کبھی نوبت جنگوں تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ تمام اہلِ سنت کا اس امر پر مکمل اور قطعی اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام لوگوں سے بڑھ کر نیک، صالح اور نبی کریم ﷺ کی سیرت وسنت سے قریب ترین تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلافات واقع ہوئے، ان کے بارے میں اہلِ سنت کا متفقہ موقف یہ ہے کہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مکمل خاموشی اختیار کی جائے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں لب کشائی نہ کی جائے۔ ان کے باہمی جھگڑوں کو موضوعِ بحث نہ بنایا جائے، بلکہ ان سے صرفِ نظر کی جائے اور اختلافات کی نشر و اشاعت نہ کی جائے۔ ان جھگڑوں کو عوام الناس کے درمیان اُچھالنا امت کے درمیان فتنوں کے سر اٹھانے کا باعث بنتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے۔ نجات یافتہ گروہ اہلِ سنت کا مسلک یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں زبانیں بند رکھی جائیں اور سب کا احترام کیا جائے۔

⑩ مشرق سے فتنوں کا ظہور:

امت میں ظاہر ہونے والے اکثر فتنوں کا منبع مشرق رہا ہے، جہاں شیطان کے سینگ طلوع ہوتے ہیں اور یہ چیز نبیِ رحمت ﷺ کی دی ہوئی خبروں کے مطابق ہے۔

⑪ گذشتہ امتوں کے طور طریقوں کی پیروی:

یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں کی پیروی اور ان کی تقلید بڑے فتنوں میں سے ہے، جبکہ بعض مسلمانوں نے کفار کی تقلید کی، ان کی مشابہت اختیار کی، ان کے اخلاق کو اپنایا اور انھیں کی روش کو پسند کیا۔ یہ چیز بھی نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی خبر کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت سابقہ امتوں کے طور طریقوں کو نہ اپنا لے۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جیسے فارس اور روم؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے علاوہ اور کون لوگ ہیں!''[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں واقع ہونے والے مشہور معرکہ یمامہ میں

---

[1] صحيح البخاري مع فتح الباري (۱۳/ ۳۰۰)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا، لیکن اب پھر مسلمانوں نے انہی طور طریقوں کو اپنا لیا ہے اور ان کے اخلاق کو پسند بھی کرتے ہیں۔

12 جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنا:

ان میں سے بنو حنیفہ کا سردار مسیلمہ کذاب تھا اور اسود عنسی نامی پیدا ہوا۔ طلحہ بن خویلد اسدی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ پھر مختار بن عبید ثقفی کا ظہور ہوا اور اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہنے لگا کہ حضرت جبریل علیہ السلام مجھ پر نازل ہوتے ہیں۔[1]

انھیں میں سے ایک حارث کذاب ہے جو عبد الملک بن مروان کی خلافت کے زمانے میں تھا اور اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ بنو عباس کے عہد خلافت میں اس طرح کی ایک جماعت نکلی تھی۔ عصرِ جدید میں ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی پیدا ہوا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ یکے بعد دیگرے ان جھوٹوں کا خروج جاری ہے، یہاں تک کہ ان میں سے آخری دجال ظاہر ہوگا۔ چنانچہ امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت میں جھوٹے ستائیس دجال ہوں گے اور ان میں سے چار عورتیں ہوں گی اور فرمایا: میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"[2]

کئی احادیث میں ۳۰ دجالوں کا ذکر آیا ہے۔[3]

13 امانت کا ضیاع:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ فرمایا: جب ذمہ داری (عہدہ) نا اہل لوگوں کے سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔"[4]

---

[1] فتح الباري (٦/ ٦١٧)

[2] مسند أحمد (٥/ ٣٩٦) رقم الحديث (٢٤٥٣٧) یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] مسند أحمد، رقم الحديث (٧٢٨٢، ٨١٩١، ٩٩٧٢، ١٠٩٥٣)

[4] صحيح البخاري مع فتح الباري (١١/ ٣٣٣)

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ امانت کس طرح دلوں سے اٹھائی جائے گی اور اس کی نشانی کے سوا کچھ بھی دل میں باقی نہیں رہ جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ خبر بھی دے رکھی ہے کہ کچھ سال ایسے آنے والے ہیں جو دھوکا دینے والے ہوں گے، جن میں معاملات الٹ پلٹ ہوجائیں گے، ان میں سچے کو جھٹلایا جائے گا اور جھوٹے کو سچا مانا جائے گا، امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا اور خائن کو امانت دار۔ لیکن ایک مسلمان کی زندگی میں اسلام کے بنیادی اصول وقوانین پر عمل کرنے کی بڑی اہمیت ہے، یہی بندۂ مسلم کا مطلوب ومقصود ہے اور یہ گوہرِ مقصود اسی وقت ہمیں حاصل ہوسکتا ہے جب ہم صفتِ امانت سے متصف ہوں۔ جب ہم یہ صفت کھودیں گے اور اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کا پاس ولحاظ نہیں رکھیں گے تو خیانت کا ارتکاب کریں گے اور امانت ہمارے دلوں سے نکل جائے گی۔

(14) علم کا اٹھ جانا اور جہالت کا عام ہونا:

قیامت کی نشانیوں میں سے علم کا اٹھ جانا اور جہالت کا پھیل جانا بھی ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کی نشانیوں میں سے علم کا اٹھا لیا جانا ہے، یعنی علم کم ہوجائے گا اور جہالت بڑھ جائے گی۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''زمانہ قریب ہوجائے گا، علم کو قبض کرلیا جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے، حرص وبخل ڈال دیا جائے گا اور قتل کثرت سے ہوں گے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں قبض کرے گا کہ اسے بندوں سے یک بیک کھینچ لے گا بلکہ علما کو اٹھا کر علم کو قبض فرمائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، پھر ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں

---

(1) صحيح البخاري مع فتح الباري (١/ ١٧٨) صحيح مسلم مع شرح النووي (١٦/ ٢٢٢)

(2) صحيح مسلم (٦١/ ٢٢٢، ٢٢٣)

گے، لہٰذا خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔‘‘[1]

یہاں علم سے مراد کتاب و سنت کا علم ہے، وہ علم جو انبیا علیہم السلام کی میراث ہے کیونکہ علما ہی انبیا کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جاتا ہے، سنتیں مردہ ہوجاتی ہیں اور بدعتوں کا ظہور ہوتا ہے جس کی وجہ سے جہالت عام ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسلام کے فرائض تک کا پتا نہیں ہوتا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اسلام اس طرح مٹ جائے گا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار مٹ جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ بھی پتا نہیں ہوگا کہ نماز روزے کیا ہیں؟ حج اور صدقہ کیا ہے؟ راتوں رات کتاب اللہ کو اٹھا لیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی ایک بھی آیت زمین پر باقی نہیں رہ جائے گی۔ لوگوں کے کچھ گروہ بچ رہیں گے، بوڑھے اور بوڑھیاں، وہ لوگ کہیں گے ہم: نے اپنے باپ داداؤں کو اسی کلمہ پر پایا ہے، وہ کہا کرتے تھے: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ لہٰذا ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔‘‘[2]

اس سے بھی بڑی بات تو یہ ہے کہ زمین میں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ ہوگا، جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ [یہ صورتِ حال نہ پیدا ہوجائے کہ] زمین پر اللہ، اللہ [بھی] نہ کہا جائے گا۔‘‘[3]

(15) قیامت سے پہلے حرام اور سود کا غلبہ ہوجائے گا:

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس بات کی کوئی پروا نہ ہوگی کہ اس نے مال کو کیسے حاصل کیا ہے؟ آیا کہ یہ مال میں نے حلال کے ذریعے حاصل کیا ہے یا حرام کے؟‘‘[4]

---

(1) صحيح البخاري (١/ ١٩٤)

(2) سنن ابن ماجه (٢/ ١٣٤٤، ١٣٤٥)

(3) صحيح مسلم (٢/ ١٧٨)

(4) صحيح البخاري (٤/ ٣١٣)

جبکہ سورت آل عمران (آیت: ۱۳۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ نجات حاصل کرو۔''

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مال و دنیا کے لالچ کے سبب کی گئی نافرمانی، جو سب سے زیادہ بھیانک شکل میں ہے، سے منع فرمایا ہے۔ ''بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ'' کا یہ مطلب نہیں کہ بڑھا چڑھا کر نہ ہو تو سود جائز ہے۔ بلکہ سود کم ہو یا زیادہ مفرد ہو یا مرکب، مطلقاً حرام ہے یعنی سود کی اس وقت جو صورت حال تھی، اس کا بیان واظہار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سود کا یہ رواج عام تھا کہ جب ادا کرنے کی مدت آجاتی اور ادائی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں اضافے کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا جس کی وجہ سے تھوڑی سی رقم بھی بڑھ چڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کو ادا کرنا ناممکن ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے جس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ فعلِ حرام تمھیں کفر تک پہنچا سکتا ہے، کیونکہ یہ اللہ و رسول ﷺ سے جنگ ہے۔ مال و دولتِ دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کے بجائے اللہ و رسول کی اطاعت اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کریں، جو متقین کے لیے اللہ نے تیار کی ہے۔

⑯ مسخ ⑰ خسف ⑱ اور قذف کا ظاہر ہونا:

① ''مسخ'' کا مطلب ہے کسی چیز کی شکل اور جسمانی ہیئت تبدیل کر کے اسے کوئی دوسری چیز بنا دینا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے ایک گروہ کو سزا کے طور پر بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

سورۃ الاعراف (آیت: ۱۶۶) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴾

''پھر جب انھوں نے اس معاملے میں سرکشی کی جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان سے کہا: ذلیل بندر بن جاؤ۔''

اسی طرح سورۃ المائدہ (آیت: ٦٠) میں ارشاد فرمایا:

﴿جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ﴾ ''اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا۔''

② ''خسف'' کا مطلب ہے زمین کا پھٹنا اور جو کچھ اس کے اوپر ہو اس کو نگل لینا، حضرت قعقاع بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بقیرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبے میں یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جب تم سنو کہ ایک لشکر کو قریب ہی زمین میں دھنسا دیا گیا ہے تو اس وقت سمجھ لینا کہ قیامت بہت قریب آ چکی ہے۔''[1]

قریب ہی دھنسا دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس لشکر کو سر زمینِ مدینہ کے قریب ہی زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

③ ''قذف'' کا معنی ہے آسمان سے پتھروں کی بارش ہونا، جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اہل سدوم کے ساتھ ہوا کہ اللہ نے ان کو سزا دی تو آسمان سے ان پر پتھر برسائے گئے، جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آخری زمانے میں اس امت کے بعض لوگوں پر پتھروں کی بارش ہوگی اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض کی شکلیں مسخ کر دی جائیں گی۔ مسلمانوں میں سے کسی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کب ہوگا؟ جواب میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والیوں کا ظہور ہوگا۔''[2]

یعنی جب گانے والیاں اور آلاتِ موسیقی بہت ہو جائیں گے اور لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ گناہوں کی کثرت ہو جائے گی اور عقوباتِ الٰہیہ قریب آ جائیں گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آخری زمانے میں اس امت میں خسف، مسخ اور قذف کے واقعات ہوں گے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! کیا نیک لوگوں کی موجودگی میں بھی انھیں ہلاک کر دیا

---

[1] مسند أحمد (٦/ ٣٧٨) سلسلة الأحاديث الصحيحة (٣/ ٣٤٠) رقم الحديث (١٣٥٥)

[2] سنن ابن ماجه (٢/ ١٥٠) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٢١٢)

جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی۔"[1]

یہ وہ سزائیں ہیں جو آخری زمانے میں بعض لوگوں پر مسلط کی جائیں گی اور یہ علاماتِ قیامت میں سے ہیں۔ اس سلسلے کی آخری بات کہ یہ سزائیں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر نازل ہوں گی اور ان پر بھی جو ان کے گناہ دیکھ کر خاموش رہیں گے۔ لہٰذا ہر مسلمان شخص کو اس امر سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ان علاماتِ قیامت میں سے کچھ تو سابقہ زمانوں میں ظاہر ہو چکی ہیں، مگر آج تو یہ چیزیں مزید پھیل چکی ہیں۔

⑲ زنا ⑳ ریشم ㉑ اور شراب نوشی کو حلال سمجھنا:

ایسے واضح حرام کام جن کی حرمت سے کوئی بھی مسلمان بے خبر نہیں، وہ زنا، شراب نوشی، بے ہودہ آلات موسیقی اور مردوں کے لیے ریشم کا استعمال ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ آخری زمانے میں ان حرام چیزوں کو حلال کر لے گا اور آپ ﷺ نے اسے قربِ قیامت کی علامات میں شمار کیا ہے۔ ان محرمات کو حلال کر لینے کی دو ممکنہ صورتیں ہیں:

① ان چیزوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ حلال ہیں نہ کہ حرام۔

② لوگوں میں حرام اشیا کا استعمال اس قدر زیادہ ہو جانا کہ کوئی بھی زبان یا دل سے انھیں برا نہ کہے۔ لوگ ان اشیا کو بے دھڑک استعمال کریں اور ان کی حرمت کا احساس تک نہ کریں۔

حضرت ابو عامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔ کچھ لوگ اپنی بکریوں کو لے کر ستانے کے لیے ایک بلند پہاڑ کے دامن میں ٹھہریں گے۔ اسی دوران میں ان کے پاس ایک حاجت مند شخص آ کر کچھ مانگے گا۔ یہ کہیں گے: ہمارے پاس کل آنا، مگر رات ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب انھیں آ پکڑے گا۔ پہاڑ ان کے اوپر آ گرے گا اور (کچھ تو ہلاک ہو جائیں گے اور جو باقی بچیں گے) انھیں قیامت تک کے لیے بندر اور خنزیر بنا دیا جا گا۔"[2]

آج کل شراب خانہ خراب کی خرید و فروخت تو دن کے اجالے میں علی الاعلان ہو رہی ہے۔

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٨٥)

[2] صحيح البخاري، كتاب الأشربة، رقم الحديث (٥٥٩٠)

کئی عربی و اسلامی ممالک نے اپنی منڈیوں میں شراب کی مارکیٹنگ کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کے کچھ لوگ شراب پییں گے اور اس کو کسی دوسرے نام سے موسوم کریں گے۔ ان کے سروں پر گانے والی عورتیں آلات موسیقی کے ساتھ گیت گائیں گی۔ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا دے گا۔''[1]

آج کے زمانے میں خطرناک ترین گناہ، جس نے لوگوں کی ایک عظیم اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، موسیقی کے آلات کا بے تحاشا استعمال اور گانے سننا ہے۔ یہ گانا بجانا دل کے امراض پیدا کرنے، اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کرنے اور قرآن مجید کے سننے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے روکنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ [لقمان: ٦]

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

اہلِ علم نے ''لهو الحديث'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد گانا اور آلاتِ موسیقی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا سننے کو زنا اور شراب نوشی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو جائز کرلیں گے۔''

عصرِ حاضر میں موسیقی کی بیماری اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اس کے لیے سپیشل ٹی وی چینلز بنائے گئے ہیں، جن کا کام صرف انواع واقسام کے گانے پیش کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''گانا اس طرح دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی اگتی ہے۔''[2]

⑳ مساجد کی آرایش و زیبایش اور اس پر فخر کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، رقم الحديث (٤٠٢٠) صححه ابن القيم.

[2] السنن الكبرىٰ للبيهقي (١٠/ ٢٢٣)

''قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ لوگ مساجد کے متعلق فخر ومباہات کریں۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگ ان پر فخر کریں گے اور ان کو آباد نہیں کریں گے مگر تھوڑا'' ان پر فخر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کی آرایش و زیبایش کا اہتمام کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''تم لوگ ان کی آرایش و زیبایش اسی طرح کروگے جس طرح یہود و نصاریٰ نے سجایا سنوارا۔''[2]

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. قیامت کی نشانیاں۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد یوسف بن عبداللہ یوسف الوابل
   ترجمہ: مولانا محمد مقیم بن حامد علی
4. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی
5. جب دنیا ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ تالیف: ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمٰن العریفی
   ترجمہ: قاری محمد اقبال عبدالعزیز
6. سنہرے نقوش۔ تالیف: مولانا عبدالمالک مجاہد

---

[1] مسند أحمد (٣/ ١٣٤)

[2] صحيح البخاري (١/ ٥٣٩)

قیامت کی چھوٹی نشانیاں ② (۲۳۔ ۴۶)
بڑی نشانیاں ① (۴۷۔ ۵۰) امام مہدی، دجال، جثاثہ

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

قیامت کی نشانیوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن میں سے ''عمارتوں پر فخر کرنا'' بھی ہے۔ سورۃ الانبیاء (آیت: ۱) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾

''لوگوں کے لیے ان کا (وقتِ) حساب نزدیک آ پہنچا ہے جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کرنے والے ہیں۔''

23- عمارتوں پر فخر کرنا:

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جبریل علیہ السلام سے فرمایا تھا، جب انھوں نے ان سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا تھا:

''لیکن میں تم سے اس کی نشانیاں بیان کروں گا، ...(انھیں میں بیان فرمایا:) جب بکریوں کے چرواہے بڑی بڑی عمارتوں پر فخر کریں گے۔''[1]

تو یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

24- لونڈی کا اپنے آقا کو جننا:

علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی۔ یہ اس طرح ہوگا کہ جب کوئی آزاد شخص اپنی لونڈی سے جماع کرے گا تو وہ اس سے حاملہ جائے گی اور ایک بچے کو جنم دے گی جو بڑا ہو کر ایک آزاد نوجوان بنے گا، جس کا والد زندہ ہوگا، مگر اس کی والدہ بدستور لونڈی

---

[1] صحيح البخاري (١/ ١١٤)

(ام الولد) ہی ہوگی۔ چنانچہ وہ نوجوان اپنی ماں کے مالک کی حیثیت اختیار کر لے گا۔

حدیثِ جبریل علیہ السلام میں ہے کہ جب انھوں نے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمھیں اس کی نشانیوں کے بارے میں بتلاؤں گا۔ جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی تو یہ قربِ قیامت کی علامت ہوگی۔''[1]

اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ بادشاہ لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوں گے، اس طرح بیٹا بادشاہ ہوگا، جبکہ اس کی ماں اس کی رعایا (بلکہ کنیزوں) میں شامل ہوگی۔

25- امتِ اسلامیہ پر دوسری امتوں کا ہجوم:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''قریب ہے کہ دوسری قومیں تم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکے لوگ کھانے کے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔''[2]

26- لوگوں کا موت کی تمنا کرنا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ ایک ایسا وقت آجائے گا جس میں ظلم، فتنوں اور مصیبتوں کی کثرت ہوگی، حتی کہ ایک شخص اپنے ساتھی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش! اس قبر میں اپنے ساتھی کے بجائے وہ مدفون ہوتا، کیونکہ جس قسم کی تکلیف، پریشانیوں اور مصیبتوں میں سے وہ گزر رہا ہوگا اور جس کرب و الم کا اسے سامنا ہوگا، وہ موت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک یہ صورتِ حال نہ ہو جائے کہ ایک شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! میں اس کی جگہ [قبر] میں ہوتا۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب التفسير، رقم الحديث (٤٧٧٧)

[2] سنن أبي داود، مسند أحمد، صحيح الجامع، رقم الحديث (٨١٨٣)

[3] صحيح مسلم (٤/ ٢٢٣١)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تم پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اگر تم میں سے کسی کو موت فروخت ہوتی مل جائے تو وہ اسے بھی خریدنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔''[1]

یہ حدیث ان احادیث سے معارض نہیں ہے جن میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''تم میں سے کوئی شخص مصیبت کے نازل ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔''[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کی پیش گوئی فرمائی ہے وہ آخری زمانے میں واقع ہوگی۔ وہ موت کی واضح دعا اور تمنا نہیں ہوگی، بلکہ وہ ایک شخص کے نہاں خانہ دل سے اٹھنے والی یہ خواہش ہوگی کہ کاش! وہ ان برائیوں اور فتنوں والے تکلیف دہ اور پریشان کن حالات سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرلے، چاہے یہ موت کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ قربِ قیامت موت کی یہ تمنا ہر مسلم کے دل میں پائی جائے، بلکہ یہ مختلف ملکوں کے حالات وواقعات کے مطابق ہوگی۔

27- کثرتِ قتل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ''ہرج بڑھ جائے۔'' لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ''ہرج'' کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قتل، قتل۔''[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے مجھے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ قاتل کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی کہ اس نے کیوں قتل کیا؟ اور مقتول بھی یہ سمجھنے سے قاصر رہے گا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا؟''[4]

اس خون ریزی کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایسی لڑائیوں

[1] السنن الواردة في الفتن للداني (٣/ ٥٤٢)

[2] صحيح البخاري، الدعوات، رقم الحديث (٦٣٥١) و صحيح مسلم، الذكر والدعا، رقم الحديث (٢٦٨٠)

[3] صحيح مسلم (١٨/ ١٣)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٠٨)

کا آغاز ہو گیا جن کے لیے کوئی معقول جواز نہ تھا۔ اور ان جنگوں میں ہزاروں قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا۔ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ جدید تباہ کن اسلحہ کی بھی بھر مار ہو گئی ہے جو آج کل کی ہلاکت خیز جنگوں میں استعمال ہو رہا ہے۔

28- زمانے کا قریب قریب ہو جانا:

اس سے مراد زمانے میں برکت کا کم ہونا ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے دور کے لوگ جو کام ایک گھنٹے میں کر لیتے تھے بعد کے دور والے وہ کام کئی گھنٹوں میں بھی نہ کر سکیں گے۔ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: یہ صورت حال ہمارے زمانے میں واقع ہو چکی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دن رات ایسی تیزی سے گزر رہے ہیں کہ پہلے زمانے میں اس طرح نہ تھا۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ... زمانے قریب ہو جائیں۔''

چنانچہ سال ماہ کی طرح ہو جائے گا اور ماہ جمعہ کی طرح اور جمعہ دن کی طرح اور دن گھنٹے کی طرح اور گھنٹہ شاخِ خرما (کھجور کی ٹہنی) کے جلنے کی مقدار کی طرح ہو جائے گا، جیسے آگ کا شعلہ لپک کر بجھ جاتا ہے۔[2]

29- فحاشی 30- قطع رحمی 31- پڑوسیوں کے ساتھ برے سلوک کا عام ہونا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

''قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ فحش (بد کلامی) بے حیائی، قطع رحمی (رشتے کاٹنا) اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرنا عام نہ ہو جائے۔''[3]

فحاشی سے مراد عریاں لباس کا استعمال اور ایسے الفاظ بولنا ہے جن میں بے حیائی کا عنصر پایا جائے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا بھی فحش میں شامل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش گو تھے، گالی گلوچ اور نہ کسی کو لعن طعن کرتے تھے۔

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري (١٣/ ٢٢)

[2] صحيح البخاري (١٣/ ٨١، ٨٢) مسند أحمد (٢/ ٥٣٨)

[3] مسند أحمد (٢/ ١٦٢)

نبی کریم ﷺ نے جس چیز کی خبر دی تھی، وہ واقع ہو چکی ہے۔ ہم بہت سے لوگوں میں جھگڑا اور فساد دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح ان کے درمیان قطع رحمی اور پڑوسی سے برا سلوک ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگوں کے درمیان محبت، صلہ رحمی اور الفت کی جگہ بغض ونفرت اور عداوت پیدا ہو چکی ہے۔ ایسا وقت آ گیا ہے کہ لوگ اپنے پڑوسی سے ناواقف ہیں۔ آدمی اپنے رشتے داروں کے بارے میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کتنے لوگ زندہ ہیں اور کتنے فوت ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

32- لباس پہننے کے باجود ننگی عورتوں کا ظہور:

عورتوں کی بے پردگی اور زینت کا بے جا اظہار بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ یعنی عورتوں کا ایسے تنگ لباس پہن کر گھروں سے نکلنا جس سے ان کے جسمانی نشیب وفراز نمایاں ہوتے ہوں اور ایسے شفاف باریک کپڑے پہن کر نکلنا جن کے باعث بیٹھتے اور چلتے وقت ان کے اعضاے جسمانی واضح ہو کر سامنے آتے ہوں۔ ایسی عورتیں بظاہر تو کپڑوں میں ہوتی ہیں، مگر درحقیقت وہ تنگ کپڑوں، اعضاے جسمانی کی نمایش اور جسم کے پرفتن حصوں کو ظاہر کرنے کی وجہ سے ننگی ہی ہوتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”دو ایسے جہنمی گروہ ہیں جنھیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا: ایک تو وہ (ظالم) لوگ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے، ان سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی نظر آئیں گی، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود بھی لوگوں کی طرف مائل ہونے والی، ان کے سر (کے بال) بختی اونٹوں کی کوہانوں کی مانند ایک جانب کو ڈھلکے ہوئے ہوں گے۔ یہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پاسکیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو اتنے اور اتنے فاصلے سے رہی ہوگی۔“[1]

یعنی وہ اپنے سر کے بالوں کو اس طرح باندھیں گی کہ بال اوپر اٹھ جائیں گے جس طرح

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٢٨)

اونٹ کی کوہان نمایاں ہوتی ہے۔ نیز ان عورتوں کے بال ایک طرف اس طرح جھکے ہوں گے، جس طرح بختی اونٹوں کی کوہانیں ایک جانب کو ڈھلکی ہوئی ہوتی ہیں۔

33- بوڑھوں کا جوان بننا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کچھ لوگ ہوں گے جو آخری زمانے میں اس طرح کالا خضاب لگائیں گے جس سے ان کے سر اور ڈاڑھی کبوتروں کے پوٹوں کی مانند ہو گے، انھیں جنت کی خوشبو تک نہ ملے گی۔''[1]

اس حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے، وہ اس زمانے میں واقع ہوچکی ہے، کیونکہ مردوں کے درمیان داڑھی اور سر کے بالوں کا کالے خضاب سے رنگنا عام ہو چکا ہے۔

34- کثرتِ تجارت:

انھیں نشانیوں میں سے تجارت کی کثرت اور اس کا لوگوں کے درمیان پھیل جانا ہے، یہاں تک کہ مردوں کے ساتھ ساتھ ان کی عورتیں بھی ان کی تجارت میں شریک ہوجائیں گی۔[2]

35- زلزلوں کی کثرت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت نہ قائم ہوگی یہاں تک کہ زلزلوں کی کثرت ہوجائے۔''[3]

اب یہ خبریں آپ اکثر سنتے رہتے ہیں۔

36- نیک لوگوں کا فوت ہو جانا:

قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ نیک لوگ گزر جائیں گے، اخیار کی کمی ہوگی اور اشرار کی کثرت ہوگی، یہاں تک کہ صرف برے لوگ ہی باقی رہ جائیں گے اور انھیں پر قیامت قائم ہوگی۔[4]

---

[1] مسند أحمد (٤/ ١٥٦) رقم الحديث (٢٤٧)

[2] مسند أحمد (٥/ ١٣٣)

[3] صحيح البخاري (١٣/ ٨١، ٨٢)

[4] مسند أحمد (١١/ ١٨١، ١٨٢) مستدرك الحاكم (٤/ ٤٣٥)

37- سلام جان پہچان کی بنیاد پر ہوگا:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو صرف واقفیت کی بنیاد پر سلام کرے گا۔''[1]

جبکہ سلام عام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

38- ان سنتوں سے بے پرواہی اور بے رغبتی جن کی اسلام نے ترغیب دی ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آدمی کا گزر مسجد سے ہوگا (مگر) وہ اس میں دو رکعتیں نہیں پڑھے گا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ مساجد کو راستہ بنالیا جائے گا۔''

یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ مساجد کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کا حصہ ہے اور ایمان و تقویٰ کی علامت ہے، جیسا کہ سورۃ الحج (آیت: ۳۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾

''یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں، عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔''

39- جھوٹ کی کثرت اور بلاتحقیق خبروں کو نقل کردینا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سمندر میں کچھ شیاطین قید ہیں جنھیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے باندھ رکھا ہے، قریب ہے کہ وہ نکل آئیں گے اور لوگوں پر قرآن پڑھیں گے۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند أحمد (٥/ ٣٢٦)

[2] صحيح مسلم (١/ ٧٩، ٨٠)

''یعنی وہ کوئی چیز پڑھیں گے اور لوگوں کو یہ باور کروائیں گے کہ یہ قرآن ہے، حالانکہ وہ قرآن نہیں ہوگا۔''[1]

40- عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جو میرے بعد تم سے کوئی بیان نہیں کرے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہوجائے گا، جہالت پھیل جائے گی، زنا عام ہوجائے گا، عورتیں زیادہ ہوجائیں گی اور مرد کم ہوجائیں گے، یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا ایک ہی نگراں ہوگا۔''[2]

کہا گیا ہے کہ اس کا سبب فتنوں کی کثرت ہوگی جس کی وجہ سے مردوں میں قتل بڑھ جائے گا، کیونکہ جنگ کرنے والے یہی ہوتے ہیں عورتیں نہیں ہوتی ہیں۔[3]

اگر آج کوئی دنیا میں پیدا ہونے والے بچوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد پر غور کرے اور ان عالمی مصدقہ رپورٹوں کا جائزہ لے جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد کا فرق بتلایا گیا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ علامت ہمارے اس دور میں ظاہر ہوکر رو بہ ترقی ہے۔

41- فحاشی وعریانی کا ظہور اور اس کا اعلانیہ ارتکاب:

یہ دراصل دو علامتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زنا عام ہو جائے گا اور چارسو پھیل جائے گا، دوسری یہ کہ زنا علی الاعلان کیا جائے گا اور اسے دوسروں سے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک یہ صورتِ حال نہ پیدا ہو جائے کہ زمین پر کوئی بھی ایسا شخص نہ رہے گا جس کی اللہ کو ضرورت ہو، نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ دن کی روشنی میں علی الاعلان راستے کے عین بیچ میں ایک عورت سے زنا کیا جائے گا

---

[1] شرح صحيح مسلم للنووي (١/ ٨٠)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٨١) صحيح مسلم (٩/ ٢٦٧١)

[3] شرح صحيح مسلم للنووي (٧/ ٩٦، ٩٧) فتح الباري (١/ ١٧٩)

اور کوئی شخص اس پر اعتراض کرے گا اور نہ اسے ہٹانے کی کوشش کرے گا۔ اس دن معاشرے کا بہترین شخص وہ ہوگا جو اس زانی مرد سے کہے گا: تم نے اس راستے سے تھوڑا سا ہٹ ہی لیا ہوتا! یہ بات کہنے والے کی اس دور میں وہی حیثیت ہوگی جو آج تمھارے درمیان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔'' [1]

اس حدیث کی تائید اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت پھیل جائے گی، زنا عام ہو جائے گا اور شراب پی جائے گی ....'' [2]

اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

''... زنا عام ہو جائے گا، مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی....'' [3]

یہ دونوں علامتیں ہمارے زمانے میں ظاہر ہو چکی ہیں۔ بعض ٹی وی چینل جس طریقے سے فحاشی پھیلا رہے ہیں اور حیا باختہ مناظر نشر کر رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایسی تصاویر اور ویڈیو نشر کی جا رہی ہیں جن کی طرف دیکھنے سے ایک مومن کی آنکھ شرماتی ہے۔ مومن مردوں اور خواتین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی حفاظت کریں، نگاہیں نیچی رکھیں، شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اہلِ فسق و فجور سے بچ کر رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت عصمت و پاک دامنی کی دعا مانگتے رہیں۔

42- ناگہانی موت کی کثرت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت ہے:

''بے شک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اچانک آنے والی موت پھیل جائے گی۔'' [4]

یہی وہ چیز ہے جسے موجودہ زمانے میں لوگ (ہارٹ اٹیک) کہتے ہیں، جو اچانک دل کا دورہ پڑنے یا رگوں میں خون جم جانے سے رونما ہوتا ہے، یا اچانک گاڑی کے حادثے یا اسی نوعیت کے دیگر حوادث واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا عقل مند انسان کو اپنے متعلق ہوشیار رہنا چاہیے اور

[1] المستدرك للحاكم (٤/ ٥٤١) وصححه، وسلسلة الأحاديث الضعيفة (٣/ ٤١٠) رقم الحديث (١٢٥٤)

[2] صحيح مسلم، كتاب العلم (٩/ ٢٧١)

[3] صحيح البخاري، كتاب العلم، رقم الحديث (٨١)

[4] فتح الباري لابن حجر العسقلاني (ص: ٦٧٤)

اچانک موت کے آجانے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے توبہ کرلینا چاہیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحت و فراغت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کی فرصت کو غنیمت جانو۔ عین ممکن ہے تمھاری موت اچانک واقع ہو جائے۔ میں نے کتنے ہی صحت مندوں کو دیکھا ہے کہ وہ کسی بیماری کے بغیر اچانک اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔''[1]

43- بارش کی کثرت اور فصلوں پودوں کی قلت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر عام بارش ہوگی اور زمین کچھ نہ اگائے گی۔''[2]

44- لوگوں میں موٹاپے کی کثرت:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا زمانہ سب سے بہترین زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا دور عمدہ ہوگا جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو گواہی طلب کیے جانے کے بغیر ہی گواہی دینے کے لیے تیار ہوں گے، وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ وہ نذر تو مانیں گے، مگر اس کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہو جائے گا۔''[3]

غالباً آخری زمانے میں موٹاپے کی وجہ مالی خوشحالی، آرام دہ زندگی، ہوٹلوں، قہوہ خانوں میں مزید کھانوں اور مٹھائیوں کی کثرت ہوگی۔ ہمارے اس دور میں لوگوں کی جسمانی حرکت بے حد کم ہو گئی ہے۔ انسان کی ہر نوع کی خدمت کے لیے مشینیں اور آلات موجود ہیں۔ وہ پیدل نہیں چلتے اور بدنی حرکت برائے نام رہ گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب موٹاپے کا شکار ہو گئے ہیں۔ صورت حال اس حد تک خراب ہو چکی ہے کہ عالمی اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی آبادی کا قریباً چھٹا

---

[1] هدي الساري مقدمة فتح الباري لابن حجر العسقلاني (ص: ٦٧٤)

[2] مسند أحمد (٣/ ١٤٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٤٢٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٣٥)

حصہ وزن میں اضافے کے مسئلے کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایسی دواؤں کی بہت کثرت ہو گئی ہے جو وزن گھٹانے، موٹاپے کے علاج اور معدے کی کارکردگی میں معاون ہوتی ہیں۔

45- مومن کا خواب سچ ہونا:

حالت خواب میں انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کے کچھ معانی اور احکام ہوتے ہیں۔ بعض خواب تو بالکل طلوعِ صبح کی مانند سچے ہوتے ہیں، بعض جھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بعض خواب محض پریشان خیالی اور حدیثِ نفس پر مبنی ہوتے ہیں جن کی کوئی خاص تعبیر نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ نے خوابوں کے بارے میں بعض ایسی خبریں دی ہیں جو علاماتِ قیامت اور اس کے آثار سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد نبوت سے کوئی چیز باقی نہ رہے گی سوائے ''مبشرات'' کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! ''مبشرات'' کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اچھا خواب جو ایک مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیے کسی کو دکھایا جاتا ہے۔''[1]

خواب کا سچا اور اس کا مومن کے لیے بشارت ہونا قربِ قیامت اور کائنات کے خاتمے کی علامت ہے۔ مومن کا خواب قربِ قیامت زیادہ سچا اور امرِ واقع کے مطابق ہوگا اور مومن زیادہ نیک اور لوگوں میں زیادہ اجنبی ہوگا۔ ان حالات میں سچا خواب مومن کی تنہائی اور اجنبیت کو دور کرے گا، اس کا انیس وغم خوار بنے گا اور اس کا خواب کم ہی جھوٹا ہوگا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جب قیامت کا زمانہ قریب آ جائے گا تو مسلمان کا خواب کم ہی جھوٹا ہوگا۔ جس کا خواب زیادہ سچا ہوگا وہ بات میں بھی زیادہ سچا ہوگا۔ مومن کا خواب نبوت کا پینتالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ خواب تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک سچا خواب جو اللہ کی طرف سے خوشخبری ہوتا ہے۔ دوسرا غم ناک خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور تیسرا خواب جس میں انسان اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے، نماز پڑھے اور لوگوں سے یہ خواب بیان نہ کرے۔ میں خواب میں بیڑی کو پسند اور طوق کو ناپسند کرتا ہوں۔ کیونکہ خواب میں بیڑی کی تعبیر دین

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٩٩٠)

پر استقامت اور ثابت قدمی ہے۔‘‘[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن ابی جمرہ رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ’’آخری زمانے میں مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کا خواب ایسی واضح شکل میں ہوگا جو کسی حجت کا محتاج نہیں ہوگا، لہٰذا اس میں جھوٹ کے داخل ہونے کی گنجایش نہیں ہوگی۔ یہ خواب سچا ہوگا اور جھوٹ سے خالی ہوگا کیونکہ یہ امرِ واقع کے عین مطابق ہوگا۔ اس کے برعکس دیگر خوابوں کی تعبیر مخفی ہوتی ہے۔ تعبیر بتلانے والا اس کی تعبیر بتلاتا ہے، مگر وہ واقع نہیں ہوتی۔ اس لیے ایسا خواب جھوٹا ہوتا ہے، سچا نہیں ہوتا۔

اس بات کو آخری زمانے سے خاص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مومن اس دور میں اجنبی ہوگا، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ’’اسلام اجنبیت میں شروع ہوا اور آخری زمانے میں بھی یہ غریب ونامانوس ہو جائے گا۔‘‘ ان حالات میں ایک مومن کے مونس اور غم خوار بہت کم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو سچے خواب سے عزت عطا فرمائے گا جو اسے حق پر ثابت قدم رکھے گا اور اس کے لیے باعث بشارت ہوگا۔[2]

مومن کے سچے خواب والے زمانے کی تعیین کے بارے میں دو احتمال ہیں:

① یہ وہ زمانہ ہوگا جب علم دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔ فتنوں اور لڑائیوں کی وجہ سے علاماتِ شریعت غائب ہو جائیں گی۔ اس وقت مومن لوگوں کے درمیان بالکل ایک نامانوس اجنبی شخص کی طرح ہوگا۔ اس دشوار صورت حال میں اللہ تعالیٰ سچے خوابوں کے ذریعے مومن کی نصرت فرمائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔[3]

② یہ واقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوں گے، اس لیے کہ ان کے نزول کا زمانہ امت میں عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد بہترین اور اقوال واحوال کے اعتبار سے سب سے سچا زمانہ ہوگا اور اس زمانے میں مومن کا خواب کم ہی جھوٹا ہوگا۔[4]

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٥٠٧) صحيح مسلم، كتاب الرؤيا، رقم الحديث (٢٢٦٣)

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري (١٢/ ٥٠٧ و ١٩/ ٤٥١)

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري (١٢/ ٥٠٧)

[4] فتح الباري شرح صحيح البخاري (١٢/ ٥٠٧)

46- دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ ظاہر ہونا:

دریائے فرات عراق کا ایک مشہور دریا ہے۔ اس میں پانی کی فراوانی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ علاماتِ قیامت میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اپنا رخ بدلے گا اور اس سے سونے کا ایک پہاڑ ظاہر ہوگا۔ لوگ اس سونے کی خاطر لڑیں گے اور ان کی بڑی تعداد اس میں قتل ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے خبردار کیا ہے کہ جو کوئی اس موقع پر حاضر ہو، وہ اس مال کو لینے سے محتاط رہے۔ کہیں وہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے یا اس کی وجہ سے کوئی لڑائی نہ شروع ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک فرات سے سونے کا ایک پہاڑ ظاہر نہ ہوجائے۔ لوگ اس سونے کے لیے جنگ کریں گے۔ اس کے نتیجے میں ننا نوے فیصد لوگ قتل ہو جائیں گے۔ ان میں ہر شخص کو یہ توقع ہوگی کہ شاید وہی زندہ بچ جائے۔“[1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے:

”جو اس موقع پر موجود ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس میں سے کوئی چیز نہ لے تاکہ وہ فتنے اور خون ریزی سے بچ سکے۔“[2]

یہ فتنہ ابھی ظاہر نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کب واقع ہوگا۔ عہدِ حاضر میں ترکی اور شام کے مما لک دریائے فرات پر بند تعمیر کر رہے ہیں اور اس کے قریب مختلف فیکٹریاں لگا رہے ہیں، اس وجہ سے دریا میں پانی کی قلت واقع ہو رہی ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ سونے کے اس پہاڑ کے ظہور کا پیش خیمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اور ہمارے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے اور نیک اعمال کی توفیق سے نوازے۔ آمین

47- قیامت کی بڑی نشانیاں ②

امام مہدی کا ظہور:

آخری زمانے میں شر و فساد کی کثرت ہوگی۔ ظلم بہت پھیل جائے گا۔ طاقتور کمزور کا حق کھا

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٨٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧١١٩) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٩٤)

جائے گا۔ برے لوگوں کا معاشرے میں غلبہ اور کنٹرول ہوگا، مگر اس کے باوجود مسلمان ایک ایسی صبحِ جدید کے طلوع ہونے کے منتظر رہیں گے جو زمین پر پھیلے ہوئے ظلم وستم کا خاتمہ کردے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ امام محمد بن عبد اللہ حسنی، علوی، مہدی کے ظہور کا فیصلہ فرمائے گا۔ وہ سات سال تک بادشاہت کریں گے اور زمین جس طرح ظلم و زیادتی سے بھر گئی ہوگی، اسی طرح اسے عدل سے بھر دیں گے۔ امت ان کے عہد حکومت میں ایسی خوشحالی اور آسودگی کی زندگی گزارے گی جیسی کبھی بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ آخری زمانے میں ان کا ظہور قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔[1]

امام مہدی کے ظہور کا سبب:

آخری زمانے میں جب فساد بڑھ جائے گا، برائیوں کی کثرت ہو جائے گی، ظلم پھیل جائے گا اور عدل مفقود ہو جائے گا تو ان حالات میں ایک نیک شخص ظاہر ہوگا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اس امت کے حالات کی اصلاح فرما دے گا۔ اس شخص کو اہل سنت ''مہدی'' کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اس کے پیروکار جمع ہو جائیں گے اور وہ بہت سے معرکوں میں مسلمانوں کی قیادت کرے گا۔ وہ صرف مذہبی پیشوا ہی نہیں قائد اور حاکم بھی ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں تمھیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں، وہ لوگوں کے اختلاف اور زلزلوں کے وقت بھیجے جائیں گے، تب وہ زمین کو ویسے ہی عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و زیادتی سے بھر چکی ہوگی۔ ساکنانِ سما اور ساکنانِ ارض (زمین و آسمان کے رہنے والے) ان سے خوش ہوجائیں گے۔ وہ مال کو مساوات کے ساتھ تقسیم کریں گے۔''[2]

نام اور صفات:

ان کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اور ان کے والد کا نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام پر ہوگا۔ چنانچہ ان کا نام محمد یا احمد بن عبد اللہ ہوگا وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہوں گے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: ظہورِ امام مہدی، از ابو عدنان محمد منیر قمر۔

[2] مسند أحمد (۳/ ۳۷)

روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہدی ہم اہل بیت میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اسے ایک ہی رات میں تیار کر دے گا۔"[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ اس کی توبہ قبول کرلے گا، اسے توفیق دے گا اور اسے الہام کرے گا اور اسے رشد عطا فرمائے گا، جبکہ اس سے پہلے اس کی یہ حالت نہ رہی ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مہدی مجھ ہی (میری ہی نسل سے ہوگا)۔"

یہ تو ان کا نسب ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی جسمانی صفات بیان کیں اور فرمایا:

"روشن اور خوبصورت چہرے والا ہوگا جس کی پیشانی کے اگلے حصے کے بال کم ہوں گے ان کی ناک لمبی اور پتلی ہوگی اور درمیان سے اونچی ہوگی۔ وہ زمین کو ویسے ہی عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و زیادتی سے بھرگئی تھی، پھر وہ سات سال تک بادشاہت کرے گا۔"[2]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"مہدی میری نسل سے فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔"[3]

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام مہدی کی تائید کے لیے مشرق سے کچھ لوگ آئیں گے جو اس کی مدد کریں گے، اس کی سلطنت قائم کریں گے اور اس کے ہاتھ مضبوط کریں گے۔ ان کے جھنڈوں کا رنگ کالا ہوگا، کیونکہ اس رنگ میں رعب و وقار پایا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا بھی میدان جنگ میں سیاہ ہوتا تھا، جسے "عقاب" کہا جاتا تھا۔"[4]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری امت کے آخری زمانے میں مہدی کا ظہور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دور میں

---

[1] مسند أحمد (٢/ ٥٨) سنن ابن ماجه (٢/ ١٣٦٧)

[2] سنن أبي داود مع العون، كتاب المهدي (١١/ ٣٧٥) رقم الحديث (٤٢٦٥)

[3] سنن أبي داود، مع العون (١١/ ٣٧٣) سنن ابن ماجه (٢/ ١٣٦٨)

[4] النهاية في الفتن والملاحم (ص: ٢٧)

خوب بارشیں برسائے گا۔ زمین خوب اپنی پیداوار نکا لے گی۔ وہ لوگوں میں برابری کی بنیاد پر مال تقسیم کرے گا۔ مال مویشی کی کثرت ہو جائے گی اور امت اسلام عظیم امت بن جائے گی۔ وہ سات یا آٹھ برس زندہ رہے گا۔''[1]

ایک اور روایت میں ہے:

''پھر اس کے چلے جانے کے بعد زندگی میں کوئی خیر وبھلائی نہ رہے گی۔''[2]

یہ اور دیگر علامات اس لیے بیان کی گئی ہیں تا کہ مسلمانوں کو فرحت اور صبر وثبات حاصل ہو اور انھیں یہ خوش خبری بھی سنائی جائے کہ اللہ تعالیٰ کا دین محفوظ رہے گا اور اس کی مدد کی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم وہ عمل کریں گے جس کا شرع نے عمومی حکم دیا ہے کہ دین کی مدد کی جائے، مسلمان ملکوں کا دفاع کیا جائے، جہاد فی سبیل اللہ کو قائم کیا جائے اور پرچمِ اسلام کی سر بلندی کے لیے قتال کیا جائے۔

ہم اس انتظار میں بیٹھے نہیں رہیں گے کہ آسمان سے مدد نازل ہوگی، ہماری کسی کوشش اور محنت کے بغیر ہی زمین سب کچھ اگانا شروع کردے گی۔ آج بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ یہودیوں سے قتال کے لیے اور قابض عیسائیوں کو مسلمانوں کے مما لک سے نکالنے کے لیے بھرپور تیاری کریں اور قیامت کے لیے خروجِ مہدی کے انتظار میں ذلیل ورسوار ہوکر نہ بیٹھے رہیں، بلکہ ہم سب کو متفق ومتحد ہوکر اپنے دین اور اگر امام مہدی تشریف لے آئیں، تو ان کی مدد کرنی چاہیے۔

48- خروجِ دجال سے قبل پیش آنے والے چند دیگر واقعات:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خروجِ دجال سے قبل تین برس بہت سختی اور شدت کے ہوں گے، لوگ ان سالوں میں خوراک کی شدید قلت کا شکار ہوں گے۔ پہلے برس اللہ تعالیٰ آسمان کو حکم دے گا وہ اپنی ایک تہائی بارش روک لے اور زمین کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ایک تہائی پیداوار روک لے، پھر اگلے برس آسمان کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی دو تہائی بارش روک لے اور زمین کو حکم ہوگا کہ وہ اپنی دو تہائی پیداوار روک لے۔

[1] المستدرك للحاكم (٤/ ٥٥٨) بسند صحيح.

[2] مسند أحمد (٣/ ٧٣)

''تیسرے سال اللہ تعالیٰ آسمان کو حکم دے گا کہ وہ اپنی تمام بارش روک لے اور زمین کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ساری پیداوار روک لے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمان سے پانی کا ایک قطرہ تک نہ گرے گا اور زمین سے کوئی نبات پیدا نہ ہوگی۔ روے زمین پر جتنے سایہ دار درخت ہوں گے، وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، مگر جس کو اللہ چاہے گا وہ بچ جائے گا۔'' (یعنی ایک قلیل تعداد کے سوا سب درخت مرجھا کر سوکھ جائیں گے)۔''

''لوگوں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اس صورت حال میں لوگوں کا ذریعہ معاش کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کثرت سے پڑھیں گے اور یہی ذکر ان کے لیے خوراک کا کام دے گا۔''[1]

49- دجال کی جسمانی علامات:

دجال کی نشانی بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اس کا قد چھوٹا ہوگا اور پنڈلیوں کے درمیان دوری ہونے کے باعث اس کی چال عیب دار ہوگی، اس کی جلد کا رنگ سفید اور پیشانی چوڑی ہوگی، دجال ممسوح العین [خراب مٹی ہوئی آنکھ والا] ہوگا۔''[2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی، دائیں آنکھ پھولے ہوئے انگور کی مانند ہوگی اور بائیں آنکھ کانی ہوگی، بہت گھنے بالوں والا ہوگا، اس کے بال نرم اور سیدھے نہ ہوں گے۔'' (بلکہ گھنگریالے ہوں گے)۔[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔'' ''ک، ا، ف، ر'' اسے ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ مومن اچھی طرح پڑھ لے گا اور وہ لاولد ہوگا، اس کی کوئی اولاد نہ ہوگی۔''[4]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٠٧٧) وفي سنده مقال.

[2] صحيح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ٩٠) صحيح مسلم (١٨/ ٦١)

[3] صحيح مسلم مع شرح النووي (١٨ / ٦٠، ٦١)

[4] صحيح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ٩١)

دجال کا معنی:

دجال کو دجال اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حق کو باطل کے ذریعے ڈھانپ دے گا یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے جھوٹ اور شاطرانہ چالوں کی وجہ سے اپنے کفر کو لوگوں سے چھپالے گا۔ واللہ اعلم

دجال کی صفت اور اس سلسلے میں وارد احادیث:

دجال اولادِ آدم میں سے ہے، اس کی بہت سی صفات اور نشانیاں ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں، تاکہ لوگ اسے پہچان لیں اور اس کے فتنے کا شکار نہ ہوں، بلکہ ان صفات سے آگاہ رہیں جن کی نبی اکرم ﷺ نے خبر دے رکھی ہے۔ انھیں صفات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کچھ ایسی طاقتیں دے گا جو اس کے سوا نوعِ بشر میں کسی کو حاصل نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمایش وامتحان کے لیے اسے یہ طاقتیں عطا فرمائے گا۔ نیز آپ ﷺ نے ہمیں اس کی جسمانی اور اخلاقی علامات سے بھی آگاہ فرمایا ہے۔ اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بہت جھوٹ بولنے والا اور بہت بڑا متکبر ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں سوتے ہوئے کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا ہوں [پھر فرمایا کہ انھوں نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا، پھر دجال کو دیکھا، پھر اس کا وصف بیان فرمایا]، وہ ایک بھاری بھرکم جسامت والا ہوگا، سرخ ہے، گھونگریالے بالوں والا ہے، کانا ہے، گویا اس کی آنکھ پچکا ہوا خراب انگور ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس دجال کے سب سے زیادہ مشابہ تو خزاعہ کا ایک شخص ابن قطن ہے۔“[1]

50- جساسہ کا قصہ اور دجال:

امام عامر بن شراحیل شعبی کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا:

”مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، اسے اللہ کے رسول ﷺ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب نہ کیجیے گا۔ انھوں نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو میں ایسا ہی کروں گی۔ عامر نے کہا: تو ٹھیک ہے، سنائیے۔ حضرت

[1] صحيح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ٩٠)

فاطمہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں: ایک روز میں نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز سنی، وہ اعلان کر رہا تھا: لوگو! نماز کھڑی ہونے والی ہے۔ یہ سن کر میں سوئے مسجد چل پڑی اور اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔ میں عورتوں کی اس صف میں تھی جو مردوں کے بالکل پیچھے تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو منبر پر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہے، پھر دریافت فرمایا: جانتے ہو میں نے تمھیں بیٹھے رہنے کے لیے کیوں کہا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا:

''میں نے تمھیں شوق دلانے یا ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ تمھیں جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ جو پہلے نصرانی تھا، اب اس نے آ کر اسلام قبول کرلیا ہے اور اس نے مجھ سے ایک ایسی بات بیان کی ہے جو میرے اس بیان کے مطابق ہے جو میں تم سے مسیح دجال کے بارے میں کیا کرتا تھا۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کردہ بات سنانا شروع کردی۔ کہتے ہیں: میں لخم اور جذام قبائل کے تیس آدمیوں کے ساتھ سمندر میں [چوبی جہاز] پر سوار تھا، ایک بڑی موج آئی اور جہاز کو بہا کر لے گئی، سمندری طوفان میں ہمارا جہاز ایک مہینے تک ادھر ادھر لڑھکتا اور بھٹکتا رہا، پھر اس کا رخ ایک جزیرے کی طرف ہوگیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، جزیرے کے قریب پہنچ کر ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں سوار ہوگئے۔ پھر جزیرے میں داخل ہوئے، ہم نے وہاں ایک گھنے اور کھدرے بالوں والا چوپایہ دیکھا، بالوں کی بہتات کی وجہ سے اس کی اگلی اور پچھلی جانب کا کوئی پتا ہی نہ چلتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا: تمھارے لیے بربادی ہو! تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا: میں جساسہ ہوں۔ پوچھا: جساسہ کیا بلا ہے؟ وہ بولا: اے قوم! ایسا کرو، اس [سامنے والے] گرجا گھر میں ایک شخص رہتا ہے، اس کے پاس چلے جاؤ، وہ تمھیں بڑے شوق سے ساری بات بتائے گا اور [تمھاری بات بھی] سنے گا، وہ تمھارے بارے میں جاننے کا بہت مشتاق ہے۔ جب اس نے ہمیں متذکرہ آدمی کے بارے میں بتلایا تو ہمیں اس

چوپائے کے بارے میں شیطان ہونے کا خوف ہوا۔ ہم لوگ جلدی سے اس آدمی کی طرف چل دیے اور گرجے میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک آدمی تھا، وہ بہت لمبا تڑنگا تھا، اس کے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ اور دونوں زانو دونوں ٹخنوں تک لوہے [کی زنجیر] سے جکڑے ہوئے تھے۔

ہم نے اتنی سختی سے جکڑا ہوا آدمی کبھی نہ دیکھا تھا۔ ہم نے پوچھا: ارے کم بخت! تم کیا چیز ہو؟ وہ بولا: تم لوگ اب میری خبر پر قابو پا ہی لو گے [اب تمھیں میرا حال معلوم ہو ہی جائے گا] پہلے تم بتاؤ کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا: ہم عرب ہیں، ہم ایک سمندری جہاز میں سوار ہوئے، سمندر کی موجیں ہم سے ایک مہینے تک کھیلتی رہیں اور ہم کسی نہ کسی طرح تیرے اس ٹاپو سے آ لگے، پھر ہم ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر ٹاپو میں داخل ہوئے۔

یہاں ہمیں ایک بھاری دم کا بہت گھنے بالوں والا جانور ملا، بالوں کی کثرت سے اس کے اگلے پچھلے حصے کی شناخت ہی نہیں ہو پا رہی تھی، ہم نے پوچھا: ارے کم بخت! تم کیا چیز ہو؟ وہ بولا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے پوچھا: یہ جساسہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: تم لوگ اس آدمی کے پاس چلے جاؤ جو گرجے کے اندر ہے، وہ تمھاری خبر کا بے حد مشتاق ہے۔ چنانچہ ہم لوگ تیزی سے دوڑتے ہوئے تیرے پاس آ پہنچے اور ڈرے کہ مبادا تو کوئی بھوت پریت ہے۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آدمی نے پوچھا: اچھا تم لوگ مجھے بیسان [فلسطین کی ایک بستی] کے نخلستان کے بارے میں تو بتاؤ؟ ہم نے کہا: تو اس نخلستان کے بارے میں کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ وہ بولا: میں اس نخلستان کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ پھلتا پھولتا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں پھلتا پھولتا ہے۔ اس نے کہا: اب عنقریب وہ نہیں پھلے پھولے گا۔ پھر اس نے کہا: مجھے طبرستان کے سمندر [یہ سمندر فلسطین میں ہے جو فلسطین اور اردن کے درمیان حدِ فاصل ہے] کے بارے میں بتاؤ؟ ہم نے کہا: اس کے بارے میں تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟

اس نے سوال کیا: کیا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں، اس میں تو بہت زیادہ پانی ہے۔ وہ بولا: عنقریب اس کا پانی سوکھ جائے گا۔ پھر اس نے کہا: مجھے زغر [ملک شام کا

ایک شہر] کے چشمے کے متعلق معلومات دو؟ ہم نے کہا: تو اس چشمے کے بارے میں کیا جاننا چاہتا ہے؟

کہنے لگا: کیا اس میں پانی ہے اور کیا وہاں کے لوگ اس کے پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے بتایا: اس میں بہت پانی ہے۔ وہاں کے لوگ اس پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

وہ پوچھنے لگا: مجھے نبی امّی ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ہم نے کہا وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے ہیں۔

اُس نے دریافت کیا: کیا ان سے عربوں نے لڑائی کی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ پوچھا: اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ہم نے کہا: انھوں نے قرب وجوار کے تمام عربوں پر قبضہ پالیا ہے اور عربوں نے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔ کہنے لگا: کیا ایسا ہوگیا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ وہ کہنے لگا: یہ عربوں کے حق میں بہت اچھا ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ لو اب میں تمھیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں:

میں مسیح دجال ہوں، اب وقت آیا ہی چاہتا ہے کہ مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل جائے گی۔ جب میں نکلوں گا تو ساری دنیا میں گھوموں گا۔ تمام چھوٹی بڑی بستیوں کا چالیس دنوں میں دورہ کرلوں گا۔ ہاں! میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو پاؤں گا، کیونکہ ان دونوں شہروں میں میرے لیے داخل ہونا حرام ہے۔

جب بھی میں ان دونوں شہروں یا ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا ایک فرشتہ ننگی تلوار سونتے ہوئے میرا استقبال کرے گا اور مجھے شہر میں داخل ہونے سے روک دے گا، ان شہروں کے ہر راستے پر فرشتے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی راویہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ اپنے منبر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ نے اپنے عصا سے منبر پر ٹیک لگائی اور فرمایا:

((هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ، يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ))

''یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔ یعنی مدینہ۔''

پھر فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں یہ باتیں نہیں بتائی تھیں؟''

لوگوں نے جواب دیا: بے شک بتائی تھیں۔ ارشاد ہوا: جب مجھ سے تمیم نے یہ اوپر والی باتیں بیان کیں تو یہ وہی باتیں تھیں جن کا میں تم سے ذکر کر چکا ہوں اور مکہ اور مدینے کے بارے میں بتا چکا ہوں۔

«أَلَا! اِنَّهٗ فِيْ بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ»

''آ گاہ رہو! دجال بحرِ شام [بحیرۂ روم] یا بحرِ یمن [بحیرۂ عرب] میں نہیں بلکہ وہ مشرق [بحرِ ہند] کی جانب سے آئے گا۔''

پھر آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے یہ حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے براہِ راست سنی اور یاد رکھی ہے۔''[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آدم کی پیدائش سے لے کر قیامِ قیامت تک دجال سے بڑی (بصورتِ فتنہ) کوئی مخلوق نہیں ہے۔''[2]

دجال کے نکلنے کا مقام:

دجال مشرق کی جہت سے اصبہان کے یہودیوں کے درمیان سے سے خراسان کے مقام سے نکلے گا، پھر زمین کی سیر کرے گا، کوئی بھی بستی باقی نہیں چھوڑے گا، ہر جگہ داخل ہوگا، صرف مکہ اور مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا، کیونکہ فرشتے ان دونوں مقامات کی نگہبانی کر رہے ہوں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دجال اصبہان (ایران) کے یہودیوں کے درمیان سے نکلے گا، اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٤١)

[2] صحيح مسلم مع شرح النووي، كتاب الفتن (١٨/ ٨٦، ٨٧)

[3] فتح الباري (١٣/ ٣٢٨)

''رہی یہ بات کہ وہ کہاں سے نکلے گا؟ تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ مشرق کی جانب سے نکلے گا۔''[1]

دجال کے پیروکار:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اصبہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار لوگ دجال کے ساتھی ہوں گے، ان پر سبز رنگ کی چادریں ہوں گی۔''[2]

رہی یہ بات کہ اس کے اکثر ساتھی دیہاتیوں اور گنواروں میں سے ہوں گے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی ایک وجہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث میں بیان کی گئی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''دجال کا ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ اعرابی [دیہاتی] سے کہے گا کہ اگر میں تمھارے ماں باپ کو زندہ کردوں تو کیا تم اس بات کی گواہی دو گے کہ میں تمھارا رب ہوں؟ وہ کہے گا: ہاں؟ پھر دو شیطان اس کے ماں باپ کی شکل دھار کر ظاہر ہوں گے اور کہیں گے: اے میرے بیٹے! تو اس کی پیروی کر، کیونکہ یہی تیرا رب ہے۔''[3]

جبکہ عورتوں کا حال تو دیہاتیوں سے بھی بدتر ہوتا ہے، کیونکہ وہ بہت جلد متاثر ہوجاتی ہیں اور ان پر جہالت کا غلبہ بھی ہوتا ہے۔

دجال کے فتنے... آگ اور پانی:

امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

''قاضی عیاض کہتے ہیں کہ دجال کے قصے سے متعلق امام مسلم اور دوسرے اہلِ حق کا یہ کہنا ہے کہ دجال ایک شخص ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے بندوں کو آزمائے گا اور اسے ایسی چیزوں پر قدرت عطا کی گئی ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، جیسے مردے کو زندہ کرنا اور اس کے

---

[1] فتح الباري (١٣/ ٩١)

[2] صحيح مسلم (١٨/ ٨٥، ٨٦)

[3] سنن ابن ماجه، كتاب المناقب (٢/ ١٣٥٩۔ ١٣٦٣) یہ حدیث صحیح ہے۔

ساتھ دنیا کی رنگینی اور باغ و بہار ہوگی۔اس کے ساتھ جنت اور جہنم ہوں گے اور اس کی جنت [درحقیقت] جہنم ہوگی اور اس کی جہنم [اصل میں] جنت ہوگی اور اس کے ساتھ پانی کی ندیاں ہوں گی، روئی کے پہاڑ ہوں گے۔ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو آسمان بارش برسائے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو وہ سبزہ اگائے گی، زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے چلیں گے، وہ بڑی ہی سرعت اور تیزی کے ساتھ زمین طے کر ڈالے گا۔[1]

اس کی تیزی اس بارش کی مانند ہوگی جس کے پیچھے ہوا لگی ہوئی ہو، اس کے علاوہ بھی بہت سے خوارق [کرشموں] کا حامل ہوگا۔ یہ تمام باتیں صحیح احادیث میں موجود ہیں۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو چیزیں دجال کے ساتھ ہوں گی میں انھیں اس سے زیادہ جانتا ہوں، اس کے ساتھ بہتی ہوئی دو نہریں ہوں گی۔ ایک دیکھنے میں سفید معلوم ہوگی اور دوسری دیکھنے میں بھڑکتی ہوئی آگ معلوم ہوگی، اگر تم میں سے کوئی انھیں پائے تو اس ندی پر آئے جو آگ معلوم ہوتی ہو اور آنکھیں بند کر لے، پھر اپنے سر کو جھکائے اور اس سے پی لے، کیونکہ وہ ٹھنڈا میٹھا اور عمدہ پانی ہوگا۔''[2]

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ زمین میں کتنے دنوں تک رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس دن، ایک دن سال کے برابر ہوگا اور باقی ایام عام دنوں کی مانند ہوں گے۔صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: زمین میں اس کی تیزی کتنی ہوگی؟ فرمایا: اس بارش جیسی جس کے پیچھے ہوا لگی ہوئی ہو، پھر وہ لوگوں کے پاس آئے گا اور دعوت دے گا، لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور دعوت قبول کر لیں گے، پھر وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا اور وہ سبزہ اگائے گی، ان کے جانور جب ان کے پاس لوٹیں گے تو ان کے کوہان بڑھ چکے ہوں گے اور تھن خوب بھرے ہوئے ہوں گے۔

---

[1] فتح الباري (٦/ ١٠٣)

[2] صحيح مسلم (١٨/ ٦١)

پھر وہ ایک ایسے شخص کو بلائے گا جو بھری جوانی میں ہوگا اور اسے تلوار سے مارے گا تو اس کے دو ٹکڑے ایک نشانے کے فاصلے پر الگ الگ جا گریں گے۔ پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ ہنستے ہوئے اس کی جانب اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ کھلا ہوگا۔[1]

صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ یہ شخص جسے دجال قتل کرے گا، بہترین لوگوں میں سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی جانب سے دجال کی طرف نکلے گا۔ پھر وہ دجال سے کہے گا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کی ہیں، تب دجال کہے گا: لوگو، بتاؤ! اگر میں اسے قتل کردوں، پھر اسے زندہ کردوں تو کیا تمھیں (میرے) معاملے میں کوئی شک رہ جائے گا؟ تو وہ کہیں گے: نہیں، چنانچہ قتل کردے گا، پھر وہ اسے زندہ کردے گا، تب وہ (وہی شخص) کہے گا: اللہ کی قسم! مجھے آج سے زیادہ کبھی تیرے بارے میں بصیرت نہیں حاصل تھی، چنانچہ دجال پھر اسے قتل کرنا چاہے گا تو اس پر قابو نہیں پائے گا۔[2]

ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار اور فتنوں سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔

دجال کے فتنے سے حفاظت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی راہنمائی ان امور کی جانب فرما دی ہے جو اسے مسیح دجال کے فتنے سے محفوظ رکھیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن امور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے، انھیں میں سے مسیح دجال کا فتنہ بھی ہے کیونکہ قیامت کے آنے تک امت کو جن فتنوں کا سامنا ہوگا، یہ ان میں سے سب سے بڑا فتنہ ہوگا اور ہر نبی اپنی امت کو کانے دجال سے ڈراتا رہا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس سے ڈرایا۔ آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دجال کی بہت سی صفات کو واضح کردیا تھا تاکہ وہ اپنی امت کو آگاہ فرما دیں، کیونکہ وہ یقینی طور پر اسی امت میں نکلنے والا ہے کیونکہ یہی آخری امت ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے جو اوصاف بتائے ہیں اور اس کی جو علامتیں بیان کی ہیں، ان

---

[1] صحیح مسلم (١٨/ ٦٥، ٦٦)

[2] صحیح البخاري مع فتح الباري (١٣/ ١٠١)

سے فتنۂ دجال کی خطرناکی و بلا خیزی کی صحیح تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ایک مومن کا دل احادیثِ فتنۂ دجال پڑھتے وقت دہل اٹھتا ہے اور اس کا جگر شق ہوجاتا ہے، پھر ذرا اس گھڑی کا تصور کیجیے کہ کیا حال ہوگا جب اس کذاب و دجال کا سامنا ہوگا؟ اس وقت قلب و جگر کی کیا کیفیت ہوگی جب آنکھیں اس کے فتنوں کا مشاہدہ کریں گی؟ حدیث میں آیا ہے:

''میری موجودگی میں اگر نکل آیا تو میں تمھاری طرف سے نمٹ لوں گا اور اگر میری عدمِ موجودگی میں پہنچا تو ہر شخص اپنی ذات کے لیے اس سے برسرِ پیکار ہو جائے اور اللہ میرے پیچھے ہر مسلمان کا محافظ ہے۔''

البتہ وہ شخص جو اس سے ملاقات سے خائف ہو اور اس کی آزمایشوں اور فتنوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ جلد راہِ فرار اختیار کرلے۔ صحیح مسلم میں حضرت امّ شریک رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا:

''البتہ ضرور لوگ دجال کے ڈر سے بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ جائیں گے۔''[1]

علاوہ ازیں دجال اگر نکل آئے تو اس کے فتنے سے محفوظ و مامون رہنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے متعدد ہدایات فرمائی ہیں:

① دجال کے فتنے سے پناہ مانگنا:

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دجال اس وقت تک نہیں نکلے گا جب تک لوگ اس کے ذکر سے غافل نہ ہو جائیں۔''[2]

یعنی کوئی بھی شخص دجال کا ذکر کرے گا اور نہ اس کے بارے میں سوچے گا۔ جب لوگ اس کو بھول جائیں گے اس کی صفات ذہنوں سے نکل جائیں گی اور کثرتِ فتن کے باوجود لوگ اس کے بارے میں احتیاط ترک کردیں گے تو اس وقت دجال ظاہر ہوگا۔ اس کا حکم صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی نماز میں یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ»[3]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب في بقية أحاديث الدجال (٤/ ٢٢٦٦) رقم الحديث (٢٩٤٤)

[2] مسند أحمد (٤/ ٧١)

[3] صحيح البخاري (٢/ ٣١٧) صحيح مسلم (٥/ ٨٧)

''اے اللہ! میں عذابِ قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور مسیحِ دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

۲ سورت کہف کی آیات حفظ کرنا:

نبی اکرم ﷺ نے دجال پر سورت کہف کی ابتدائی آیات پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے اور بعض روایات میں اس کی آخری آیتوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص سورت کہف کی ابتدا سے دس آیتیں یاد کرلے گا، وہ دجال سے محفوظ رہے گا یعنی اس کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔''[1]

دجال کی ہلاکت:

دجال کی ہلاکت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ہاتھوں ہوگی، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور اس کی مقبولیت کی صورت یہ ہوچکی ہوگی کہ دجال مکہ اور مدینے کے سوا دنیا کی ہر سرزمین پر ظاہر ہوگا، اس کے پیروکاروں کی کثرت ہوگی اور اس کا فتنہ عام ہوگا، تھوڑے سے مومنوں کے سوا اور کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فتنہ دجال سے محفوظ رکھے اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ آمین

مراجع درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. قیامت کی نشانیاں۔ تالیف: علامہ یوسف بن عبداللہ یوسف الوابل
ترجمہ: مولانا محمد مقیم بن حامد علی
4. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی
5. جب دنیا ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ تالیف: ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی
ترجمہ: قاری محمد اقبال عبدالعزیز
6. سنہرے نقوش۔ تالیف: مولانا عبدالمالک مجاہد

---

[1] صحیح مسلم (٦/ ٩٢، ٩٣)

قیامت کی بڑی نشانیاں (۵۱۔۶۳)

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴾ [المعارج: ٦، ٧]

’’یہ لوگ قیامت کو دور از قیاس سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ وہ نزدیک ہے۔‘‘

قیامت کی نشانیوں کا ذکر چل رہا ہے جن میں سے نزولِ ایک عیسیٰ علیہ السلام بھی ہے۔

51- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے اور کہاں نازل ہوں گے؟:

جب دجال نکل چکے آئے اور وہ زمین میں فساد برپا کردے گا، تب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا اور وہ زمین پر نازل ہوں گے۔ ان کا نزول ملکِ شام کے شہر دمشق کے مشرقی حصے میں ایک سفید مینار کے قریب ہوگا۔ وہ ورس و زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہوں گے اور دو فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھے ہوئے تشریف لائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی صفات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مکمل صفات امت کے سامنے پیش کردی ہیں اور ان حالات کا تعین بھی کردیا ہے جن میں وہ تشریف لائیں گے، تاکہ ایک مسلمان کی معلومات میں ان کے متعلق کوئی شک وشبہہ نہ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک ایسے شخص ہوں گے جو:

- درمیانے قد کے ہوں گے، یعنی بہت زیادہ لمبے نہ چھوٹے۔
- ان کے چہرے کا رنگ سفید سرخی مائل ہوگا۔
- وہ چوڑے سینے والے ہوں گے۔
- ان کے بال سیدھے ہوں گے، یعنی گھنگھریالے نہ ہوں گے۔ جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے

تو ان کے سر سے پانی کے قطرات ٹپکیں گے، گویا وہ موتی ہوں، مگر بال گیلے نہیں ہوں گے۔

❁ لوگوں میں عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کی شکل کے ساتھ سب سے زیادہ ان کے ساتھ ملتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی ......، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہ درمیانے قد اور سرخ رنگ کے تھے، گویا کہ وہ حمام سے نکل کر آ رہے ہوں۔'' [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ سرخی مائل، گھنگریالے بالوں والے اور چوڑے سینے والے تھے......'' [2]

کسی کافر کے لیے جو ان کی سانس کی خوشبو پائے گا مرنے کے سوا کوئی راستہ نہ ہوگا اور ان کی سانس منتہائے بصر تک پہنچے گی۔

عیسیٰ علیہ السلام کن حالات میں نازل ہوں گے؟

مسلمان اس وقت بہت بڑے معرکے سے لوٹ رہے ہوں گے۔ انھوں نے شہر قسطنطنیہ کو فتح کر کے عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرا لیا ہوگا اور مسلمان قسطنطنیہ کو کسی ہتھیار کے ذریعے نہیں بلکہ تہلیل ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' اور تکبیر (اللہ اکبر) کے ذریعے سے فتح لیں گے۔ اچانک شیطان ان کے درمیان اعلان کر دے گا کہ دجال نکل آیا ہے۔ یہ سنتے ہی مسلمان قسطنطنیہ سے واپس دمشق کا رخ کریں گے، کیونکہ مسلمانوں کا مرکز اس اس وقت دمشق ہی میں ہوگا اور اس کے بعد واقعی مسیح دجال نکل آئے گا۔ وہ پوری زمین میں گھومے گا اور ایک عظیم فتنہ برپا کرے گا۔

ایک دوسری مفصل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا:

''دجال مدینے کی بنجر زمین میں وارد ہوگا۔ مدینے کے اندر داخل ہونا اس کے لیے

---

[1] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء (٣٤٣٧) صحيح مسلم، كتاب الإيمان (١٦٨)

[2] صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، رقم الحديث (٣٤٣٨)

ممنوع ہوگا۔ مدینہ اپنے رہنے والوں کو زلزلے کے ایک یا دو جھٹکے دے گا۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ تمام منافق مرد اور عورتیں مدینے سے نکل کر دجال کی طرف چلے جائیں گے، پھر دجال شام کی طرف رخ کرلے گا اور اس کے بعض پہاڑوں کے پاس ٹھہر کر ان کا محاصرہ کر لے گا، کچھ مسلمان جو شام کے ایک پہاڑ کی چوٹی پر موجود ہوں گے، دجال اس پہاڑ کے نیچے جاکر ان کا بھی محاصرہ کر لے گا۔ جب یہ محاصرہ طویل ہو جائے گا تو ایک مسلمان پکار کر ساتھیوں سے کہے گا: اے مسلمانو کی جماعت! تم کب تک اس حالت میں رہو گے؟ اللہ کا دشمن دجال تمھاری سرزمین پر ڈیرا جما چکا ہے۔ اٹھو باہر نکلو، تم دو بھلائیوں میں سے ایک ضرور پالو گے: اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت نصیب فرمائے گا یا پھر تم اس پر غلبہ پالو گے۔ وہ سب خلوصِ دل سے موت پر بیعت کرلیں گے، پھر ان پر ایسا اندھیرا چھا جائے گا کہ ایک انسان اپنی ہتھیلی تک کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اسی دوران میں اچانک ابن مریم علیہما السلام تشریف لے آئیں گے۔ مومنوں کی آنکھوں سے ظلمت کے پردے ہٹ جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان موجود ہوں گے۔ انھوں نے زرہ پہن رکھی ہوگی۔'' (مطلب یہ ہے کہ جب مومن اس بات پر متفق ہو جائیں گے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد دجال سے جہاد کے لیے نکل پڑیں گے تو نماز کے لیے اقامت کہی جائے گی۔ امام نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکا ہوگا کہ اچانک تکبیرِ تحریمہ سے قبل ان پر اندھیرا چھا جائے گا، اندھیرا چھٹے گا تو وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو زرہ پہنے اپنے درمیان موجود پائیں گے)

لوگ کہیں گے: اللہ کے بندے آپ کون ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: میں اللہ کا بندہ، اس کا رسول، اس کی طرف سے روح اور اس کا کلمہ عیسیٰ بن مریم ہوں۔ اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنوں سے فرمائیں گے: تم لوگ دجال سے نجات پانے کی تین صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو جو تمھیں زیادہ پسند ہو:

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ دجال پر اور اس کے لشکروں پر آسمان سے کوئی عذاب نازل کر دے۔

① دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے۔

۲ تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تمھارے ہتھیاروں کو ان پر مسلط کردے اور ان کے ہتھیار تم سے روک لے۔

۳ وہ کہیں گے: اے اللہ کے نبی! یہ تیسری صورت ہمارے لیے سب سے بڑھ کر اطمینان بخش ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''اس دن آپ دیکھیں گے کہ ایک عظیم الجثہ، لمبا تڑنگا، بہت زیادہ کھانے پینے والا یہودی اس حالت سے دوچار ہو جائے گا کہ کپکپاہٹ کی وجہ اس کا ہاتھ تلوار کو تھامنے سے قاصر رہے گا۔ اہلِ ایمان دجال کی طرف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس پر فتح پالیں گے۔''

پھر حضرت عیسیٰ اسے بابِ لد پر جا پکڑیں گے، جب دجال اسے دیکھے گا تو ایسے پگھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کہیں گے: مجھ کو تجھے ایک ہی ایسی مار ایسی مارنی ہے جس سے تو میرے ہاتھوں بچ نہیں سکے گا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے دبوچ لیں گے اور اپنے نیزے سے اسے قتل کر ڈالیں گئے اور اس کے پیرکاروں کو شکست سے دوچار ہونا پڑے گا، پھر مومن لوگ ان کا پیچھا کرکے انھیں قتل کردیں گے، یہاں تک کہ شجر وحجر بھی کہنے لگیں گے: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے ہے، آ اور اسے قتل کردے، صرف جھاؤ (الغرقد) کا درخت ایسا نہیں کرے گا، کیونکہ وہ یہودیوں کا دوست ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں ابن مریم (علیہ السلام) حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے، پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کردیں گے اور جنگ کو ختم کردیں گے۔''[1]

اس ملعون کے قتل سے اس کا عظیم فتنہ ختم ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس کے اور اس کے پیروکاروں کے شر سے روح اللہ اور کلمۃ اللہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور ان کے مومن پیروکاروں کے ہاتھوں نجات دے گا۔

---

[1] صحیح البخاري (٦/ ٤٩٠، ٤٩١) صحیح مسلم (٢/ ١٨٩ تا ١٩١)

52- یاجوج و ماجوج پر بنائی جانے والی دیوار اور اس کے گرنے کا قصہ:

یاجوج و ماجوج بنو آدم کے دو بڑے شریر قبیلے یا قومیں ہیں، جیسا کہ حدیث پاک میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ وہ اولادِ آدم میں سے ہیں اور انسان ہیں۔ یہ لوگ ذو القرنین کے زمانے میں ایک فسادی قوم کی صورت میں سامنے آئے، ان کے پڑوسیوں نے ذو القرنین سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں، تاکہ وہ ان کے ضرر اور شر سے محفوظ رہ سکیں اور وہ لوگ زمین میں فساد نہ کر سکیں تو ذو القرنین نے دیوار بنادی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآنِ مجید میں ایک نیک بادشاہ ذو القرنین کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اور ہم کو خوب معلوم ہے جو سامان اس کے پاس تھا۔ پھر اس نے ایک سامان کیا۔ پھر (چلتے چلتے) دونوں پہاڑوں کے بیچ میں پہنچا۔ وہاں اس طرف پہاڑوں کے (ادھر) ایسے لوگوں کو دیکھا جو (دوسرے ملک والوں کی) بات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کہنے لگے: اے ذوالقرنین (اس گھاٹی کے پرے) یاجوج و ماجوج (دو قوموں کے لوگ) ملک میں فساد مچاتے ہیں (ہم کو آ کر لوٹتے اور ستاتے ہیں) تو کیا ہم تیرے لیے کچھ چندہ جمع کریں، اس شرط پر کہ ہمارے اور ان کے مابین تو ایک روک کر دے؟ ذوالقرنین نے کہا: مجھ کو جو میرے مالک نے مقدور دیا ہے وہ (تمھارے چندے سے) بڑھ کر ہے بہتر ہے (البتہ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو) تو محنت مزدوری سے میری مدد کرو۔ مَیں تم میں اور ان میں ایک مضبوط آڑ کر دوں گا۔ لوہے کے تختے مجھ کو لا دو جب دونوں کناروں تک دیوار کو برابر کر دیا تو (مزدوروں کو) حکم دیا: اب دھونکو (آگ پھونکو) جب وہ (دھونکتے دھونکتے لال) انگار ہوگئی تو یہ حکم دیا کہ اب تانبا لاؤ، پگھلا کر اس پر انڈیل دوں گا۔''

[الکھف: ۹۲، ۹۷]

53- ذو القرنین کون تھا؟

اہل علم کے راجح قول کے مطابق وہ ایک نیک مومن بادشاہ تھا، نبی نہیں تھا۔ اسے ذو القرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مشرق ومغرب کا سفر کر کے ایسی جگہوں پر پہنچا جہاں سورج شیطان کے

دو سینگوں کے درمیان طلوع اور غروب ہوتا ہے۔ ذوالقرنین ''سکندر مقدونی'' نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور شخصیت ہے، کیونکہ سکندر کافر تھا اور اس کا زمانہ ذوالقرنین سے دو ہزار سے کچھ زیادہ برس بعد کا ہے۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ نے اس کا قصہ سورت کہف میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے پوری زمین کا سفر کیا۔ ہم یہاں صرف ان آیات کا مطلب بیان کریں گے جو ذوالقرنین اور یاجوج وماجوج کے قصے سے متعلق ہیں:

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَباً﴾ [الكهف: ٩٢] یعنی وہ مشرق ومغرب کے درمیان ایک اور راستے پر چلا جو اسے بلند پہاڑوں والے شمالی علاقے میں لے گیا۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ﴾ [الكهف: ٩٧] یہاں تک کہ وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچا جو ترکوں کی سرزمین میں آرمینیا اور آذربائیجان کی سرحد کے قریب واقع تھا۔

''السدان'' کے معنی ہیں: دو پہاڑ، ان کے درمیان خالی جگہ تھی، جہاں سے یاجوج وماجوج نکل کر آتے تھے، وہ ترکوں کے علاقے میں فساد انگیزی کرتے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر دیتے تھے۔[1]

جب ان ترکوں نے ذوالقرنین کے پاس قوت دیکھی تو انھوں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بادشاہ صاحبِ اختیار اور باصلاحیت ہے۔ انھوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ ان کے اور یاجوج وماجوج کے درمیان اس راستے کو بند کرنے کے لیے ایک دیوار کھڑی کر دے، تاکہ وہ ان پر حملہ نہ کر سکیں۔ اس کام کے عوض ترکوں نے بادشاہ کو مال کی پیشکش بھی کی، لیکن اس نیک بادشاہ نے کسی معاوضے کے بغیر محض بھلائی کے طور پر اور اللہ سے اجر وثواب لینے کے لیے دیوار بنانے کا فیصلہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مسئلے کا آسان ترین حل یہ ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی گزرگاہ کو ایک مضبوط دیوار سے بند کر دیا جائے، چنانچہ اس نے ترکوں سے کہا کہ وہ افرادی قوت سے اس کی مدد کریں:

﴿فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا﴾ [الكهف: ٩٥]

بادشاہ نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے دونوں کے درمیان ترتیب سے کھڑے کر دیے اور پھر ان سے کہا:

---

[1] تفسیر ابن کثیر، سورة الكهف (٣/ ١٤٢)

﴿اُنْفُخُوْا﴾ ''یعنی دھونکنیوں سے ان پر آگ جلاؤ۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ ''یعنی جب لوہے کی وہ چادریں شدت حرارت سے آگ کی طرح سرخ ہوگئیں۔''

﴿ قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا﴾ [الكهف: ٩٦]

تو اس نے کہا کہ اب مجھے پگھلا ہوا تانبا فراہم کرو، تاکہ میں اسے ان چادروں پر ڈال دوں۔ اس سے لوہے کے ٹکڑے آپس میں مضبوطی سے ایک دوسرے سے جڑ گئے اور ایک سخت پہاڑ کی طرح ناقابل تسخیر بن گئے۔ اس دیوار کی بلندی کے باعث یاجوج وماجوج کے لیے اس پر چڑھنا یا اس کے اوپر سے جھانکنا ناممکن ہوگیا۔ دیوار کی مضبوطی اور موٹائی کے سبب اسے نیچے سے کھودنا یا اس میں سوارخ کرنا بھی ان کے لیے ممکن نہ رہا۔ اس مضبوط و مستحکم دیوار کے ذریعے سے ذو القرنین نے یاجوج و ماجوج کے راستے کو بند کردیا۔

54- یاجوج و ماجوج کون ہیں؟

یاجوج وماجوج طالوت اور جالوت کی طرح عجمی نام ہیں۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نوع بشر سے تعلق رکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ وہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں۔[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ انھوں نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

> ''یاجوج و ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں یعنی یہ دونوں قبیلے نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد ہیں اور اگر یہ لوگ آدمیوں کے درمیان بھیج دیے جائیں تو ان کی معیشت کو تباہ کر ڈالیں گے اور ان میں سے کوئی بھی اپنی ذریت میں سے ایک ہزار یا اس سے زیادہ چھوڑے بغیر نہیں مرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے شاہِ خوش اطوار جناب ذو القرنین کو اس عظیم دیوار کی تعمیر کی خاطر مسخر فرما دیا تھا۔ تاکہ وہ عام لوگوں اور مفسد قوم یاجوج و ماجوج کے درمیان حائل ہوجائے، پھر جب وقتِ مقرر

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري (١٣/ ١٠٦)

آ پہنچے گا اور قیامت قریب آ جائے گی تو یہ بند ریزہ ریزہ ہوجائے گا اور یاجوج و ماجوج بہت بڑی تعداد میں اس قدر عظیم سرعت کے ساتھ نکل پڑیں گے کہ کوئی بھی فردِ بشر ان کے سامنے ٹک نہیں سکے گا اور وہ لوگوں کے درمیان موجیں مار رہے ہوں گے اور زمین کو فساد سے بھر دیں گے۔

ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بڑی تعداد والی جماعت ہے۔ جب وہ نکلے گی تو پوری زمین بھر جائے گی اور جس راہ سے وہ گزرے گی وہاں کی زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔

خروجِ یاجوج و ماجوج کے دلائل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٩٦، ٩٧]

’’یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ جائے تو ناگہاں کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں (اور کہنے لگیں کہ) ہائے شامت! ہم اس (حال) سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔‘‘

صحیحین میں حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس گھبرائے ہوئے آئے اور کہنے لگے: ’’لا الٰہ الا اللہ‘‘ بربادی ہے عرب کی اس شر کی وجہ سے جو قریب آ چکا ہے، آج یاجوج و ماجوج کی دیوار سے اتنا کھل چکا ہے (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انگوٹھے اور اس سے متصل انگشت کا حلقہ بنایا)۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اس صورت میں بھی ہلاک ہوجائیں گے جبکہ ہمارے درمیان نیکوکار لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’ہاں! جب برائی بڑھ جائے گی۔‘‘[1]

اشارتاً یہ بات گزر چکی ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ظہور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول

---

[1] صحيح البخاري (٦/ ٣٨١) صحيح مسلم (١٨/ ٢_٤)

اور دجال کے قتل کردینے کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا، حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہما کی لمبی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اس قوم کے پاس آئیں گے جس کو اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا ہے، وہ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں ان کے مقام و مراتب کی بشارت سنائیں گے، اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی میں اُن سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، لہٰذا تم میرے مومن بندوں کو طور پر لے جاکر محفوظ کردو۔ اللہ یاجوج و ماجوج کو بھیج دے گا اور وہ ہر چہار جانب سے ابل پڑیں گے [ان کی کثرت کا یہ حال ہوگا] کہ جب اگلا گروہ طبریہ کے تالاب پر گزرے گا تو سب پانی پی جائیں گے اور آخری جماعت جب اس تالاب پر گزرے گی تو کہے گی کہ ضرور اس میں کبھی پانی تھا اور اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کے سامنے گڑگڑائیں گے؛ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں ان سے نجات عطا فرما، اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

''چنانچہ اللہ یاجوج و ماجوج کو نغف (ایسا کیڑا جو بکریوں اور اونٹوں کی ناک میں ہوتا ہے) یعنی گلٹیوں کے مرض میں مبتلا کردے گا جو ان کی گردنوں میں نکل آئیں گی اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں مرجائیں گے، جیسے ایک ہی شخص کو موت آئی ہو، اس کے بعد اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی [طورِ سینا سے] زمین پر تشریف لائیں گے، یہاں ایک بالشت جگہ ایسی نہ ہوگی جو ان کی چربی اور بدبو سے خالی ہو، اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی جناب میں گڑگڑائیں گے اور دعا کریں گے، پھر اللہ بڑے بڑے پرندوں کو جو لمبے لمبے اونٹوں کے مانند ہوں گے بھیج دے گا جو ان سڑی ہوئی لاشوں کو اٹھا کر اللہ جہاں چاہے گا پھینک دیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیج دے گا جس سے کوئی مکان کوئی خیمہ نہ بچے گا اور بارش ساری زمین کو دھوکر آئینہ بنا دے گی۔''[1]

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووي، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال (١٨/ ٢٨ـ ٦٩)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمت:

بعض علماء نے اس کی حکمت کا پتا لگانے کی کوشش کی ہے کہ دیگر انبیا بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کیوں نازل ہوں گے؟ اس سلسلے میں ان کے مختلف اقوال ہیں: یہودیوں کے اس خیال کی تردید کرنا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کردیا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے جھوٹ کو واضح کردیگا اور وہی انھیں اور ان کے سردار دجال کو قتل کریں گے۔

حدیث میں ہے کہ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اپنے بارے میں بتائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اپنے بھائی حضرت عیسی علیہ السلام کی بشارت ہوں۔"[1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ امن و سلامتی اور خوشحالی کا زمانہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس میں موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا، زمین اپنے پھلوں اور برکتوں کو باہر نکال دے گی، مال کی بہتات ہوگی، کینہ اور باہمی بغض و حسد اور نفرت کا خاتمہ ہوجائے گا۔

نزول کے بعد بقا کی مدت اور وفات:

نزول کے بعد روے زمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بقا کی مدت کیا ہوگی؟ اس سلسلے میں بعض روایات میں سات سال کا تذکرہ آیا ہے اور بعض روایات میں چالیس سال مذکور ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مبعوث فرمائے گا، پھر وہ سات سال تک لوگوں کے درمیان ایسے قیام فرمائیں گے کہ دو آدمیوں کے درمیان کینہ نہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ملکِ شام کی جانب سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا اور کوئی بھی ایسا شخص زمین پر باقی نہ بچے گا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو، مگر وہ ہوا اسے قبض کرلے گی۔"[2]

امام احمد و ابو داود کی ایک روایت میں ہے کہ وہ زمین میں چالیس سال تک قیام کریں گے، پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

---

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، الصحیحة، رقم الحدیث (١٤٦٣)

[2] شرح صحیح مسلم (١٨/ ٧٥۔ ٧٦)

یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں اس لیے اشکال پیدا ہوجاتا ہے، جس کے دفع کرنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ سات سال کی مدت کو ان کے نزول کے بعد کی مدت قرار دیتے ہوئے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے قبل کے روئے زمین پر قیام سے ملا دیا جائے اور آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت مشہور روایت کے مطابق آپ کی عمر تینتیس سال تھی۔ (اس طرح پوری مدت ما قبل و مابعد کی ملا کر چالیس سال بنتی ہے)۔

55- فساد کا ظہور اور صلحا کی موت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد حالات میں یکسر تبدیلی آجائے گی، مسلمانوں کی کمزوری اور دین سے جہالت کے لیے نئے دور کا آغاز ہوگا، شریر طاقتیں سر اٹھائیں گی، علم کا انحطاط ہوگا، اسلام کا صرف نام لوگوں کی زبانوں پر رہ جائے گا، برائیوں کی کثرت اور شرک کی طرف بڑھتے رجحانات ان بڑی علامتوں کے ظہور کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے جس کے بعد جلد ہی قیامت آجائے گی۔

مسلم شریف میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بُرے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔''[1]

یعنی قیامت سے پہلے متقی اور صالح لوگ مرجائیں گے۔

56- مدینے کا برے لوگوں کو نکال باہر کرنا پھر آخری زمانے میں اس کا ویران ہوجانا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں سکونت اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور یہ خبر دی ہے کہ جو کوئی اس سے بے اعتنائی برتتے ہوئے نکل جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو اس کی جگہ پر اس میں لا بسائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے متعلق ایک اعرابی کا قصہ دلیل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام پر آپ سے بیعت کی، پھر دوسرے دن بخار کی حالت میں آیا اور کہنے لگا: آپ مجھے چھوڑ دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ انکار فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مدینہ بھٹی کی مانند ہے جو خراب و فاسد کو نکال پھینکتی ہے اور خالص کو رکھ لیتی ہے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب قرب الساعة (٤/ ٢٢٦٨) رقم الحديث (٢٩٤٩)

[2] صحيح مسلم (٤/ ٩٦)

دوسرا زمانہ دجال کا زمانہ ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ انھوں نے دجال کا ذکر کیا، پھر فرمایا:

''مدینہ اپنے باشندوں پر تین مرتبہ لرزے گا اور اللہ تعالیٰ ہر کافر و منافق کو نکال دے گا۔''[1]

ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''تم مدینے کو اس کی بہتر سے بہتر حالت پر چھوڑ دو گے، اس میں صرف منڈلانے والے ہی آئیں گے، مراد منڈلانے والے درندے اور پرندے ہیں اور آخر میں جن کا حشر ہوگا وہ مزینہ کے دو چرواہے ہوں گے جو مدینے کا رخ کیے ہوں گے۔ اپنی بکریوں کو آواز لگا رہے ہوں گے، تو وہ اسے ویران پائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ دونوں ثنیہ الوداع کے مقام پر پہنچیں گے تو اوندھے منہ گر پڑیں گے۔''[2]

57- بیت اللہ الحرام کا حلال کرلیا جانا اور کعبہ کا ڈھا دیا جانا:

قیامت سے قبل ظاہر ہونے والی بڑی نشانیوں میں سے ایک انہدامِ کعبہ بھی ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مقامِ ابراہیم علیہ السلام رکنِ یمانی کے درمیان ایک شخص سے بیعت کی جائے گا اور کعبہ کے اندر اہلِ مکہ ہی خون خرابہ کریں گے۔ جب وہ حرمتِ کعبہ کو پامال کر دیں گے تو اس وقت عرب کی تباہی و ہلاکت کے متعلق نہ پوچھیے، پھر حبشی لوگ آئیں گے جو کعبہ کو اس طرح برباد کریں گے کہ اس کے بعد اسے کبھی آباد نہیں کیا جائے گا اور یہی لوگ کعبہ کے [نیچے مدفون] خزانے کو نکالیں گے۔''[3]

مسند احمد ہی کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''کعبہ کو دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی ویران کرے گا، خانہ کعبہ کا زیور

[1] صحيح البخاري (٤/ ٩٥)
[2] صحيح البخاري (٥/ ٨٩۔ ٩٠)
[3] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (٢/ ١١٩)

اتارے گا اور اس کا غلاف نوچ لے گا، گویا میں اس گنجے اور کج دست کو دیکھ رہا ہوں، جو کعبہ پر اپنی کدال اور پھاوڑے سے حملہ کرے گا۔"[1]

صحیح بخاری اور مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اس کالے اور دونوں پاؤں کے مابین معمول سے زیادہ فاصلے والے (کمبخت) کو دیکھ رہا ہوں جو کعبہ کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑ پھینکے گا۔"

یہ چیز آخری زمانے میں ہوگی جب زمین میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچ رہے گا جو اللہ اللہ کہتا ہو، اسی لیے یہ گھر ڈھا دیے جانے کے بعد دوبارہ کبھی آباد نہیں ہوگا جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

58- خروجِ دابہ [چوپایہ]:

خروجِ دابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [النمل: ٨٢]

"اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ہم اُن کے لیے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے باتیں کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

اس آیتِ کریمہ میں خروجِ دابہ کا تذکرہ آیا ہے جو اس وقت واقع ہوگا جب لوگوں کے اندر فساد پیدا ہو جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کر دیں گے اور دینِ حق کو تبدیل کر ڈالیں گے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ ان کے لیے زمین سے ایک چوپایہ نکالے گا جو ان لوگوں سے گفتگو کرے گا۔[2]

یعنی یہ ایسا چوپایہ ہوگا جو عقل اور قوتِ گویائی رکھتا ہوگا جب کہ عادتاً چوپائے نہ تو گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ ان کے پاس عقل ہوتی ہے، ایسا کر کے اللہ تعالیٰ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نشانی ہے۔[3]

---

[1] نهاية البداية (١/ ١٨٧) مسند أحمد (٥/ ٣٧١)

[2] تفسير ابن كثير (٦/ ٢٢٠)

[3] التذكرة (ص: ٦٩٧)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(وَقَعَ الْقَوْلُ) یعنی وعید کے واجب ہونے کی حالت اس وقت پیدا ہوگی جب علما گزر جائیں گے، علم جاتا رہے گا اور قرآن اٹھا لیا جائے گا۔

پھر فرماتے ہیں: ''قبل اس کے کہ اسے اٹھالیا جائے قرآن کی تلاوت کثرت سے کیا کرو۔'' لوگوں نے کہا: مان لیا کہ یہ مصاحف اٹھالیے جائیں گے، مگر لوگوں کے سینوں میں جو قرآن محفوظ ہے اس کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

''اسے راتوں رات لے جایا جائے گا پھر صبح کو لوگ خالی ہوجائیں گے، لا الٰہ الا اللہ تک بھول جائیں گے اور جاہلیت کی گفتگو اور رسم و رواج میں جاپڑیں گے اور یہی وہ موقع ہوگا کہ وعید ان کے اوپر واجب ہوجائے گی۔''[1]

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''دابہ (چوپایہ) نکلے گا اور اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، چنانچہ وہ کافر کو نشان زد کردے گا۔''

عفان [حدیث کے ایک راوی] فرماتے ہیں:

''کافر کی ناک پر انگوٹھی سے نشان لگائے گا اور مومن کے چہرے کو عصا سے چمکادے گا یہاں تک کہ جب اپنے دسترخوان کے گرد جمع ہوں گے تو یہ کہے گا: اے مومن! اور یہ کہے گا: اے کافر!''

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''پہلا قول تو یہ ہے کہ وہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ ہوگا اور تمام اقوال میں سے سب سے صحیح یہی قول ہے، واللہ اعلم۔''[2]

جب اونٹنی کو قتل کردیا گیا تو بچہ بھاگ پڑا تھا اور اس کے لیے پتھر کا دہانہ کھل گیا تھا جس کے اندر وہ داخل ہوگیا تھا، پھر وہ دہانہ بند ہوگیا تھا اور وہ ابھی تک اسی میں موجود ہے، یہاں تک کہ

---

[1] تفسير القرطبي (١٣/ ٢٣٤)

[2] تفسير القرطبي (١٣/ ٢٣٥)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے نکلنے کا وقت آجائے۔[1]

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

''خروج کے اعتبار سے پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا اور چوپائے کا چاشت کے وقت لوگوں پر نکلنا ہے۔ ان میں سے جوبھی دوسرے سے پہلے ظاہر ہو جائے تو دوسرا اس کے پیچھے ہی عنقریب ظاہر ہوجائے گا۔''[2]

59- مومنوں کی روحیں قبض کرنے کے لیے پاکیزہ ہوا کا بھیجا جانا:

قیامت کی نشانیوں میں سے مومنوں کی روحیں قبض کرنے کے لیے پاکیزہ ہوا کا چلنا بھی ہے، چنانچہ زمین پر کوئی بھی ایسا شخص باقی نہیں رہ جائے گا جو اللہ اللہ کہتا ہو اور جو باقی رہ جائیں گے وہ بدترین لوگ ہوں گے اور انھیں پر قیامت قائم ہوگی۔ امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دجال نکلے گا ....(پھر پوری حدیث ذکر فرمائی اور اس میں ہے:) پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا، گویا وہ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، تو وہ دجال کو تلاش کریں گے اور اسے ہلاک کردیں گے، پھر سات سال تک لوگ ایسے رہیں گے کہ دو آدمیوں کے درمیان بھی دشمنی نہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی جانب سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا، تو کوئی ایسا آدمی روئے زمین پرنہیں بچے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھلائی یا ایمان ہوگا یہ ہوا اس کی روح قبض کرلے گی، یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی پہاڑ کی کھوہ میں بھی داخل ہوجائے گا تو وہ وہاں داخل ہوکر اسے قبض کرلے گی۔''[3]

60- علامات کا یکے بعد دیگرے ظاہر ہونا:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''نشانیوں کا خروج یکے بعد دیگرے ہوگا، وہ اس طرح پے درپے آئیں گی جس طرح لڑی میں پروئے ہوئے دانے آتے ہیں۔''

---

[1] منحة المعبود۔ الطیالسي، باب خروج الدابة (۲/ ۲۲۰۔ ۲۲۱)

[2] صحیح مسلم (۱۸/ ۷۷۔ ۷۸)

[3] صحیح مسلم (۱۸/ ۷۵۔ ۷٦)

61- دخان [دھواں]:

آخری زمانے میں دخان کا ظہور قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے۔ سورۃ الدخان (آیت: ۱۰، ۱۱) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

''تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا، جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ درد دینے والا عذاب ہے۔''

یہ دخان ان منتظر نشانیوں میں سے ہے جو ابھی تک واقع نہیں ہوئیں اور قربِ قیامت کے وقت رونما ہوں گی۔ لوگوں کے درمیان مومن کو زکام جیسی کیفیت لاحق ہو جائے گی اور کافر اس دخان (دھواں) کی وجہ سے پھول جائے گا، پھر سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، پھر کسی کافر کو اس کے ایمان کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ توبہ کرنے والے کو اس کی توبہ کا کوئی فائدہ حاصل ہوگا، اس کے بعد جانور (دابہ) کا ظہور ہوگا تو وہ لوگوں کے درمیان تمیز کرے گا جس کے نتیجے میں مومن اور کافر الگ الگ پہچانے جائیں گے۔ کیونکہ وہ مومن کو نشان لگائے گا اور کافر کو نکیل دے دے گا۔

امام ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک تمھارے رب نے تمھیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے، دخان [دھواں] جو مومن کو زکام کی طرح پکڑے گا اور کافر کو پکڑے گا تو وہ یہاں تک پھول جائے گا کہ اس کے ہر سراخ سے نکلے گا۔''[1]

62- سورج کا مغرب سے طلوع ہونا:

سورج کا مغرب سے نکلنا قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ہے اور یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ سورۃ الانعام (آیت: ۱۵۸) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] تفسير الطبري (٢٠/ ١١٤) تفسير ابن كثير (٧/ ٢٣٥)

﴿ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾

''(مگر) جس روز تمھارے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا)۔''

جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوجائے گا تو کسی بھی ایسے شخص کا ایمان قابلِ قبول نہ ہوگا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب اس دن کافر ایمان کی ابتدا کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا، لیکن جو شخص اس سے قبل مومن رہا ہوگا اور عملِ صالح سے بہرہ ور ہوگا تو وہ بڑی خیر پر ہوگا اور اگر اس کے عمل میں نیکی و بدی دونوں شامل رہی ہوں گی اور وہ توبہ کرے گا تو اس وقت اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب پہلی نشانی ظاہر ہوجائے تو قلم ایک طرف ڈال دیے جائیں گے اور نگران کار فرشتوں کو روک لیا جائے گا اور لوگوں کے جسم ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔''[2]

پہلی نشانی سے مراد وہاں آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور جو نشانیاں اس کے طلوع ہونے سے قبل ظاہر ہوں گی، احادیث سے پتا چلتا ہے کہ ان اوقات میں توبہ اور ایمان قبول ہوتے رہیں گے۔

63- وہ آگ جو لوگوں کو جمع کرے گی:

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بہت بڑی آگ کا نکلنا بھی ہے، یہ قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے آخری اور قیامِ قیامت کا اعلان کرنے والی پہلی نشانی ہے۔ قیامت کی علاماتِ کبریٰ کے بیان میں حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول وارد ہوا ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۳/ ۳۷۱)

[2] تفسیر الطبري (۸/ ۱۰۳)

''ان میں سب سے آخری نشانی ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ان کے محشر کی طرف ہانکے گی۔''[1]

جب یہ آگ پھیل جائے گی تو اس کے ہانکنے کی ابتدا اہلِ مشرق سے ہوگی۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ فتنوں کی ابتدا ہمیشہ مشرق سے ہوتی ہے اور مغرب کو اس لیے انتہا مقرر کیا گیا ہے کیونکہ شام کا علاقہ مشرق کی نسبت سے مغرب ہوتا ہے۔

جمع کرنے کی کیفیت:

جب یہ عظیم آگ یمن سے ظاہر ہوگی تو روئے زمین پر پھیل جائے گی اور لوگوں کو ارضِ محشر کی جانب ہانکے گی۔ آگ انھیں اس طرح جمع کرے گی کہ پیچھے سے انھیں گھیر لے گی اور ہر جانب سے انھیں ارضِ محشر کی جانب ہانکے گی۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کو میدانِ حشر میں تین طریقوں سے لایا جائے گا۔ کچھ رغبت اور خوف سے آئیں گے۔ کچھ ایک اونٹ پر دو دو تین تین، چار چار یا دس دس افراد ہوں گے۔ باقی لوگوں کو آگ اکٹھا کرے گی۔ جہاں وہ قیلولہ کریں گے، آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہرا کرے گی اور جہاں وہ رات گزاریں گے، آگ بھی وہاں رات گزارے گی۔ جہاں وہ صبح کریں گے، آگ بھی وہاں صبح کرے گی اور جہاں شام کریں گے، آگ بھی وہاں شام کرے گی۔[3]

مطلب یہ ہے کہ اس آگ کا مقصد لوگوں کو جلانا نہیں ہوگا، بلکہ انھیں محض شام میں واقع ارضِ محشر کی طرف چلانا ہوگا۔ جب لوگ تھک جائیں گے اور قیلولہ یا نیند کے لیے رکیں گے، اس وقت آگ بھی رک جائے گی، لیکن جب قیلولے سے بیدار ہوں گے تو آگ بھی انھیں لے کر چل پڑے گی، حتی کہ انھیں شام میں پہنچا دے گی۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگ روزِ قیامت تین گروہوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک گروہ تو پر امید، کپڑے پہنے ہوئے سوار یوں پر سوار ہوگا۔ دوسرا گروہ ایسا ہوگا جو کبھی چلے گا، کبھی

[1] صحيح مسلم، كتاب الفتن و أشراط الساعة (١٨/ ٢٧۔ ٢٩)

[2] النهاية، في الفتن و الملاحم (١/ ٢٣٠۔ ٢٣١)

[3] صحيح مسلم، كتاب الجنة و نعيمها، رقم الحديث (٢٨٦١)

دوڑے گا اور تیسرا گروہ ایسا ہوگا جسے فرشتے ان کے چہروں کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ان دو گروہوں کو تو ہم نے معلوم کر لیا، مگر یہ کون ہوں گے جو کبھی چلیں گے اور کبھی دوڑیں گے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سواریوں پر ایسی آفت بھیجے گا کہ کوئی سواری باقی نہیں بچے گی حتی کہ ایک شخص جس کا ایک خوش نما باغ ہوگا، اسے چھوٹے کجاوے والی عمر رسیدہ کمزور اونٹنی دی جائے گی، مگر وہ اس پر سوار نہ ہو سکے گا۔"[1]

ارضِ محشر:

آخری زمانے میں لوگ شام کی طرف جمع کیے جائیں گے اور یہی زمینِ محشر ہوگی، جیسا کہ صحیح احادیث سے پتا چلتا ہے۔ ملکِ شام کے ارضِ محشر ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب آخری زمانے میں فتنے واقع ہوں گے تو ملکِ شام ہی امن اور ایمان کا مرکز ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے شام کے لیے برکت کی دعا فرمائی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ شَامِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ يَمَنِنَا﴾[2]

"اے اللہ! تو ہمارے شام میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! تو ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔"

قیامت کی نشانیاں تو بہت ہیں لیکن ہماری کوشش یہ تھی کہ جن کا ذکر کتبِ حدیث میں ہے، وہ آپ کے سامنے رکھی جائیں۔ اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین

علاماتِ قیامت کے متعلق بتانے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری زندگی میں ان سے کچھ ثمرات وفوائد بھی حاصل ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محض انسان اپنے علمی ذخیرے میں اضافہ کے لیے جمع کرتا رہے اور روزمرہ کی عملی زندگی میں ان کی کوئی خاص تاثیر ہی نہ ہو، اگر ایسا ہے تو پھر کوئی فائدہ نہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری زندگی کو باعمل بنا دے اور ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

[1] مسند أحمد (٥/ ١٦٤) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٠٨٨)

[2] صحيح البخاري، كتاب الفتن (١٣/ ٤٥)

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. ظہورِ امامِ مہدی۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
4. قیامت کی نشانیاں۔ تالیف: علامہ یوسف بن عبداللہ یوسف الوابل
   ترجمہ: محمد مقیم بن حامد علی فیضی
5. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی
6. جب دنیا ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ تالیف: ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمٰن العریفی
   ترجمہ: قاری محمد اقبال عبد العزیز
7. سنہرے نقوش۔ تالیف: مولانا عبدالمالک مجاہد

یوم الحساب اور احوالِ محشر

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الحج (آیت: ۱،۲) کی ابتدا اس عام ندائے ربانی سے ہوتی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہوگا۔ (اے مخاطب!) جس دن تو اس کو دیکھے گا (اس دن یہ حال ہوگا کہ) تمام دُودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے، مگر وہ متوالے نہیں ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے، بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔‘‘

قرآنِ کریم نے یومِ قیامت اور اس کی ہولنا کی، وقائع اور حوادث سے متعلق سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس دن کے مناظر اور مواقف کو متعدد سورتوں میں کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ خبروں کے تکرار، تصویروں کی تبدیلی اور مواقف کا تغیر، یہ سب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت کا ہر منظر بدلتا رہے گا۔ اس خوفناک دن کی تصویر کشی [مکمل نقشہ] قرآنِ کریم میں موجود ہے۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ قرآنِ کریم نے یومِ آخرت کا کتنا عظیم اہتمام کیا ہے۔ وہ قرآنی آیات میں ایسی مثالیں پیش کرتا ہے جن سے آنکھوں کے سامنے یومِ آخرت کے حقائق کی صحیح تصویر اُبھر کر آ جاتی ہے، ان قرآنی تعبیرات کو پڑھیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان اس حقیقت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر رہا ہے، بلکہ کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ

یہ حقیقت اس کی نگاہوں سے گزر رہی ہے اور یہ شخص اسے اِس انداز سے دیکھ رہا ہے کہ دیکھتے وقت کبھی اس پر گھبراہٹ طاری ہے تو کبھی وہ خوف و دہشت اور تعجب میں مبتلا ہے اور کبھی قرآنِ کریم کی بشارتیں اور مسرت آمیز اعلان سن کر اس کے ایمان و یقین کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

جو مسلمان ہوں گے وہ اس دنیا میں مکمل سکھ اور آرام کے ساتھ زندگی گزاریں گے، ہر لحاظ سے ان کی زندگی مکمل زندگی ہوگی، وہ آخرت کے مناظر دیکھیں گے اور ان کے اثرات بھی محسوس کریں گے۔ کبھی تو ان کے دل دھڑکیں گے اور کبھی ان کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔ کسی وقت دلوں میں گھبراہٹ و بے چینی کے آثار نمایاں ہوں گے تو کبھی انھیں طمانیت قلبی اور سکونِ دل حاصل ہوگا، کبھی جنت کی ٹھنڈی ہواؤں سے مشامِ جان معطر ہوں گے، گویا قیامت سے قبل ہی ان کو اس دنیا سے مکمل واقفیت ہوچکی ہوگی۔[1]

قرآنِ کریم کی اصطلاح میں آخرت سے مراد آخری زندگی ہے۔ یہ آخرت موت کے بعد کی زندگی کا نام ہے اور یہ زندگی بعث کے بعد حاصل ہوگی، تاکہ اس زندگی میں اعمال پر جزا و سزا مرتب کیے جائیں۔[2]

قرآن میں یومِ قیامت کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ صرف لفظ ''آخرۃ'' ایک سو پندرہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ قیامت امرِ عظیم ہے اور اس کی ہولناکی بڑھی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کے بہت سارے نام رکھے اور اسے بہت سارے اوصاف سے موصوف کیا ہے۔[3]

صور پھونکنا:

سورۃ الزمر (آیت: ٦٨) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴾

''اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب

[1] مشاهد القيامة في القرآن (ص: ٣٨)

[2] تفسير التحرير و التنوير (١/ ٢٤٠)

[3] التذكرة في أحوال الموتىٰ و أمور الآخرة (ص: ٢١٤)

بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہے، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔‘‘

قرآن کریم کی دس آیتوں میں صور پھونکنے کا ذکر ہے۔[1] اسی طرح حدیث میں بھی اس کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’کیسے میں آرام کی زندگی گزاروں جبکہ اسرافیل علیہ السلام صور (نرسنگا) پر منہ رکھے ہوئے، اپنی پیشانی جھکائے اور اپنے کان لگائے [عرش پر نظر جمائے] منتظر ہیں کہ کب ان کو صور پھونکنے کا حکم دیا جائے۔‘‘ مسلمانوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت ہم کیا کہیں گے؟ تو فرمایا:

«قُوْلُوْا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ، تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا»[2]

’’ہمیں اللہ کافی ہے، وہ اچھا کارساز ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے۔‘‘

صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

’’پھر صور پھونکا جائے گا، جو کوئی اس کی آواز سنے گا وہ اپنی گردن ایک طرف جھکادے گا اور دوسری طرف اٹھادے گا اور سب سے پہلے جو شخص اس کی آواز سنے گا، وہ ہوگا جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کا حوض لیپ رہا ہوگا، یہ شخص سن کر بے ہوش ہوجائے گا اور جب سارے لوگ بے ہوش ہوجائیں گے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل کرے گا جو شبنم کی طرح ہوگی، اس کی وجہ سے آدمی اُگ جائے گا [یعنی قبروں میں مٹی کے جسم بن جائیں گے] پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک سب کھڑے دیکھتے ہوں گے۔‘‘[3]

پہلی مرتبہ صور پھونکنے کے بعد زمین و آسمان کی تمام جاندار مخلوقات شدتِ خوف سے ہلاک

---

[1] ’’المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم‘‘ کے مطابق اس کی ترتیب یوں ہے: الأنعام: ٧٣، الكهف: ٩٩، طه: ١٠٢، المؤمنون: ١٠١، النمل: ٨٧، يٰس: ٥١، الزمر: ٦٨، قٓ: ٢٠، الحاقة: ١٣، النبأ: ١٨.

[2] سنن الترمذي (٤/ ٦٢٠)

[3] صحيح مسلم (٤/ ٢٢٥٨) رقم الحديث (٢٩٤٠)

ہوجائیں گی، زندگی کا شور وغل ٹھنڈا ہوجائے گا، انسان کی پیاس ختم ہوجائے گی اور پوری کائنات خوفناک سکوت کی چادر میں لپٹ جائے گی، روے زمین پر زندگی کا چراغ گل ہوجائے گا اور ہر جاندار کو موت آجائے گی، مگر جسے اللہ چاہے [اس کو موت نہیں آئے گی]۔

جس طرح زمین کو جب بارش سیراب کردیتی ہے تو اس سے کھیتی غلہ اُگاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کے فنا ہوجانے کے بعد اسے زمین سے نکالے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں سورۃ الاعراف (آیت: ۵۷) میں مثال دے کر فرماتا ہے:

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

’’اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں، پھر بادل سے بارش برساتے ہیں، پھر بارش سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لیے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘

بعث بعد الموت کے واقعات:

جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو ساری مخلوقات قبروں سے نکل کر محشر کی طرف دوڑ پڑیں گی اور خالقِ ارض وسما کی بارگاہ میں کھڑی ہوجائیں گی، اس دن ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے ہوگا، اگر خیر ہے تو خیر ملے گی اور اگر شر ہے تو شر ملے گی۔ اس وقت کافرین و معاندین حیران وششدر رہ جائیں گے، جب وہ قیامت اور بعث بعد الموت کو اپنے سامنے پائیں گے۔ اس ہولناک دن میں کوئی ہرگز پیچھے نہیں رہ سکتا، پوری نوعِ انسانی کائناتِ ارضی کے ہر گوشے سے، نشیب سے فراز سے جمع ہوجائے گی، کوئی ایک مخلوق بھی رب العالمین کے علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف (آیت: ۴۷) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾

''اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کرلیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن جمع کرے گا، جانور، چڑیا، چوپایہ اور دوسری تمام چیزیں؛ سب کو اکٹھا کرے گا اور اس کے عدل و انصاف کا یہ عالم ہوگا کہ بلا سینگ جانور کے لیے سینگ والے جانور سے قصاص لے گا، اس کے بعد اعلان کر دے گا: تم سب مٹی بن جاؤ، اس وقت کافر بھی مٹی ہوجانے کی تمنا کرے گا، جیسا کہ قرآن نے سورۃ النبا (آیت: ۴۰) میں کفار کے متعلق کہا ہے:

﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ''اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوجاتا۔''[1]

قرآنِ کریم ہمارے سامنے قیامت کے واقعات اس انداز سے بیان کرتا ہے گویا قیامت ایک کھلی کتاب ہے۔ اس کے بعض حقائق کا تو ہم تصور نہیں کرسکتے، اس وقت حدیثِ پاک سوال و جواب کے انداز میں حقائق سے پردہ اٹھادیتی ہے اور حقیقت نکھر کر واضح انداز میں سامنے آجاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلی ہوئی پیاری پیاری باتیں ایسی روشن علامت بن جاتی ہیں جن سے زندگی کی شبِ تاریک کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔

ہماری یہ ذمے داری ہے کہ ہم قرآنِ کریم کا مطالعہ بنظرِ غائر کریں، تاکہ ہمارے سامنے قیامت کے ایسے خوف ناک مناظر آئیں جو دلوں کی دھڑکنیں تیز کردیں، جن کی ہولناکی سے بدن کانپ اٹھیں اور جن کے ادراک سے عقلیں حیران ہوجائیں۔ سورۃ الانفطار (آیت: ۱ تا ۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے جھڑ پڑیں گے اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے میں مل) جائیں گے اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔''

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: التذكرة للقرطبي (ص: ۲۷۳)

سورت طٰہٰ (آیت: ۱۰۵ تا ۱۰۷) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَآ اَمْتًا ﴾ [طٰہٰ: ۱۰۵، ۱۰۷]

''اورتم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا اور زمین کو ہموار کر دے گا۔ جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی)۔''

اس سخت دن کی ہولناکیاں ہمیشہ رہیں گی، کافروں کے کلیجے منہ کو آ جائیں گے، اس وقت جب اپنے اعضا و جوارح سے محسوس کریں گے اور سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ اللہ کے جس حکم کا پوری زندگی انکار کرتے رہے، آج وہ سارے احکامات حرف بہ حرف پورے ہو رہے ہیں، ان کا کوئی معاون و مددگار نہ ہوگا، کوئی جائے پناہ نہ ہوگی جہاں ان کو ٹھکانا مل سکے۔ سورۃ النور (آیت: ۳۷) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾

''اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہوجائیں گی۔''

بے شک ان کی آنکھیں مرعوبیت اور شدتِ خوف کی بنا پر پلک نہیں جھپکا سکیں گی، بلکہ وہ دائیں اور بائیں التفات کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھیں گے، ان کے قلوب حیران ہوں گے، انھیں کچھ یاد نہیں اور کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی؛ چونکہ ان لوگوں نے پروردگار کی وارننگ کو جھٹلایا تھا، اس لیے عذابِ الٰہی ان پر اور ان جیسے لوگوں پر مسلط ہوگا۔ سورت ابراہیم (آیت: ۴۲،۴۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَ اَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴾

''اور (مومنو!) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ اُن سے بے خبر ہے۔ وہ اُن کو اُس دن تک مہلت دے رہا ہے جب کہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی

کھلی رہ جائیں گی۔ (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور اُن کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے۔''

قرآن اس طرح بھی اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ زمین کو پکڑ لے گا اور آسمان کو لپیٹے گا، جیسا کہ سورۃ الزمر (آیت: ٦٧) میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾

''اور انھوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

''اللہ زمین کو پکڑ لے گا اور اپنے دائیں ہاتھ سے آسمانوں کو لپیٹ لے گا، اس کے بعد کہے گا:

«أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟»[1]

''بادشاہ تو میں ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں گئے؟''

ایک اور روایت میں ہے:

''زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ سے پکڑ لے گا، پھر کہے گا:

«أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟»[2]

''بادشاہ تو میں ہوں، آج وہ جابر ومتکبر کہاں ہیں؟''

محشر کی زمین:

اللہ تعالیٰ سورت ابراہیم (آیت: ٤٨) میں فرماتا ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾

---

[1] فتح الباري (٨/ ٥٥١)

[2] صحيح مسلم (٤/ ٢١٤٨) مشكاة المصابيح للتبريزي (٣/ ٥٣)

''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ وزبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔''

یہ زمین ہماری اس زمین کے علاوہ ہوگی جس پر ہم آج زندہ ہیں، یہ بالکل نئی زمین ہوگی جس پر بندوں کا حشر ہوگا، تاکہ ان کے مابین فیصلے کی تیاری کی جاسکے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

''قیامت کے دن لوگ سفید خاکستری رنگ زمین پر جمع کیے جائیں گے، یہ زمین صاف ٹکیا کے مانند ہوگی۔'' سہل یا ان کے علاوہ کسی نے کہا: ''اس زمین پر کسی کے لیے کوئی نشانی نہیں ہوگی۔''[1]

ایک دوسری حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے، جس میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک یہودی عالم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ جس دن زمین اِس زمین کے علاوہ ہوگی اور آسمان تبدیل ہوجائیں گے تو لوگ کہاں ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ لوگ پل کے نیچے اندھیروں میں ہوں گے۔''[2]

کیفیتِ حشر:

لوگوں پر قیامت کے حوادث پے درپے ظاہر ہوں گے جن سے وہ عجیب غفلت ویاس اور غم کی حالت میں محشر کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ مخلوق کے پیچھے مخلوق کا سلسلہ جاری ہوگا اور وہ چہروں کے بل چلیں گے۔ صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! کیسے کافر اپنے چہرے کے بل اٹھائے جائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا وہ ذات جس نے اس دنیا میں دو پاؤں پر چلایا، اس پر قادر نہیں کہ اسے قیامت کے دن اس کے چہرے کے بل چلائے؟''

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بے شک ہمارے رب کی عزت وجلال کی قسم!''[3]

---

[1] فتح الباري (١١/ ٣٧٢) صحيح مسلم (٤/ ٢١٥)

[2] صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل و المرأة (١/ ٢٥٢)

[3] فتح الباري (١١/ ٣٧٧)

یقیناً چہروں کے بل چلنا حشر میں ذلت و حقارت اور توہین کا باعث ہے، جن سے ایسے لوگوں کو سابقہ پڑے گا جو کبر و نخوت میں مبتلا تھے، حق سے منہ موڑتے تھے بلکہ حق سننا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے، حالانکہ یہ حق ان کے پاس رسولِ امین ﷺ لے کر آئے تھے۔ یہ کیسا عجیب منظر ہوگا جو پورے مجمع کے سامنے ان کا تکبر خاک میں ملا دے گا، ان کی عداوت و دشمنی کے پرخچے اڑا دے گا اور ان کے وجود کو ہلا کر رکھ دے گا۔ آج وہ تہی دامن کسی چیز کے مالک نہیں ہوں گے؛ چونکہ کل انھوں نے اللہ کی تحذیر کا انکار کیا تھا۔ سورۃ الفرقان (آیت: ۳۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ اِلٰی جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ سَبِیۡلًا﴾

’’جو لوگ اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف جمع کیے جائیں گے، اُن کا ٹھکانا بھی بُرا ہے اور وہ راستے سے بھی بہکے ہوئے ہیں۔‘‘

لوگ گونگے بہرے اور اندھے اٹھائیں جائیں گے:

ایسا نہیں ہوگا کہ صرف اللہ ان کو چہروں کے بل چلائے گا اور وہ تنگی و تکلیف کو اس حال میں محسوس کریں گے، بلکہ وہ کافرین دیکھنے، سننے اور بولنے کی صلاحیت سے محروم ہوجائیں گے اور وہ اندھے، گونگے اور بہرے بن جائیں گے۔ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۹۷) میں رب ذوالجلال کا فرمان ہے:

﴿وَ نَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡیًا وَّ بُکۡمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا﴾

’’اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ، اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب (اس کی آگ) مٹنے کو ہوگی تو ہم اُن کو (عذاب دینے) کے لیے اور بھڑکا دیں گے۔‘‘

محشر کی ہولناکیاں:

اس دن کی ہولناکی کی شارحین چاہے جتنی تشریح کرلیں اور مفسرین جتنی تفسیر کر جائیں، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ الفاظ اور جملے اس کی حقیقت کی تعبیر اور صحیح تصویر کشی سے قاصر ہیں۔ لیکن عقل یہ چاہتی ہے اور قیاس کا یہ تقاضا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں احوالِ آخرت کی تصویریں جس قدر

ممکن ہوں، پیش کی جائیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احوالِ قیامت کو زندگی میں پیش آنے والے حادثات وواقعات کی روشنی میں بیان فرمایا ہے، تاکہ اس طرح آخرت کی دھندلی سی تصویر ہی ذہن و دماغ کے پردے پر ظاہر ہوجائے اور انسان اس دھندلی تصویر ہی میں حشر کی سختی، اذیت ناک منظر اور آخرت کی وحشت و دہشت کا مشاہدہ کرلے۔

یومِ آخرت پر مبنی قرآن واحادیث کے نصوص پر جو بھی غور کرے گا، اسے یہ اندازہ ہوجائے گا کہ یومِ آخرت کی عظیم ہولناکیاں اور سخت وکٹھن گھڑیاں ایسی ہوں گی کہ عام عقلِ انسانی ان کی متحمل ہونے سے قاصر رہ جائے گی، ایسا شخص جو اپنے صبر وتحمل میں ضرب المثل ہوگا، اس کی قوتِ صبر وتحمل بھی جواب دے دے گی اور کیا مجال کہ کوئی انسانی طاقت اس ہولناک منظر کی تاب لاسکے۔ محشر میں بھیڑ بہت زیادہ ہوگی اور زمین تنگ ہوجائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس دن انسانی مخلوق تنگ جگہوں میں ہوگی، جیسے تیر اپنی کمان میں تنگ ہوتا ہے، وہ نیک بخت ہوگا جسے پاؤں رکھنے کی جگہ مل جائے گی، اس لیے کہ اکثر پاؤں ایک دوسرے پر ہوں گے۔[1]

لوگ اس سخت بھیڑ میں مبتلا ہوں گے کہ اچانک سورج ان کے سروں کے اتنا قریب ہوجائے گا کہ سورج اور سروں کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ رہ جائے گا، اس قربتِ آفتاب کی وجہ یہ ہے کہ میدانِ حشر میں ان کا وقوف تو عذاب کا مزہ چکھنے کے لیے ہے، اس لیے ان کو اس کی حرارت وگرمی ملے گی جس سے وہ سخت بے چینی اور سخت رسوائی سے دوچار ہوں گے، ایسا بھی نہ ہوگا کہ وہ عذاب کی تاب نہ لاتے ہوئے موت کو گلے لگالیں، بلکہ ان کی دوبارہ تخلیق اور نئی پیدائش ان کو مرنے نہیں دے گی اور جب وہ قبر کی نیند سے بیدار ہوکر کھڑے ہوں گے تو اب موت کہاں؟ اسی کو تو قرآن نے ”الموتة الأولىٰ“ سے تعبیر کیا ہے۔

وہ میدانِ محشر میں لمبے عرصے تک ٹھہریں گے اور وہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اس دن مومن رحمتِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے، ان کو وہ پریشانی لاحق نہیں ہوگی جس مشقت وتنگی اور سختی وپریشانی میں کفار مبتلا ہوں گے، اس دن کی سخت گرمی اور لوگوں کے اژدحام کی وجہ سے ان کے

---

[1] لوامع الأنوار البهية للسفاريني (٢/ ١٦٨)

بدن سے بہنے والا پسینہ زمین میں جمع ہوکر اتنی بلندی پر پہنچ جائے گا کہ کچھ لوگ اس میں ڈوب جائیں گے اور ہر شخص اپنے عمل کے اعتبار سے پسینے میں شرابور ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

''اس دن لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے، کچھ لوگ اپنے ٹخنوں تک اور کچھ اپنی رانوں تک اور کچھ اپنی کمر تک اور کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو پسینہ لگام دے رہا ہوگا۔''

راوی کا بیان ہے کہ یہ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔[1]

امام احمد، ابو یعلیٰ اور ابن حبان کی روایت میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یہ دن کتنا لمبا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''وہ دن مومن کے لیے آسان وخفیف بنادیا جائے گا اور وہ ایک فرض نماز سے زیادہ ہی ہلکا ہوگا۔''

جب یہ کفار اللہ کے وعدے پورے ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کو یقین ہوجائے گا کہ انھوں نے جو عمل کیے ہیں وہ ضرور ان کے منہ پر مار دیے جائیں گے، یہ سوچ کر ان پر یاس وقنوط اور مایوسی کے بادل چھاجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ [الروم: ١٢]

''اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گناہگار حیرت زدہ رہ جائیں گے۔''

قرآن ان کی ندامت وحسرت یوں بیان کرتا ہے:

﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴾ [الفرقان: ٢٧ تا ٢٩]

''اور جس دن (عاقبت نا اندیش) ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (اور کہے گا) کہ اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت کاش! میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو (کتابِ) نصیحت کے میرے پاس آجانے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔''

---

[1] صحیح مسلم (٤/ ٢١٩٦)

اس دن کفر کرنے والے اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش! انھیں دفن کر کے زمین برابر کردی جاتی:

﴿وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ [النبا: ٤٠]

''اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہوجاتا۔''

آج اللہ کے سامنے حاضری کا دن ہے، آج نیک عملوں کا بدلہ پانے کا دن ہے، یہی وہ دن ہے جس کا انکار کافر لوگ کرتے تھے، اس لیے آج وہ اپنے اُس انکار کی سزا پائیں گے جو دنیا میں رسولوں اور مومنوں کے ساتھ کرتے تھے۔ جو اللہ پر ایمان لانے والے ہوں گے، وہ اللہ کی رضا و خوشنودی کے طلبگار ہوں گے اور ان کو ہمارے پروردگار نے یہ خوشخبری سنائی ہوئی ہے کہ وہ ان کو میدانِ حشر کی اس گھبراہٹ و بے چینی سے محفوظ رکھے گا، جس گھبراہٹ میں تمام لوگ مبتلا ہوں گے اور ان کو یہ بشارت بھی مل گئی ہے کہ فرشتے ان کا گرم جوشی سے استقبال کریں گے:

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ [الأنبياء: ١٠٣]

''ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا سعادت مند لوگوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی
4. قیامت کی نشانیاں۔ تالیف: الشیخ عبداللہ بن جاراللہ بن ابراہیم الجاراللہ۔ ترجمہ: مولانا تنویر احمد
5. قیامت کی ہولناکیاں۔ تالیف: عبدالملک الکلیب

قیامت کے ہولناک مناظر

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الانشقاق (آیت: ۷ تا ۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا ۙ﴿۸﴾ وَّ یَنۡقَلِبُ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ؕ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهۡرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا ﴿۱۱﴾ وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا ﴿۱۲﴾﴾

’’جس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے حساب آسان لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ وہ موت کو پکارے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہوگا۔‘‘

قیامت کے دن انسانوں کی کئی قسمیں ہوں گی:

- کچھ تو ایسے ہوں گے جن کے سامنے ان کے اعمال پیش کیے جائیں گے، اس کے بعد چپکے سے اللہ ان کی سیآت سے ان کو باخبر کردے گا اور انھیں معاف کر کے جنت میں داخل ہونے کا حکم صادر فرمائے گا۔
- کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کا رب ہر چھوٹے بڑے گناہ میں ان کا مناقشہ کرے گا، ان کے خلاف گواہیاں گزارے گا، پھر ان کو جہنم میں جانے کا حکم دے گا۔
- کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے گناہوں اور غلطیوں کے ساتھ حاضر ہوں گے اور اپنے جرم کا اقرار واعتراف بھی کریں گے، اللہ سے اپنی کوتاہیوں کو درگزر کرنے اور بخش دینے کے لیے اپنے بعض اعمال کو بطورِ وسیلہ بھی پیش کریں گے۔
- یہ حساب کسی سے سخت ہوگا اور کسی سے آسان، کچھ لوگوں کی تکریم کی جائے گی اور کچھ زجر و توبیخ

کے مستحق ہوں گے، بعض لوگ اللہ کے پورے فضل و کرم اور عفو و درگزر کے حقدار ہوں گے اور بعض ایسے بھی ہوں گے جن کی طرف رب العباد رحمت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا اور نہ ان سے شیریں کلام کرے گا۔

❁ انبیا و رسل بھی فیصلے کے وقت لائے جائیں گے، ان سے اس امانت کے متعلق پوچھا جائے گا، جس کو پہنچانے کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی تھی اور ان کی امتوں کے متعلق بھی ان سے سوال کیا جائے گا، اسی طرح امتِ محمد ﷺ سے بھی تمام امتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان امتوں نے اپنے نبی کی بات مانی یا نہیں؟ یہ امتِ محمدیہ ۔علی صاحبھا الصلوٰۃ و السلام۔ حق کی گواہی دے گی، جو ایمان لے آئے ان کے ایمان کی اور جس نے کفر کیا اس کے کفر کی گواہی دے گی۔ قیامت کے دن یہ فرشتے بھی گواہ بنیں گے جو انبیاے کرام، علما اور عام بندوں کے اعمال گنا کرتے تھے۔ یہ زمین و آسمان، یہ رات و دن سب گواہی دیں گے، ساتھ ہی ساتھ انسانی اعضا و جوارح بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

امام بخاری، امام احمد اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام بلائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: کیا آپ نے تبلیغ کر دی؟ وہ کہیں گے: ہاں، اس کے بعد ان کی قوم بلائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: کیا نوح نے تمھارے رب کے احکامات تم تک پہنچائے تھے؟ تو اس وقت قومِ نوح کہے گی: ہمارے پاس کوئی نہیں آیا، کوئی بھی عذابِ الٰہی سے باخبر کرنے والا (نذیر) نہیں آیا؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس وقت نوح سے کہا جائے گا: تیرا گواہ کون ہے؟ وہ جواب دیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت، اسی کے بارے میں قرآن نے کہا:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]

''وسط'' معتدل کے معنی میں ہے۔ فرمایا: وہ بلائے جائیں گے اور نوح علیہ السلام کی تبلیغ کی گواہی دیں گے، پھر میں تمھارے بارے میں گواہی دوں گا۔''[1]

[1] صحیح البخاري مع فتح الباري (۸/ ۱۷۱، ۱۷۲) مسند أحمد (٤/ ۳۲)

سورت ابراہیم (آیت: ۴۹، ۵۰) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴾

''اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اُن کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور اُن کے چہروں کو آگ لپٹ رہی ہوگی۔''

کچھ قومیں اور امتیں گھٹنوں کے بل گھسٹتی ہوئی لائی جائیں گی جن میں اس بڑے دن کی ہولنا کیوں کو دیکھنے کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت نہیں ہوگی، سورۃ الجاثیہ (آیت: ۲۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

''اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا اور ہر ایک جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی جو کچھ کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلا دیا جائے گا۔''

اس دن سے غافل رہنے والوں کے لیے بڑی ہلاکت و بربادی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''ابنِ آدم قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پانچ سوالوں کے جواب کی تکمیل تک کھڑا رہے گا: عمر کہاں فنا کی؟ جوانی کہاں برباد کی؟ مال کہاں سے کمایا؟ کیسے خرچ کیا؟ جو علم حاصل کیا تھا، اس کے مطابق کیا عمل کیا؟''[1]

سورۃ الحجر (آیت: ۹۲، ۹۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

''تمھارے رب کی قسم! ہم ضرور ان سے پُرسش کریں گے۔ ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔''

میزان کی ہولنا کی سے نجات اور حساب کتاب میں سہولت صرف اسی شخص کو نصیب ہوگی جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کرکے ہر لمحہ شریعتِ الٰہیہ کے دائرے میں بسر کیا ہوگا۔ نفس کے محاسبے کا

---

[1] سنن الترمذي، صفة القيامة، رقم الحديث (٢٤١٦)

مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اس نے ہر معصیت سے صدقِ دل سے توبہ کی، فرائض میں ہونے والی کوتاہیوں کا تدارک کر دیا اور لوگوں پر اپنی طرف سے ڈھائے گئے تمام مظالم کا ایک ایک کر کے بدلہ چکا دیا، یہاں تک کہ مرنے سے پہلے اس کے ذمے کسی کا ادائے فرض باقی رہا ہو نہ کسی کا حق۔ اگر کچھ لوگوں کے ادائے حقوق سے قبل ان میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو یہ بڑے خطرے کی بات ہوگی، قیامت کے دن اس کے ظلم سے متاثر ہونے والے تمام لوگ اس کا محاصرہ کر لیں گے، کوئی اس کا ہاتھ پکڑے گا اور کوئی پیشانی، کوئی کہے گا: تم نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ کوئی بولے گا: تو نے مجھے گالیاں دی تھیں۔ کوئی چلّائے گا کہ تو نے میرا مذاق اڑایا تھا۔ کوئی فریاد کرے گا: تو نے پڑوسی ہونے کے ناتے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ کوئی آواز اٹھائے گا: میرے ساتھ معاملہ کرتے وقت تو نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ کوئی کہے گا: تو نے اپنے سامان کا عیب چھپا کر مجھ سے فریب کیا تھا۔ کوئی کہے گا: تو نے اپنے سامان کی قیمت بتاتے ہوئے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ کوئی کہے گا: میرا فقر و فاقہ تیرے علم میں تھا اور تو نے غنی ہونے کے باوجود میری کوئی مدد نہ کی تھی۔ الغرض مختلف قسم کے دعوے اس پر کیے جائیں گے، اس دوران میں ایک پکارنے والا بلند آواز سے کہے گا:

﴿ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ﴾ [المؤمن: ١٧]

”آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جائے گا آج (کسی کے حق میں) بے انصافی نہیں ہوگی۔“

قیامت کے ہولناک مناظر:

سورت مریم (آیت: ٣٩) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾

”اور ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈراؤ، جب بات فیصل کر دی جائے گی اور وہ غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔“

سورۃ النبا (آیت: ٤٠) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾

''ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے، جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوجاتا۔''

سورۃ القمر (آیت: ۴۶) میں قیامت کی ہولنا کی یوں واضح فرمائی:

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ﴾

''ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ بڑا ہی ہولناک ہے۔ جب اس کائنات کی مقررہ مدت ختم ہوگی تو صور پھونکا جائے گا، جس کی آواز سن کر زمین و آسمان میں رہنے والی تمام مخلوق بے ہوش ہوجائے گی، صرف وہ زندہ رہے گا جسے اللہ چاہے گا، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ یکا یک کھڑے ہوکر دیکھنے لگیں گے، پھر برہنہ جسم، ننگے پاؤں رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوجائیں گے، اس وقت ان کے پاس اپنے اچھے یا برے اعمال کے علاوہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ سورج قریب آجائے گا، گرمی شدید ہوجائے گی، موجودہ ہولناکی میں شدت آجائے گی، زمین و آسمان کو دوسرے زمین و آسمان سے بدل دیا جائے گا اور سب لوگ قادرِ مطلق وحدہٗ لاشریک کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہوگی اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی۔

پچاس ہزار سال پر محیط اس دن کی طوالت اور دہشت سے بچے بوڑھے ہوجائیں گے، مختصر یہ کہ اس دن تمام لوگ ایسی مصیبت اور غم میں مبتلا ہوں گے جسے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی، لہٰذا وہ میدانِ حشر کی تکالیف سے نجات اور حساب کتاب کا مرحلہ شروع کرانے کے لیے کسی ایسی ہستی کی تلاش میں ہوں گے جو ان کے پروردگار سے اس بارے میں ان کی سفارش کرسکے، اس مقصد کے لیے پہلے وہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم خلیل، پھر حضرت موسیٰ اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ کہہ کر معذرت کرے گا کہ ہمارا پروردگار جتنا غضب ناک آج ہے، اتنا پہلے کبھی ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ پھر لوگ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوجائیں گے۔

دورانِ سجدہ اللہ عز وجل انھیں اپنے تمام محامد القا کردیں گے، پھر کہا جائے گا: اے محمد ﷺ! سر اٹھایئے، جو کہنا ہے کہیے، آپ ﷺ کی بات سنی جائے گی اور آپ ﷺ جو سوال کریں گے، وہ پورا کیا جائے گا۔ آپ شفاعت ﷺ کریں گے تو قبول کی جائے گی، رسول اللہ ﷺ سر اٹھا کر عرض کریں گے کہ اہلِ محشر کا حساب شروع کردیا جائے تو اس وقت تمام پہلے اور بعد والے صرف بیان کریں گے، یہی نبی اکرم ﷺ کے لیے شفاعتِ عظمٰی کا محل اور مقامِ محمود ہے، اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی درخواست اور شفاعت کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلے دینے کے لیے تجلی فرمائیں گے اور جہنم کو ستر ہزار لگامیں ڈال کر گھسیٹ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کو ۷۰ ہزار فرشتے تھامے ہوئے ہوں گے اور وہ انتہائی غصے میں چنگھاڑ رہی ہوگی، جیسا کہ سورۃ الفجر (آیت: ۲۱ تا ۲۴) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ﴾

’’جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور تمھارا پروردگار (جلوہ فرما ہوگا) اور فرشتے قطار باندھ کر آموجود ہوں گے اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر تنبہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)؟ کہے گا: کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی کے لیے) کچھ آگے بھیجا ہوتا۔‘‘

سورۃ الزمر (آیت: ۶۹، ۷۰) میں فرمایا ہے:

﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾

’’اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا، اس

کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس کو سب کی خبر ہے۔''

سورۃ الزلزال (آیت: ۷، ۸) میں فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾

''جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھی بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

اعمال کے رجسٹر کھول کر رکھ دیئے جائیں گے، پھر ہر ایک اپنا اپنا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوگا، میزان قائم کر کے بندوں کے تمام اچھے برے اعمال کا وزن کرلیا جائے گا۔ سورۃ المومنون (آیت: ۱۰۲ تا ۱۰۴) میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾

''جن کے (اعمالِ حسنہ کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے خود کو خسارے میں ڈالا، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھائے ہوں گے۔''

پھر جہنم کی پشت پر پل صراط رکھ دیا جائے گا جس پر ہر شخص اپنے اعمال کی مناسبت سے تیزی یا سست روی سے گزرے گا، اس کیفیت کے بارے میں سورۃ الزمر (آیت: ۷۳) میں فرمایا:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾

''اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے۔''

سورۃ التوبہ (آیت: ۷۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اس کے ساتھ یہ اعلان کر دیا جائے گا:

''بلاشبہہ اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے، تمھیں کبھی موت نہیں آئے گی، ہمیشہ تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہیں پڑو گے، اب بلاشبہہ تم ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بوڑھے نہیں ہو گے، ہمیشہ آسودہ رہو گے، کبھی بدحال نہیں ہو گے۔''[1]

سورۃ الزمر (آیت: ۷۴) میں ہے کہ ان نعمتوں کے ملنے کے بعد مومن بے ساختہ پکار اٹھیں گے:

﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴾

''وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا، ہم بہشت میں جس مکان میں چاہیں، رہیں تو (اچھے) عمل کرنے والوں کا بدلا بھی کیسا خوب ہے۔''

لوگوں کو چاہیے کہ کمرِ ہمت کس لیں اور متذکرہ بالا خوبیوں اور راحتوں والی جنت تک پہنچانے والے اعمال ہی کو اپنا مقصد وحید بنا لیں۔

جہاں تک کفار، مشرکین، ملحدین اور مجرمین کا معاملہ ہے تو وہ خوف زدہ، سہمے ہوئے اور گھبراہٹ و پریشانی کی حالت میں یہ کہتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے:

﴿ يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ﴾ [یٰسٓ: ۵۲]

''اے ہے! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟''

اسی طرح ایک اور مقام پر مجرموں کی صورتِ حال اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

﴿ يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَ هُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ﴾ [الأنعام: ۳۱]

''ہائے! اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

سورۃ الزمر (آیت: ۷۱، ۷۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] سنن الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة الزمر.

﴿ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾

''کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو تمھارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے؟''

وہ جواب دیں گے:

﴿ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾

''کہیں گے: کیوں نہیں، لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم متحقق ہو چکا تھا۔''

اللہ تعالیٰ ان سے ان کے جرائم کا حساب لے کر انھیں مخلوق کے سامنے رسوا کریں گے، ان کے چہرے سیاہ اور ان کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے، انھیں بائیں ہاتھ میں اعمال نامے پکڑا کر بھوکا، پیاسا گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا، ان میں سے ہر گروہ ان جیسے شر کے حامل دوسرے گروہ کے ساتھ ہوگا۔ جب وہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، ان کے کھلتے ہی شدید گرمی کا زبردست جھونکا ان کا استقبال کرے گا جس سے انھیں ایسی پریشانی اور خوف لاحق ہوجائے گا کہ اس سے پہلے انھیں ایسی ہولناک پریشانی سے کبھی واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔

اب وہ کہیں گے:

﴿ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ [الملك: ۱۰، ۱۱]

''اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے، سو دوزخیوں کے لیے (رحمتِ الٰہی سے) دُوری ہے۔''

وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے جہنم کے داروغے ''مالک'' کو پکارتے ہوئے فریاد کریں گے:

﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ [الزخرف: ۷۷]

''اے مالک! تمھارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔''

وہ فرشتہ جواب دے گا:

﴿اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ﴾ [الزخرف: ۷۷] ''تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔''

ادھر سے مایوس ہوکر وہ اللہ عز وجل کو پکار کر کہیں گے:

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ [المومنون: ۱۰۷، ۱۰۸]

''اے پروردگار! ہم کو اس میں سے نکال دے، اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ظالم ہوں گے۔ (اللہ) فرمائے گا کہ اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔''

جب وہ ہر قسم کی بھلائی اور راحت سے مایوس ہوجائیں گے اور جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنے کا یقین ہوجائے گا تو وہ چلاّ چلاّ کر التجا کریں گے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ [المؤمن: ٤٩]

''اور جو لوگ آگ میں (جل رہے) ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے۔''

ادھر سے جواب ملے گا:

﴿اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ [المؤمن: ٥٠]

''وہ کہیں گے کہ کیا تمھارے پاس تمھارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، تو وہ کہیں گے کہ تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا (اس روز) بیکار ہوگی۔''

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

''قیامت کے دن مومن کا عمل بھی اس کے لیے سفارش کرے گا۔''[1]

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ مومن کے لیے اس کی زندگی میں عملِ صالح سے زیادہ کوئی چیز نفع بخش نہیں ہوگی جس عملِ صالح کو لے کر اپنے رب کے

[1] مسند أحمد (٥/ ٢٥٧)

حضور حاضر ہوگا، اسی عمل سے اس کا میزان بھی وزنی ہوگا اور یہ عمل اس کے لیے شفاعت اور دخولِ جنت کا باعث ہوگا اور اسی عمل سے اس کا مولیٰ بھی اس سے راضی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سے راضی ہوجائے اور وہ ذاتِ کریم ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ہمیں قبر اور جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے۔

اے اللہ! قیامت کے دن ہم پر اپنی نظرِ رحمت فرمانا اور اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کا ساتھ نصیب فرمانا۔آمین ثم آمین۔

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. مناظرِ قیامت ۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی
4. قیامت کی نشانیاں۔ تالیف: الشیخ عبداللہ بن جاراللہ بن ابراہیم الجاراللہ۔ترجمہ: مولانا تنویر احمد
5. قیامت کی ہولناکیاں۔ تالیف: عبدالملک الکلیب

جنت اور اہلِ جنت

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ البقرہ (آیت: ۸۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں (عیش کرتے) رہیں گے۔''

سورۃ البقرہ (آیت: ۲۵۷) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

''جولوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست اللہ تعالیٰ ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔''

سورت آل عمران (آیت: ۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ وَ الْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾

''یہ (اہلِ جنت بندے) وہ لوگ ہیں جو (مشکلات میں) صبر کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اور عبادت میں لگے رہتے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے اور اوقاتِ سحر میں گناہوں کی معافی مانگا کرتے ہیں۔''

سورت آل عمران (آیت: ۱۳۴) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

''جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے

اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔‘‘

سورت آل عمران (آیت: ۱۹۸) میں فرمایا ہے:

﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾

’’لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے اُن کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں (اور وہ) اُن میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کے ہاں سے (اُن کی) مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ نیکو کاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔‘‘

اہلِ جنت اور متقین کی صفات:

یہ جنت کا گھر صرف اُن عالی مقام انعام یافتہ لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو انبیاے کرام، صدیقین، شہدا اور نیک سیرت حضراتِ گرامی کی صف میں شامل ہیں۔ ایسا پُر کیف باغات والا گھر جس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ایسے بے نظیر محلات کہ اگر ایک اینٹ سونے کی ہے تو دوسری اینٹ چاندی کی، دونوں اینٹوں کو جوڑنے کے لیے مسالا کستوری کا، اس کی کنکریاں ہیرے اور موتی، اس کی مٹی زعفران اور خیمے ہیرے جواہرات تراش تراش کر بنائے گئے ہیں۔ اللہ کی قسم! وہاں تو چمک دمک اور روشنی ہی روشنی، بگولے اٹھاتی ہوئی خوشبوئیں، رواں دواں نہریں، پھل، سبزہ اور خوبصورت ساتھی، وہاں کی بیریاں بھی بے کانٹا، تہہ در تہہ چڑھے ہوئے کیلوں کے گچھے، دور دور تک پھیلی ہوئی گھنی چھاؤں اور ہر دم رواں دواں پانی...!

اہلِ جنت تو بس کھاتے ہی رہیں گے، ان کو ناک کا نزلہ آئے گا نہ پیشاب کی حاجت ہوگی، بلکہ صرف خوشبو دار پسینہ آئے گا۔ جنت والے ہنستے رہیں گے اور رونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ قیام ہی قیام ہے، سفر کا کوئی امکان نہیں۔ مستقل جینا ہی جینا ہے، مرنے کی کوئی بات نہیں۔ اہلِ جنت کے چہرے دمکتے ہوئے خوش و خرم اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ بے انتہا خوبصورت اور غزال نما، ہرن جیسی آنکھوں والی حوریں ہوں گی، جنھیں اس سے پہلے کسی نے چھوا تک نہیں ہوگا، وہاں کی ہر نعمت لازوال اور ہر چیز بے مثال ہوگی۔

اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ نیک اور متقی لوگوں کے لیے جو انعام اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا ہے وہ کسی انسان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔

جنتیوں کے اعمال:

یہ سلامتی والا گھر اپنانے والے کون لوگ ہیں؟ ان کے اوصاف کیا ہیں جو ان نعمتوں کے وارث ہوں گے؟ ان کا عمل کیا ہے؟

اہلِ جنت کا عمل ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح ہے۔ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، روزِ آخرت اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان رکھنا، ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکات ادا کرنا، ماہِ رمضان کے روزے رکھنا اور اس طرز پر اللہ کی عبادت کرنا جیسے بندہ اللہ کو سامنے دیکھ رہا ہو، سچ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا، عہد و پیمان پورا کرنا، والدین سے نیک سلوک کرنا، صلہ رحمی کرنا، پڑوسیوں، یتیموں، مسکینوں، غلاموں اور جانوروں پر احسان کرنا، نیز ہر نیک عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کرنا، اللہ ہی پر توکل کرنا، اس سے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنا، اسی سے ڈرنا، رحمت کی امید رکھنا، مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کرنا، تکالیف پر صبر کرنا، اس کی گوناگوں نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا، قرآنِ مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، اپنے تمام مسائل و مشکلات کے بارے میں اُسی سے سوال اور دعا کرنا، نیکی کا حکم دینا، برائیوں سے روکنا، کفار و منافقین کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کرنا، قطع تعلق کرنے والے کو اپنے ساتھ ملانا، محروم کرنے والے کو دینا، ظالم کو معاف کرنا اور تمام معاملات میں عدل کو پیشِ نظر رکھنا وغیرہ۔

سورۃ النساء (آیت: ۱۳) میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

''یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔''

جنت کا افتتاح ... ہمارے نبی ﷺ کے ہاتھوں ہوگا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴾ [مریم: ٨٥]

''جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔''

دوسری جگہ پر یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴾

[الزخرف: ٦٨ تا ٧٠]

''میرے بندو! آج تمھیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمزدہ ہو گے۔ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور تھے بھی وہ مسلمان۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمھاری بیویاں عزت (واحترام) کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز سب سے زیادہ امتی میرے ہوں گے اور میں (سب سے پہلے) جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھلواؤں گا۔ جنت (رضوان) کا خازن (دروازہ کھٹکھٹانے پر) دریافت کرے گا: ''آپ کون صاحب ہیں؟'' میں کہوں گا: ''میں محمد ہوں (ﷺ)۔'' دربانِ جنت (رضوان) کہے گا: ''مجھے بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ ﷺ ہی کے لیے کھولوں۔''[1]

جنت کا پہلا گروپ:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''میری امت میں سے ستر ہزار آدمی ضرور جنت میں داخل ہوں گے، آپس میں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے اور سارے کے سارے بیک وقت، ان کے چہرے اس طرح چمک رہے ہوں گے جیسے چودھویں کا چاند۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث (١٩٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٧٧)

جنت کے دروازے:

جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور کچھ خوش نصیبوں کو ہر دروازے سے داخلے کی دعوت دی جائے گی۔ شاید یہی لوگ ''السابقون'' مقام پر فائز ہیں۔ (نیکی کے معاملے میں دوسروں سے بازی لے جانے والے)۔سورۃ الزمر (آیت: ۷۳) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾

''اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس کسی نے اللہ کی رضا کی خاطر دو قسم کے نیک کاموں کی پابندی کی اسے جنت کے ہر دروازے سے دعوت ملے گی (ہر دروازے کا منتظم کہے گا:) اللہ کے بندے! یہ دروازہ بہتر ہے، نماز کی پابندی کرنے والے کو ''باب الصلوٰۃ'' سے دعوت ملے گی، مجاہدین کو ''باب الجہاد'' سے پکار آئے گی۔ روزے داروں کو ''باب الریان'' سے آوازہ آئے گا اور صدقہ کرنے والوں کو ''باب الصدقہ'' سے بلایا جائے گا۔''[1]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، جسے ان تمام دروازوں میں سے کسی سے بھی داخلہ ملے، پھر اسے تو کوئی ڈر یا خوف نہیں ہوگا اور کیا کوئی ایسا خوش نصیب بھی ہے جسے ان تمام دروازوں سے دعوتِ داخلہ ملے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہاں! مجھے یقین ہے کہ تمھارا شمار ایسے ہی خوش نصیبوں میں سے ہے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٨٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٠٢٧)

جنت کے درجات:

جنت کے مختلف درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مرتبے کا فرق ہے جیسے زمین اور آسمان۔ ان درجات میں سے سو درجے تو صرف مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے مخصوص ہیں، دوسرے درجات دیگر اہلِ ایمان اور اہلِ علم کے لیے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى﴾ [طٰہٰ: ۷۵]

''اور جو اُس کے رُوبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے اونچے اونچے درجے ہیں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم اللہ سے جنت کی دعا کرو تو جنت الفردوس ہی مانگا کرو، جنت کا درمیانی حصہ اور اعلیٰ حصہ فردوس پر مشتمل ہے۔''[1]

جنت کی عمارتوں کی بلندی:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ﴾ [الزمر: ۲۰]

''لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے اونچے اونچے محل ہیں جن کے اوپر بالاخانے بنے ہوئے ہیں (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے، اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''

جنت کے خیمے، باغات اور مٹی کی خوبیاں:

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ایسا ہوگا جو ہیرے کو اندر سے کھرچ کر بنایا ہوگا۔ اس کی لمبائی ساٹھ میل ہوگی، اس خیمے میں مومن کی متعدد بیویاں ہوں گی، وہ ہر ایک کے پاس جائے گا، لیکن آپس میں ایک دوسرے کو کوئی نہ دیکھ سکے گا۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٣٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٧١)

جنت کے بازار:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

''جنت میں ایک بازار ہے، اہلِ جنت ہر جمعہ وہاں تشریف لے جائیں گے۔ وہاں شمالی ہوا چلے گی جس میں ان کے چہرے اور کپڑے بظاہر گرد آلود ہوجائیں گے، لیکن بازار میں آنے والوں کا حسن و جمال بڑھ جائے گا، اس اضافی خوبصورتی کے بعد جب وہ لوگ اپنے اہلِ خانہ کے پاس پہنچیں گے تو گھر والے کہیں گے: یہاں سے جانے کے بعد تو تمھاری خوبصورتی میں اضافہ ہوگیا ہے اور یہ لوگ اپنے اہلِ خانہ سے مخاطب ہوکر کہیں گے: اللہ کی قسم! ہماری عدم موجودگی میں تمھارے حسن و جمال میں بھی اضافہ ہوا ہے۔''[1]

جنت کے محلات:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں داخل ہوتے ہی میری نظر ایک محل پر پڑی جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا: ''یہ محل کس کا ہے؟''، فرشتوں نے کہا: ''یہ ایک قریشی جوان (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! مجھے تیری غیرت اور غصے کا احساس تھا، ورنہ میں اس میں داخل ہوجاتا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مجھے آپ پر بھی غصہ آ سکتا ہے؟ (ایسا ناممکن ہے)۔''[2]

جنت کی نہریں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جونہی میں جنت میں داخل ہوا میری نظر ایک نہر پر پڑی جس کے دونوں کناروں پر خیمے نصب تھے جو ہیروں اور موتیوں سے بنے ہوئے تھے۔ نہر کے اندر چلتے ہوئے پانی

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٢٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٢٨)

کو ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ کستوری کی طرح تھا۔ میں نے پوچھا: ''جبرائیل! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے بتایا: ''یہ نہرِ کوثر ہے، جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔''[1]

اہلِ جنت کی عورتیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ لَهُمْ فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۲۵]

''اور وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔''

جنت کی زندگی اور اس کا عیش و آرام دائمی اور ابدی ہے اور پاک وصاف سے یہ مراد ہے کہ جنت کی بیویاں حیض، پیشاب، پاخانے، نفاس اورعورتوں کی تمام گندگیوں سے پاک وصاف رہیں گی۔

معجم طبرانی کبیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وہ عورتیں جو دنیا میں بوڑھی سفید بال والی، گندمی آنکھ والی ہوکر مری ہوں گی، اللہ انھیں کنواری، مسکرانے والی، دل لگانے والی بنا دے گا۔''

میں نے پوچھا: دنیا کی عورتیں اچھی ہوں گی یا حورِ عین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''نہیں بلکہ دنیا کی عورتیں بہتر ہوں گی، محض اپنی نمازوں، روزوں اور عبادتوں کی وجہ سے اللہ ان کے چہروں پر نور قائم کرے گا اور جسموں کو ریشم سے مزین کرے گا۔''

میں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے ایک عورت دنیا میں باری باری دو مردوں سے شادی کرتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، تو جنت میں اس کا شوہر کون ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس عورت کو اختیار دیا جائے گا، تو وہ ان سب میں سے سب سے اچھے اخلاق والے کو اختیار کرے گی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ام سلمہ! اچھا اخلاق دنیا اور آخرت کی بھلائی کو حاصل کرنا ہے۔''

جنت کے چشمے:

اللہ تعالیٰ نے جہاں جنت کی دیگر نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، انھی اس کی میں نمایاں ترین نعمت ابلتے ہوئے چشموں کا تذکرہ بھی ضرور کیا ہے، چنانچہ فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ [الذاریات: ۱۵]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٨٠)

''بے شک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں (عیش کر رہے) ہوں گے۔''

ان چشموں کی خوبی یہ ہوگی کہ اہلِ جنت کی مرضی کے مطابق، حسبِ خواہش اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ابلنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴾ [الدهر: ٥، ٦]

''جو نیکوکار ہیں وہ ایسی شراب نوشِ جان کریں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے (چھوٹی چھوٹی) نہریں نکال لیں گے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا﴾ کی تفسیر حضرت مجاہد اور حضرت سفیان الثوری رحمہما اللہ کے اقوال کی روشنی میں یوں بیان کی ہے:

''اہلِ جنت جیسا چاہیں گے اور جہاں چاہیں گے، ان چشموں کو آگے پیچھے اپنے محلات میں، گھروں میں، محفلوں میں یا پڑاؤ کی جگہ پر چالو کر لیں گے۔''[1]

جنت کی مٹی:

جنت کی مٹی تو جنت کی مٹی ہے، کوئی قادر الکلام بھی اس کی کیا صفت بیان کرے گا، ہاں البتہ جوامع الکلم سے متصف ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

''پھر میں جنت میں لایا گیا، کیا دیکھتا ہوں اس میں موتیوں کے ہار تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔''[2]

جنت کے درخت:

دنیا میں موجود اکثر درختوں کے ہم نام درخت جنت میں موجود ہوں گے، البتہ ان کی جڑیں، ان کے تنے، ان کی شاخیں، ان کے پتے، ان کے پھل اور پھول ہر اعتبار سے دنیوی درختوں سے اعلیٰ و اشرف اور ممتاز ہوں گے اور جنت کے درخت کانٹوں کے بغیر ہوں گے۔

سورۃ الواقعہ (آیت: ۲۷ تا ۳۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورة الدهر (آیت: ٥۔ ٦)

[2] صحيح البخاري، كتاب الصلوٰة، باب كيف فرضت الصلوٰة في الإسراء، رقم الحديث (٣٤٩)

﴿ وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ۝ فِىۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ۝ وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ۝ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ۝ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴾

''اور دائیں ہاتھ والے، (سبحان اللہ) دائیں ہاتھ والے (کیا ہی عیش میں) ہیں۔ (یعنی) بے خار کی بیریوں میں اور تہ بتہ کیلوں، لمبے لمبے سایوں، پانی کے جھرنوں اور میوہ ہائے کثیرہ (کے باغوں) میں۔ جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔''

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ﴿فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''جنت کی کھجور کا تنا سبز زمرد کا ہوگا، اس کی ٹہنیاں سرخ سونے کی، اس کی چھال اہلِ جنت کا لباس بنے گی، اسی سے ان کے مختصر لباس [بنیان، کچھا، تولیا وغیرہ] اور زیور بنیں گے، اس کا پھل بڑے بڑے مٹکوں کی مانند ہوگا، جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ ملائم ہوگا، اس میں گٹھلی نہ ہوگی۔''[1]

جنت میں ہر طرح کے پھل دار درخت ہوں گے، لیکن کھجور، انار اور انگور کے درخت کثرت سے ہوں گے۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔ سورہ الرحمٰن (آیت: ۶۸، ۶۹) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فِيۡهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾

''ان میں میوے، کھجوریں اور انار ہیں، تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

جنت کے درخت اس قدر سرسبز و شاداب ہوں گے کہ ان کی رنگت سبز سیاہی مائل ہوگی۔ جنت کے درخت ہمیشہ ہرے بھرے رہیں گے۔ سورۃ الرحمٰن (آیت: ۶۴، ۶۵) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مُدۡهَآمَّتٰنِ ۝ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ [الرحمن: ٦٤، ٦٥]

''دونوں خوب گہرے سبز۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

جنت کے ایک درخت کا سایہ اتنا طویل ہوگا کہ گھوڑ سوار ۱۰۰ برس تک مسلسل چلتا رہے تب بھی سایہ ختم نہیں ہوگا۔[2]

---

[1] سنن الترمذي، صفة الجنة، رقم الحديث (٢٥٢٥)

[2] صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة، رقم الحديث (٣٠٧٩)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں تمام درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے۔''[1]

اہلِ جنت پر عنایتیں اور نوازشیں:

انبیا و رسل، صالحین اور اولیاء اللہ [ان سب پر اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں] اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے کیسی عظیم الشان جنت تیار کی ہے؟ سچی بات تو یہ ہے کہ جنت کی صحیح تصویر پیش کرنا کسی کے بس کی بات ہی نہیں، بلکہ صحیح بات تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدۃ (آیت: ۱۷) میں ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ اُن کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ اُن اعمال کا صِلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یوں بیان کی ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے:

«مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ»[2]

''وہ کسی آنکھ نے دیکھا، کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہے۔''

ایسی بے مثل و بے مثال جنت کا تذکرہ کوئی کم علم اور کمزور قلم کیسے کر سکتا ہے؟ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں جنت میں بے مثال نعمتوں سے نوازے۔ آمین ثم آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ۔
3. جنت کا بیان۔ مولف: مولانا اقبال کیلانی
4. جنت کی راہ۔ مولف: مولانا شبیر نورانی

---

[1] سنن الترمذي، باب ما جاء في صفة الجنة (۲/ ۲۰۴۹)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۳۰۷۲) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۸۲٤)

جنت کی نعمتیں

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الزمر (آیت ۷۳) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾

''اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام، تم بہت اچھے رہے، اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔''

① جنت میں داخلہ:

اہلِ جنت کا داخلہ شاہی مہمان کی طرح ہوگا اور پھر مہمان کی حیثیت کا اعتبار کر کے نہیں بلکہ میزبان کے کرم و عطا کے لحاظ سے استقبال ہوگا اور منتظمینِ جنت سلامیاں دیتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے۔ قرآنِ کریم نے سورۃ الزمر (آیت: ۷۳) کے ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس کی منظر کشی کی ہے۔

② اہلِ جنت کی جسمانی ساخت:

اہلِ جنت کے چہرے چاند ستاروں کی طرح روشن اور منور ہوں گے۔ آج جسمانی قامت پانچ چھ فٹ تک ہے اور سات فٹ کا آدمی لمبا شمار ہوتا ہے، جبکہ انسان کا معیاری قد ٦٠ ہاتھ یعنی ٩٠ فٹ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اسی قامت پر ہوئی تھی۔ جنت میں جانے والے خوش نصیبوں کا قد ٦٠ ہاتھ یعنی ٩٠ فٹ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا، ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی .....جو بھی جنت میں داخل ہوگا، وہ حضرت آدم علیہ السلام کی مانند ساٹھ ہاتھ لمبا ہوگا۔''[1]

اس لمبائی کی مناسبت سے جنتی شخص چوڑے اور خوبصورت بدن والا ہوگا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اہلِ جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے جسم بالوں سے صاف ہوں گے، مسیں بھیگ رہی ہوں گی مگر داڑھی نہ نکلی ہوگی، گورے چٹے ہوں گے، گھٹے ہوئے بدن ہوں گے، آنکھیں سرمگیں ہوں گی، سب کی عمریں ۳۳ سال ہوں گی، حضرت آدم علیہ السلام کی مانند ساٹھ ہاتھ لمبے اور سات ہاتھ چوڑے جسم والے ہوں گے۔''[2]

نورانی چہرے اور خوبصورت سڈول جسم کے علاوہ پاکیزہ دلوں والے ہوں گے۔ صبح و شام [ہر دم] اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا:

''وہ سب کے سب ایک جیسے اخلاق کے مالک ہوں گے۔''[3]

③ اہلِ جنت کا پہلا کھانا:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودی عالم تھے، اسلام لانے سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیے اور ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا کہ ان کے جواب نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ حدیث میں اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے:

''انھوں نے پوچھا: جنت میں داخل ہوتے ہی انھیں کیا تحفہ ملے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مچھلی کی کلیجی کا بڑھا ہوا حصہ۔''

انھوں نے دریافت کیا: اس کے بعد ان کا کھانا کس چیز پر مشتمل ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کا وہ بیل ان کے لیے ذبح کیا جائے گا جو جنت کے ہر کونے میں چرتا تھا۔''

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٤١)

[2] مسند أحمد، رقم الحدیث (٧٩٢٠)

[3] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٨٣٤)

انھوں نے پوچھا: اس کھانے پر ان کو پانی کون سا ملے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلسبیل نامی جنتی چشمے کا پانی ہوگا۔ اس سالن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روٹی کا بھی خوب انتظام ہوگا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز ساری زمین روٹی کی شکل میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے اس طرح ہاتھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے جیسے کوئی مسافر اپنی روٹی کو اٹھاتا ہے اور یہ روٹی اہلِ جنت کے پہلے کھانے میں استعمال ہوگی۔''[1]

اہلِ جنت کے لیے خور و نوش کا شاہی انتظام:

ان سدا بہار اور حاضر نعمتوں کے علاوہ عام خور و نوش کا معاملہ اہلِ جنت کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے کھانے میں عام گوشت پسند کریں یا پرندوں کا گوشت، ان کی ہر خواہش حسبِ منشا پوری کی جائے گی۔ سورۃ الطّور (آیت: ۲۲) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴾

''اور جس طرح کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا، ہم ان کو عطا کریں گے۔''

اہلِ جنت کے برتن اور زیرِ استعمال اشیا:

سورۃ الدہر (آیت: ۱۵، ۱۶) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّاَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا۠ ۞ قَوَارِيۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا ﴾

''(خدام) چاندی کے برتن لیے ہوئے ان کے اردگرد پھریں گے اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس اور شیشے بھی چاندی کے جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔''

متعدد مفسرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے اس آیت کی توضیح میں فرمایا ہے:

''یہ برتن چاندی کی دھات سے بنے ہوں گے، لیکن چمک دمک اور شفافیت میں شیشے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦١٥٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣١٥)

جیسے ہوں گے۔“

مسند امام احمد رحمہ اللہ کی بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ جن طشتریوں یا پلیٹوں میں اہلِ جنت تازہ کھجور کھائیں گے، وہ بھی سونے کی ہوں گی۔[1]

لباس، زیور اور دیگر جمالیات کا بیان:

اہلِ جنت کے لباس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدخان (آیت: ۵۱،۵۴) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ﴾

”بیشک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ (یعنی) باغوں اور چشموں میں ۔ ریشم کا باریک اور دبیز لباس پہن کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (وہاں) اس طرح (کا حال ہوگا) اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی عورتوں سے ان کے جوڑے بنائیں گے۔“

یہ حریر و ریشم کے پوشاک نت نئے اور روزانہ جدید ہی نظر آئیں گے، ان پر بوسیدگی یا پرانے ہونے کا احساس تک نہیں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جسے جنت مل گئی وہ ہمیشہ نعمتوں میں ہوگا اور کبھی محروم نہیں ہوگا، اس کے پوشاک پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی ڈھلے گی۔“[2]

جنت کے پوشاک واقعتاً ناقابلِ بیان ہیں۔ وہ کیسے نرم، ملائم اور خوبصورت ہوں گے، زیرِ نظر حدیث پر غور کرنے سے ان کا ایک تصور قائم کیا جاسکتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل نامی شہر کے حکمران کے ہدیے کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی جبہ ہدیے میں ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ریشم کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔ لوگوں کو اس کی خوبصورتی بہت پسند آئی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۱۳۵، ۲۵۷)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (۲۸۳۲)

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، جنت میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تولیے اور رومال اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔''[1]

سورۃ الدہر (آیت: ۲۱) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ﴾ ''اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

سونے چاندی کے کنگنوں اور موتیوں کے علاوہ بالخصوص وضو کی جگہوں پر زیور سجایا جائے گا، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کا زیور وہاں تک ہوگا جہاں تک اس کا وضو ہوگا۔''[2]

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بغلوں تک اپنے بازو دھویا کرتے تھے۔

مرصّع تخت اور اونچی مسندیں:

اہلِ جنت جن تختوں یا مسہریوں پر جلوہ افروز ہوں گے، وہ ہیرے جواہرات سے سجی ہوں گی اور خوبصورت نقش و نگار ان کی خوبی میں اضافہ کر رہے ہوں گے۔

اہلِ جنت کے خادم:

اہلِ جنت کے خادم ہمیشہ لڑکپن کی عمر میں رہیں گے، وہ موتیوں کی طرح خوبصورت اور دلکش نظر آئیں گے۔ اہلِ جنت کے خادم اس قدر چاق و چوبند ہوں گے کہ چلتے پھرتے یوں نظر آئیں گے جیسے سمٹتے بکھرتے، بکھرتے سمٹتے موتی ہیں۔ ان کے متعلق سورۃ الدہر (آیت: ۹) میں اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴾

''اہلِ جنت کی خدمت کے لیے ایسے لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ (لڑکپن کی عمر ہی میں) رہیں گے، جب تم ان پر نگاہ ڈالو گے تو یوں خیال کرو گے کہ یہ تو بکھرے ہوئے موتی ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٧٣)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٠)

اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا وہ دنیا کے بچے ہوں گے یا اللہ نے انھیں جنت میں پیدا کیا ہوگا؟ اس بارے میں حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''یہ بچے مسلمانوں کی اولاد ہوں گے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ مشرکین کے (بلوغت سے پہلے فوت ہوجانے والے) بچے ہوں گے۔''

لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ حورِعین کی طرح جنت کی مخلوق ہوں گے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ﴾ [الطور: ٢٤]

''اہلِ جنت کی خدمت کے لیے وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو انہی (کی خدمت) کے لیے مخصوص ہوں گے ایسے خوبصورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہیں۔''

اہلِ ایمان کے نابالغ بچے تو جنت میں یقیناً ان کے پاس ہی ہوں گے جس کا تذکرہ قرآنِ کریم کی سورۃ الطّور (آیت: ۲۱) میں آیا ہے۔ جبکہ جنت کے یہ خادم بچے اہلِ جنت کی اولاد نہیں ہوں گے، البتہ اہلِ جنت پر اللہ کی انتہائی کرامت اور بزرگی ہوگی کہ ان کی اولاد انھیں کے ساتھ اللہ مخدوم بنا کر رکھیں گے۔ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین کا یہی قول ہے اور یہ خادم وافر مقدار میں مہیا کیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سب سے کم درجے والے جنتی کے اسّی ہزار خادم ہوں گے۔''[1]

اہلِ جنت کا سماع وغنا:

اہلِ جنت کی بیویاں اپنے خاوندوں کو خوش کرنے کے لیے گائیں گی اور ایسی خوبصورت آواز سے گائیں گی کہ کسی نے ایسی آواز نہ سنی ہوگی۔ ان کے بول یوں ہوں گے:

نَحْنُ   الْخَيْرَاتُ   الْحِسَانُ

اَزْوَاجُ   قَوْمٍ   كِرَام

يَنْظُرْنَ   بِقُرَّةِ   أَعْيَانَ

''ہم بہت خوب سیرت اور خوبصورت ہیں۔ بہت ہی عمدہ لوگوں کی بیویاں ہیں جن کا دیدار آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔''[2]

---

[1] مسند أحمد (٣/ ٧٦) رقم الحديث (٢٥٢)

[2] المعجم الصغير للطبراني، رقم الحديث (٧٣٤) صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث (١٥٦١)

اہلِ جنت کی سواریاں:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: کیا جنت میں گھوڑا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اگر اللہ نے تجھے جنت میں داخل کر دیا، پھر تیرا گھوڑے پر سواری کا ارادہ ہوا تو سرخ یاقوت کا گھوڑا ملے گا، جنت میں جہاں چاہو گے وہ تمھیں اڑا کر لے جائے گا۔“[1]

لازوال جنت ... بے مثال نعمتیں:

اس دنیا میں کوئی انسان خواہ کتنے بڑے وسائل رکھتا ہو، ہر طرح کی نعمتیں اور آسایشیں اسے حاصل ہوں، دنیا کی ہر نعمت اس کے تصرف میں ہو اور وہ کسی کا کسی شکل میں محتاج نہ ہو، پھر بھی اسے تین اندیشے لاحق رہتے ہیں، بلکہ ستاتے رہتے ہیں:

① میں تو زندہ رہوں لیکن یہ نعمت مجھ سے چھن جائے۔

② نعمت تو رہے، لیکن میری زندگی کا خاتمہ ہوجائے۔

③ میں بھی رہوں، نعمت بھی رہے، لیکن بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے اس کے لطف سے محروم ہوجاؤں۔ مثلاً ایک آدمی کے دسترخوان پر بیسیوں مرغن اور خوش ذائقہ کھانے لگے ہوں لیکن ڈاکٹر اسے ان کے استعمال سے منع کردے اور چند ابلی سبزیوں یا پھیکی غذاؤں پر گزارہ کرنے کا مشورہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں ممکنہ خطرات کی نفی کر کے یقین دہانی کرائی ہے کہ جنت میں نعمت بھی باقی رہے گی اور تم بھی وہیں رہو گے، چنانچہ سورۃ الرعد (آیت: ۳۵) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ﴾

”اُس کے پھل ہمیشہ (قائم رہنے والے) ہیں اور اُس کے سائے بھی۔“

دنیا میں میسر نعمتوں، آسایشوں اور سہولتوں کے بالکل برعکس جنت کی نعمتیں لازوال ہوں گی اہلِ جنت وہاں ہمیشہ رہیں گے اور استعمال میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ جنت میں جانے والے نیک اہل ایمان کو بطورِ جزا جو جنتیں ملیں گی:

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥٤٣)

① وہ مستقل اور دائمی ہوں گی۔

② ان کی رہایش بھی وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔

③ جنتی رب سے راضی اور رب جنتیوں سے راضی رہے گا اور پھر کبھی یہ موقع نہیں آئے گا کہ اللہ کی نعمتیں ختم ہوجائیں یا ان کو نعمتوں سے محروم کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اعلان کرنے والا بہ آواز بلند پکارے گا: [جنت والو!] اب تم یہاں ہمیشہ صحت مند رہو گے، کبھی بیمار نہیں ہوگے، ہمیشہ زندہ رہو گے۔ کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہمیشہ جوان رہو گے، کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ ہمیشہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوگے، کبھی محرومی نہیں دیکھو گے۔''

سورۃ الاعراف (آیت: ۴۳) میں اللہ تعالیٰ کے اُس فرمان کی یہی تفسیر ہے جس میں اس نے فرمایا ہے:

''اس وقت ندا آئے گی کہ یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، تمھیں ان اعمال کے بدلے میں ملی ہے جو تم کرتے رہے تھے۔''[1]

دیدارِ الٰہی اور شرفِ ہم کلامی:

دیدارِ الٰہی اور گفتگو کا نقشہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہوجائیں گے، (آپ ﷺ نے فرمایا) اللہ تبارک و تعالیٰ دریافت فرمائیں گے: تم کچھ اور چاہتے ہو جس کا میں اضافہ کردوں؟

جنتی جواب دیں گے: کیا آپ نے ہمیں سرخ رو نہیں کیا؟ کیا آپ نے ہمیں آگ سے محفوظ فرما کر جنت میں داخل نہیں کیا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے رخِ اقدس سے حجاب اتار دیں گے تو اللہ عزوجل کے دیدار سے زیادہ محبوب ان جنتیوں کو کوئی دوسری چیز نہیں ملی ہوگی۔''[2]

یہ بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے سورت یونس (آیت: ۲۶) تلاوت فرمائی:

﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ﴾

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸۳۷)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۸۱)

''جن لوگوں نے نیکو کاری کی اُن کے لیے بھلائی اور ''زیادہ'' ہے۔''

اس ''زیادہ'' سے مراد دیدارِ الٰہی ہے۔

جنت کے پھل:

دنیا بھر میں ہر جگہ نئے نئے پھل پائے جاتے ہیں۔ کچھ پھل اگر ایک علاقے میں معروف ہیں تو دوسرے علاقے والے شاید انھیں جانتے بھی نہ ہوں۔ البتہ جنت میں یہ تمام کے تمام پھل دستیاب ہوں گے۔ اہلِ جنت کو جو پھل عنایت ہوں گے وہ نام اور شکل کی حد تک تو دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے، البتہ ان کی خوشبو، ان کا مزہ اور ان کی خوشنمائی دنیا میں موجود پھلوں سے ہزاروں درجے افضل و اعلیٰ ہوگی۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۵) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیے جائیں گے۔''

البتہ دنیا کے پھل جس طرح موسموں کے ساتھ مخصوص ہیں، جنت کے پھل اس قید سے آزاد ہوں گے، چنانچہ وہ ہر وقت دستیاب ہوں گے۔ سورۃ حم السجدہ (آیت: ۳۰) میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾

''جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا مالک اللہ ہے (توحید کا اقرار کیا) پھر اس پر جمے رہے (مرتے وقت یا قبر میں یا قبر سے اٹھتے وقت) ان پر (رحمت کے) فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے:) تم ڈرو نہیں اور نہ رنج کرو اور جس بہشت کا تم سے وعدہ تھا اس کی خوشی مناؤ۔''

حق دار کون؟

اس طرح کی بشارتیں قرآنِ کریم میں بہت ہیں اور وہ تین بنیادوں پر ہیں:

① ایمان۔ ② تقویٰ۔ ③ خالص اللہ کے لیے سنت کے مطابق کیا گیا عمل۔

ان تینوں اصولوں کے مطابق چلنے والے لوگ ہی اس بشارت کے مستحق ہیں، ان کے سوا مخلوقات میں سے کوئی اور نہیں اور انھیں تینوں اصولوں کے مطابق قرآن وسنت کی بشارتوں کا دار و مدار ہے۔

ہمیں چاہیے کہ قرآن مجید کی اچھی طرح تلاوت اور مطالعہ کریں کرتے وقت اپنے اخلاق و کردار کا جائزہ لیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اللہ کی نافرمانیوں میں مبتلا ہیں، کیونکہ انسان کی زندگی اسی دنیا تک محدود نہیں، مرنے کے بعد عقبیٰ یعنی آخرت کی ابدی زندگی شروع ہوجاتی ہے، جہاں انسان کو اچھے کاموں کی جزا اور بُرے افعال کی سزا ملے گی۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ جو انسان اس دنیا میں اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے گا، وہ جنت کے سدا بہار لہلہاتے ہوئے باغوں کا مالک بن جائے گا۔

اب آپ کا دل مچل رہا ہوگا کہ آخرت میں جنت آپ کو مل جائے تو ایک سوئی کی ضرورت بھی ہو تو وہ بھی اس وقت تک نہیں ملتی جب تک آپ اس کی قیمت ادا نہیں کرتے۔ کیا خیال ہے؟ کیا جنت جیسی بے مثل نعمت آپ کو پھوکٹ میں مل جائے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں!

جنت کی قیمت تو آپ کو دینی پڑے گی، تبھی جنت ملے گی اور جنت کی قیمت ہے اللہ تعالیٰ پر پکا ایمان رکھنا اور مسنون زندگی بسر کرنا۔ خود برائیوں سے بچنا اور دوسروں کو برائیوں سے بچانا۔ پس خود بھی نیکی کی زندگی بسر کیجیے اور اپنے گھر، اپنے محلے اور ماحول میں بھی دور دور تک نیکی، سچائی، سخاوت، دردمندی اور بہادری کے چراغ جلاتے چلے جائیں۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو اس دنیا میں اپنی رحمتوں کی چھاؤں میں رکھے گا اور آخرت میں جنت سے سرفراز فرمائے گا۔ جو شخص من مانی کرے گا اُسے یہی دنیا ہلاکت بار جھٹکے لگا کر جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔

آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اس کے حضور صدقِ دل سے توبہ کرلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا آخری وقت آجائے اور ہم توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آجائے کہ اب توبہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے، لہٰذا اب توبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب وقت تھا تب تم نافرمانیوں میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فرمانبردار بندوں میں سے بنادے

اورہمیں صحیح توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دل سے دعا مانگیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل اور بے پروا دل سے نکلی ہو۔''

اللہ ہمیں قرآنِ کریم وسنت کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں گمراہی کے اندھیروں سے نکال دے۔ اللہ ہمارے دلوں میں کتاب وسنت کا نور بھر دے۔

اے اللہ! تو ہمیں اتنی خشیت عطا فرما جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہوجائے اور ہمیں اتنی اطاعت نصیب فرما جو ہمیں تیری جنت میں پہنچادے۔

اے ہمارے رب! ہمارے لیے مصائبِ دنیا آسان فرمادے۔

اے اللہ! ہم آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ دین کے معاملے میں ہم پر مصیبت نہ ڈال اور دین کو ہمارے علم کی منزلِ مقصود بنادے۔

اے اللہ! میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا فرما۔

اے اللہ! میرے معاملات کی اصلاح فرما اور میرے دل کو پاکیزہ بنادے اور میری حفاظت فرما۔

یا رحمٰن! میرے گناہ معاف فرمادے اور جنت میں بلند درجات عطا فرما۔

یا رحیم! جہنم سے نجات کا سوال ہے۔

رب ذو الجلال ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔ مجھے اور آپ سب کو نیک کام کرنے کی توفیق سے نوازے۔ اللہ ہماری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ اللهم آمين ثم آمين

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. جنت کا بیان۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی
4. جنت کی راہ۔ تالیف: مولانا شبیر نورانی

جہنم اور اہلِ جہنم

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ التحریم (آیت: ٦) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾

''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو جہنم کی آگ سے بچنے اور اپنے اہل و عیال کو بچانے کا حکم دیا ہے۔ جنت اور جہنم دو ایسے کلمے ہیں جو دل میں بہت سارے شعور و احساس کو جنم دیتے ہیں، کیونکہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں ہر انسان کی آخری منزل جنت ہے یا جہنم۔

کم از کم ہر مسلمان کے ذہن میں اتنا تصور تو موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو آخرت میں انعام و اکرام سے نوازیں گے اور وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گے، اسی عیش و آرام والی جگہ کا نام ہی جنت ہے۔ جب کہ اس کے برعکس ایمان نہ لانے والوں اور بُرے عمل کرنے اور دن رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں کو آخرت میں اللہ رب العالمین مختلف قسم کے عذاب دیں گے اور وہ بہت ہی تکلیف دہ زندگی بسر کریں گے، عذاب اور عقاب کی اسی جگہ کا نام جہنم ہے۔

جہنم... بہت ہی بُری قیام گاہ... بہت ہی بُرا مسکن اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں، فاسقوں اور فاجروں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنت اور جہنم دونوں کا بار بار بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اور ان دونوں میں سے آگ اور جہنم کا ذکر نسبتاً زیادہ مرتبہ کیا گیا ہے۔

تمام انبیاے کرام علیہم السلام نے جہنم کے عذاب سے بچنے کی تاکید فرمائی:

① حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ [الأعراف: ٥٩]

’’ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے (ان سے) کہا کہ اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔‘‘

② حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہوکر فرمایا:

﴿ وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ یَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴾ [العنکبوت: ٢٥]

’’اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔‘‘

③ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو بھی یہی کہا، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴾ [الأحقاف: ٢١]

’’اور (قومِ) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انھوں نے اپنی قوم کو سرزمینِ احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے۔‘‘

④ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی امت سے یہی کہا، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾ [هود: ٨٤]

''اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انھوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمھیں گھیر کر رہے گا۔''

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی امت سے قرآنِ کریم کے ان الفاظ کے ساتھ مخاطب ہوئے:

﴿ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۞ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى﴾ [طٰهٰ: ٤٧، ٤٨]

''(اچھا) تو اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو اور انھیں عذاب نہ دو، ہم تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس کو سلامتی ہو، ہم کو (خدا کی طرف سے یہ) وحی آئی ہے (حکم ہوا ہے) کہ جو شخص (ہم کو) جھٹلائے اور ہمارا (کہنا) نہ مانے اس کو عذاب ہوگا (دنیا میں تباہ اور آخرت میں ہلاک)۔''

⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ [المائدة: ٧٢]

''وہ لوگ بلاشبہہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح (عیسیٰ) اللہ ہیں، حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی (اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

⑦ دیگر انبیا و رسل علیہم السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ [الأنعام: ٤٨، ٤٩]

''اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لیے پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُنہیں عذاب ہوگا۔''

⑧ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی قوم کے لوگوں کو کہا:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ [سبا: ٤٦]

''کہہ دو کہ میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو تمھارے رفیق کو جنون نہیں، وہ تو تمھیں سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے امت کو آگ سے ڈرانے کا حق ادا فرما دیا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا ہے:

''میں نے تمھیں آگ سے ڈرایا ہے، میں نے تمھیں آگ سے ڈرایا ہے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ مسلسل یہی کلمات ارشاد فرماتے رہے [اس وقت آپ ﷺ کی آواز اس قدر بلند تھی کہ] اگر رسول اللہ ﷺ میری جگہ پر ہوتے تو بازار والے آپ ﷺ کی آواز سن لیتے [آپ ﷺ اس قدر بے خودی میں یہ الفاظ ادا فرما رہے تھے کہ] آپ ﷺ کی چادر مبارک کندھوں سے سرک کر آپ کے پاؤں مبارک کے پاس گر پڑی۔[2]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] رواه الدارمي و صححه الألباني في مشكاة المصابيح، رقم الحديث (٥٦٨٧)

[2] رواه الدارمي، مشكاة المصابيح (٣/ ٥٦٧٨)

نے [عرفات کے میدان میں خطبہ دیتے ہوئے] فرمایا:

''[قیامت کے روز] تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا، تم لوگ کیا جواب دو گے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، حقِ انذار ادا کیا اور [اپنی امت کی] پوری پوری خیر خواہی کی۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے تین بار فرمایا:

''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ اے اللہ! تو گواہ رہنا۔''[1]

قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جنت اور جہنم کے بارے میں بڑی واضح تفصیلات ملتی ہیں کہ جہنم کیسی اور کیا ہے؟

جہنم کی سزاؤں کا ذکر ...قرآنِ کریم کے حوالے سے:

① پہلی بات یہ کہ جہنم کو دیکھتے ہی کافروں کے چہرے کالے سیاہ ہوجائیں گے۔ [یونس: ۲۷]

② جہنمی عذاب سے تنگ آکر موت طلب کریں گے، لیکن انھیں موت نہیں آئے گی۔ [الفرقان: ۱۳]

③ جہنم کی آگ جہنمیوں کے چہرے کا گوشت جلا ڈالے گی اور ان کے جبڑے باہر نکل آئیں گے۔ [المومنون: ۱ تا ٤]

④ جہنم کی آگ زندہ چھوڑے گی نہ مرنے دے گی۔ [الاعلیٰ: ۱۳]

⑤ جہنم کی آگ لوگوں کو چکنا چور کردے گی۔ [الھُمزہ: ۴]

④ جہنم میں کافروں کو بند کر کے اوپر سے دروازے بند کردیے جائیں گے۔ [الھمزہ: ۸، ۹]

⑦ جہنم میں کافر پھنکارے ماریں گے [اور شور اس قدر ہوگا کہ] کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے گی۔ [الانبیاء: ۱۰۰]

⑧ جہنمیوں کو تھوہر کا زہریلا کانٹے دار اور بدبو دار درخت کھانے کے لیے دیا جائے گا۔ [الدخان: ٤٣]

⑨ جہنمیوں کے زخموں سے بہنے والا خون اور پیپ نیز کھولتا ہوا پانی جہنمیوں کو پینے کے لیے دیا

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۲۱۸)

جائے گا۔ [ابراہیم: ۱۶۔ ۱۷]

مذکورہ قرآنی آیات کے علاوہ احادیثِ مبارکہ میں جہنم میں دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں بعض تفصیلات سے پتا چلتا ہے:

① جہنم کی گہرائی اس قدر ہے کہ اس کی تہ میں گرنے والا شخص مسلسل ستر برس تک اس میں گرتا چلا جائے گا۔[1]

② جہنم کے ایک احاطے کی دو دیواروں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔[2]

③ جہنم کو میدانِ حشر میں لانے کے لیے چار ارب نوے کروڑ (۴۹۰۰۰۰۰۰۰۰) فرشتے مقرر ہوں گے۔[3]

④ جہنم کا سب سے ہلکا عذاب آگ کے دو جوتے پہننے کا ہوگا، جس سے جہنمی کا دماغ کھولنے لگے گا۔[4]

⑤ جہنمی کی ایک ڈاڑھ [بڑا دانت] اُحد پہاڑ سے بھی بڑی ہوگی۔[5]

⑥ جہنمی کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز روسوار کی تین دن کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔[6]

⑦ جہنمی کے جسم کی کھال بیالیس [۴۲] ہاتھ [۶۳ فٹ] موٹی ہوگی۔[7]

⑧ دنیا میں تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کے برابر جسم دیا جائے گا۔[8]

⑨ جہنمی اس قدر آنسو بہائیں گے کہ ان میں کشتیاں چلائی جاسکتی ہیں۔[9]

⑩ جہنمیوں کو دیے جانے والے کھانے [تھوہر] کا ایک ٹکڑا دنیا میں گرا دیا جائے تو ساری دنیا کے جانداروں کے اسبابِ معیشت برباد کردے۔[10]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٤٤)

[2] مسند أبي يعلى (١٣٥٨)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٤٢)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١١)

[5] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٥١)

[6] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٥٢)

[7] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٥١)

[8] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٢٥)

[9] السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١٦٧٩)

[10] صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث (٥١٢٦)

⑪ جہنمیوں کو پلائے جانے والے مشروب کا ایک ڈول [چند لیٹر] دنیا میں ڈال دیا جائے تو ساری دنیا کی مخلوق کو بدبو میں مبتلا کر دے۔[1]

⑫ جہنم کی آگ شدید سیاہ رنگ کی ہے [جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہیں دے گا]۔[2]

⑬ جہنمیوں کو مارنے کے لیے لوہے کے گُرز اتنے وزنی ہوں گے کہ انسان اور جن مل کر بھی اسے اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے۔[3]

⑭ جہنم کے سانپ قد میں اونٹوں کے برابر ہوں گے اور ان کے ایک دفعہ ڈسنے سے جہنمی چالیس سال تک اس کے زہر کی جلن محسوس کرتا رہے گا۔[4]

⑮ جہنم کے دروازے پر عذاب دینے والے چار لاکھ فرشتے موجود ہوں گے جن کے چہرے بڑے ہیبت ناک اور سیاہ رنگ ہوں گے، بہت سخت اور بے رحم ہوں گے۔

یہ ہے وہ ہولناک اور المناک عقوبت خانہ آخرت میں جس کا قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں بار بار جہنم کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر مسلمان کو اپنے فضل و کرم اور احسانِ عظیم کے ساتھ اس سے محفوظ رکھے۔

جہنم کی آگ:

جہنم میں سب سے بڑا عذاب آگ کا ہوگا جس کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دنیا کی آگ سے انہتر [۶۹] درجے زیادہ گرم ہے۔[5]

قرآن مجید میں اس آگ کو کئی نام دیے گئے ہیں، جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ (آیت: ۱۲) کہا گیا ہے:

﴿ النَّارَ الْكُبْرٰى ﴾ ''بہت بڑی آگ۔''

کہیں پر فرمایا:

﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴾ [الهمزة: ٦] ''اللہ کی آگ خوب بھڑکائی ہوئی۔''

---

[1] مسند أبي يعلى (١٣٧٦)

[2] موطأ الإمام مالك (١٨٠٥)

[3] مسند أبي يعلى (١٣٨٤)

[4] السلسلة الصحيحة (٢٩٣٤)

[5] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٤٣)

سورۃ اللیل (آیت: ۱۴) میں کہا گیا ہے:

﴿ نَارًا تَلَظّٰى ﴾ ''آگ کی لپیٹ۔''

سورۃ الغاشیہ (آیت: ۴) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَارًا حَامِيَةً ﴾ ''بھڑکتی ہوئی آگ۔''

سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر انسان کو محض جلا ڈالنا ہی مطلوب ہو تو اس کے لیے دنیا کی آگ ہی کافی تھی جس میں انسان چند لمحوں کے اندر اندر جل کر ختم ہو جاتا ہے، لیکن جہنم کی آگ تو کافروں اور مشرکوں کو مستقل عذاب دینے کے لیے بھڑکائی گئی ہے، لہٰذا دنیا کی آگ سے کئی درجہ زیادہ گرم ہونے کے باوجود یہ آگ جہنمیوں کا قصہ تمام نہیں کرے گی بلکہ انھیں مسلسل عذاب اور عقاب میں مبتلا رکھے گی۔ سورت مدثر (آیت: ۲۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴾ ''نہ جان لے گی نہ جان چھوڑے گی۔''

رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں ایک انتہائی بدصورت اور مکروہ شکل کا آدمی دکھایا گیا جو مسلسل آگ جلا رہا تھا اور اس کے گرد دوڑ دوڑ کر اسے بھڑکا رہا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جناب جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' جناب جبرائیل علیہ السلام نے بتایا: ''اس کا نام مالک ہے اور یہ جہنم کا داروغہ ہے۔''[1]

گویا داروغہ جہنم آج بھی جہنم کی آگ بھڑکا رہا ہے اور قیامت تک مسلسل بھڑکاتا رہے گا۔ جہنمیوں کے جہنم میں چلے جانے کے بعد بھی جہنم کی آگ کو بھڑکانے کا یہ عمل مسلسل جاری رہے گا۔ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۹۷) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾

''جب (اس کی آگ) مٹنے کو ہوگی تو ہم اُن کو (عذاب دینے) کے لیے اور بھڑکا دیں گے۔''

جہنم کی آگ کتنی گرم ہوگی؟ اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا تو مشکل ہے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کے اس ارشادِ مبارک کی روشنی میں کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے ۶۹ درجے زیادہ گرم ہے، سادہ سا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ دنیا کی آگ کا اگر کم از کم درجہ حرارت ۲۰۰۰ ڈگری سنٹی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٦٤)

گریڈ شمار کیا جائے تو جہنم کی آگ کا درجہ حرارت ایک لاکھ ۳۸ ہزار ڈگری سنٹی گریڈ ہوگا۔

اس شدید گرم آگ سے جہنمیوں کے لباس بنائے جائیں گے، اسی آگ سے ان کے بستر تیار کیے جائیں گے، اسی آگ سے ان کے لیے چھتریاں اور قناتیں بنائی جائیں گی اور اسی آگ سے ان کے لیے فرش بنائے جائیں گے۔ عذابِ الیم کی ایسی بدترین جگہ پر اس انسان کی زندگی کیسی ہوگی جو اپنی ہتھیلی پر چھوٹا سا آبلہ بھی برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا؟

انسان کی قوتِ برداشت کا عالم تو یہ ہے کہ جون جولائی کے موسم میں دوپہر بارہ بجے کی گرمی اور لُو برداشت کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگوں کی اموات تک واقع ہونے لگتی ہیں، حالانکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق دنیا کی یہ شدید گرمی محض جہنم کی ایک سانس [یا بھاپ] کی وجہ سے ہے، جو انسان جہنم کی بھاپ برداشت نہیں کرسکتا وہ جہنم کی آگ کیسے برداشت کرے گا؟

جہنم اور فرشتے:

فرشتوں کے لیے جہنم کا عذاب نہیں۔ پھر بھی وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ سورت نحل (آیت: ۴۹، ۵۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾

''اور آسمان اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور فرشتے، سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ (اس کی عبادت سے) غرور نہیں کرتے۔ وہ (فرشتے) اوپر کی طرف سے اپنے مالک سے ڈرتے ہیں (کیونکہ مالک ان کے اوپر اپنے عرش پر ہے) اور ان کو جو حکم ہوتا ہے وہ بجالاتے ہیں۔''

اللہ کے ڈر اور خوف سے فرشتے ڈرتے رہتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ۝ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ [الأنبیاء: ۲۶، ۲۸]

''اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے، وہ پاک ہے (اس کا بیٹا ہے نہ بیٹی بلکہ جن کو یہ لوگ اُس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں وہ) اُس کے عزت والے بندے ہیں۔ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے اور وہ (اُس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے، مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

جہنم کے وجود کا ثبوت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے عَمرو بن مالک کو جہنم میں دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں جہنم میں گھسیٹ رہا تھا۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے کہ ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب آدمی فوت ہوتا ہے تو اسے صبح و شام اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اگر جنتی ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم۔''[2]

جہنم کے دروازے:

تمام جہنمی اپنے گناہوں کے مطابق مخصوص دروازوں سے داخل ہوں گے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴾ [الحجر: ٤٣، ٤٤]

''اور اُن سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ اُس کے سات دروازے ہیں، ہر ایک دروازے کے لیے اُن میں جماعتیں تقسیم کر دی گئی ہیں۔''

جہنم کے درجے:

جہنم کے مختلف درجات ہیں، سب سے نچلے درجے میں شدید ترین عذاب ہوگا اور اوپر والے درجے میں سب سے کم تر درجے کا عذاب ہوگا اور منافق جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔[3]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٩٠٤)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٢٨٦٦)

[3] سورۃ النساء [آیت: ١٤٥]

جہنم کا ایک درجہ "الجحیم":

جس نے سرکشی اختیار کی، دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، اس کا ٹھکانا "الجحیم" یعنی بھڑکتی ہوئی آگ کا گڑھا ہوگا۔ سورۃ النازعات (آیت ۳۷ تا ۳۹) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴾

"تو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"

جہنم کی ایک وادی "ویل" [ہلاکت اور بربادی]:

سورۃ المرسلات (آیت: ۳۰ تا ۳۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴾

"اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور نہ لپٹ سے بچاؤ۔ اس سے (آگ کی اتنی بڑی بڑی) چنگاریاں اڑتی ہیں جیسے محل۔ گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔"

جہنمیوں کی کھالیں جب جل جائیں گی تو فوراً انھیں دوسری کھال دی جائے گی، تاکہ عذاب کے تسلسل میں وقفہ نہ آئے۔ چنانچہ سورت نساء (آیت: ۵۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴾

"جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، اُن کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے، جب اُن کی کھالیں گل (جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے، تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں، بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

جہنم کا عذاب دیکھ کر تمام انبیاے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے صرف اپنے بچاؤ کی درخواست کریں گے۔ کیونکہ جہنم کا عذاب جان کو چمٹ جانے والا ہوگا، جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت: ۶۵، ۶۶)

میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾

''اور جو راتوں کو اپنے مالک کے آگے سجدے اور قیام میں رہتے ہیں (شب بیدار تہجد گزار) اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دُور رکھنا کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔''

جہنم کے عذاب کی ہولناکی:

سورۃ الفرقان (آیت: ۱۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴾

''جب دوزخ ان کو دور مقام سے دیکھے تو یہ اس کا جوش اور خروش سنیں گے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب جہنمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو اس وقت جہنم چیخے گی اور ایک ہی جھرجھری لے گی کہ تمام اہلِ محشر خوف زدہ ہوجائیں گے۔

حضرت عبید بن عمر فرماتے ہیں کہ جب جہنم غصے سے تھرتھرائے گی، شور وغل، چیخ پکار اور جوش وخروش شروع کرے گی تو اس وقت تمام مقرب فرشتے اور انبیاء علیہم السلام کانپنے لگیں گے، یہاں تک کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور عرض کریں گے: یا اللہ! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کی سلامتی چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ جب کافر جہنم میں ڈالے جائیں گے تو جہنم شدتِ انتقام سے اونچی اونچی خوفناک آوازیں نکالے گی، ایسا معلوم ہوگا کہ غصے کے مارے ابھی پھٹ جائے گی۔ سورت ملک (آیت: ۷، ۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴾

’’جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اُس (جہنم) کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کا داروغہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تمھارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟‘‘

ساری زندگی دنیا کی بڑی بڑی نعمتوں سے مستفید ہونے والا شخص جہنم کی ایک جھلک دیکھتے ہی دنیا کی ساری نعمتوں کو بھول جائے گا۔[1]

جہنم کے عذاب کی شدت:

جہنم کی آگ کا پہلا شعلہ ہی کافر کے جسم کا سارا گوشت پوست ہڈیوں سے الگ کر دے گا۔ سورت مومنون (آیت: ۱۰۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾

’’آگ ان کے مونہوں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھائے ہوں گے۔‘‘

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’میں جو چیزیں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ سنتا ہوں، تم نہیں سنتے۔ اگر تم جان لو تو ہنسنا چھوڑ دو گے، لوگ بیویوں سے ملنے کی خواہش ترک کر دیں، شہر کی آرام دہ زندگی چھوڑ کر جنگلوں میں جا بسیں اور ہر وقت آگ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہیں۔‘‘[2]

متکبر لوگوں کا انجام:

حضرت عَمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’قیامت کے روز تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی مانند انسانوں کی شکل میں اٹھایا جائے گا، ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوئی ہوگی، جہنم میں وہ ایک جبل (پہاڑ) کی طرف

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٠٧)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤١٩٠)

ہانکے جائیں جس کا نام ''بولس'' ہوگا، آگ ان کو گھیر لے گی اور انھیں جہنمیوں کے جسموں سے رسنے والا [پیپ اور خون وغیرہ] پینے کو دیا جائے گا۔''[1]

جہنمیوں کا پسینہ:

دنیا میں نشہ آور مشروبات پینے والوں کو اللہ تعالیٰ اہلِ جہنم کے جسم سے نکلنے والا غلیظ، بدبو دار اور زہریلا پسینہ پلائیں گے۔[2]

جہنمیوں کو سکون بخش اور پینے کے قابل کوئی مشروب نہیں دیا جائے گا۔ جہنم میں ایک قطرہ میٹھے پانی کا اور خوش ذائقہ کھانے کا ایک لقمہ تک حرام ہوگا۔ سورت نبا (آیت: ۲۴، ۲۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴾

''وہاں نہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا)۔ مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔''

چہروں کو آگ پر تپانے کا عذاب:

جہنمیوں کے چہرے جہنم میں آگ پر الٹ پلٹ کر کے بھونے جائیں گے، جیسا کہ سورت احزاب (آیت: ٦٦) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴾

''جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں گے، کہیں گے کہ اے کاش! ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول کا حکم مانتے۔''

کافر لوگ اپنے نرم و نازک اور خوبصورت چہرے آگ سے بچانے کی کوشش کریں گے، مگر بچا نہیں سکیں گے۔ [الأنبیاء: ۹۳] اور بعض مجرموں کو زہریلی گرم ہوا کے تھپیڑوں اور کالے دھوئیں کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ [الواقعة: ٤٠۔ ٤١]

جہنم میں ذلت اور رسوائی کا عذاب:

جہنمی جہنم میں گدھے کی طرح اونچی نیچی آوازیں نکالیں گے۔ سورت انبیاء (آیت: ۱۰۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٠٢٥)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٠٢)

﴿ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّ هُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُوْنَ﴾
''وہاں ان کو چِلّانا ہوگا اور اس میں (کچھ) نہ سن سکیں گے۔''

قرآن و حدیث کا علم چھپانے والوں کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔[1]

مسلمانوں کے حوالے سے یہ بات واضح رہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے گنہگار مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جن معاصی پر لعنت کا لفظ آیا ہے، ان کے مرتکبین کی بابت کہا جاسکتا کہ یہ کام کرنے والوں پر کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ (آیت: ۱۵۹) میں ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾

''جو ہم نے اپنی قدرت کی کھلی نشانیاں اور ہدایت کی باتیں اتاریں اب اس کے بعد جو کوئی ان کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جو بات اپنی کتابِ مبین میں نازل فرمائی ہے، انھیں چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر لعنت کرنے والے بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

''جس سے کوئی ایسی بات پوچھی گئی (جس کا اس کو علم تھا) اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت والے دن آگ کی لگام اس کے منہ میں دی جائے گی۔''

بعض مجرموں کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر جہنم میں اور بعض کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا۔ سورت رحمٰن (آیت: ۴۱،۴۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾

''گنہگار صرف اپنے چہرے ہی سے پہچان لیے جائیں گے اور ان کی پیشانی کے بال اور قدم پکڑ لیے جائیں گے۔ پس تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٦٤) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٦٤٩)

جس طرح اہلِ ایمان کی علامت ہوگی کہ ان کے اعضاے وضو چمکتے ہوں گے، اسی طرح گناہگاروں کے چہرے سیاہ، آنکھیں نیلگوں اور وہ دہشت زدہ ہوں گے اور فرشتے ان کو جہنم میں ڈال دیں گے، کبھی پیشانیوں سے اور کبھی قدموں سے انھیں پکڑیں گے۔ ابوجہل کو فرشتے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر جہنم میں گھسیٹیں گے، جیسا کہ سورت علق (آیت: ۱۵، ۱۶) میں ارشادِ الٰہی سے پتا چلتا ہے:

﴿ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴾

''دیکھو! اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال۔''

زکات نہ ادا کرنے کی سزا:

جہنم میں انتہائی زہریلے گنجے سانپ ہوں گے جو زکات ادا نہ کرنے والوں کے گلے میں طوق بنا کر ڈالے جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس سے زکات ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال گنجے سانپ کی شکل بن کر جس کی آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے، اس کے گلے کا طوق ہو جائے گا۔ پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم سورت توبہ (آیت: ۳۴، ۳۵) کی تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ بخل کرتے ہیں....''

روزہ ترک کرنے والے کی سزا:

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میں سویا ہوا تھا اور میرے پاس دو آدمی آئے، انھوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور مجھے ایک مشکل چڑھائی والے پہاڑ پر لائے اور کہا: اس پہاڑ پر چڑھیں۔ میں نے کہا: میں نہیں چڑھ سکتا۔ انھوں نے کہا: ہم آپ کے لیے سہولت پیدا کریں گے۔ بس میں چڑھ گیا حتیٰ کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا، جہاں میں نے شدید چیخ پکار کی آوازیں سنیں، میں نے پوچھا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انھوں نے بتایا: یہ جہنمیوں کی چیخ پکار ہے، پھر

وہ میرے ساتھ آگے بڑھے، جہاں میں نے کچھ لوگ الٹے لٹکے ہوئے دیکھے جن کے منہ چیرے ہوئے ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو روزہ وقت سے پہلے افطار کرلیا کرتے تھے۔'' [1]

دوغلے پن کی سزا:

دوغلہ پن اختیار کرنے والے کے منہ میں قیامت کے روز آگ کی دو زبانیں ڈالی جائیں گی۔ [2]

افواہیں پھیلانے اور نمازِ عشا ترک کرنے کی سزا:

جھوٹی افواہیں پھیلانے والے اور عشا کی نماز پڑھے بغیر سونے والے شخص کو جہنم میں مسلسل پتھروں سے سر کچلنے کی سزا دی جائے گی۔ [3]

غیبت کرنے والے کی سزا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''معراج کے دوران میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کر زخمی کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل علیہ السلام! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے ہیں [یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں]۔'' [4]

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. جہنم کا بیان۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی
4. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی

---

[1] صحيح ابن خزيمة، صحيح ابن حبان، صحيح الترغيب و الترهيب، رقم الحديث (٩٩٥)

[2] صحيح الترغيب والترهيب (٢٩٥٠)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٦٤٠)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٨٧٨)

جہنم کے عذاب

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت معارج (آیت: ۱۱ تا ۱۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يُبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ ۞ بِبَنِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۞ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِىْ تُؤْيْهِ ۞ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۞ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ۞ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴾

''(حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے (اس روز) گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اِس دن کے عذاب کے بدلے میں (سب کچھ) دیدے یعنی اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا اور جتنے آدمی زمین میں ہیں (غرض) سب (کچھ دیدے) اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔''

گناہگار اپنی اولاد، بیوی، بھائی، خاندان حتیٰ کہ روے زمین کی ساری مخلوق کو جہنم میں ڈالنے کے عوض جہنم سے بچنا چاہے گا، لیکن اس یہ حسرت پوری نہ ہوسکے گی جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔

سورت آل عمران (آیت: ۹۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾

''جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مرگئے وہ اگر (نجات حاصل کرنا چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، ان لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔''

انجام نظر آ جانے کے بعد کافر کی یہ حسرت ہوگی ہائے افسوس میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جائے، ہائے افسوس دنیا کی موت ہی میرے لیے فیصلہ کن ہوتی۔'' چنانچہ سورۃ الحاقہ (آیت: ۲۵ تا ۲۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴾

''اور جس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (افسوس سے) کہے گا: کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ ملتا اور مجھ کو اپنے حساب کی خبر نہ ہوتی۔ کاش! اگلی موت میرا کام تمام کر دیتی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر جہنم کو دیکھ کر کہے گا: ''اے ابراہیم! آج میں تیری فرمانبرداری کرتا ہوں۔'' لیکن اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو بھی دوسرا موقع نہیں دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر کو اس حال میں دیکھیں گے کہ اس کے منہ پر سیاہی اور گرد وغبار جما ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: میں نے دنیا میں تمھیں کہا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو؟ آزر کہے گا: اچھا آج میں تمھاری نافرمانی نہیں کروں گا۔

''ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے درخواست کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے روز رسوا نہیں کرے گا لیکن اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ تیری رحمت سے محروم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے ابراہیم! تمھارے دونوں پاؤں کے نیچے کیا ہے؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ غلاظت میں لت پت ایک بجو (کی شکل میں آزر) ہے جسے (فرشتے) پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔''

افسوس کہ اس دن ظالم مشرکوں کا کوئی مدد گار نہیں ہوگا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت بنی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣١٧٢)

اسرائیل (آیت: ۹۷) میں اعلان فرمادیا ہے اور سب سے آخر میں جہنم میں داخل ہونے کے بعد ابلیس کا اپنے پیروکاروں سے خطاب یوں ہے:

''جب فیصلہ کردیا جائے گا تو شیطان کہے گا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جو تم سے وعدے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے تم سے جتنے بھی وعدے کیے ان کی خلاف ورزی کی اور (ہاں!) میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا ہاں میں نے تمھیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، میں تمھاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

ابلیس کا عبرت ناک انجام:

قیامت کے روز سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''[قیامت کے روز] سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا، وہ اسے اپنی پیشانی پر رکھ کر پیچھے سے گھسیٹتا پھرے گا، اس کی اولاد [اس کے پیروکار] اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے، ابلیس اپنی موت اور ہلاکت کو پکارتا پھر رہا ہوگا، اس کے پیروکار بھی موت اور ہلاکت کو پکاریں گے، حتیٰ کہ جب وہ آگ کے اوپر آ کھڑے ہوں گے تو ابلیس کہے گا: ہائے موت! اس کے ساتھ اس کے پیروکار بھی کہیں گے: ہائے موت! اس وقت اس سے کہا جائے گا: آج ایک موت کو نہیں، بہت سی موتوں کو پکارو۔''[1]

جیسا کہ سورۃ الفرقان (آیت: ۱۴) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا﴾

''آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔''

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۱۵۲) اس کی سند میں ''علی بن زید بن جدعان'' ضعیف ہے۔

جہنم کے بعض دوسرے عذاب:

جس طرح جیل کی اصل شناخت تو قید و بند ہی ہوتی ہے لیکن مجرموں کے جرائم کے مطابق جیل میں انھیں بعض دوسری سزائیں بھی دی جاتی ہیں، اسی طرح جہنم کی اصل شناخت تو آگ ہی ہے، لیکن کافروں اور مشرکوں کے گناہوں کے مطابق انھیں بہت سے دوسرے عذاب بھی دیے جائیں گے مثلاً:

① زہریلے بدبو دار ماکولات اور کھولتے گرم مشروبات کا عذاب:

دنیا میں اس قدر لذتِ دہن سے شاد کام ہونے والا انسان جب اگلی دنیا میں اپنے اعمال کا امتحان دینے کے لیے اٹھے گا تو سب سے پہلے اسے جس چیز سے واسطہ پڑے گا وہ پیاس کی شدت ہوگی۔ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے حوضِ مبارک پر [جنت میں داخل ہونے سے پہلے میدانِ حشر میں] جلوہ فرما ہوں گے، جہاں اپنے دستِ مبارک سے اہل ایمان کی پیاس بجھائیں گے، کافر اور مشرک بھی اپنی پیاس بجھانے کے لیے حوض کی طرف آئیں گے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ انھیں دور ہٹادیں گے۔ اہل بدعت بھی پانی پینے کے لیے حوض کی طرف آنے کی کوشش کریں گے لیکن انھیں بھی دور کردیا جائے گا۔[1] کافر، مشرک اور بدعتی لوگ حشر کا طویل عرصہ پیاس کی شدت میں ہی گزاریں گے اور پھر اسی حالت میں جہنم میں داخل کردیے جائیں گے۔ [مریم: ۸۶]

جہنم میں جانے کے بعد جب یہ لوگ کھانا طلب کریں گے تو انھیں کانٹے دار گھاس اور تھوہر کا درخت دیا جائے گا۔ جہنمی بادلِ نخواستہ ایک ایک لقمہ کر کے حلق میں اتاریں گے جس سے ان کی بھوک تو نہ مٹے گی، البتہ ان کے عذاب میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ یاد رہے تھوہر کا درخت اور کانٹے دار گھاس جہنم ہی میں پیدا ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کھانے کم از کم اتنے گرم تو ضرور ہوں گے جتنی گرم جہنم کی آگ ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کھانے آگ کے انگارے ہوں گے جنھیں جہنمی اپنی بھوک مٹانے کے لیے نگلے گا۔ جہنم کا کھانا دراصل جہنم کے عذابِ الیم ہی کی ایک بدترین شکل ہوگی۔ اللہ کی پناہ!

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٤٩)

کھانے کے بعد جہنمی پانی طلب کریں گے تو داروغے انھیں جہنم کے عقوبت خانے سے نکال کر جہنم کے چشموں پر لے آئیں گے، جہاں کھولتے ہوئے شدید گرم پانی سے ان کی ''تواضع'' کی جائے گی۔ وہ پانی کیسا ہوگا جو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں بھی بھاپ بننے کے بجائے مائع حالت میں برقرار رہے گا؟

جہنمی اسے پینے کی کوشش کرے گا تو پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی اس کے منہ کا سارا گوشت پوست گل سڑ کر نیچے گر پڑے گا۔[1] جو حصہ پیٹ میں جائے گا اس سے اس کی ساری آنتیں وغیرہ کٹ جائیں گی۔[2]

جہنم کے ماکولات و مشروبات سے تنگ آ کر اہلِ جہنم، اہلِ جنت سے درخواست کریں گے کہ کچھ پانی یا کوئی دوسری چیز ہمیں بھی کھانے کے لیے دے دو، اہلِ جنت جواب دیں گے: جنت کے کھانے اور پینے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے حرام کردیے ہیں۔ [اعراف: ۵۰]

جہنم کی دہکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ کے شدید عذاب کے ساتھ زہریلے بدبودار اور کانٹے دار کھانوں نیز کھولتے پانی، گندے خون اور پیپ کے مشروبات کی شکل میں بدترین عذاب کن بدبخت لوگوں کو دیا جائے گا؟

بعض مسلمانوں کو جہنم کا عذاب:

یاد رہے کہ کافروں کے لیے تو ابدی جہنم اور اس کے دوسرے عذاب ہیں ہی، حلال و حرام میں امتیاز نہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے بھی جہنم اور اس کے ماکولات و مشروبات کا عذاب کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ یتیم کا مال کھانے والے کے لیے تو واضح طور پر قرآن مجید کی یہ آیت موجود ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴾ [النساء: ۱۰]

''بے شک جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں، بے شک وہ اپنے پیٹ میں آگ نگلتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔''

---

[1] مستدرك الحاكم (٤/ ٦٤٦)

[2] سورة محمد [آیت: ۱۵]

شراب پینے والوں کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''انھیں جہنم میں جہنمیوں کا پسینہ پلایا جائے گا۔''[1]

مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق زانی مردوں اور زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے بہنے والا غلیظ بدبودار مادہ بھی شرابیوں کو پلایا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

پس اے یتیموں اور بیواؤں کے مال غصب کرنے والو! دوسروں کی جائدادوں پر ناجائز قبضہ کرنے والو! قومی خزانے کی دولت لوٹنے والو! جوے، سود اور رشوت کی کمائی پر عیش وعشرت کے محل تعمیر کرنے والو! شراب وشباب سے رنگ رلیاں منانے والو! ایک بار نہیں ہزار بار سوچ کر فیصلہ کرو کہ کیا جہنم میں پیدا ہونے والا تھوہر کا درخت اور کانٹے دار گھاس کھالوگے؟ آگ میں جلے ہوئے انسانی گوشت سے بہنے والے خون اور پیپ کے کھانے تناول کرلوگے؟ بدبودار، غلیظ اور سیاہ پانی کے کھولتے ہوئے جام نوشِ جاں کرلوگے؟

﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ''پھر ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟''

② سر میں کھولتا پانی انڈیلنے کا عذاب:

کافروں کے لیے یہ ایک اور المناک عذاب ہوگا۔ فرشتوں کو حکم دیا جائے گا:

﴿خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ﴾ [الدخان: ٤٧۔ ٤٨]

''اس کو پکڑ لو اور رگیدتے ہوئے جہنم کے وسط میں لے جاؤ اور اس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب انڈیل دو۔'' [الدخان: ۴۷۔ ۴۸]

اس آیت کی وضاحت میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کھولتا پانی کافر کے سر پر ڈالا جائے گا تو یہ اس کے سر میں چھید کرنے کے بعد سب سے پہلے کھولتا پانی کافر کے سر کو جلائے گا جو اس کی مکروہ خواہشات، باطل نظریات اور مشرکانہ عقائد کا مرکز تھا جس دماغ سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مکر وفریب کی چالیں چلتا رہا۔ جس دماغ سے وہ مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے کے لیے عیاریاں کرتا رہا۔ جس دماغ سے وہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٠٢)

کے لیے نت نئے دلائل گھڑتا رہا، جس دماغ سے وہ اسلام کی راہ روکنے کے لیے بڑے بڑے منصوبے اور سازشیں تیار کرتا رہا اسی دماغ سے اس المناک عذاب کا آغاز کیا جائے گا۔

چنانچہ اسلام کے خلاف مکر و فریب کے جال پھیلانے والے، دینِ اسلام کو مغلوب کرنے کے منصوبے بنانے والے اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کی تدبیریں کرنے والے قیامت کے روز جب حساب کتاب کے لیے اٹھیں گے تو ان کی تواضع اسی المناک عذاب سے کی جائے گی۔ بلاشبہہ یہ المناک عذاب ہے تو کافروں کے لیے لیکن ایمان لانے کے بعد اسلامی ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کو روکنے کی سازشیں کرنے والے، اسلامی تعزیرات کا مذاق اڑانے والے، اسلامی شعائر کی توہین اور تحقیر کرنے والے، سودی نظام جاری رکھنے کی چالیں چلنے والے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکا اور فریب دینے والے ''ہزایکسی لینسیز'' کیا اس عذابِ الیم سے بچ جائیں گے؟

اللہ کے عذاب سے ڈر جاؤ، اسلام کے خلاف سازشیں کرنے سے باز آ جاؤ، اسلامی تعزیرات اور اسلامی شعائر کا مذاق مت اڑاؤ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکا اور فریب دینا چھوڑ دو، ورنہ اس کے عذاب سے بچ نہ سکو گے۔

﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ﴾ [آل عمران: ۱۳۱]

''اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

③ آگ کی تنگ اور تاریک کوٹھڑیوں میں ٹھونسنے کا عذاب:

جہنم کے شدید عذاب کا اندازہ لگانے کے لیے پریشر ککر کا تصور کیجیے۔ بہت بڑا پریشر ککر جس میں ایک ہزار آدمیوں کی گنجایش ہو، لیکن اس میں دو ہزار آدمیوں کو اس طرح ٹھونس دیا جائے کہ سانس لینا بھی دشوار ہو، ہاتھ اور پاؤں زنجیروں سے بندھے ہوں کہ حرکت تک نہ کرسکیں اور اوپر سے ڈھکنا مضبوطی سے بند کر دیا جائے اور جہنم کی آگ میں پکنے کے لیے رکھ دیا جائے۔ ان حالات میں کافر موت کو پکاریں گے لیکن انھیں موت نہیں آئے گی۔ [الفرقان: ۱۳-۱۴]

موت کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ہوگا، موت ذبح کی جاچکی ہوگی اور کافر لوگ اسی عذابِ الیم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مبتلا رہیں گے۔

④ شدید سردی کا عذاب:

جس طرح آگ انسانی جسم کو جلا دیتی ہے اسی طرح شدید سردی بھی انسانی جلد کو جلا دیتی ہے اسی لیے جہنم میں شدید سردی کا عذاب بھی ہوگا، جہنم کے اس طبقے کا نام ''زمہریر'' ہے۔ زمہریر میں کس قدر شدید سردی ہوگی، اس سردی سے تو بہرحال کہیں زیادہ ہوگی جو اس دنیا کے کسی بھی سرد سے سرد خطے میں دسمبر اور جنوری کے مہینوں میں ہوسکتی ہے، جس کا مقابلہ کرنے کے لیے گرم لباس، کمبل، لحاف، ہیٹر، آگ کی انگیٹھیاں، گرم سے گرم کھانے پینے کی اشیا اور نہ جانے کس کس چیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، تب بھی ذرا سی بے احتیاطی انسان کو فوراً کسی نہ کسی عارضے میں مبتلا کر دیتی ہے۔ احتیاطی تدابیر کے بغیر ننگے بدن انسان کو دنیا کی سردی برداشت کرنی پڑے تو وہ بھی عذاب سے کم نہیں حالانکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق دنیا کی سردی محض جہنم کے اندرونی سانس سے پیدا ہوتی ہے۔[1]

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محض جہنم کے اندرونی سانس سے پیدا ہونے والی سردی اگر انسان کے لیے اس قدر ناقابل برداشت ہے تو پھر جہنم کے اندر سردی کے طبقہ ''زمہریر'' میں انسان کی کیا کیفیت ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑا ہی نرم و نازک اور حساس جسم عطا فرمایا ہے، اس قدر نرم و نازک کہ صرف ۳۵ اور ۳۷ ڈگری سنٹری گریڈ کے درمیان وہ صحت مند رہتا ہے، اس درجہ حرارت سے کم یا زیادہ دونوں بیماری کی علامتیں ہیں۔ اگر جسم کا درجہ حرارت ۳۵ سے کم ہوکر ۲۶ ڈگری سنٹری گریڈ تک پہنچ جائے تو اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن اس بات میں کسی شک کی گنجایش ہی نہیں کہ جہنم کی آگ ہو یا زمہریر کی سردی، کافر زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے اور بار بار موت مانگیں گے:

﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ﴾ [الزخرف: ۷۷]

''اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمھارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔''

﴿ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴾ [الزخرف: ۷۷]

''وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۵۱۲) صحيح مسلم، رقم الحديث (۶۱۵)

بعض نامعلوم عذاب:

قرآن وحدیث میں آگ کے علاوہ جہنم میں دیے جانے والے عذابوں کی بہت سی قسموں کا جہاں عمومی تذکرہ فرمایا گیا ہے، وہاں بعض گناہوں کے خاص خاص عذابوں کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے۔ جن سے خبردار کرنے کے لیے اللہ کے رسول نذیر بنا کر بھیجے گئے اور آپ ﷺ نے لوگوں کو آگ سے ڈرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ لوگوں کو بار بار خبردار کیا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْبِشِقِّ تَمْرَةٍ»[1]

''آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے بچو۔''

جہنم دلفریب اور دلکش اعمال سے ڈھانپی گئی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم پیدا فرمائی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا اور فرمایا (جاؤ اور) جنت کا نظارہ کرو اور جو نعمتیں میں نے جنتیوں کے لیے پیدا کی ہیں، انھیں دیکھو۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور جنت اور جنتیوں کے لیے پیدا کی گئی نعمتیں دیکھیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: تیری عزت کی قسم! جو بھی اس کے بارے میں سنے گا وہ ضرور اس میں داخل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کو) حکم دیا کہ جنت کو مشکلات اور مصائب سے ڈھانپ دیا جائے، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو (دوبارہ) حکم دیا کہ پھر جاؤ اور جنت اور جنتیوں کے لیے میں نے جو نعمتیں تیار کی ہیں، انھیں دیکھو، حضرت جبرائیل علیہ السلام گئے تو جنت مشکلات اور مصائب سے ڈھانپی ہوئی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوسکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: اب جہنم کی طرف جاؤ اور اسے دیکھو اور جو عذاب میں نے جہنمیوں کے لیے تیار کیے ہیں، انھیں دیکھو کہ (کس طرح) اس کا ایک حصہ دوسرے پر سوار ہے۔

''حضرت جبریل علیہ السلام (سب کچھ دیکھ کر) واپس لوٹے تو عرض کی: تیری عزت کی قسم! کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو اس کے بارے میں سنے اور پھر اس میں داخل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (١٠١٦)

جہنم کو شہوات اور لذات سے ڈھانپ دیا گیا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو فرمایا: دوبارہ جاؤ، حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ گئے (سب کچھ دیکھا) تو عرض کی: تیری عزت کی قسم! مجھے ڈر ہے کہ اب تو اس سے کوئی بھی بچ نہیں پائے گا، ہر کوئی اس میں داخل ہوگا۔''[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت ناگوار چیزوں سے گھیری گئی ہے اور جہنم خوشگوار چیزوں سے گھیری گئی ہے۔''[2]

اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

[التحریم: ٦]

''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا واضح الفاظ میں حکم دیا ہے:

1. اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔
2. اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

ہر مسلمان مرد، عورت کو آگ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے امیر، غریب، مرد، عورت، عالم، جاہل، عابد، زاہد ہر مسلمان کو ہر قیمت پر جہنم کی آگ سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

جہنم اور انبیاے کرام علیہم السلام وصالحین عظام:

سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔[الانعام: ۱۵، ۱۶]

[1] مشكاة المصابيح للألباني، أبواب صفة جهنم، باب ما جاء في أن الجنة حفت بالمكاره (٢/ ٢٠٧٥)

[2] صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٢٢٨)

جہنم کے اوپر سے گزرتے ہوئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے ﴿ رَبِّ سَلِّمْ ﴾ ’’اے میرے رب مجھے بچالے۔‘‘ کی درخواست کریں گے۔[1]

جہنم کی خوفناک آوازیں سن کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ سے اپنی سلامتی کی درخواست کریں گے۔

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: سورت فرقان (آیت: ۱۲) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب جہنم غصے سے جھرجھری لے گی تو تمام مقرب فرشتے اور ذی مرتبہ انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور درخواست کریں گے:

’’اے میرے اللہ! آج میں تجھ سے اپنی ذات کی سلامتی کے علاوہ کچھ نہیں مانگتا۔‘‘[2]

﴿ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴾

’’جس وقت وہ ان کو دُور سے دیکھے گی (تو غضبناک ہو رہی ہوگی اور یہ) اس کے جوش (غضب) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔‘‘

یعنی جہنم ان کافروں کو دور سے میدانِ محشر میں دیکھ کر ہی غصے سے کھول اٹھے گی اور ان کو اپنے دامن میں لینے کے لیے غضب سے چلائے گی۔ (جوش و غضب سے) ایسے لگے گا کہ وہ پھٹ پڑے گی۔ جہنم کا دیکھنا اور چلانا ایک حقیقت ہے، کیونکہ اللہ کے لیے اس کے اندر احساس و ادراک پیدا کردینا مشکل نہیں ہے، وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ قیام اللیل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب کی ایک ہی آیت بار بار پڑھ کر ساری رات گزار دی۔[3]

جہنم کی اسی آگ کو دیکھ کر قیامت کے روز تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس قدر خوف زدہ ہوں گے کہ ’’رَبِّ سَلِّمْ، رَبِّ سَلِّمْ‘‘ ’’اے میرے رب! مجھے بچالے۔ اے میرے رب! مجھے بچالے۔‘‘ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی جان کی امان طلب کریں گے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٥)

[2] تفسير ابن كثير (٣ / ٤١٥)

[3] سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في القراءة في صلاة الليل (١/ ١١١٠)

جہنم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی آگ کو یاد کر کے دنیا میں روتی رہیں۔عشرہ مبشرین بالجنہ میں سے ایک یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآنِ مجید کی تلاوت کے دوران میں آگ کے عذاب کی آیت پر پہنچے تو بے ہوش ہوگئے۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت عبادہ بن صامت جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہنم کی آگ کو یاد کر کے اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔

حضرت ربیع رحمہ اللہ ساری ساری رات بستر پر پہلو بدلتے رہتے، بیٹی نے پوچھا:

ابا جان! ساری دنیا آرام سے سوتی ہے، آپ کیوں جاگتے رہتے ہیں؟

فرمانے لگے: (بیٹا! جہنم کی آگ تیرے باپ کو سونے نہیں دیتی۔

سچ فرمایا اللہ پاک نے سورت بنی اسرائیل (آیت: ۵۷) میں:

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴾ ”بیشک تمھارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔“

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے فضل و کرم سے جہنم کی آگ سے پناہ دے۔آمین

جہنم کی آگ اور اس میں مختلف قسم کے عذابوں کا مطالعہ کرتے وقت آدمی کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں بے اختیار آدمی جہنم سے پناہ مانگنے لگتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھیں [جہنم کی] آگ یاد آئی تو رونے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: ”عائشہ! کیوں رو رہی ہو؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہنم کی آگ یاد آنے پر روئی ہوں، کیا قیامت کے روز آپ اپنے اہل و عیال کو بھی یاد رکھیں گے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تین جگہوں پر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو یاد نہیں کرے گا:

1. میزان کے پاس یہاں تک کہ پتا چل جائے کہ کس کے اعمال کا وزن ہلکا رہا ہے، اور کس کا بوجھل۔
2. نامہ اعمال ملنے کے وقت جب پکارا جائے گا کہ آؤ اپنا اپنا نامہ اعمال پڑھو، حتیٰ کہ پتا چل جائے کہ کس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور کس کا بائیں ہاتھ میں پشت کے پیچھے سے۔
3. پل صراط سے گزرتے وقت جب وہ جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔“[1]

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٥٥٤٧) اس کی سند میں انقطاع ہے۔

حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے کہ [اچانک] رونے لگے، ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی رونے لگیں، حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: (تم کیوں رو رہی ہو؟) بیوی نے عرض کی: (آپ کو روتے دیکھا تو میں بھی رونے لگی۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:(مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد آ گیا: ''تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کا جہنم سے گزر نہ ہو'' [سورہ مریم (آیت: ۷۱] اور مجھے معلوم نہیں کہ جہنم کے اوپر رکھے ہوئے پل صراط سے گزرتے ہوئے ہم بچیں گے یا نہیں۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اللہ کے عذاب سے خوف:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا پکارے: اے لوگو! تم سب جنت میں داخل ہوگے سوائے ایک آدمی کے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ آدمی میں نہ ہوں اور اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا پکارے:اے لوگو! تم سب جہنم میں جانے والے ہو سوائے ایک آدمی کے تو میں امید رکھتا ہوں وہ [اللہ کے فضل و کرم سے] میں ہوں گا۔''[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عذاب کی آیت پڑھ کر اس قدر روئے کہ بیمار پڑ گئے۔ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورت طور (آیت: ۷) کی تلاوت فرما رہے تھے جب وہ اس آیت پر پہنچے ''بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے۔'' تو رونے لگے، بہت روئے حتیٰ کہ بیمار پڑ گئے اور لوگ آپ کی عیادت کے لیے آنے لگے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔[3]

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ جہنم کے تصور سے کبھی ہنستے نہیں تھے۔ حجاج بن یوسف نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے حیران ہوکر پوچھا: مجھے پتا چلا ہے کہ تم ہنستے نہیں ہو؟) حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں کیسے ہنس سکتا ہوں جبکہ جہنم بھڑکا دی گئی ہے، طوق گاڑ دیے گئے ہیں اور اللہ کی

---

[1] مستدرك الحاكم، كتاب الأهوال، رقم الحديث (٧٣)

[2] حلية الأولياء(١/ ٥٣)

[3] الزهد للبيهقي (ص: ٦٧٨)

فوج [جہنم کے فرشتے] تیار کھڑی ہے۔'' [1]

کوئی مومن پل صراط عبور کرنے سے پہلے بے خوف نہیں رہ سکتا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن آدمی پل صراط عبور کرنے سے پہلے پہلے گھبراہٹ سے امن نہیں پا سکتا۔ [2]

جہنم اور اسلافِ امت:

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ جہنم میں طوق اور زنجیروں کے ذکر والی آیت بار بار پڑھ کر ساری رات روتے رہے۔ [3]

حضرت ابو وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکلے، اور ہمارے ساتھ ربیع بن خثیم رحمہ اللہ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دریاے فرات کے کنارے ایک تنور کے پاس سے گزرے، جب اس کے اندر دھکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی تو سورۃ الفرقان (آیت: ۱۲) تلاوت فرمائی: ''جب جہنم کافروں کو دور سے دیکھے گی تو کافر جہنم کا چیخنا چنگھاڑنا سن لیں گے۔'' یہ سن کر ربیع بن خثیم رحمہ اللہ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ لوگ انھیں چار پائی پر ڈال کر گھر لائے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس [صبح سے لے کر] ظہر تک بیٹھ کر ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے، لیکن حضرت ربیع رحمہ اللہ کو ہوش نہ آیا۔ [4]

ساری دنیا کو آگ سے خبردار کرنے کی خواہش:

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر سونا میرے بس میں ہوتا تو میں کبھی نہ سوتا اس ڈر سے کہ سوتے میں کہیں مجھ پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہوجائے اور اگر میرے پاس مددگار ہوتے تو میں انھیں ساری دنیا میں منادی کرنے کے لیے بھیج دیتا [جو کہتے:] لوگو! آگ سے خبردار ہوجاؤ لوگو! آگ سے خبردار ہوجاؤ۔'' [5]

---

[1] صفة الصفوة (٣/ ٣٣٣)

[2] الفوائد (ص: ١٥٢)

[3] تنبيه الغافلين (٢/ ٦٢٠)

[4] تفسير ابن كثير (٣/ ٤١٥)

[5] حلية الأولياء (٢/ ٣٥٨)

حضرت موسیٰ بن مسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھتے تو ان کو خوف اور گھبراہٹ کی حالت میں دیکھ کر ہمیں یوں لگتا جیسے آگ نے ہمیں گھیر رکھا ہے، اور جب آخرت کا ذکر ہوتا تو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اس قدر خوف زدہ ہوتے کہ ان کو خون کا پیشاب آنے لگتا۔[1]

جہنم یاد آنے پر حضرت ابومیسرہ رحمہ اللہ یہ خواہش کرتے کہ ''کاش! مجھے میری ماں نہ جنتی۔''[2]

جہنم کی یاد نے عمر بھر کے لیے ہنسی ختم کردی:

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک نیک آدمی نے اپنے بھائی کو ہنستے دیکھا تو اس نے بھائی سے دریافت کیا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تیرا گزر جہنم کے اوپر سے ہونے والا ہے؟ اس نے کہا: ہاں اس نے پوچھا: کیا تجھے معلوم ہے کہ تو وہاں سے بچ نکلے گا؟ بھائی نے جواب دیا: نہیں تب اس نیک آدمی نے کہا: پھر یہ ہنسی کیسی؟ چنانچہ موت تک اس شخص کے ہونٹوں پر کبھی ہنسی نہیں آئی۔

حضرت بدیل بن میسرہ رحمہ اللہ قیامت کے روز پیاس کی شدت کے خوف سے اس قدر روئے کہ خون کے آنسو بہنے لگے۔[3] یزید بن ہارون رحمہ اللہ کی دونوں آنکھیں رو رو کر اندھی ہوگئیں۔[4]

حضرت فاطمہ بنت عبدالملک بن مروان رحمہا اللہ جو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی بیوی تھیں، فرماتی ہیں: لوگوں میں حضرت عمر رحمہ اللہ سے نماز روزہ زیادہ کرنے والے تو بہت تھے لیکن اپنے رب کے ڈر سے رونے والا میں نے حضرت عمر رحمہ اللہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ جب نمازِ عشا سے فارغ ہوجاتے تو (اللہ کے حضور) ہاتھ بلند کرلیتے اور مسلسل روتے رہتے، حتیٰ کہ نیند غالب آجاتی، جگایا جاتا تو پھر اپنے ہاتھ بلند کرکے رونا شروع کردیتے، حتیٰ کہ آنکھوں میں نیند غالب آجاتی۔[5]

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اس طرح کا ایمان نصیب فرمائے۔ آمین ہر مومن مسلمان کو چاہیے کہ وہ جہنم کی گرمی سے اپنے اللہ کی پناہ مانگا کرے۔

---

[1] الإحياء للغزالي (ص: ١٦٩) صفة الصفوة (٣/ ٣٢٧)

[2] تفسير ابن كثير (٣/ ١٧٩)

[3] صفة الصفوة (٣/ ٢٦٥)

[4] تذكرة الحفاظ (٣/ ٧٩٠)

[5] تذكرة الحفاظ (١/ ١٢٠)

دنیا کی رنگینیوں کا انجام جہنم ہے:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔''

آگ کے عذاب سے پناہ مانگنے کی دعائیں:

جو شخص تین دفعہ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اس کے لیے جہنم سفارش کرتی ہے۔[1]

روزانہ بیک وقت کم از کم تین مرتبہ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ عذابِ جہنم سے پناہ مانگنے کی دعا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآنِ مجید کی سورۃ کی طرح سکھلائی۔ رات کو سونے سے قبل اللہ کے عذاب سے پناہ مانگنے کی دعا بھی کیا کریں۔ نمازِ تہجد میں اللہ کے ہر قسم کے عذاب سے دعاؤں کے ذریعے اللہ کی پناہ مانگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگ کے عذاب سے بچنے کی دعا کثرت سے مانگنی چاہیے۔

اے ہمارے پیدا کرنے والے پاک رب! آپ ہمارے مالک اور ہم آپ کے مملوک ہیں، آپ ہمارے حاکم اور ہم آپ کے محکوم ہیں، آپ قادرِ مطلق ہیں اور ہم مجبور و مغلوب ہیں، آپ بے نیاز اور ہم محتاج ہیں، آپ غنی اور ہم فقیر ہیں، ہماری پیشانیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں، ہمارے فیصلے آپ کے اختیار میں ہیں۔

اے ہمارے قدرتوں والے، برکتوں والے، خوبیوں والے، شانوں والے، بلندیوں والے، بڑائیوں والے پاک رب! آپ نے خود ہی بتایا ہے کہ جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے، اس کا عذاب جان سے چمٹ جانے والا ہے، اس میں داخل ہونے والا زندہ رہے گا مرے گا، پس جسے آپ نے جہنم میں ڈالا وہ تو رسوا ہو ہی گیا۔

اے عرشِ عظیم کے مالک! آسمانوں اور زمینوں کے مالک! اگر آپ نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو پھر آپ ہی بتائیں ہم پر کون رحم فرمائے گا؟ اگر آپ نے ہمارے گناہ معاف نہ فرمائے تو ہمارے گناہ کون معاف فرمائے گا؟ اگر آپ نے ہمیں پناہ نہ دی تو کون ہمیں پناہ دے گا؟ اگر آپ نے ہمیں جہنم سے نہیں بچایا تو کون ہمیں جہنم سے بچائے گا؟ اے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام اور

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد (٢/ ٣٥٠٢)

حضرت محمد ﷺ کے پاک رب! ہم جہنم سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں اور آپ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز آپ ہمیں مایوس نہیں فرمائیں گے۔ آمین ثم آمین

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ١٦]

''اے مالک ہمارے! ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا دے۔''

ڈر جاؤ لوگو سخت حشر کا میدان ہے — اپنے کیے پر ہر بندہ پشیمان ہے
اللہ رحمٰن کی طرف سے آیا پیغام ہے — یہ پیغام ہے وہ جس کا نام قرآن ہے
لیکر آنے والا فرشتہ جبرائیل ہے — مانے نہ جو اسے وہ چیلہ شیطان ہے
ڈرجاؤ لوگو سخت حشر کا میدان ہے — پھر نہ کہنا ہمیں ملا نہ پیغام ہے

اے ہمارے مالک! ہم آپ کی مخلوق ہیں، ہمارا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور ہم آپ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں ہماری خطاؤں کو معاف فرما دینا، اللہ ہمیں روزِ قیامت مایوس نہ کرنا، ہم تیری رحمت کی امید رکھتے ہیں، یا اللہ ہماری دعا کو قبول فرمانا۔ آمین

مراجع درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. جہنم کا بیان۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی
4. مناظرِ قیامت۔ تالیف: مولانا محمد خورشید سلفی

مصادر و مراجع

① قرآنِ کریم۔

② تفسیر ابن کثیر۔

③ تفسیر احسن البیان۔فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف۔

④ تزکیۃ النفوس۔ علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ۔ علامہ ابن قیم الجوزیۃ۔ الامام الغزالی۔
ترجمہ: مولانا محبوب احمر قمر الزمان

⑤ جنت کی راہ، تالیف: مولانا ابوعبد الرحمٰن شبیر بن نور

⑥ دخولِ جنت کے تیس اسباب۔ دار ابن المبارک، الخبر۔ترجمہ: ام محمد شکیلہ قمر۔
مراجعہ وتہذیب: الشیخ ابوعدنان محمد منیر قمر۔

⑦ جنت کا بیان۔مولانا محمد اقبال کیلانی۔

⑧ جہنم کا بیان۔مولانا محمد اقبال کیلانی۔

⑨ جب دنیا ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔ ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمٰن العریفی۔ترجمہ: قاری محمد اقبال عبدالعزیز۔

⑩ خطباتِ حرمین (جلد اول)۔ترجمہ: الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر۔

⑪ دنیا کے اے مسافر۔تالیف: محترمہ ام منیب۔

⑫ سنہرے نقوش۔مولانا عبد المالک مجاہد۔

⑬ قبر کا بیان۔تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی۔

⑭ قیامت کی نشانیاں۔تالیف: الشیخ یوسف بن عبداللہ الوابل۔ترجمہ:مولانا محمد مقیم بن حامد علی فیضی۔

⑮ قیامت کی نشانیاں۔الشیخ عبد اللہ بن جار اللہ بن ابراہیم۔ترجمہ:مولانا تنویر احمد۔

⑯ قیامت کی ہولناکیاں۔ تالیف: الشیخ عبد الملک الکلیب۔ ترجمہ: مولانا شبیر بن نور۔

⑰ مقالاتِ محدث مبارکپوری رحمہ اللہ۔

⑱ مناظرِ قیامت۔ مولانا محمد خورشید سلفی۔

⑲ مسائل و احکامِ نمازِ جنازہ۔ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

گلدستہ دروسِ خواتین

8

تہذیب و تربیتِ نسواں

تالیف

محترمہ ام عدنان قمر حفظہا اللہ

تنقیح و مراجعہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت

ریحان چیمہ۔ ڈسکہ

ام القریٰ پبلی کیشنز

سیالکوٹ روڈ گوجرانوالہ

فون: 0321-6466422 .0333-8110896

اسلامی سالِ نو کا آغاز

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِينُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. أَمَّا بَعْدُ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ [التوبة: ٣٦]

’’بے شک مہینوں کی گنتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتاب (قرآن مجید یا لوحِ محفوظ) میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں۔‘‘

ابتدائے کائنات کے وقت ہی سے اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، اس بات کو نبی مکرم ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

’’زمانہ گھوم کر پھر اس حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور سال بارہ مہینوں کا ہے جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں، تین پے در پے: ذو القعدہ، ذو الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان ہے۔‘‘[1]

نئے اسلامی سال کا آغاز ہو تو عرب و عجم، پورب و پچھم، یورپ و امریکہ، ایشیا و افریقہ، جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہوں، انھیں حقیقی معنوں میں ہجری سالِ نو کے آغاز پر خوشی محسوس ہوتی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٦٦٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩۔ ١٦٧٩)

ہے، کیوں کہ تاریخِ اسلام کا تمام تر سرمایہ اِنہی قمری مہینوں اور ہجری تاریخ سے وابستہ ہے۔

اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف وفضیلت حاصل ہے کہ وہ جب سے تجویز ہوئی ہے اس میں کوئی ایک بھی تبدیلی نہیں لائی گئی، جو دوسرے کیلنڈروں میں ہوتی رہتی ہے، کیونکہ یہ انسانی دماغوں کی اختراع ہیں اور ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط چیز پر نہیں۔ مگر اسلامی کیلنڈر یعنی ہجری تاریخ میں خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ سے آغاز ہونے سے لے کر آج تک کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ رہتی دنیا تک اس میں کسی ترمیم وتہذیب کی ضرورت پیش آنے والی ہے، کیونکہ اس تقویم کی بنیاد منشاے الٰہی کے عین مطابق چاند پر ہے اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سن و سال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ سورت یونس (آیت: ۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ﴾

''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیا و روشنی اور چاند کو اجالے اور چاندنی کے لیے بنایا ہے اور چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں تاکہ اس کے ذریعے تم سالوں کی تعداد اور حساب کتاب معلوم کر سکو۔''

دوسری جگہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸۹) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ﴾

''اے میرے نبی! لوگ آپ سے چاند کی مختلف حالتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انھیں بتا دیں کہ یہ لوگوں کے (کاروبار کے) لیے اوقات اور حج کا وقت معلوم کرنے کے لیے ہیں۔''

ارکانِ اسلام حج و روزے کا حساب اسی اسلامی کیلنڈر سے شروع کیا جاتا ہے اور عید وقربانی جیسے شعائرِ اسلام کا تعلق بھی اسی اِسلامی تقویم کے ساتھ ہے۔ اسی ہجری کیلنڈر کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ (آیت: ۳۶) میں فرمایا ہے:

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾

’’اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان کو بنایا ہے، تب سے اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہی ہے۔‘‘

اس آیت سے اور مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے ۱۲ ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتا چلانے کا ربانی ذریعہ چاند [ہلال] ہے، تمام شرعی امور مثلاً: رمضان، حج، یومِ عرفہ، یوم عاشورا، ایامِ تشریق اور ایامِ بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔

اس ہجری کیلنڈر کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں عدل و انصاف اور مساوات و ہمہ گیری پائی جاتی ہے، مثلاً: اگر شمسی یا عیسوی تقویم کے حساب سے گرمی یا سردی کے کسی مہینے کو رمضان کی جگہ روزے کا مہینا قرار دے دیا جاتا تو یقیناً آدھی مسلم دنیا کو آسانی اور آدھی ہمیشہ کے لیے مشکل میں مبتلا ہو جاتی، کیونکہ جغرافیے کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ دسمبر جو نصف شمالی دنیا کے لیے سب سے سرد اور چھوٹے دنوں والا ہوتا ہے یہی مہینا نصف جنوبی دنیا کے لیے سب سے گرم اور طویل دنوں والا ہوتا ہے، مگر اسلام کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ تھا کہ تمام عالم کے مسلمانوں کو اس سلسلے میں برابری میسر آئے۔ ہجری کیلنڈر کے حساب سے ماہ رمضان کے روزوں کو یہ سہولت میسر ہے کہ پورے عالم کے مسلمانوں کو کبھی گرمی اور کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں میں پورے روزے رکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتنا بڑا انعام ہے، مگر آج کا مسلمان اپنے اس شاندار ماضی کی روایات کو نظر انداز کرتا جا رہا ہے جس کی ایک چھوٹی سی جھلک ہمارے اس رویے میں موجود ہے کہ آج ہمارے سرکاری و غیر سرکاری دفاتر اور نجی و پبلک اداروں میں انگلش کیلنڈر کا استعمال اس قدر عام ہے کہ لوگ اپنی اصلی تاریخ سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔

آپ کبھی سروے کر کے دیکھیں تو شائد دس فیصد (10%) مسلمان بھی ایسے نہ ملیں جنھیں روز رواں کی ہجری تاریخ کا پتا تو درکنار، ہجری سال کے بارہ مہینوں کے نام ہی آتے ہوں، یہ کتنا بڑا المیہ ہے اور اس سے بڑھ کر ہمارے اجتماعی کردار کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انگلش کیلنڈر کے پہلے مہینے کا آغاز ہوتو ہم ’’ہیپی نیو ائیر‘‘ کہتے ہوئے ایک دوسرے کو ملتے ہیں، لیکن اس کے برعکس جب ہمارا اپنا اسلامی سال شروع ہوتا ہے تو ’’سالِ نو مبارک‘‘ یا ’’ہیپی نیو ائیر‘‘ کہنا تو کجا، یہ احساس بھی

نہیں ہوتا کہ ہمارا اپنا سال شروع ہو چکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ سرکاری چھٹی اور تاریخ کے ایک المناک حادثے [شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ] کی وجہ سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ محرّم شروع ہوگیا ہے۔

اسلامی سالِ نو کے آغاز پر صحیح طرزِ عمل:

مسلمانوں کے اسلامی سالِ نو کا آغاز تو بڑے ہی مہذب و مقدس انداز سے ہونا چاہیے، کیونکہ اسلامی سال کا یہ پہلا مہینا بڑی فضیلت وعظمت والا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ محرم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے اسے "شهرُ الله"، یعنی "اللہ کا مہینا" قرار دیا ہے۔[1]

اللہ کی کتاب میں مہینوں کی کُل تعداد بارہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے مطابق اسلامی سال کا پہلا مہینا محرّم انہی چارمہینوں میں سے ایک ہے، جبکہ دوسرے تین مہینے رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔[2]

ہلالِ محرم اور سالِ نو کے پیغامات:

اسلامی سالِ نو کے ہلالِ محرّم کا طلوع ہونا اپنے ساتھ کئی پیغامات لاتا ہے:

1. سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عمر کا ایک اور سال مکمل کر دیا ہے، یا بالفاظِ دیگر ہماری کُل عمر میں سے ایک سال اور کم ہوگیا ہے۔ اس لیے ہمیں شاداں وفرحاں ہونے کے ساتھ فکرمند بھی ہونا چاہیے کہ ہماری عمر کا بیلنس کم ہو رہا ہے اور سالِ نو کے آغاز کو موقعِ غنیمت سمجھتے ہوئے یہ دعا مانگنی چاہیے:

اے اللہ! اس نئے سال کو ہمارے لیے انفرادی و اجتماعی مسرتوں اور قومی و ملی خوشیوں کا پیامبر بنا دے۔

اے اللہ! ہمارے اُلجھے ہوئے پیچیدہ انفرادی، جماعتی اور ملکی و عالمی مسائل کو سلجھا دے۔

اے اللہ! ہمیں صحت و عافیت اور جانی و مالی خوشی عطا فرما۔

اے اللہ! اس نئے سال میں ہمیں سالِ ماضی کی نسبت کارِ خیر اور نیکی وتقویٰ کی زیادہ سے زیادہ توفیق سے نواز۔

اے اللہ! ہمارے جو بھائی فلسطین، افغانستان، انڈیا، کشمیر، چیچنیا، بوسنیا اور کسی بھی جگہ سروں پر

---

[1] مختصر صحيح مسلم للمنذري بتحقيق الألباني (ص: ١٦٠)

[2] تفسير ابن كثير (٣/ ٣٩٤)

کفن باندھے جان بکف ہو کر عقیدۂ توحید وختمِ نبوت، شعائرِ اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کے لیے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں، انھیں فتح ونصرت سے سرفراز کر اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

سالِ نو کے آغاز پر محاسبہ نفس:

2 اسلامی سالِ نو کے آغاز پر ذکرِ الٰہی کی کثرت کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی ہمت و فکر کے مطابق اپنے سالِ ماضی کا بھرپور جائزہ لے کہ اس نے ارکانِ اسلام اور اللہ و رسول ﷺ کے احکام میں کہاں کہاں کوتاہی کی ہے اور کن کن نیک کاموں میں حصہ لیا ہے؟ ہمیں بھی اپنے نفس کا حساب کرنا چاہیے کہ ہم نے نیکیاں کر کے کیا کمایا اور برائیوں میں پڑ کر کیا گنوایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حساب لینے سے پہلے ہم اپنا محاسبہ کرتے رہے۔ نامہ اعمال میزان میں رکھے جانے سے پہلے خود ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے، اگر آج ہم اپنا محاسبہ کرتے رہے گے تو کل قیامت کے دن حساب دینا آسان ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل نے سورۃ الحاقۃ (آیت: ۱۸) میں فرمایا ہے:

﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴾

”جس دن تم بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جاؤ گے، تمھارا کوئی راز اس دن چھپا نہیں رہ سکے گا۔“

اس طرح اپنے ماضی کے آئینے میں جھانک کر مستقبل کے لیے بہترین پروگرام مرتب کرے اور اپنے اللہ سے تجدیدِ عہد کرے کہ آج ہی سے سابقہ تمام کوتاہیوں کا یکے بعد دیگرے ازالہ کرتے رہیں گے اور اعمالِ خیر میں پیش از پیش حصہ لیں گے۔

3 اللہ والے تو ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں کہ آج ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟

سالِ نو کے آغاز پر روزے:

2 ماہِ محرّم کے ساتھ ہی ہم چونکہ اپنی عمرِ عزیز کے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں اس نئے سال کا پُرجوش اور بھرپور استقبال کرنا چاہیے جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالِ نو کا افتتاح روزے رکھ کر کیا جائے، جو شکرانِ نعمت بھی ہوں گے اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے۔ خاص طور پر ماہِ محرّم کے روزوں کے بارے میں صحیح مسلم اور سننِ اربعہ میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ سے پوچھا گیا:

﴿أَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ؟﴾

''رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل روزے کون سے ہیں؟''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿شَهْرُ اللّٰهِ الَّذِيْ تَدْعُوْنَهُ الْمُحَرَّمَ﴾[1]

''اللہ کے اس مہینے کے روزے جسے تم محرّم کہتے ہو۔''

اگر زیادہ نہ ہوسکیں تو کم از کم ایامِ محرّم کے ''یومِ عاشورا'' کا روزہ تو ضرور ہی رکھنا چاہیے، کیونکہ اس کی فضیلت کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ یومِ عاشورا کا روزہ گذشتہ پورے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔''[2]

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو یومِ عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا:

﴿مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ؟﴾

''تم لوگ جس دن کا روزہ رکھتے ہو یہ کیا ہے؟''

تو انھوں نے بتایا کہ یہی وہ مبارک دن ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ان کے دشمن [فرعون اور اس کے لشکر] سے نجات دلائی تھی۔ اس پر بطورِ شکرانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا، لہٰذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿فَنَحْنُ أَحَقُّ وَ أَوْلٰى بِمُوْسٰى﴾[3]

''حضرت موسیٰ علیہ السلام پر [بحیثیت نبی] میرا حق تم سے زیادہ ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا،لیکن یہودیوں کے روزے کی مشابہت دور کرنے کے لیے یومِ عاشورا سے ایک دن پہلے ایک روزہ رکھنا مسنون ہے، کیونکہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿لَئِنْ عِشْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ الْيَوْمَ التَّاسِعَ﴾

---

[1] صحيح مسلم مع شرح النووي (٤/ ٨/ ٥٥)

[2] صحيح مسلم مع شرح النووي (٤/ ٨/ ٤٩)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٠٠٤)

''اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو میں نومحرّم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشادِ گرامی ہے:

''مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے۔''[1]

دو باتیں:

یہاں دو باتیں بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں جن میں سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی سورت توبہ (آیت: ۳۶) سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے مطابق متفقہ طور پر محرّم بھی حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے، اسی ماہِ محرم کے یومِ عاشورا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو اس وقت کے ظالم حکمران فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی ،جس کے شکرانے کے طور پر انھوں نے روزہ رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماہِ محرم یا یومِ عاشورا نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعارف نہیں ہوئے، بلکہ ماہِ محرّم تخلیقِ کائنات کے دن سے اور یومِ عاشورا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے ہی سے حرمت والے اور معروف ہیں۔

دوسری بات:

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یومِ عاشورا کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، یہود روزہ رکھتے رہے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن کا روزہ رکھ کر اسے مسنون ہونے کا درجہ دیا اور اپنی امت کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، مگر اس کے برعکس لوگوں میں ماہ محرم میں بالخصوص برصغیر پاک و ہند کے علاقوں میں بہت سی بدعات اپنائی جاتی ہیں، جن میں محرم کا چاند نظر آتے ہی سیاہ لباس پہننا، سیاہ جھنڈے بلند کرنا، مجالسِ شہادت منعقد کرنا، نوحے اور مرثیے پڑھنا، چولہے اوندھے کر دینا، عورتوں کا بدن سے زیورات اتار دینا، ماتمی جلوس نکالنا، زنجیروں اور چھریوں سے خود کو زخمی کرنا، تعزیے اور تابوت بنانا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدا کی نیاز کا شربت بنانا، پانی کی سبیلیں لگانا، عاشورۂ محرم کے دوران میں خوشی کی تقاریب شادی وغیرہ نہ کرنا اور شہادت کا سوگ ہر سال منانا وغیرہ شامل ہیں۔

واضح رہے کہ ان بدعات کے مرتکب افراد اِن تمام کاموں کو باعث ثواب جان کر انجام

---

[1] صحيح مسلم (١/ ٧٩٨) و شرحه للنووي (٨/ ١٢)

دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان امور میں سے اگر کوئی ایک امر بھی ان سے خطا ہو گیا تو مذہب ہی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ ان کی ایک بڑی تعداد مشرک و بدعتی اور بے نمازی و بے روزہ دار ہے، لیکن انھیں اس بات کی مطلق فکر نہیں ہوتی کہ فرائضِ اسلام ترک کر دینے پر یہ اللہ کے سامنے کیا جواب دیں گے لیکن تعزیہ بنانے کی فکر انھیں ماہ محرم کی آمد سے بہت پہلے لگ جاتی ہے، جبکہ نہ وہ فرائض اسلام میں داخل ہے اور نہ سنت رسول ﷺ ہے اور نہ طریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے نہ ائمہ اربعہ سے اس کا جواز ثابت ہے نہ بزرگانِ دین سے یہ رسم قبیح ثابت ہے۔ صرف تعزیہ ہی کیا محرم کی رسومات میں سے ایک بھی رسم ایسی نہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہو، لہٰذا یہ رسومات سراسر بدعات ہیں اور ان کے مرتکبین دوزخی ہونے کے خطرے میں مبتلا ہیں، جب تک ان بدعات سے توبہ نہ کرلیں۔ بہت سے سنی بھائی بہن رافضی حضرات کی دیکھا دیکھی اور کچھ ان کے وسیع پروپیگنڈے کا شکار ہو کر مذکورہ بالا بدعات کا ارتکاب کیا کرتے ہیں۔ جاہلانہ گھرانوں میں محرم کی دس تاریخ کو چولہے اوندھے کر دیے جاتے ہیں۔ نو بیاہی عورتیں عاشورہ اپنے اپنے میکے میں گزارتی ہیں، شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں زیورات پہننا ترک کر دیتی ہیں۔ عاشورے کے جلوس میں روافض کے جلوس سے آگے سنی عوام کے تعزیوں کا جلوس ہوتا ہے، کچھ سنی باقاعدہ ماتم شہدا بھی کرتے ہیں۔ تعزیوں پر علم چڑھائے جاتے ہیں، ان کے نیچے سے بچوں اور بیماروں کو گزارا جاتا ہے، جبکہ یہ رسم بت پرستی سے کسی طرح کم نہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ جو لوگ کربلا کا فسانہ اور شہید مظلوم کی خود ساختہ داستانیں اور ان پر پانی بند ہونے کے جھوٹے قصے سنتے سناتے ہیں، وہی محرم کے مہینے میں شربت کے مٹکے اور کھچڑی کی دیگیں کھا پی کر اپنی توندیں بڑھا رہے ہیں، حالانکہ ان کے دلوں میں اگر ان بزرگوں کی محبت ہے تو انھیں بھی یہ دن بھوکے اور پیاسے رہ کر گزارنا چاہیے تھا۔

مگر اس کے برعکس اس دن روزہ رکھنے کے بجائے اگر سبیلیں لگائی جائیں، دودھ، شربت اور ٹھنڈا پانی خود بھی کھلے عام پیا جائے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلاتے ہوئے مفت پلایا جائے، حلیم اور کھیر وغیرہ کھائی جائے تو اس فعل کی کون سی عقلی توجیہ ہوسکتی ہے؟ کیا یہ یومِ عاشورا کے روزے کی ثابت شدہ سنتِ رسول ﷺ کی صریح نافرمانی اور کھلی خلاف ورزی نہیں؟

ایسے لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیوں سے ڈرنا چاہیے۔

یادگارِ ہجرتِ نبوی ﷺ یا مغرب کی نقالی:

5 نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی اور جب زمانہ نبوت کے تیرہ سال مکمل ہوگئے تو نبی اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہا اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ہم یہاں ہجرتِ نبوی ﷺ سے متعلقہ مسائل مثلاً: راہِ ہجرت میں پیش آنے والے معجزات وغیرہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے، البتہ:

① ہم نے یہاں صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ ہمارا اسلامی سال اور ہجری کیلنڈر یکم جنوری سے نہیں بلکہ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں اپنا قبلہ صحیح کرلینا چاہیے۔

② تمام اسلامی ملکوں میں حکومتی سطح سے لے کر نجی کاروباری اداروں تک کو چاہیے کہ وہ ہجری کیلنڈر کو رواج دیں، اسلامک کیلنڈر چھاپیں اور وہی اپنے گھروں اور دفتروں میں استعمال کریں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلم حکومتوں اور مسلم کاروباری حضرات کو بھی اسلامی تاریخ کو ایک نیا سنہری موڑ دینے والے اس واقعہ ہجرتِ نبوی ﷺ کی یاد تازہ کرانے میں اپنا رول ادا کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین

جس واقعہ ہجرت نے تاریخِ اسلام کا دھارا موڑ کر رکھ دیا، اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا قربانیاں دیں؟ اُن کی تفصیلات بڑی ہی ایمان افروز ہیں، مگر کس کس کا کیا کیا واقعہ ذکر کریں؟ اُن انسانی شکل میں فرشتوں نے جب ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' پڑھ لیا تو پھر اپنی دولت و جایداد اور احباب و اولاد تو کیا، اپنی جانیں بھی نبی ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیں۔ وہ آپ ﷺ کے اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتے تھے، وہ اپنی اُنہی قربانیوں، یادِ الٰہی میں شب بیداریوں اور اتباع و حبِ رسول ﷺ کی بدولت بلند درجات پر فائز ہوئے۔

مناقبِ صحابہ:

ہم یہاں مجموعی طور پر ''مقامِ صحابیت اور شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے بارے میں کچھ آیات اور چند احادیثِ رسول ﷺ پیش کر رہے ہیں، چنانچہ ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا اور ایمان ہی پر اس کا خاتمہ بھی ہوا، ایسے سعادت مند انسان کو ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔ یہ شرفِ صحابیت اتنا بلند مقام ہے کہ قرآن وسنت میں اس کی بہت ہی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رحمت کے مستحق وہ لوگ ہوں گے، جنھوں نے دین کی خاطر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور دینِ اسلام کے لیے ماں باپ، اپنا گھر بار، مال و دولت اور بیوی بچوں تک کو چھوڑ دیا، حتیٰ کہ اپنی جانوں کو نبیِ رحمت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

سورۃ الفتح کا کثیر حصہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے، ''بِسْمِ اللّٰہ...'' کے بعد پہلی اور دوسری آیت نبی ﷺ کے بارے میں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی اقدس ﷺ پر اس آیت کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''آج رات مجھ پر وہ آیت نازل ہوئی ہے جو میرے لیے رُوے زمین کی تمام دولت سے بھی زیادہ محبوب و عزیز ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح: ۲]

''تاکہ اللہ تمھارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔''

تو آپ ﷺ کو انھوں نے مبارکیں دیں اور ساتھ ہی پوچھا کہ یہ تو آپ ﷺ کے لیے ہے، ہمارے لیے کیا ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے سورت فتح کی آیت (۵) نازل کر کے فرمایا:

﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

''تاکہ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اُن کے گناہوں کو ختم کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم کامیابی ہے۔''

اسی سورت کی آیت (۱۸) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

''(اے پیغمبر!) یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت

کر رہے تھے اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انھیں جلد فتح عنایت فرمائی۔''

مقامِ صحابیت ... حدیث کے حوالے سے:

یہ سورۃ الفتح ذوالقعدہ ۶/ ہجری میں نازل ہوئی، جب نبی اکرم ﷺ اپنے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج کرنے کے لیے گئے تھے۔ یہ ہی وہ صحابہ ہیں جنھوں نے ایک درخت کے نیچے نبی اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، حالانکہ وہ نہتے تھے۔ کیونکہ وہ جنگ کی نیت سے نہیں گئے تھے، اس لیے ان کے پاس جنگی ہتھیار مطلوبہ تعداد میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود جب نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنی تامل، سب لڑنے کے لیے تیار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال دیا اور اس کی جگہ صبر وسکینت ان پر نازل فرما دی جس کی بنا پر انھیں لڑنے کا حوصلہ ہوا اور یہ ان کے لیے رضائے الٰہی اور ان کے سچے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ ہے، اسی موقع پر بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [1]

''اُن صحابہ میں سے کوئی ایک شخص بھی نارِ جہنم میں [ہرگز] داخل نہ ہوگا، جنھوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔''

یہی وہ نیک عمل لوگ ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کی آخری آیت میں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ نیز سورت یونس (آیت: ۶۲، ۶۳) میں اللہ عز وجل کا فرمان ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾

''خبردار! اللہ کے ولیوں پر کسی قسم کا خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔''

---

[1] صحیح مسلم (۸/ ۱۶/ ۵۸)

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ہی میرے ولی ہیں جنھوں نے اللہ کی اطاعت وتقوی اختیار کیا اور ایمان وتقویٰ ہی اللہ کے قرب حاصل کرنے کی بنیاد اور اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی تقوے کی وجہ سے ان کے لیے نہ کوئی خوف اور نہ غم ہی ہوگا، بلکہ ان کے دل قضائے الٰہی پر مسرور ومطمئن رہتے ہیں۔ اگر قرآنِ کریم کی صرف انہی آیات پر غور کیا جائے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکرِ جمیل ہے، تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اتنے بلند مرتبہ اور سعادت مند اولیاء اللہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض وکینہ رکھنا، انھیں بُرا بھلا کہنا اور لعن طعن کرنا کتنا برا فعل ہے۔ یہ کم از کم کسی مسلمان سے تو نہیں ہوسکتا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیثِ قدسی میں اللہ نے اپنے ولیوں کا ذکر کچھ اس طرح فرمایا ہے:

''جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے لیے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔''[1]

ذرا سوچیے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا ولی کون ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تو ایک ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہے:

''میرے صحابہ کو گالیاں مت دو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی راہِ اللہ میں خرچ کر دے تو میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے، بلکہ اس سے آدھے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[2]

ایک ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

((مَنْ سَبَّ أَصْحَابِيْ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ))[3]

''جس [شخص] نے میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالیاں دیں، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

---

[1] صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث (٦٥٠٢)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٦٧٣، ٧/ ٢٥) صحیح مسلم (٨/ ١٦/ ٩٢)

[3] صحیح الجامع الصغیر للالباني، رقم الحدیث (١٦٨٥)

''جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دیں، اس نے مجھے گالیاں دیں اور جس نے مجھے گالیاں دیں تو اُس پر اللہ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔''[1]

امام محمد بن یوسف فریابی سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''وہ کافر ہے، اس کا جنازہ پڑھا جائے گا نہ اسے ہاتھ لگایا جائے گا، بلکہ اسے کسی لکڑی کے ذریعے گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا جائے گا۔''

غرض کہ اِن آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے پیشِ نظر اہلِ علم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کفر قرار دیا ہے۔ امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے ''الصارم المسلول'' میں نقل کیا ہے:

''فقہاے کوفہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کو قتل کرنے اور رافضہ کو کافر قرار دینے کا قطعی فتویٰ دیا ہے۔''[2]

قاضی ابو یعلیٰ نے کہا ہے:

''فقہا کے نزدیک جو شخص حلال سمجھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دے وہ کافر ہے اور جو حلال تو نہ سمجھے مگر گالی دے، وہ فاسق ہے۔''

مقامِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ:

یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ جو مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے جس کسی کو اسلام پیش کیا، اس نے تھوڑی بہت جھجک ضرور محسوس کی، لیکن جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام پیش کیا تو انھوں نے کسی جھجک کے بغیر بلا تاخیر اس کو قبول کر لیا۔[3]

اور یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عتیق کا لقب ملا۔[4] یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کا دوسرا لقب صدیق ہے جو حضرت جبریلِ امین علیہ السلام کی طرف سے آپ کو ملا تھا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

---

[1] الكامل في الضعفاء لابن عدي (٥/ ٣٥٢)

[2] الصارم المسلول (ص: ٢٧٤)

[3] صحيح البخاري (١/ ١٥٦)

[4] الطبري (٢/ ٤١٥)

''آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج میں حضرت جبریلِ امین علیہ السلام سے پوچھا کہ میری قوم میں اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے، کیوں کہ وہ صدیق ہیں۔''[1]

یہ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے اسلام کی پہلی صدائے توحید ہی پر لبیک کہا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے تشکر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

''بلاشبہہ جان و مال کے لحاظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ مجھ پر کسی اور کا احسان نہیں ہے۔''

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کی:

''یا رسول اللہ ﷺ! یہ جان اور مال کیا کسی اور کے لیے بھی ہے؟''[2]

یہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی قسمت میں رفیقِ غارِ ثور ہونے کی سعادت لکھی تھی۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا بہت مقام و مرتبہ ہے، اُن کی سب سے بڑی فضیلت اور سب سے بڑی تعریف ان کا صدیق ہونا ہی ہے اور یہ ایک اتنا بڑا وصفِ کمال ہے، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی نظیر آپ تھے۔ محدثین و مورخین نے آپ کے کارناموں کا الگ الگ ذکر کیا ہے جن میں:

❶ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے۔

❷ قرآنِ کریم کا نام سب سے پہلے آپ نے مصحف رکھا۔

❸ قرآنِ مجید کو سب سے پہلے آپ نے جمع کرایا۔

❹ سب سے پہلے شخص جس نے کفارِ قریش کے خلاف آنحضرت ﷺ کی حمایت میں جنگ لڑی۔

❺ نبی مکرم ﷺ کے بعد اسلام میں سب سے پہلے جس نے مسجد بنائی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

❻ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں جن کو حج کی امامت کا شرف حاصل ہوا، وہ آپ ہی ہیں۔

❼ آنحضرت ﷺ نے آپ کو باصرار نماز کی امامت کا حکم فرمایا اور خود بھی ان کے پیچھے اقتدا کی، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

❽ سب سے پہلے بیت المال آپ نے قائم کیا۔

---

[1] طبقات ابن سعد، ذکر أبي بكر رضي الله عنه (٣/ ١٦٩)

[2] سنن الترمذي، مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه (٣٦٦١)

9. سب سے پہلے دوزخ سے نجات کی خوشخبری نبیِ رحمت ﷺ نے آپ ہی کو دی اور عتیق کے لقب سے مشرف فرمایا۔

نبی مکرم ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قربانیوں اور وفاداریوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس طرح باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا بہت ہی مقام و مرتبہ ہے، ان کے لیے یہی شرف کیا کم ہے کہ انھوں نے حالتِ ایمان و اسلام میں نبی آخر الزمان ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی، وہ چہرہ انور، رخِ زیبا کہ جس کا ایمان کی حالت میں دیکھ لینا فوز و فلاح اور فتح و نصرت کا ضامن ہے۔ ان قدسی نفوس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ»[1]

''میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ [صحابہ کرام رضی اللہ عنہم] ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے [تابعین رحمہم اللہ] ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے [تبع تابعین رحمہم اللہ] ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ ارشادات اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث دیکھ لینے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بھی صحابی کے بارے میں کوئی ایسی بات کرے، جس سے بے ادبی و گستاخی کا پہلو نکلتا ہو، کیونکہ یہ ایمان کی بربادی کے مترادف ہے۔ ہمیں رسولِ اکرم ﷺ کی فرمانبرداری کرنی ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا تقاضا یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات پر بحث کرنے کے بجائے اس بارے میں مکمل طور پر خاموشی اختیار کی جائے۔

رسولِ اکرم کی ذاتِ مبارکہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی وہ پاکباز اور مقدس ہستیاں ہیں جو انتہائی خوف اور دہشت کے ماحول میں سخت ترین آزمائشوں کے باوجود ایمان لائے اور رسول کریم ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اعتبار سے پوری امت کے محسن ہیں کہ انھوں نے قرآنِ مجید کی حفاظت فرمائی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سنتِ مطہرہ کو محفوظ کیا اور دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اپنے گھر بار چھوڑے، ہر طرح کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کیں، اللہ تعالیٰ کا دین دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچایا اور یہ وہی دینِ اسلامی ہے جو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٦٥٠) صحيح مسلم مع شرح النووي (٨/ ١٦/ ٨٤ تا ٨٨)

ہمارے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس دینِ اسلام پر اللہ ہمیں ثابتِ قدم رکھے۔ آمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی زبان پر کوئی ناشائستہ کلمہ لانے کی جسارت نہ کی جائے، بلکہ دل کی گہرائیوں سے سب کا ایک جیسا ادب و احترام کیا جائے، ہمارے دل ان کے لیے جذبہ تشکر سے معمور رہنے چاہییں اور زبانوں پر ان کے لیے دعاے مغفرت رہنی چاہیے۔

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. ماہِ محرم اور تذکرہ چند بدعات کا۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
4. صدیقِ اکبر۔ مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی
5. چند بدعات اور ان کا تعارف۔ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
تقدیم ونظرِ ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

شہادت کا مقام و مرتبہ

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ [الحج: ٥٨]

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (اس کی رضا مندی کے لیے) ہجرت کی (وطن چھوڑا)، پھر وہ شہید کر دیے گئے یا اپنی موت سے مرگئے (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ ان کو بہترین رزق عطا فرمائے گا اور بے شک اللہ ہی سب روزی دینے والوں میں سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔''

یعنی اگر اسی ہجرت میں موت آگئی یا شہید ہوگئے تو ان کے لیے جنت کی وہ نعمتیں ہیں جو ختم ہوں گی نہ کبھی فنا ہوں گی۔ انسان اگر کسی کو دیتے ہیں تو اللہ کے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں، اس لیے اصل رازق تو وہی ہے۔ اللہ کے نزدیک شہدا کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ لہٰذا سالِ نو اپنے ساتھ جو یادیں اور پیغامات لاتا ہے، انہی میں سے تاریخِ اسلام کا ایک انتہائی اندوہناک واقعہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ بھی ہے، سرِدست ہم اس واقعے کی تفصیلات میں تو نہیں جا رہے، البتہ آیئے ہم آپ کو شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے والے ظالموں کے انجام کے بارے میں کچھ بتا دیں۔

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا کربلا میں قتلِ عام ہوا، اس وقت یزید بن معاویہ کی خلافت تھی اور عراق کا گورنر عبید اللہ بن زیاد تھا جس کے حکم سے یہ قتلِ عام ہوا۔ کربلا عراقی دار الحکومت بغداد کے جنوب میں ''فرات'' سے نکلنے والی ایک نہر کے پاس واقع ہے۔ جس وقت کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو نہایت بے دردی اور بے رحمی سے شہید کیا گیا تھا، اس وقت شہرِ بغداد کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بعض صحیح حدیثوں میں کربلا کا ذکر

آیا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بارش کے فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذنِ باریابی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ہمارے اوپر دروازہ بند رکھو، تاکہ کوئی داخل نہ ہونے پائے، یہاں تک کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کودتے ہوئے آگئے اور اندر داخل ہوگئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر چڑھنے لگے تو یہ دیکھ کر فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت ہے؟ فرمایا: ہاں! فرشتے نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کو قتل کردیگی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل کیے جائیں گے؟ یہ کہہ کر فرشتے نے اپنا ہاتھ مارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ مٹی دکھائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ مٹی لے لی اور اپنی اوڑھنی کے ایک کنارے میں اس کو باندھ لیا۔''[1]

حدیث کے راوی ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ وہ جگہ کربلا ہے یا وہ کربلا میں شہید کیے جائیں گے۔ حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ نے ''مجمع الزوائد'' میں اس حدیث کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث جو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اس میں وہ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لیٹے اور جب بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قدر سُست اور افسردہ تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ لیٹ گئے اور سوگئے اور جب بیدار ہوئے تو سُست تھے، مگر پہلے سے کم، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر لیٹ گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیسی مٹی ہے؟ فرمایا: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ حسین (رضی اللہ عنہ) کو عراق کی سرزمین میں قتل کیا جائے گا، میں نے جبریل علیہ السلام سے کہا: مجھے اس زمین کی مٹی دکھاؤ جس پر وہ قتل کیا جائے گا تو انھوں نے مجھے یہ مٹی دی۔''[2]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

---

[1] مسند أحمد، رقم الحديث (١٣٥٧٣، ١٣٨٣٠)

[2] مستدرك الحاكم، رقم الحديث (٤٨٧١)

''میں نے نبی ﷺ کو دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ پراگندہ بال غبار آلود حالت میں کھڑے ہیں اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک بوتل ہے جس میں خون ہے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جو آج میں اس میں جمع کرتا رہا ہوں، ہم نے اس دن کو شمار کیا تو یہ وہی دن تھا جس میں وہ قتل کیے گئے تھے۔''[1]

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت سے متعلق جن حدیثوں کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، ان سے جہاں ان کی (اور ان کے بیٹوں، بھتیجوں اور ساتھیوں کی) شہادت کا ثبوت ملتا ہے، وہیں ان سے یہ تعین بھی ہو جاتا ہے کہ ان کو کربلا میں شہید کیا گیا تھا۔ اس طرح جو لوگ واقعہ کربلا کا انکار کرتے ہیں، ان حدیثوں سے ان کے دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے۔

امام حاکم، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ وغیرہ نے یہ صراحت کی ہے کہ کربلا کے جس مقام پر یہ خونی المیہ وقوع پذیر ہوا، اس کا نام ''طف'' ہے۔

تاریخ کا یہ دل ہلا دینے والا المیہ تھا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا تھا، لیکن اس کی سزا اُن لوگوں کو فوراً اور نہایت بھیانک طریقے سے مل گئی تھی جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے میں شریک تھے اور مختار ثقفی اور اس کے ہمنواؤں نے بلائے ناگہانی بن کر ان سب کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔

عبیداللہ بن زیاد کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اس کے ظلم کی جو سزا اِس دنیا میں دی، اس نے اسے دنیا کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا، چنانچہ مشہور تابعی حضرت عمارہ بن عمیر تیمی رحمہ اللہ سے روایت ہے:

''جب عبیداللہ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے سر کوفہ لائے گئے تو کوفہ کے ''رحبہ'' نامی محلے کی ایک مسجد میں ایک دوسرے پر رکھ دیے گئے۔''

عمارہ کہتے ہیں: ''میں وہاں گیا تو لوگ کہہ رہے تھے: وہ آیا وہ آیا، اتنے میں وہاں ایک

---

[1] مسند أحمد، رقم الحديث (٢١٦٥، ٢٥٥٣)

سانپ نمودار ہوا اور ان سروں کے درمیان گھس گیا، پھر وہ عبیداللہ بن زیاد کے نتھنے سے اس کے سر میں گھس گیا اور تھوڑی دیر سر میں رہنے کے بعد باہر آ گیا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا، اس کے بعد پھر لوگوں نے کہا: وہ آیا وہ آیا اور جس طرح وہ پہلے اس کے نتھنوں سے اس کے سر میں گھسا تھا، اسی طرح دو یا تین بار کیا۔‘‘[1]

رہے وہ اعمال جو شیعہ عاشورا یعنی محرم کی ۱۰ر تاریخ کو کرتے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اہلِ خانہ کی شہادت کے غم میں ماتمی مجلسیں منعقد کرتے ہیں، جن میں آلِ فاطمہ اور آلِ علی رضی اللہ عنہم کے سوا دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرا کرتے اور انھیں برا بھلا کہتے ہیں تو ان لوگوں کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اسی طرح حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا تھا۔ اگر شہدا کے غم میں مجالسِ عزا منعقد کرنے اور ان میں ماتم کرنے کی کوئی شرعی حیثیت ہوتی تو پھر حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے پہلے شہادت پانے والوں کے غم میں بھی ماتمی مجلسیں منعقد کرنی چاہیے تھیں۔ معلوم ہوا کہ اہلِ بیت سے الفت ومحبت کا اظہار ان کے طریقے پر چل کر کیا جاسکتا ہے نہ کہ ان کے غم میں سینہ کوبی کرکے اور ماتمی مجلسیں منعقد کرکے۔

اسی طرح اہلِ بیت سے عداوت و دشمنی رکھنے والے ''نواصب'' ۱۰ر محرم کو جس خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور اس دن اچھے کپڑے زیبِ تن کرتے ہیں، لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں، دوسرے لفظوں میں عید مناتے ہیں تو یہ تمام اعمال غیر اسلامی ہیں اور ان کا مظاہرہ کرنے والے اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہیں۔

اسلام میں شہادت کے مقام و مرتبے کی وضاحت قرآن وسنت کی روشنی میں کیا ہے؟ اس سلسلے میں قرآنِ کریم کے ایک دو نہیں کئی مقامات پر جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت وعظمت، مقام ومرتبے اور شہادت کی رفعت ومنزلت بیان ہوئی ہے۔ آپ مترجم قرآنِ پاک اٹھائیں اور زیادہ نہیں تو کم ازکم سورت بقرہ کی آیات [۱۵۴، ۱۹۰، ۲۱۸] سورت آل عمران کی آیات [۱۵۷، ۱۶۹ تا ۱۷۷] سورت نساء کی آیات [۷۴ تا ۹۵] سورت انفال کی آیت [۷۴] سورت توبہ کی آیات [۲۰، ۴۱، ۱۱۱]

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۷۸۰)

اور سورت حج کی آیت [۵۸] کی تلاوت کریں اور ان کا ترجمہ دیکھیں کہ شہادت کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور ان کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

ان کے لیے کہیں فرمایا ہے کہ فی سبیل اللہ شہادت پانے والے لوگوں کو مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمھیں ان زندگی کا شعور نہیں اور کہیں انھیں رحمتِ الٰہی کے امیدوار فرمایا اور کہیں رحمت و بخشش کو اُن کا مقدر بتایا ہے اور کہیں فرمایا ہے کہ انھیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے، وہ اللہ کے فضل و احسان اور نعمت و کرم پر خوش ہو گئے، انھیں کوئی غم یا خوف نہیں ہوگا۔ ان کے لیے اجرِ عظیم اور بلند درجات ہیں، انھیں ہمیشہ کے لیے رضائے الٰہی اور دائمی جنت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔

ان قرآنی آیات کے علاوہ بے شمار احادیث میں بھی جہاد و مجاہدین و شہادت و شہدا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جنت میں ایک سو درجاتِ رفیعہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔“[1]

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”مجھے دو آدمی اپنے ساتھ لے کر اوپر چڑھ گئے اور ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ ((لَمْ أَرَقَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا)) ”میں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت گھر کبھی دیکھا ہی نہیں“ پھر انھوں نے مجھے بتایا: ”یہ گھر شہدا کے لیے تیار کیا گیا ہے۔“[2]

شہدا کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند مقام اور قربِ خاص سے نوازے گا اور پوچھے گا: ”کیا تمھیں کسی اور نعمت کی تمنا ہے؟“ وہ کہیں گے: ”اے اللہ! ہمیں جو نعمتیں میسر ہیں، ان سے بڑھ کر اور کیا طلب کریں؟ ہاں اگر ممکن ہو تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے، تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہوں۔“[3]

اللہ کی راہ میں شہید کا بہت بڑا مقام ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”جہاد فی سبیل میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس طرح اُٹھایا جائے گا کہ اس

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٢٧٩٠/ ١٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٩١، ٦/ ١٤)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨١٧، ٦/ ٣٩)

کے زخموں سے ایک ایسا رنگین مادہ بہہ رہا ہوگا جس کا رنگ خون کا اور خوشبو کستوری کی ہوگی۔''[1]

موت اور صبر:

موت شہید کی ہو یا عام مرگ، موت بہر حال سب کا مقدر ہے، کیونکہ سورت آلِ عمران (آیت: ۱۸۵) سورت انبیاء (آیت: ۳۵) اورسورت عنکبوت (آیت: ۵۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

تمام جن و انس ایک نہ ایک دن مر جائیں گے۔ اسی طرح تمام فرشتے حتیٰ کہ حاملینِ عرشِ الٰہی بھی ایک دن موت کے جام کو پی لیں گے۔ دوام و بقا صرف اللہ واحد و قہار ہی کی ذاتِ گرامی کو حاصل ہے۔ جیسا کہ سب سے اول بھی وہی تھا اور آخر میں بھی وہی ہوگا۔ اسی قانونِ الٰہی کے تحت جب کسی کو موت آ جائے تو ایسے موقع پر فطری امر ہے کہ پسماندگان یعنی اس کے گھر والوں اور عزیزوں کو صدمہ اور دُکھ تو پہنچے گا، مگر اس کے اظہار کی کہاں تک گنجایش ہے؟

اس سلسلے میں بھی شریعتِ اسلامیہ میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اگر مصیبت آ جائے، دل دکھوں سے بھر جائے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک پڑے، تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے رونا اور آنسو بہانا بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے، کیونکہ ایسے کئی مواقع پر خود نبیِ رحمت ﷺ کا آنسو بہانا ثابت ہے۔ نبیِ رحمت ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل کے حزن وغم پر عذاب نہیں کرے گا، البتہ اس کے عذاب دینے یا رحم فرمانے کا تعلق اِس سے ہے۔'' یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔[2]

بعض لوگ اور خصوصاً خواتین غم کے موقعوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں اور جائز رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ ساتھ مرنے والے کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب کی گنتی شروع ہوجاتی ہے۔ سنن ابو داود میں ایک صحابیہ [خاتون رضی اللہ عنہا] کا بیان ہے کہ نبی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٨٠٣، ٦/ ٢٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٣٠٤)

کریم ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا:

''[مصیبت میں] نہ ہم منہ نوچیں گی، نہ واویلا کریں گی، نہ کپڑے پھاڑیں گی اور نہ ہی بالوں کو بکھیریں گی۔''[1]

ایسے امور کو''نوحہ خوانی'' کہتے ہیں جس سے نبی ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی عورت فرمانِ نبوی ﷺ کی نافرمانی کرے، تو ایسی عورت کے بارے میں سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''نوحہ خوانی کرنے والی عورت اگر توبہ کیے بغیر مرگئی تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ آتش گیر مادے [چقماق] کی قمیص پہنے ہوگی اور اسے خارش کی ذرع پہنائی جائے گی۔''[2] پھر اس آتش گیر مادّے کے اوپر آگ کے شعلے کی ذرع ہوگی۔''[3]

صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''کوئی عورت تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے، سوائے اس عورت کے جس کے شوہر کی وفات ہوگئی ہو، اُس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منا سکتی ہے۔''[4]

شریعتِ اسلامیہ ہر معاملے میں چونکہ اعتدال پسند ہے، اس میں خوشی کے مواقع پر اور نہ غمی کے حالات میں حدود اور پابندیاں توڑنا روا ہے، ایسے موقع پر عورت کی طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے اس کے لیے شوہر کے سوا ہر عزیز کی مرگ کا صرف تین دن سوگ منانا جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی کا شوہر فوت ہوجائے تو اس عورت کو چار ماہ اور دس دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔ اس ارشادِ نبوی ﷺ کے پیشِ نظر بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جو چودہ سو سال پہلے کی موتِ شہادت پر سوگ منا رہے ہیں، وہ تعلیماتِ اسلام کے سراسر منافی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کا کسی بھی طرح کوئی جواز نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ رشتہ داری کرنا (یعنی روافض [شیعہ] میں شادی کرنا) ناجائز ہے، کیونکہ ان کے دلوں سے ایمان ہٹ گیا ہے، اللہ اور

---

[1] صحيح أبي داود، سنن البيهقي (٤/ ٦٤)

[2] صحيح مسلم (٣/ ٦/ ٢٣٥، ٢٣٦)

[3] مسند أحمد (٥/ ٤٢، ٤٣، ٣٤٤)

[4] صحيح البخاري (٩/ ٤٠١) صحيح مسلم (٥/ ١٠/ ١١٨)

رسول ﷺ کی محبت ان کے دلوں سے جاتی رہی ہے۔[1]

یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

[الأنعام: ٦٨]

''تجھے اگر شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔''

انہی لوگوں کے بارے میں نبی اقدس ﷺ کا فرمان ہیں:

((اِيَّاكُمْ وَاِيَّاهُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ))

''اُن سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔''

فاضل بریلوی شاہ احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ خاص رافضیوں کے لیے ایک حدیث ہے، فرمایا:

''ایک قوم آنے والی ہے، ان کا ایک بد لقب ہوگا، [اور وہ کیا ہے؟] انھیں رافضی کہا جائے گا [یہ لوگ] نہ جمعہ میں آئیں گے نہ جماعت میں اور سلف کو برا کہیں گے، تم ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا پینا، نہ شادی بیاہ کرنا، بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جانا، مرجائیں تو جنازے پر نہ جانا۔''

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں:

''آج کل کے روافض تو عموماً ضروریاتِ دین کے منکر اور قطعاً مرتد ہیں، ان کے مرد یا عورت کا کسی [سنّی مرد یا عورت] سے نکاح ہوسکتا ہی نہیں۔''[2]

کچھ لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ سنت کہلاتے یعنی سنتِ رسول پر عمل کرنے والے ہیں لیکن اس مہینے میں شادی بیاہ نہیں کرتے، جبکہ ان کے بیان کردہ افسانوں کے مطابق انھیں عاشورہ محرم کے دوران میں شادیاں بھی کرنی چاہییں، جیسا کہ قاسم رحمہ اللہ کی مہندی خود انہی کے بقول کربلا کے میدان میں شب عاشورہ میں لائی گئی تھی۔ (عقل کے اندھوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ دولہا اور دلہن کی رسم مہندی ایک خالصتاً ہندی رسم ہے، عرب علاقوں میں آج بھی منہدی نام کی کوئی رسم نہیں پائی جاتی)

[1] ماہنامہ ''صراطِ مستقیم''، برمنگھم (جلد: ۱۲، شمارہ: ٤)

[2] ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (۳/ ۱۱۱) بحوالہ تعلیماتِ شاہ احمد رضا خاں بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی (ص: ۵۰ تا ۵۴)

حقیقت تو یہ ہے کہ پورے سال میں کوئی دن نہ کوئی مہینا ہی ایسا ہے جس میں شادی بیاہ کرنا منع ہو۔ الا یہ کہ وہ لوگ جنھوں نے ذوالحجہ کے مہینے میں حج کا احرام باندھ لیا ہے، خاص ان حاجیوں کے لیے نکاح و منگنی منع ہے۔ باقی سارا سال سب کے لیے کسی بھی مہینا میں شادی بیاہ منع نہیں۔

اس کے علاوہ بھی ہمارے لوگوں نے ان کی بہت ساری رسوم کو اپنایا ہوا ہے۔ مثلاً تعزیے بناتے، شہادت نامہ پڑھ پڑھ کر روتے اور رلاتے ہیں اور شیعوں کی مجالس میں شریک ہوتے، ان کی شیرنی کھاتے اور ماتمی جلوس میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے سنی مسلمان اس ماہ میں رافضی حضرات کی دیکھا دیکھی اپنے بچوں کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فقیر بناتے ہیں، انھیں کلاوے پہنائے جاتے ہیں، پھر وہ بچے در در جا کر بھیک مانگتے ہیں، پھر اس بھیک کی رقم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ یہ رسم بھی بدعت ہے۔

اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فقیر بنانا ازروے شریعت جائز ہوتا تو زین العابدین اپنے بیٹے باقر کو اور باقر اپنے بیٹے جعفر کو اور جعفر اپنے بیٹے موسیٰ کاظم کو اور موسیٰ کاظم اپنے بیٹے علی رضا کو اور علی رضا اپنے بیٹے محمد تقی، اپنے بیٹے علی نقی اور اپنے بیٹے حسن عسکری کو ضرور عباس رضی اللہ عنہ کا فقیر بناتے، کیونکہ یہ لوگ ان کے قرابت دار اور اولاد ہونے کے ناتے ان امور کو انجام دینے کے واقعتاً مستحق تھے۔ یہ رسوماتِ محرم صرف بدعت ہی نہیں بلکہ شرک کے زمرے میں بھی آتی ہیں، لٰہذا ایسے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو یاد رکھنا چاہیے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص کسی قوم کے تعداد بڑھانے کا سبب بنا، وہ انھی میں سے ہے۔''

بہر حال ایسی مجلس میں شرکت کرنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ [الأنعام: ٦٨]

''اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمھیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔''

کہنے کو تو ہم سب اپنے آپ کو مسلمان، دینِ اسلام پر چلنے والے کہلواتے ہیں لیکن جہاں کہیں دین کے مقابلے میں رشتے داری کی بات ہوتو پھر ہم دینِ اسلام کی سب باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ اپنے دنیاوی امور میں تو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہم ہزار بار سوچتے ہیں اور جہاں سے سستی اور اچھی کوالٹی کی چیز ملے، وہاں سے لیتے ہیں تو کیا ہمارا دین اتنا ہی بے دام اور سستا سودا ہے کہ اس کے اُمور میں ہم اصلی ونقلی کے بارے میں سوچنا اور قرآن وسنت کی دلیل طلب کرنا یا پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ یاد رکھیے معاملہ رشتے داری کا ہو یا اولاد کا ہو، ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہے تو پھر یہ ہی ہمارے لیے اولیٰ اور بہتر ہے، اس ہی میں ہماری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

بقولِ شاعر ؎

ڈرو ''اللہ'' سے ہوش کرو مکر و ریا سے کام نہ لو
یا اسلام پہ چلنا سیکھو، یا اسلام کا نام نہ لو

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فکرِ دین کی توفیق سے نوازے اور ہم سب کو دینِ اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابنِ کثیر (جلد: ۳)۔
2. تفسیر احسن البیان۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
3. ماہِ محرم اور تذکرہ چند بدعات کا۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
4. صدیقِ اکبر۔ مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی
5. چند بدعات اور ان کا تعارف۔ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
تقدیم ونظرِ ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

جن و انس کی تخلیق کا مقصد

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الذاریات (آیت: ۵۶) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

''اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری پوجا کریں۔''

تمام انبیا علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا مرکزی موضوع وحدانیت وعبادتِ الٰہی ہے:

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ توحید وعبادت انسان کا وہ بنیادی فریضہ ہے، جس کی طرف دعوت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کتابیں اورصحائف نازل فرمائے اور مختلف اوقات و ادوار میں مختلف علاقوں میں انبیا و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے، تاکہ وہ لوگوں کو عبادتِ الٰہی کی طرف توجہ دلاتے اور اس کی یاد دہانی کرواتے رہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ تمام انبیاے کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کی وحدانیت وعبادت کا درس دیا تھا، جس کا پتا سورۃ الانبیاء (آیت: ۲۵) ہی سے پتا چل جاتا ہے، جس میں امام الانبیاء و خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

① ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾

''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔''

② نیز سورت یٰسین (آیت: ۶۰، ۶۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾

''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا (اس کی عبادت نہ کرنا) وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔''

یعنی اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا اور یہی وہ راستہ ہے جس کی طرف تمام انبیا علیہم السلام لوگوں کو بلاتے رہے اور یہی منزلِ مقصود، یعنی جنت تک پہنچانے والا عمل ہے۔

◈ ۳ سورۃ الاعراف (آیت: ۵۹) میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے ساتھ کیسے خطاب فرمایا تھا:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾

''ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے (ان سے) کہا: اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب (ہی) کا ڈر ہے۔''

مگر شرک انسان کی عقل کو ماؤف کر دیتا ہے، اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی، تب انسان کو ہدایت، گمراہی اور گمراہی، ہدایت نظر آتی ہے، چنانچہ قومِ نوح علیہ السلام کو بھی یہی قلبِ ماہیت ہوئی، ان کو حضرت نوح علیہ السلام جو اللہ کی توحید کی طرف اپنی قوم کو دعوت دے رہے تھے، نعوذ باللہ گمراہ نظر آتے تھے۔

◈ ۴ اسی طرح سورۃ الاعراف کی آیت (۶۵) میں قومِ عاد کی طرف بھیجے گئے نبی حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾

''اور (اسی طرح) قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، انھوں نے کہا کہ بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟''

یہ قومِ عاد جن کی رہایش یمن میں ریتلے پہاڑوں میں تھی اور اپنی قوت و طاقت میں بے مثال تھی، ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام جو اس قوم کے ایک فرد تھے، اس قوم کے نبی بن کر آئے۔

⑤ تھوڑا آگے چل کر اسی سورت اعراف کی آیت (۷۳) میں قومِ ثمود کی طرف بھیجے گئے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾

''اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے معجزہ ہے تو اسے (آزاد) چھوڑ دو تاکہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا، ورنہ دردناک عذاب تمھیں پکڑ لے گا۔''

بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبر سے مطالبہ کیا کہ پتھر کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال کر دکھائی جائے جسے نکلتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد لیا کہ اس کے بعد بھی اگر ایمان نہ لائے تو وہ ہلاک کر دیے جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے پر اونٹنی ظاہر فرما دی۔[1]

اس اونٹنی کی بابت انھیں تاکید کر دی گئی کہ اُسے بُری نیت سے کوئی شخص ہاتھ نہ لگائے، ورنہ تم عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ جاؤ گے، لیکن ظالموں نے اونٹنی کو بھی قتل کر ڈالا، جس کے تین دن بعد انھیں چنگھاڑ (سخت چیخ) اور رجفہ (زلزلے) کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ ان پر دو قسم کے عذاب آئے۔ اوپر سے سخت چیخ اور نیچے سے زلزلہ۔ ان دونوں عذابوں نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

⑥ سورۃ العنکبوت (آیت: ۱۶) میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

---

[1] تفسیر الطبري (۵/ ۵۳۰)

''اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔''

⑦ سورت یٰسین (آیت: ۲۲) میں اسرائیل کے ایک شخص، جس کا نام مفسرین نے حبیب نجار ذکر کیا ہے، کے یہ الفاظ منقول ہیں:

﴿ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

''اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت و پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے؟''

آپ اندازہ کریں کہ وہ کتنا نیک اور اللہ کا عبادت گزار بندہ ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورت ہود کی دوسری آیت میں امتِ مسلمہ کو حکم دیتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے فرمایا:

﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ﴾

''(وہ یہ) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تمھیں ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔''

⑧ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۲۳) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾

''اور تمھارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب سے کرنا۔''

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کی اطاعت، ان کی حرمت اور ان کے ادب و احترام کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے، یعنی ربوبیتِ الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ اطاعتِ والدین کے

تقاضوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔

٩ سورت بقرہ (آیت: ١٣٣) میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات کے قریب اپنے بیٹوں سے پوچھا:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

''بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابرہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

١٠ سورۃ الزمر (آیت: ٢) میں اللہ رب العالمین نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ﴾

''(اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ کی عبادت کریں (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے۔''

١١ نیز اسی سورۃ الزمر (آیت: ٦٦) میں فرمایا ہے:

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾

'' بلکہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکرگزاروں میں رہیں۔''

١٢ سورۃ الحجر (آیت: ٩٨، ٩٩) میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾

''اپنے رب کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کیے جائیں، یہاں تک کہ آپ کی موت (کا وقت) آجائے۔''

غرض تمام انبیا و رسل علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وعبادت کی دعوت دی تھی، حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ کریم کو نازل فرمایا اور اپنے پسندیدہ دینِ اسلام کی تکمیل فرمائی اور اپنے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو اپنی کتابِ خالد قرآنِ کریم میں یہ اعلان فرما دیا کہ جن و انس کی تخلیق کی غرض و غایت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رب یعنی پروردگار کی حیثیت سے پہچانیں اور صرف اسی کی عبادت کریں اور انسان وجنات کی تخلیق کا مقصدِ وحید ہی عبادت قرار پایا ہے، جیسا کہ سورۃ الذاریات (آیت: ۵۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

محاسبہ نفس:

ہر انسان جو عاقل وبالغ اور صاحبِ ہوش وخرد ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس سے سوال کرے، اپنے ضمیر کو ٹٹولے اور اپنے گریبان میں جھانکے، بلکہ اپنے من میں ڈوب کر ''سراغِ زندگی'' پا جانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے اپنے آپ سے پوچھے:

- میں اس دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا ہوں؟
- اس زمین پر میری ڈیوٹی کیا ہے؟
- مجھے ساری کائنات سے ممتاز کیوں بنایا گیا ہے؟

انسان کی فوقیت و برتری اور ممتاز مقام کا ثبوت تو خود قرآنِ کریم میں مذکور ہے، چنانچہ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۷۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

یہ شرف وفضیلت اور یہ حیثیت ہر انسان کو حاصل ہے، چاہے مومن ہو یا کافر، کیونکہ یہ شرف

دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات اور نباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے، جس طرح کی شکل وصورت، قدو قامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں۔

جب بحیثیت انسان، چاہے مسلم ہو یا کافر، اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت وبرتری اور فوقیت و امتیاز حاصل ہے تو جب یہی انسان نہ صرف محض کلمہ گو مسلمان بلکہ باعمل مومن ہوتو اپنے ایمان وعمل اور اللہ کی عنایت سے وہ تمام مخلوقات حتیٰ کہ فرشتوں سے بھی بالاتر ہو جاتا ہے، جس کا واضح ثبوت اسراء ومعراجِ مصطفیٰ ﷺ کی جزئیات پر غور کرنے ہی سے مل جاتا ہے۔

انسان اس پوری کائنات کا سرتاج (Crown of creation) ہے، بشرطیکہ مکمل انسان، صاحبِ ایمان اور ساتھ ہی ساتھ عملِ صالح پر کاربند ہو، اگر یہ محنت وعبادت کرنے والا ہے تو فرشتوں سے بھی افضل ہوجائے گا۔ بقول شاعر ؎

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

غرض انسان کو چاہیے کہ اس فوقیت وبرتری اور امتیاز کا سبب تلاش کرے، اپنی تخلیق و پیدائش کا مقصد ڈھونڈے اور اپنی ڈیوٹی و ذمے داری کا سراغ لگائے۔

اہلِ ایمان وعمل کو تو اس کا جواب معلوم ہوتا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہر صانع کو اپنی مصنوعات کے بھید معلوم ہوتے ہیں کہ اس نے انھیں اس شکل وصورت میں کیوں تیار کیا ہے؟ انسان کا صانع یا خالق یعنی اس کا پیدا کرنے والا اور اس کے تمام امور ومعاملات کی تدبیر کرنے والا چونکہ اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا آیئے اپنے رب ہی سے پوچھ لیتے ہیں کہ اے اللہ! تونے اس کو کیوں بنایا؟

❁ کیا اسے صرف کھانے پینے کیلئے بنایا گیا ہے؟
❁ کیا اس کی تخلیق کا مقصد صرف لہو ولعب اور کھیل کود ہی ہے؟
❁ کیا اسے محض اس لیے وجود میں لایا گیا ہے کہ زمین پر چلے پھرے اور زمین سے پیدا ہونے والی تمام اشیا کو بے دریغ استعمال کرے اور پھر مر کر مٹی ہو جائے اور قصہ ختم...؟

نہیں، ہر گز نہیں، کیونکہ سورۃ الذاریات (آیت: ۵۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾

’’اور میں نے جن اور انسان اسی لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

انبیا علیہم السلام کی بعثت کا بڑا مقصد:

انبیا علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد ہی یہ تھا کہ لوگوں کو کہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس عبادت میں شریک نہ کرنا ہی توحید ہے اور یہی تمام انبیا علیہم السلام کا دین رہا ہے، جس کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو اپنے بندوں کے پاس بھیجا۔

سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں یا دس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ پہلے تک تمام لوگ اسلام پر قائم چلے آرہے تھے، پھر سب سے پہلے توحید سے انحراف اس طرح آیا کہ اس قوم کے صالحین فوت ہوگئے تو ان کے عقیدت مندوں نے ان پر سجدہ گاہیں (عبادت خانے) قائم کر دیے اور ان کی تصویریں بھی وہاں لٹکا دیں، مقصد ان کا یہ تھا کہ اس طرح ان کی یاد سے وہ بھی اللہ کا ذکر کریں گے اور ذکرِ الٰہی میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے۔ جب کچھ وقت گزرا تو انھوں نے ان تصویروں کے مجسمے بنا دیے، پھر کچھ اور عرصہ گزرنے کے بعد مجسمے بتوں کی شکل اختیار کرگئے، پھر ان کی پوجا پاٹ شروع ہوگئی اور قومِ نوح علیہ السلام کے یہ صالحین: ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر معبود بنا لیے گئے۔ جیسے ہی ان صالحین کے بارے میں ان کی قوم نے غلو کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی ہدایت کے لیے بھیجا، جنھوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی، یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی نے آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہیں کیا، یعنی حق کو دیکھتے تھے، مگر اس کو اپنانے کے لیے تیار نہ تھے، بالآخر اہلِ ایمان کے سوا سب کو غرق کر دیا گیا۔

یہ وہی تابوت یا بزرگوں کے مجسمے تھے جن کا سب سے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتمہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف بھیجے گئے وہ لوگ بھی اللہ کی عبادت و بندگی اور اس کا ذکر کرتے تھے۔ حج اور صدقات و خیرات بھی کرتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے اور اللہ کے درمیان بزرگوں اور بعض مخلوق مثلاً ملائکہ، عیسیٰ، مریم یا دوسرے نیک لوگوں کا واسطہ بناتے اور کہتے تھے کہ ان کے ذریعے ہم اللہ کا تقرب چاہتے ہیں اور اللہ کے یہاں ان بزرگوں کی شفاعت کے

امیدوار ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بھیجا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی تجدید فرمائیں اور لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ یہ تقرب اور اعتقاد صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ کسی اور کا تو ذکر ہی کیا، کسی مقرب فرشتے اور رسول کے بارے میں بھی یہ عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔

تمام انبیا و رسل علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی نقطہ توحید رہا ہے اور پیغمبرِ عرب وعجم حضرت محمد ﷺ جو شریعت دے کر مبعوث فرمائے گئے، ان کا بھی مرکزی نقطہ توحید ہے۔ محدود انسانی عقل اس قدر وسیع کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے صرف ایک الٰہ کی ذات کو تسلیم کرنے میں ہر دور میں متامل رہی ہے۔ ظاہری اسباب دیکھتے ہوئے انسان نے اپنے ذہن میں یہ فلسفہ بٹھا لیا کہ اس کائنات کے نظام کو چلانے کے لیے ایک بہت بڑے انتظامی طریقہ کار کی ضرورت ہے، جس کو کنٹرول کرنے کے لیے سمٹتے سمٹتے ایک الٰہ میں محدود ہو جانا ممکن نہیں اور پھر جن لوگوں نے ایک الٰہ کو تسلیم بھی کر لیا، ان کے ذہن یہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو سکے کہ اس ایک الٰہ نے اپنا کوئی نائب مقرر نہیں کیا جو اس نظم کو چلانے میں اس کی مدد کرتا ہو۔ چنانچہ آدمِ ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے بھی قبل شیطان نے انسان کے ذہن میں شرک کا بیج بو دیا، جو شاخ در شاخ پھیلتا اور نشو و نما پاتا رہا، جس کا قلع قمع کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے انبیا و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان کے بعد حضرت محمد عربی ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

حضرت محمد ﷺ جس قوم کی طرف بھیجے گئے، وہ بظاہر کعبے کے متولی اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جانشین کہتے تھے، لیکن شرک کی بیماری ان میں اس قدر سرایت کر گئی تھی کہ آپ ﷺ نبوت کے ابتدائی تیرہ سال تک مشرکینِ مکہ کو صرف ایک ہی بات کا درس دیتے رہے کہ تمام کائنات کے پورے کے پورے نظام کو چلانے والی صرف ایک ہی ذات ہے، جو سب سے برتر و اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس کی ذات پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اس کے سوا کسی کو مشکل کشا حاجت روا نہ سمجھنا۔ یعنی توحیدِ ربوبیت، توحیدِ الوہیت اور توحیدِ اسما و صفات کا درس دیتے رہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

توحید کی اقسام:

توحید کی ان تین اہم قسموں کا درس نبیِ رحمت ﷺ مشرکین کو دیتے رہے۔

① توحیدِ ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق اور مدبر صرف اللہ تعالیٰ

کی ذات ہے۔ توحید کی اس قسم کا اعتراف تو مشرکینِ مکہ بھی کیا کرتے تھے، جیسا کہ سورت یونس (آیت: ۳۱) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾

''(اُن سے) پوچھو کہ تمھیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے؟ یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے؟ اور جاندار سے بے جان کون کرتا ہے؟ اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟''

ایک اور مقام پر سورۃ الزمر (آیت: ۳۸) میں فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾

''اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے، کہو کہ بھلا دیکھو تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں؟ یا اللہ اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔''

ساتوں آسمان اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ ہر چیز کی بادشاہی کس کے ہاتھ میں ہے؟ وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ دینے والا نہیں۔ ان سب کے جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ، یعنی یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں۔

② توحیدِ الوہیت یہ ہے کہ عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور عبادت ہر وہ کام

ہے جو کسی مخصوص ہستی کی رضا یا اس کی ناراضی کے خوف سے کیا جائے۔ اس لیے صرف نماز، روزہ، حج اور زکات ہی عبادات نہیں ہیں، بلکہ کسی مخصوص ہستی سے دُعا و التجا کرنا، اس کے نام کی نذر و نیاز دینا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس سے طمع اور خوف رکھنا وغیرہ بھی عبادت ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس سے مومن اور مشرکین کا فرق واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ مومن کہتا ہے:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾

''اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

اس اعتبار سے عبادت اللہ کے سوا کسی اور کے لیے جائز ہے اور نہ استعانت ہی کسی اور سے جائز ہے۔ ان الفاظ سے شرک کا سد باب کر دیا گیا ہے۔ توحیدِ الوہیت یہ ہے کہ یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جائیں۔

③ توحیدِ اسما و صفات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اسما و صفات قرآنِ کریم و حدیثِ شریف میں بیان ہوئے ہیں ان کو بغیر کسی تاویل وتمثیل، تعطیل وتشبیہ اور تحریف کے تسلیم کریں اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں۔ مثلاً: جس طرح اس کی صفت علمِ غیب ہے یا دور اور نزدیک ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یا دیگر صفاتِ الٰہیہ میں سے کوئی بھی صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک فی الصفات ہوگا۔ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ جب اس دنیا سے تشریف لے گئے تو سارے عرب پر اسلام غالب آچکا تھا اور پھر خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں دور دور تک اسلام کی کرنیں پھیل گئیں اور شرک وکفر کو جائے پناہ ملنا مشکل ہوگئی، لیکن جونہی مسلمانوں میں ضعف آنا شروع ہوا تو سب سے پہلے جس بیماری نے سر اٹھایا، وہ شرک تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے شرک وبدعات کے گھٹا ٹوپ بادل عرب پر چھاگئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ دور دراز کے علاقوں میں جہاں قرآن و حدیث کی شعائیں پوری آب وتاب سے نہیں پہنچی تھیں، وہاں شرک و بدعات کے ایسے اڈے قائم ہوگئے جن کو آج تک نہیں مٹایا جا سکا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ ہماری ہر قسم کی

عبادات اور ہر نیکی اسی کی رضا کی خاطر خالص ہو، ہمارا جینا اور مرنا بھی صرف اسی کے لیے ہو۔ آمین

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ [الأنعام: ١٦٢، ١٦٣]

''آپ فرما دیجیے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔''

مراجعِ درس

1. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
2. اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

لباس اور پردہ

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الاعراف (آیت: ۲۶) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِکَ خَیۡرٌ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ﴾

''آدمیوں ہم نے تم پر کپڑا اُتارا جو تمھاری شرم گاہ کو چھپاتا ہے اور بناؤ (یہ زیب و زینت سجاوٹ) کا سامان (اُتارا یامال و اسباب) اور پرہیزگاری کا لباس یہ (سب سے) بہتر ہے یہ (لباس کا پیدا کرنا) اللہ کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے، تاکہ وہ نصیحت لیں۔''

لباس ہمارے پروردگار مقدس کا بہترین عطیہ ہے۔ اس میں اولادِ آدم کی شرمگاہوں کی حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی !اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرا لباس بھی عطا فرمایا ہے جسے ''لباسِ تقویٰ'' کہا ہے، جو رُوح کی زینت اور وقار ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کے لیے ایسی تعلیمات اور احکام پیش کرتا ہے جن پر عمل کرنے کے نتیجے میں ایک صالح فرد اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ لباس کے احکام تین قسم کے ہیں:

① وہ احکام جو مشترکہ ہیں، یعنی ان کے مخاطب مرد اور عورتیں دونوں ہیں، دونوں کے لیے ان کی پابندی ضروری ہے۔

② وہ احکام جن کی مخاطب صرف عورتوں ہیں، یعنی صرف عورتوں کے لیے وہ ضروری اور لازمی ہیں۔

③ وہ احکام جن کا تعلق صرف مردوں سے ہے۔

کتاب و سنت میں مرد اور عورت کے تعلقات کی فطری حدود بتا دی گئی ہیں اور ان تعلقات کی شرعی حدود بھی نمایاں کردی گئی ہیں۔ اسلام کی کچھ تعلیمات تو ایسی ہیں کہ وہ مرد و زن دونوں کے

لیے لازمی اور مشترک ہیں، جیسے لباس کے مسائل کا تعلق ہر دو صنفوں سے ہے، مگر زندگی کی کچھ تعلیمات ایسی ہیں جن کا تعلق صرف خواتین سے ہے اور ان میں سے ایک اہم ترین موضوع ’’پردے اور حجاب‘‘ سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاں تک لباس کا تعلق ہے، سورت اعراف (آیت: ۲۶) میں لباس کو بنی آدم کے لیے پردے اور زینت کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہا گیا ہے کہ پرہیزگاری کا لباس بھی ہے اور یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔ اس فرمانِ الٰہی کی روشنی میں ہمیں ساتر، آرام دہ اور صاف ستھرا لباس زیبِ تن کرنا چاہیے اور لباس کی ساخت اور تراش خراش میں غیر مسلموں کی پیروی سے احتراز کرنا چاہیے۔

قرآن مجید کی سورت نور اور سورت احزاب کی متعدد آیات میں پردے کی اہمیت اور مسائل کو واضح کر دیا گیا ہے۔

کتاب وسنت کے احکام کی پیروی میں صدیوں تک اسلامی مملکتوں میں پردے کی روایت مستحکم رہی، لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب مغرب نے اسلامی ممالک میں اپنا نظام مسلط کیا تو اس کے استحکام کے لیے سامراجیوں یعنی انگریزوں نے ہمارے تعلیمی اداروں پر بھی قبضہ جمانا شروع کیا جس کے نتیجے میں ہمارے یہاں مخلوط معاشرے کا آغاز ہوا اور پھر بے پردہ تعلیمی اداروں کی اتنی حوصلہ افزائی کی گئی کہ لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک ساتھ سکولوں اور کالجوں میں پڑھنا عام کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، دفتری ماحول اور عام معاشرتی زندگی میں بے پردگی کا زہر پھیلنے لگا۔

بے پردگی کی یہ لعنت تمام اسلامی ممالک میں ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ بعض حالات میں تو بے پردگی کے زینے پر سوار خواتین بے حیائی کے دائرے میں داخل دکھائی دیتی ہیں، عورت کی وہ فطری خوبصورتی وسنگھار جسے گھر کی چار دیواری میں سوائے شوہر کے کسی اور کو نظر نہیں آنا چاہیے، وہ اپنی فطری حدود سے نکل کر اخباروں اور بازاروں تک پہنچ گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے کمالات نے جلتی پر تیل ڈال کر اس منظر کو حیا سوز حد تک بڑھا دیا ہے۔

اسلام ایک مکمل دین ہے، جس طرح اس میں دین و دنیا کی جامعیت اور زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے مکمل راہنمائی ہے، اسی طرح ایک نظامِ عبادت بھی ہے اور نظامِ زندگی کا دستور العمل بھی ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں اور زندگی سے اسلام کو نکال

باہر کیا گیا ہے اور غیروں کی نقالی کو اپنا شعار بنا لیا گیا ہے، حالانکہ اسلام نے غیروں کی مشابہت اور نقالی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، مگر اب نقالی کی یہ عادت اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ اسے ہم نے غلط اور گناہ سمجھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں اور غیر مسلم میں لباس اور پردے ہی کا تو فرق ہے، جو واضح نظر آتا ہے اور اس سے کسی قوم یا کسی مذہب کی پہچان بھی ہوتی ہے، لیکن ہم مسلمان اس ظاہری شخصیت سے بھی عاری ہوگئے ہیں، اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

وضع میں ہو تم نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

مغربی تہذیب کے زیرِ اثر جن دینی اور معاشرتی اقدار سے دوری اور محرومی ہوئی ہے، ان میں سے ایک پردے کی نعمت بھی ہے، اٹھارہویں صدی عیسوی میں مسلم خاندانوں کی اکثریت حجاب اور پردے کے اقدار کی حفاظت کرتی دکھائی دیتی تھی، مگر گذشتہ تین صدیوں سے دینی اقدار سے غفلت کے نتیجے میں اب صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ سعودی عرب کو چھوڑ کر پاکستان، افغانستان اور ایران کے ساتھ ساتھ تمام بلادِ اسلامیہ میں ہر جگہ بے پردگی ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا نے بے حیائی کے اس سیلاب میں زبردست تموج پیدا کر دیا ہے۔ صورتِ حال اب بے پردگی سے آگے نکل کر بے حیائی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔

جدید مادی تہذیب نے اقتصادی ترقی کے نام پر عورت کو گھر سے نکال کر دفتروں اور فیکٹریوں تک پہنچا دیا ہے۔ نئی نسل کے بچے صالح تربیت سے محروم ہوکر ایک ایسی مادر پدر آزاد زندگی گزارنے پر مجبور ہیں جس کے باعث ان میں حیوانی قدریں فروغ پا رہی ہیں۔ زندگی کے کسی بڑے اور اخلاقی نصب العین سے محروم معاشرے میں وہ حشرات الارض کی طرح پرورش پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاک زمین کو فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا رہے ہیں۔

اس غم ناک صورتِ حال سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خالقِ کائنات نے انسانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے جو وحی کا سامان فراہم کیا ہے اور اپنے آخری رسول ﷺ کے فرمودات واعمال کو اسوہ حسنہ قرار دے کر جس طرح انسانیت کے سامنے رکھا ہے، اس پر صدقِ دل سے عمل کرکے اپنی سیرتوں اور صورتوں کا شرف و جمال محفوظ کیا جائے، اس تعلیم کا ایک اہم ترین باب پردے کا

التزام ہے۔ بے پردگی، شیطانی فتنوں کا بہت بڑا دروازہ ہے۔ اس لیے موجودہ بے پردگی کو روکنے اور پردہ دار ماحول پیدا کرنے کی ہمیں اَشد ضرورت ہے۔ یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ اسلام عورتوں کی تعلیم کا سب سے بڑا حامی ہے مگر وہ کسی ایسی تعلیم کو پسند نہیں کرتا جس کے نتیجے میں مسلمان لڑکیاں اپنی دینی اقدار سے محروم اور اسلامی تہذیب کی روشن روایات سے غافل ہوجائیں۔

قرآن مجید میں سورت نور کی آیتِ مقدسہ میں پردے کی نوعیت، اہمیت اور کیفیت کے بارے میں بھر پور تعلیمات ملتی ہیں، جو اپنے حکم و مزاج کے لحاظ سے نصوص کا درجہ رکھتی ہیں۔ رسولِ کریم ﷺ نے بھی پردے کے احکام کے بارے میں بہت تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

لباس کے عمومی مسائل و احکام:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم کی سورت بنی اسرائیل (آیت: ۷۰) میں یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾

''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اسے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔''

نیز سورۃ التین (آیت: ۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴾

''ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔''

یہ احسن تقویم [بہترین ساخت] کیا ہے؟ اس کے اعضائے جسم کا متناسب ہونا، اس کا سریع الحرکت اور تیز رفتار ہونا، جسم کا سمیٹ لینا، پھیلا دینا اور حسبِ ضرورت ہر طرح سے اُسے موڑ لینا اور اکٹھا کر لینا۔ پھر دماغی و ذہنی صلاحیتوں سے نوازنا، یہ سب کچھ اس احسن تقویم میں شامل ہے۔ یہ ساری خوبیاں بیک وقت انسان کے علاوہ کسی اور مخلوق میں نہیں ہیں۔

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اور امتیاز یہ قائم فرمایا کہ اُسے وحوش و طیور کے مقابلے میں لباس پہننے کا پابند بنایا۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوقات کو نہیں دیا۔ انسان پیدا بے لباس ہی

ہوتا ہے، لیکن ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی اسے نہلا دھلا کر کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے، یوں یہ لباس انسان کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے، حتیٰ کہ جب اسے قبر میں دفنایا جاتا ہے، تب بھی اسے چادروں میں لپیٹ کر ہی سپردِ خاک کیا جاتا ہے، لباس کے بغیر اسے مٹی کے نیچے بھی نہیں دبایا جاتا، یہ انسان کی تکریم کی انتہا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لباس انسان کا امتیازی وصف ہے، اسی سے انسان حیوان سے ممتاز قرار پاتا ہے، اس امتیازی وصف کا تقاضا ہے کہ انسان اللہ کے اس انعام اور وصف پر، جس سے اللہ نے اسے نوازا ہے، اللہ کا شکر ادا کرے اور اس کا شکریہ ہے کہ وہ اللہ کی حمد وتسبیح بھی کرے اور لباس میں ان ہدایات کو بھی ملحوظ رکھے جو اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف (آیت: ۲۶) میں فرمایا ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ﴾

”اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو تمھارا ستر ڈھانپے اور (تمھارے لیے) زینت کا ذریعہ بنے اور (یہ) پرہیزگاری کا لباس (ہے) جو سب سے اچھا ہے۔“

یہ وہ لباس ہے جو حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں ملا ہوا تھا جو ایک دوسرے کی شرمگاہ کے لیے ساتر تھا، یعنی پردہ پوشی کے لیے۔ شیطان نے جھوٹ بول کر دونوں کو بہکا دیا اور اس نورانی لباس سے محروم کر دیا، جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص جنت میں ملا ہوا تھا اور یہی شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو آج بھی گلی بازاروں میں ننگا کر رہا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین چیزیں بیان کی ہیں:

① لباس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعے سے وہ چیزیں ڈھانپ کر رکھے جن کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ مرد، جسم کے ان حصوں کو عریاں نہ رکھیں جو قابلِ ستر ہیں اور عورتیں اپنا جسم اس طرح ڈھانپ کر رکھیں جس طرح اللہ نے ان کو حکم دیا ہے۔

② لباس چاہے کتنا ہی سادہ کیوں نہ ہو، پھر بھی انسان کے جسم کے لیے حسن کا باعث ہوتا ہے اور موسم کی شدتوں کے بچاؤ کا ذریعہ بھی ہے، جیسے گرمی اور سردی کے اثرات سے بچاؤ۔

③ سورۃ الاعراف کی آیت میں لباسِ تقویٰ کا ذکر کر کے اسے بہتر قرار دے کر تقویٰ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

زندگی کے ہر معاملے اور ہر موڑ پر خوفِ الٰہی کا دامن گیر رہنا اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں بھی، سب ہی لباس کے معاملے میں اسلامی احکام و ہدایات کو نظر میں رکھیں، تاکہ ایمان وتقویٰ کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔

اب ہم لباس کے معاملے میں اسلامی ہدایات کا ذکر کریں گے۔ یہ ہدایات ایک تو وہ ہیں جن کا تعلق صرف مردوں سے ہے۔ دوسری ہدایات وہ ہیں جو صرف عورتوں سے متعلق ہیں اور کچھ ہدایات وہ ہیں جو عام ہیں جن کے مخاطَب مرد اور عورت دونوں ہی ہیں۔

لباس اور بودو باش میں غیروں کی مشابہت سے اجتناب کا حکم:

لباس کی اس تفصیل سے قبل ایک اور نکتے کی وضاحت ضروری ہے، کیونکہ لباس کا سارا معاملہ اسی کے گرد گھومتا ہے اور وہ نکتہ ہے غیروں کے ساتھ مشابہت نہ ہو، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا، وہ ان ہی میں شمار ہوگا۔''[1]

اس حدیث سے غیروں کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت واضح ہے۔ غیر کی تین صورتیں ہیں:

① غیر مسلم۔ ② مردوں کے لیے عورتیں۔ ③ اور عورتوں کے لیے مرد غیر ہیں۔

لٰہذا دونوں کے لیے ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے۔

پہلی بات یہ کہ غیر مسلموں کے عقیدے عام طور پر مشرکانہ ہوتے ہیں، ان کا عقیدہ اختیار کرنے سے ایک مسلمان، مسلمان ہی نہیں رہتا۔ اس کا اسلام مشکوک ہوجاتا ہے۔

دوسری چیز یہ کہ غیر مسلموں کی ظاہری وضع قطع، لباس اور قومی عادات وغیرہ ہیں، ان میں مشابہت اختیار کرنا یعنی ان کے جیسی وضع قطع بنانا، انھی کی طرح لباس پہننا اور ان کی قومی عادات کو اپنانا، اس میں لوگ کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان چیزوں میں ان کی مشابہت عام ہے۔ غیر مسلموں کا لباس پہننا، بلا ضرورت ان کی زبان بولنا، ان کی زبان میں اپنی تقریبات کے دعوت

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٣١)

نامے چھپوانا، اپنی دکانوں کے بورڈ غیر زبان میں لکھوانا اور اپنے گھروں کے باہر اپنے ناموں کی تختیاں غیر زبان میں لگوانا، اپنی اور اپنے بچوں کی سالگرہ منانا۔ اسی طرح شادی بیاہ کے موقعے پر غیر مسلموں کی رسمیں اختیار کرنا، یہ سب کام غیروں کی مشابہت میں شامل ہیں اور یہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں۔ اسلام ان کاموں کی اجازت نہیں دیتا۔

اللہ کے حکم کو اہمیت نہ دینا:

ایک تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے محبت اور دوستی کرنے سے نہایت سختی سے منع فرمایا ہے اور اس کی بابت سورۃ المائدہ (آیت: ۵۱) میں یہاں تک فرمایا ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾

''اور جو شخص تم میں سے انھیں دوست بنائے گا وہ بھی انھیں میں سے ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے جب غیر مسلموں سے دوستی اور محبت کرنے سے منع فرما دیا ہے تو محبت کے جتنے بھی مظاہر ہیں، سب ممنوع ہوں گے، ان کا لباس پہننا، بلا ضرورت ان کی زبان بولنا اور دوسرے مقاصد کے لیے اسے استعمال کرنا، ان کی قومی عادات و اطوار کو اپنانا، یہ سب ان کی محبت کے مظاہر ہیں۔ لیکن لوگ اللہ کے اس حکم کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور نہ مذکورہ باتوں کو محبت کے مظاہر اور تقاضے ہی سمجھتے ہیں، اس کی وجہ سے لوگ ان باتوں سے بچنے کا اہتمام ہی نہیں کرتے۔

کافروں کے لباس کی ممانعت:

اسلام نے لباس کی کوئی خاص وضع و ہیئت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اس میں اجازت دی ہے کہ مسلمان اپنے قومی یا علاقائی رواج کے مطابق لباس پہن سکتے ہیں، تاہم چند بنیادی باتوں کی تاکید کی ہے۔ اپنے قومی یا علاقائی لباس میں ایک چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سب سے پہلی چیز غیر مسلموں کے لباس سے اجتناب کرنا ہے، کیونکہ اس کی واضح طور پر ممانعت ہے، ایک تو غیروں کی مشابہت اختیار کرنے سے جو منع کیا گیا ہے، اس کے عموم میں لباس بھی شامل ہے، علاوہ ازیں حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زرد رنگ کے لباس میں دیکھا تو فرمایا: یہ تو کافروں کے

کپڑے ہیں، تم انھیں مت پہنو۔‘‘[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے رنگ والے لباس بھی ممنوع ہیں جس رنگ کے لباس کافر استعمال کرتے ہوں، جب کافروں والا رنگ ناپسندیدہ ہے، تو کافروں والی مخصوص تراش خراش اور مخصوص وضع قطع کے لباس کیوں کر جائز ہوں گے؟ اس حدیث کی رو سے اہلِ کفر وشرک کا خصوصی لباس بھی ممنوع ہے، ان کے مخصوص رنگ بھی ناپسندیدہ ہیں اور ان کی خصوصی ہیئت و وضع اختیار کرنا بھی ناجائز ہے۔

چھوٹے بچے اور بچیوں کے لباس کا مسئلہ:

اسی طرح گھروں میں چھوٹے بچوں اور بچیوں کے لباس کا مسئلہ ہے، چونکہ آج کل لوگوں کے نزدیک اسلامی شخصیت کی حفاظت اور اسلامی تعلیمات کے اپنانے کی کوئی خاص اہمیت باقی نہیں رہی۔ الا ماشاء اللہ۔ اس لیے لوگ گھروں میں بھی بالعموم چھوٹی بچیوں کو بچوں والا لباس پہنائے رکھتے ہیں جبکہ بچوں کو شرٹ پتلون پہنانے کا رجحان یا طرزِ عمل بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

یہ تو والدین کی ذمے داری ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کے معاملے میں وہ ایسا طرزِ عمل اختیار کریں کہ بچوں اور بچیوں کے ذہنوں میں اسلامی تشخص واضح ہو اور اسلامی تہذیب وتمدن اپنانے کا جذبہ ان میں پیدا ہو، بہر حال بچوں میں اسلامی شخصیت اور تہذیب کی حفاظت کا جذبہ اور غیر اسلامی تہذیب کے خلاف جذبہ مقاومت پیدا کرنا والدین کی ذمے داری ہے۔

مردوں اور عورتوں کے لیے ریشمی لباس:

عورتوں کے لیے ریشم حلال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لیے ہر قسم کے ریشمی لباس پہننے کی اجازت ہے، جبکہ وہ ستر و پردے والا ہو اور مردوں کے لیے ریشمی لباس حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

’’جس نے دنیا میں ریشمی لباس پہنا، وہ اسے آخرت میں نہیں پہنے گا۔‘‘[2]

یہ وعید مردوں کے لیے ہے، ریشمی لباس کے ساتھ ریشمی گدے اور گدیاں بھی ممنوع ہیں اور ان کپڑوں میں ان کی نماز بھی قبول نہیں ہوگی۔

---

[1] صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينه، باب النهي عن لبس الرجل الثوب المعصفر (٢٠٧٧)

[2] صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب لبس الحرير للرجال، رقم الحديث (٥٨٣٤)

زعفرانی رنگ بھی مردوں کے لیے ممنوع ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو زعفرانی رنگ کا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے۔‘‘

سفید رنگ کا لباس اور کفن پسندیدہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’تمھارے کپڑوں میں سے بہترین کپڑا سفید ہے، اس لیے تم اسے پہنو اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن پہناؤ۔‘‘[1]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’سفید لباس پہنو، اس لیے کہ یہ بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے۔‘‘[2]

دوسرے رنگوں کا لباس:

سفید رنگ کے علاوہ دوسرے رنگوں کا لباس بھی جائز ہے سوائے ان رنگوں کے جن کی ممانعت آئی ہے، جیسے زعفرانی رنگ کا لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے۔ یہ رنگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں استعمال کرتی تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مردوں کے لیے ممنوع قرار دے دیا۔ اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ جو رنگ عام طور پر عورتوں میں رائج ہو، وہ مردوں کے لیے ممنوع ہوگا۔ عورتوں کی مشابہت بھی ممنوع ہے اور غیروں کی مشابہت اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

تصویر والے پردے لٹکانا یا تصویریں لگانا ممنوع ہے:

اسی طرح تصویر والے کپڑے کے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

’’میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے گھر میں ایک تصویر والا پردہ لٹکایا ہوا تھا، اسے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا اور اس پردے کو پکڑ کر پھاڑ دیا، پھر فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٦٦)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٥٦٧)

میں اس کی نقل اتارتے ہیں۔"[1]

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تصویر سازی تخلیقِ الٰہی کی نقل ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے تصویر سازوں یعنی اللہ کے نقالوں کو سخت عذاب ہوگا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے گھروں اور دکانوں کو ان تصویروں سے پاک رکھنے کی کوشش کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بیان فرماتی ہیں:

"نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کوئی تصویر والی چیز نہیں رہنے دیتے تھے، ایسی کوئی چیز آپ دیکھتے تو اسے توڑ دیتے۔"[2]

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کریں اور اس قسم کی چیزوں سے اپنے گھروں کو پاک رکھیں اور اپنے بچوں کو اللہ کی پسند اور ناپسند چیزوں کے متعلق آگاہ کریں، کیونکہ یہ تمام والدین کا فرض ہے۔

مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ، شلوار وغیرہ لٹکانا حرام ہے:

مردوں کے بارے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لباس (شلوار، پاجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا، وہ جہنم میں ہوگا۔"[3]

نیز فرمایا:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں سے بات کرے گا اور نہ رحمت کی نظر سے انھیں دیکھے گا، جو اپنے تہبند [شلوار پتلون وغیرہ] کو تکبر سے اتراتے ہوئے نیچے لٹکا کر چلتا ہے۔"[4]

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانے سے بچو! کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔"[5]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، رقم الحدیث (۱۲۰۷)

[2] صحیح البخاري، کتاب اللباس، باب نقض الصور، رقم الحدیث (۵۹۵۲)

[3] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۷۸۷)

[4] صحیح البخاري، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه خیلاء، رقم الحدیث (۵۷۸۸)

[5] سنن أبي داود، رقم الحدیث (٤٠٨٤)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اتنی معمولی سی بات پر اتنی سخت سزا ناقابلِ فہم ہے، لیکن جو لوگ ایمان وتقوے کے صحیح فہم اور شعور سے آگاہ ہیں، ان کے لیے اس میں حیرت واستعجاب کا کوئی پہلو نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، تمام اختیارات اور قوتوں کا مالک وہی اور صرف وہی ہے۔

اسبالِ ازار کئی گناہوں کا مجموعہ ہے:

اسبالِ ازار یعنی ٹخنوں سے نیچے چادر پاجامہ لٹکانے کو لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اس گناہ کا ارتکاب عام ہے اور لوگ اس سے بچنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ اس پر جہنم کی سخت وعید ہے۔

اس پر اتنی سخت وعید کی وجہ یہ ہے کہ یہ گناہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے:

① پہلی بات یہ کہ اس عمل کو حدیث میں تکبر قرار دیا گیا ہے اور تکبر اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔

② اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے اور یہ بھی نہ صرف ممنوع ہے بلکہ اس پر لعنت بھی وارد ہوئی ہے۔

③ اس میں طہارت کے بجائے نجاست کا پہلو غالب ہے، جبکہ طہارت اختیار کرنے اور نجاست سے اجتناب کرنے کا حکم ہے۔ جب شلوار، پاجامہ زمین کے ساتھ لگتا ہوا جائے گا، تو اس میں زمین کی گندگی بھی شامل ہو جائے گی، یوں لباس طہارت کے بجائے نجاست کا حامل ہو جاتا ہے اور پھر یہ اسی نجس کپڑے کے ساتھ نماز بھی ادا کر لیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ تو اہلِ طہارت کو پسند فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرة: ٢٢٢]

”اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں طہارت اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

غرور اور تکبر کسی بھی صورت میں ہو، وہ اللہ کو ناپسند ہے:

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھا لباس پہن کر اور بالوں کو خوب بنا سنوار کر بھی تکبر کا اظہار کرتا ہے تو یہ چیز اسے ناجائز اور قابلِ سزا جرم بنا دے گی، جیسے حدیث میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص ایک (عمدہ) جوڑا زیبِ تن کیے جا رہا تھا، غرور وتکبر سے اس کا نفس پھولے نہ سما رہا تھا، اس نے شانوں تک اپنے پھیلے ہوئے بالوں کو خوب سنوارا ہوا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، پس وہ قیامت تک (اس میں) دھنستا چلا جائے گا۔“[1]

یہ خوش پوشاکی اور زیبایش وآراستگی کی سزا نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تو جائز ہیں، بلکہ بعض روایات میں اصحابِ حیثیت لوگوں کو اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ سزا دراصل اس کے غرور اور فخر وتکبر کی وجہ سے ہے جس میں بعض لوگ بیش قیمت لباس پہن کر اور بناؤ سنگار کرنے کے بعد مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ان کی یہی حرکت اللہ کو ناپسند آتی ہے اور وہ محبوب سے مغضوب بن جاتے ہیں، کیونکہ اللہ کو تو عاجزی پسند ہے اور عجب وتکبر ناپسند ہے، چاہے وہ لباس میں ہو یا چال ڈھال میں، حسن وجمال کے اظہار میں ہو یا بول چال کے انداز میں، رہن سہن (بودو باش) میں ہو یا دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں، فخر وغرور کا انداز اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو بھی ان میں سے کسی کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔“[2]

دو اصول، اسراف ہو نہ تکبر:

فخر وغرور اور تکبر اللہ کو ناپسند ہے، اسی لیے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو، لیکن دو چیزوں سے تجاوز نہ کرنا: ایک فضول خرچی اور دوسرا تکبر۔“[3]

اسی لیے ہر مومن مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے ہر معاملے میں سادگی کا اہتمام کرنے کی کوشش کرے، تکلفات اور شان وشوکت کے اظہار سے اجتناب کرے۔

سادگی اختیار کرنے کی تلقین اور ناز ونعمت سے اجتناب کی تاکید:

یہی وجہ ہے کہ سادگی کو ایمان کا حصہ قرار دے کر سادگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٨٩)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٩٠)

[3] سنن النسائي، رقم الحديث (٢٥٥٩)

ہے۔ نبی مکرم ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجنے لگے تو فرمایا:

''ناز ونعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، کیونکہ اللہ کے بندے ناز ونعمت اختیار کرنے والے نہیں ہوتے۔''[1]

سادگی اور تجمل و آرائش کے درمیان اعتدال کی تاکید:

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ سادگی تکلّفات اور شان وشوکت کے اظہار سے اجتناب کا نام ہے، نہ کہ میلے کچیلے پھٹے پرانے لباس میں ملبوس اور پراگندہ و بدحال رہنا۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہونے کے باوجود فقیرانہ حالت بنائے رکھنا ناشکری بھی ہے اور شریعت میں ناپسندیدہ بھی۔

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ آتا ہے کہ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا تو میں نے معمولی سا لباس پہنا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تیرے پاس کوئی مال ہے؟'' انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: ''کس قسم کا مال ہے؟'' (راویِ حدیث کہتے ہیں:) انھوں نے کہا: اللہ نے مجھے اونٹ بھی دیے ہیں، بکریاں بھی اور گھوڑے غلام بھی دیے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب اللہ نے تجھے مال و دولت سے نوازا ہے تو اللہ کی اس نعمت کا، جو تجھ پر ہوئی ہے، اثر تجھ پر نظر آنا چاہیے۔''[2]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے، جمال (خوبصورتی) کو پسند کرتا ہے۔ کبر کیا ہے؟ حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔''[3]

یہ باتیں اللہ کو ناپسندیدہ ہیں، کیونکہ یہی تکبر اور غرور ہے۔

شلوار اور قمیص بہت پسندیدہ لباس ہے:

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں عام لباس دو چادریں تھیں، اوپر والی چادر کو ''رداء''، ''کساء'' اور نیچے والی چادر کو ''ازار'' کہا جاتا تھا۔ بعض دفعہ ایک ہی چادر سے بھی گزارا کر لیا جاتا تھا، اس

---

[1] مسند أحمد، رقم الحديث (٢٢١٠٥) الصحيحة، رقم الحديث (٣٥٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٦٣)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩١)

صورت میں مرد کا اوپر والا حصہ ننگا رہتا تھا اور مرد کے لیے جسم کے بالائی حصے کو (ناف سے سر تک) ننگا رکھنا جائز ہے۔

تاہم بعض لوگ قمیص اور سراویل (شلوار) بھی استعمال کرتے تھے، چادروں کے مقابلے میں ان میں پردہ زیادہ ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے قمیص کو پسند فرمایا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ لباس قمیص تھا۔''[1]

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو لباس جتنا زیادہ ساتر (پردہ پوش) ہوگا، اتنا ہی وہ زیادہ پسندیدہ ہوگا۔ جب مردوں کے معاملے میں یہ صورتِ حال ہے تو عورتوں کے لیے تو مکمل پردہ پوشی کا حکم ہے، عورتوں کا اس سے انحراف کس طرح پسندیدہ ہوسکتا ہے؟

درندوں اور چیتوں کی کھالوں کا لباس اور زین پوش ممنوع ہے:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''(خالص) ریشمی کپڑے پر سوار نہ ہونا اور نہ ہی چیتوں (کی کھالوں) پر۔''[2]

یعنی ان کے زین پوش اور گدی وغیرہ نہ بناؤ جن پر سوار ہو اور بیٹھو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''فرشتے ان لوگوں کے پاس نہیں جاتے جن کے پاس چیتے کی کھال ہوتی ہے۔''[3]

انگوٹھی پہننے کا مسئلہ:

مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی ممنوع ہے، البتہ چاندی کی انگوٹھی جائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا ہے۔''[4]

لیکن بدقسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرے میں مسلمان کہلانے والے مردوں میں بھی سونے کی انگوٹھی پہننے کا رواج بڑھتا جارہا ہے اور منگنی کی جو رسمیں عام ہیں، ان میں سے ایک منگیتر کے لیے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٢٥)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٢٩)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤١٣٠)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٦٤)

سونے کی انگوٹھی کا خصوصی اہتمام بھی ہے اور نوجوان منگیتر اسے بڑی خوشی بلکہ فخر سے پہنتا ہے اور پھر پہنے پھرتا ہے اور تمام احباب و اقارب کو فخریہ طور پر دکھلاتا ہے، حالانکہ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ ایسے لوگوں کو اس حدیث پر غور کرنا چاہیے، جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے ہاتھ سے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا:

''تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے؟''

انگوٹھی پھینک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد لوگوں نے اس آدمی سے کہا: تم اپنی انگوٹھی پکڑ لو اور (اسے پہننے کے بجائے بیچ کر) اس سے فائدہ اٹھا لو۔ لیکن اس شخص نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا، میں اس کو کبھی نہیں پکڑوں گا۔[1]

ایک وہ تھے اور ایک ہم ہیں کہ اپنے آپ کو بہت بڑے امتی کہلواتے ہیں لیکن جہاں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہوتی ہے وہاں ہماری رشتے داریاں آڑے آجاتی ہیں...!

سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں کی انگوٹھی پہننے کا جواز:

چاندی کی انگوٹھی کی بابت تو صراحت موجود ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر لگانے کے لیے بنوائی تھی، وہ چاندی کی تھی اور اس میں ''محمد رسول اللہ'' نقش تھا۔ ہاں اگر آج بھی کوئی آدمی اس طرح مہر بنوا کر پہنتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ اکثر لوگ مختلف پتھروں کی مختلف تاثیر بیان کرتے ہیں اور انھی تاثیرات کی بنیاد پر وہ ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان پتھروں کی انگوٹھیوں کی بابت اس قسم کا عقیدہ رکھنا اور اس بنیاد پر ان کو پہننا ناجائز اور حرام ہے۔

جوتے پہننے اور اتارنے کا طریقہ:

اسلام کی کاملیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں زندگی کے ہر معاملے میں ہدایات ملتی ہیں، حتیٰ کہ جوتے پہننے کے بارے میں بھی، جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے:

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۰۹۰)

''تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے، دونوں پہنے یا دونوں اتاردے۔''[1]

کیونکہ ایک پیر میں جوتا ہو اور دوسرا پیر ننگا ہو، تو چلنے میں توازن برقرار نہیں رہے گا، جس سے ایک تو آرام وسکون نہیں ملے گا، دوسرا گرنے اور ٹھوکر کھانے کا امکان رہے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی اقدس ﷺ نے فرمایا ہے:

''جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پیر سے اتارے۔''[2]

ہر معاملے میں دائیں جانب کا اختیار کرنا پسندیدہ فعل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی کریم ﷺ اپنے وضو میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں اور ہر قسم کا کام کرنے میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔''[3]

عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔''[4]

اس حدیث کی رو سے مردوں کے لیے عورتوں کی اور عورتوں کے لیے مردوں کی مشابہت ممنوع اور حرام ہے اور یہ مشابہت عام ہے، لباس میں ہو یا چال ڈھال میں، زیب و زینت کے انداز میں ہو یا طرزِ گفتگو میں، شکل وصورت میں ہو یا عادات و اطوار میں، ان سب باتوں میں ایک دوسرے کی نقالی اور مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

مخنث اور اس کا حکم:

نبی اکرم ﷺ اس معاملے میں اتنے حساس تھے کہ جو مرد قدرتی طور پر مردانہ خصائص اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٥٥)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٥٦)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٥٤)

[4] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٨٥)

جذبات سے محروم تھے، جن کو عربی میں ''مخنث'' اور اردو میں ''ہیجڑہ'' کہا جاتا ہے۔ جو حرکات وسکنات اور گفتگو میں پیدائشی طور پر عورتوں کے مشابہ ہو، ان کو بھی آپ نے اپنے گھروں میں آنے سے منع فرما دیا تھا۔ جیسے آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو وہاں ان کے پاس ایک مخنث تھا۔ اس مخنث نے آپ ﷺ کی موجودگی میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی سے بعض عورتوں کے وصف کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا: ''یہ لوگ تمھارے پاس نہ آیا کریں۔''[1]

نیز فرمایا: ''ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔''[2]

بعض علما کی رائے یہ ہے کہ ایسے لوگ چونکہ پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں، وہ عورتوں کی مشابہت اپنے ارادے سے اختیار نہیں کرتے۔ لہٰذا گناہ گار نہیں ہوتے۔ دوسرے علما کی رائے یہ ہے کہ بلاشبہہ یہ مشابہت پیدائشی ہے، لیکن ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ ایک تو وہ اس کا علاج کروائے۔ دوسرا یہ کہ خود بھی کوشش کر کے زنانہ صفات اور انداز سے اپنے آپ کو بچائے اور مردانہ انداز اور صفات اپنے اندر پیدا کرے، گفتگو میں، چال ڈھال میں بھی اور حرکات وسکنات میں بھی۔ علاج معالجہ اور مردانہ خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے باوجود اگر وہ عورتوں کی مشابہت کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا، تو پھر یقیناً وہ عند اللہ مجرم نہیں ہوگا ، بشرطیکہ اس کی زندگی صالحیت اور تقوے کی آئینہ دار رہی ہو۔

عورتوں کا لباس:

جو احکام مرد اور عورت کے درمیان مشترکہ ہیں ، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

- اسراف اور تکبر مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ناجائز ہیں، عورتوں کا لباس بھی ان دونوں چیزوں سے پاک ہونا چاہیے۔
- بالوں کو سیاہ خضاب سے رنگنا جس طرح مردوں کے لیے ممنوع ہے، عورتوں کے لیے بھی ممنوع ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٨٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٨٦)

❁ کافروں والا لباس جس طرح مردوں کے لیے ممنوع ہے، عورتوں کے لیے بھی کافر عورتوں کا لباس ممنوع ہے۔

❁ غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کرنا بھی مرد وعورت دونوں کے لیے حرام ہے ۔

❁ درندوں اور چیتوں کی کھالوں کا لباس بھی دونوں کے لیے ممنوع ہے۔

❁ لباس پہننے کا آغاز دائیں جانب سے کیا جائے، اس حکم کے مخاطب بھی مرد وعورت دونوں ہیں۔

❁ سونا مردوں کے لیے حرام ہے مگر دوسری دھاتوں کی انگوٹھیاں مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی ناجائز ہیں جو قسمت بدلنے کے غلط عقیدے کے ساتھ پہنی جاتی ہیں۔

❁ سادگی اختیار کرنے کے حکم میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔

❁ عورتیں ہر قسم کے رنگ کا لباس پہن سکتی ہیں، لیکن اس میں مردوں کی یا غیر مسلموں کی مشابہت نہ ہو۔

مباحات [جائز امور]:

کچھ احکام ایسے ہیں کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے لیے ان میں جواز ہے۔ یعنی وہ اگر کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں، فرض و واجب نہیں، صرف جائز ہیں۔ جیسے عورت سونے کا زیور اور ہر قسم کا رنگین اور ریشمی لباس پہن سکتی ہے [صرف کافروں یا باطل فرقوں کی مشابہت نہ ہو]

ممنوعات و واجبات:

احکامِ لباس کی تیسری قسم وہ ہے جو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کی رو سے یہ احکام عورتوں کے لیے فرض و واجب کے درجے میں ہیں، ان سے انحراف کی ان کو قطعاً اجازت نہیں ہے اور وہ ہے پردہ۔

پردے کا حکم:

ان احکام میں سب سے اہم پردے کا حکم ہے جو عورت کو دیا گیا ہے اور یہ اس کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اس حکم کی رو سے پتا چلتا ہے کہ عورت کا سارا جسم قابلِ ستر ہے۔ یعنی غیر محرموں کے سامنے وہ ہاتھ اور چہرے سمیت جسم کا کوئی حصہ ننگا نہیں کرسکتی۔ گویا اس کا لباس اس طرح کا ہونا چاہیے کہ اس حکم کے تقاضوں کو پورا کرے۔ اس اعتبار سے عورت کے لیے تین صورتیں بنتی ہیں۔ دوصورتوں کا تعلق گھر کے اندر سے ہے اور ایک کا تعلق گھر کے باہر سے۔

گھر کی چار دیواری کے اندر ایک صورت تو یہ ہے کہ عورت مشترکہ خاندان [جوائنٹ فیملی سسٹم] میں رہتی ہے، جہاں اس کے دیور، جیٹھ اور ان کی جوان اولاد بھی ہوتی ہے۔ شرعی لحاظ سے چونکہ ایک عورت کو خاندان کے ان تمام افراد سے پردہ کرنے کا حکم ہے، ایسی صورت میں عورت ہر وقت بڑی چادر یا برقعے میں تو ملبوس نہیں رہ سکتی، کیونکہ گھر میں رہتے ہوئے اس نے سارے امورِ خانہ داری بھی انجام دینے ہوتے ہیں۔ اس لیے افرادِ خاندان سے پردے کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کا لباس ان شرائط کے مطابق ہو:

- اس لباس سے اس کے بازو ننگے ہوں اور نہ اس کی چھاتی اور نہ اس کے پیر ننگے ہوں، اسی طرح اس کا سر بھی ننگا نہ ہو، بلکہ اس کے سر پر ایسا موٹا دوپٹا یا چھوٹی چادر ہو کہ دیور، جیٹھ وغیرہ کی موجودگی میں چہرے پر پلّو لٹکا کر اپنے چہرے کو چھپا سکے۔
- ایسا باریک لباس نہ ہو جس سے اس کا جسم جھلکے اور اس کے حُسن کی چغلی کھائے۔
- لباس ڈھیلا ڈھالا ہو۔ اس طرح تنگ و چست نہ ہو جس سے اس کے سارے خدوخال نمایاں ہوں۔
- لباس زیادہ شوخ اور بھڑکیلا نہ ہو، جسے دیکھ کر کسی کے جذبات برانگیختہ ہوں۔

اس انداز کے لباس اور احتیاط سے مشترکہ خاندان میں پردے کے ضروری احکام پر عمل ہو جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے دیور، جیٹھ، بہنوئی وغیرہ سے پردہ کس طرح ممکن ہے؟ چنانچہ اس کو ناممکن یا مشکل سمجھتے ہوئے اکثر گھروں میں مذکورہ افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ شریعت کے احکام ناممکن العمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۸۶) میں فرماتے ہیں:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾

”اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کا فضل و کرم ہے۔ اگر خاندان کے ان مذکورہ افراد اور دیگر غیر محرموں سے پردہ کرنا ناممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی عورت کو ان سے پردہ کرنے کا حکم نہ دیتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کا صدور ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی بھی اصول، قانون اور ضابطے کی پابندی میں انسان کو یقیناً کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

پھر دین و دنیا کا کون سا ایسا کام ہے جس میں محنت و مشقت نہ ہو؟ یقیناً یہ بھی ایک مشقت طلب کام ہے، لیکن اللہ کی رضا کے لیے اس مشقت کو برداشت کرنا ہی تو شیوہ مسلمانی ہے اور اس مشقت ہی کی وجہ سے آخرت کا اجر و ثواب ہے اور انعام میں جنت ملے گی۔ ان شاء اللہ۔ لہٰذا ہر مسلمان گھرانے کو مذکورہ لباس اور پردے کا اہتمام کرنا چاہیے، اسی میں دین و دنیا کی سعادت ہے۔

عورتوں کے فیشنی بال رکھنے کی شرعی حیثیت:

جب حج کے موقعے پر عورت کے لیے انگلی کے پَورے سے زیادہ بال کاٹنا جائز نہیں ہے، تو عام حالات میں اس کے لیے اس سے زیادہ بال کاٹنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں ہوسکتا۔ اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آج کل مغرب کی حیا باختہ اور بے پردہ عورتوں کی نقالی میں عورتوں میں پورے بال رکھنے کے بجائے پٹے نما فیشنی بالوں کا رواج جو عام ہورہا ہے، وہ یکسر غلط ہے۔ شرعی لحاظ سے اس کی کوئی گنجایش نہیں:

① ایک تو اس کی بنیاد کافر عورتوں کی نقالی پر ہے۔

② دوسرے، اس سے بے پردگی کو فروغ مل رہا ہے۔

③ تیسرے، اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے عمل سے استدلال اور اس کی حقیقت:

اس سلسلے میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے عمل سے دلیل پکڑی جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے بال کاٹ لیے تھے، حتیٰ کہ وہ ''وَفْرَہ'' کی طرح ہوگئے تھے۔ (''وَفْرَہ'' بال کانوں کی لَو تک ہوتے ہیں، جیسے پٹے بال ہوتے ہیں)۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس عمل کی بابت علما نے لکھا ہے کہ ان کا یہ عمل زیب و زینت کے لیے نہیں، بلکہ ترکِ زینت کے لیے تھا اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے ایسا کیا تھا، کیوں اب انھیں کسی قسم کی زیب و زینت کی حاجت نہیں تھی۔

آج کل عورتیں لمبے بالوں کے بجائے جو چھوٹے بال رکھتی ہیں تو وہ ایسا ایک تو زیب و زینت کے لیے کرتی ہیں اور زیب و زینت بھی وہ جسے دنیا دیکھے۔ گویا بے پردگی بھی اس فیشن کا لازمی حصہ ہے، حالانکہ عورت کے لیے زیب و زینت کا اظہار صرف خاوند کے سامنے کرنے کی

اجازت ہے نہ کہ غیروں کے سامنے بھی اور چھوٹے بالوں کا مقصد ہی دنیا کے سامنے اپنے حسن و جمال کا اظہار ہے۔

دوسرے اس میں غیر مسلم عورتوں کی نقالی ہے جیسا کہ یہ فیشن مغربی ملکوں کی عورتوں میں رائج ہے جہاں نہ صرف یہ کہ پردے کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ وہاں مرد و زن کا اختلاط عام اور عورتوں کو مرد بننے کا خبط و جنون معروف ہے، جس عمل کی بنیاد ہی بے پردگی، غیروں کے سامنے زیب و زینت کے اظہار اور کافروں کی نقالی پر ہو وہ عمل کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ شرعی لحاظ سے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

مرد اور عورت کے لیے نماز کا لباس:

نماز کی حالت میں مرد کا لباس قابلِ ستر حصہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے، البتہ ایک حدیث کی رو سے اس کے کندھوں پر بھی لباس کا کچھ حصہ ہونا ضروری ہے۔ ان شرائط پر پورا اترنے والا لباس مرد کی نماز کے لیے کافی ہے، تاہم افضل یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بھی اس کا لباس زینت کے مفہوم کو پورا کرنے والا ہو، جیسا کہ سورۃ الاعراف (آیت: ۳۱) میں ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾

''اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو مزین کیا کرو۔''

عورت کے لیے نماز میں کون سا لباس ضروری ہے؟ اس کے لیے کن اعضائے جسم کو ڈھانپنا ضروری ہے؟ جنھیں اپنے شوہر اور محرم رشتہ داروں کے سامنے تو ننگا کرسکتی ہے مگر نماز میں نہیں، چاہے وہ اکیلی ہی نماز کیوں نہ پڑھ رہی ہو، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ نماز میں عورت کا سارا جسم ہی مقامِ ستر ہے، سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''عورت [ساری کی ساری] ہی مقامِ پردہ ہے۔''[1]

کیونکہ نماز کی حالت میں اس کے لیے چہرے کو چھپانا ضروری نہیں، وہ ننگے چہرے کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہے، لیکن یہ حالت اس وقت ہوگی جب غیر مردوں کا سامنا نہ ہو، اگر مسلسل مردوں کا سامنا رہے، جیسا کہ آجکل حجاج و عمار کی کثرت کی وجہ سے ہے تو اس کے لیے منہ کا ننگا

[1] صحيح الترمذي، رقم الحديث (٩٣٦)

رکھنا ضروری نہیں ہوگا، بلکہ عام حالات کی طرح چہرے کا پردہ بھی ضروری ہوگا۔ یہ تو ہاتھ اور چہرے کے متعلق تھا۔ اب لباس کی مقدار کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ لباس کی افضل و مستحب مقدار یہ ہے کہ عورت ایک نہ دو بلکہ تین کپڑوں میں نماز ادا کرے کیونکہ یہ صورت زیادہ ساتر ہے۔[1]

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''عورت کو چاہیے کہ وہ تین کپڑوں میں نماز ادا کرے، پاؤں تک لمبی قمیص یعنی میکسی اور دوپٹا اور قمیص کے نیچے ازار یا تہمد۔''

جس کے قائم مقام آج کل پاجامہ یا شلوار ہے۔

عورت کے لیے لباس کا کپڑا:

یہ تو ہوا نماز میں عورت کے لباس سے تعلق رکھنے والی بعض ضروری تفصیلات، جبکہ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ احادیث میں عورت کے لباس کی ان تفصیلات کے علاوہ اس بات کی صراحت بھی آئی ہے کہ اس کے لباس کا کپڑا کیسا ہونا چاہیے؟ یہ نہیں کہ جس کپڑے میں چاہے نماز پڑھنے لگے، یا گلی بازار میں نکل جائے بلکہ بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ عورت کے لیے لباس کا کپڑا ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پتلا ہونے کی وجہ سے وہ جسم کے رنگ کی چغلی کھائے یا تنگ و چست ہونے کی وجہ سے اعضائے جسم کی حد بندی کرنے کی گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہو، کیونکہ ایسا لباس اس دربارِ عالی کی حاضری کے شایانِ شان نہیں ہے۔ چنانچہ ''معجم طبرانی صغیر'' میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کے آخری دور میں ایسی عورتیں پیدا ہوں گی جو لباس پہننے کے باوجود عریاں (ننگی) ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں جیسے (جوڑے) ہوں گے۔ ان پر لعنت بھیجو وہ ملعون عورتیں ہیں۔''[2]

صحیح مسلم و موطا امام مالک اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ان الفاظ پر مستزاد یہ بھی ہے کہ ایسی عورتوں کے بارے میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (١٧٢) تمام المنة للألباني (ص: ١٦٢۔ وصححه)

[2] حجاب الألباني (ص: ٥٦ وصححه) الزواجر للهيتمي (١/ ٥٧)

''وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور نہ وہ جنت کی خوشبو تک پائیں گی، جبکہ جنت کی خوشبو پچاس سال کے فاصلے پر بھی پائی جائے گی۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کی مراد وہ عورتیں ہیں جو اتنے باریک کپڑے کا لباس پہنتی ہیں جو ساتر ہونے کے بجائے ان تمام اعضا کے اوصاف بتا رہا ہوتا ہے۔ ایسی عورتیں نام کو تو لباس میں ملبوس ہوتی ہیں، لیکن فی الحقیقت وہ عریاں [ننگی] ہوتی ہیں۔[2]

ایسا کپڑا پہننے کی ممانعت کا پتا بعض آثار سے بھی چلتا ہے، مثلاً طبقات ابن سعد میں ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ منذر بن زبیر عراق سے لوٹ کر آئے تو انھوں نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی طرف باریک مروزی کوہستانی کپڑے کا لباس بھیجا جبکہ ان دنوں موصوفہ نابینا ہوچکی تھیں۔ لہٰذا انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کپڑے کو چھوا اور فرمایا:

((اُفٍ! رَدُّوْا عَلَیْهِ كِسْوَتَهٗ))[3] ''اُف یہ کپڑا انھیں واپس لوٹا دو۔''

حضرت منذر کو یہ ناگوار گزرا اور عرض کی:

''امی جان! اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہیں آتا تو انھوں نے فرمایا:

((إِنَّهَا إِنْ لَمْ تَشِفَّ فَإِنَّهَا تَصِفُ))

''یہ اگرچہ رنگ نہیں بتاتا لیکن اعضائے جسم کے اوصاف و حدود تو بتاتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم نے کہا ہے کہ ایسے کپڑے سے ستر پوشی کرنا واجب ہے جو بدن کے رنگ کو ظاہر نہ کرے اور اگر کوئی ایسا باریک کپڑا ہو، جس کے نیچے سے رنگ ظاہر ہو تو اس کپڑے کا پہننا جائز نہیں کیونکہ اس سے ستر پوشی کی غرض پوری نہیں ہوتی۔[4]

کپڑا اتنا تنگ و چست نہیں ہونا چاہیے جو موٹا ہونے کی وجہ سے اگرچہ بدن کے رنگ کا پتا تو نہ دیتا ہو، لیکن تنگ و چست اور چپکا ہوا ہونے کی وجہ سے وہ اعضائے جسم کے حدود اربعہ کی چغلی کھائے۔ کیونکہ کپڑے سے اصل غرض تو رفعِ فتنہ ہوتا ہے اور وہ ڈھیلے ڈھالے اور کھلے کپڑے کے سوا نہیں ہو پاتا۔

---

[1] الموطأ مع التنوير (١/ ٣/ ١٠٣) صحيح مسلم مع شرح النووي (٧/ ١٤/ ١٠٩، ١١٠)

[2] شرح موطأ الإمام مالك للسيوطي رحمه الله (١/ ٣/ ١٠٣)

[3] حجاب المرأة للألباني (ص: ٥٧)

[4] المجموع شرح المهذب للنووي (٣/ ١٧٠) حجاب المرأة للألباني (ص: ٥٩)

چھوٹے بچے، بچیوں کا لباس:

یہاں میں ایک اہم اور خاص نقطے کی وضاحت کرنا چاہتی ہوں کہ ہمارے ملکوں میں چھوٹے بچوں کو بچیوں والا لباس اور بچیوں کو بچوں والا لباس پہنانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا۔ شرعی لحاظ سے یہ سب باتیں ناجائز ہیں، صحیح بات یہی ہے کہ چھوٹے بچوں کے لباس میں بھی فرق کو برقرار رکھا جائے گا۔

ایک اور بات یہ کہ شادی بیاہ کے موقع پر دولہا دلہن کے لباسوں پر رسم و رواج کے لیے بے تحاشا رقم کا خرچ کرنا جو سراسر ناجائز اور [فضول خرچی] کے علاوہ مشابہتِ کفار بھی ہے اور یہ بہت بڑے گناہوں کا مجموعہ ہے، جسے آج کل گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ مگر مسلمانوں کو ہر کام میں فرق کرنا چاہیے۔ اسی طرح اسلام کی تہذیبی شخصیت کو بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے اور غیروں کی نقالی سے اجتناب بھی کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے گھروں میں وہ فضا پیدا کر دے جس کے نتیجے میں حجاب اور اسلامی لباس کا مسئلہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر کے اسلامی معاشروں کو ایک حیا آموز ماحول فراہم کرے اور ہمیں حق کو حق سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل سے مکمل طور پر اجتناب کی ہمت دے اور ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو صحیح اسلامی لباس اور پردے کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو سب سے بڑھ کر عورت کی عزت وحرمت اور عفت وعصمت کا نگہبان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت کرے۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ.

مراجعِ درس

1. پردہ۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین۔ ترجمہ: ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر
2. لباس اور پردہ۔ تالیف: حافظ صلاح الدین یوسف
3. مرد وزن کے لیے لباسِ نماز۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
4. وجوبِ نقاب وحجاب۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

چہرے کا پردہ...قرآن مجید کی نظر میں

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۹) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

''اے پیغمبر اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دے (جب وہ راستے میں نکلیں تو) اپنی چادروں کے گھونگٹ اپنے اوپر ڈال لیا کریں، اس سے امید ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی اور ان کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اسلام نے انسانوں کی فلاوح وبہبود کے لیے جو پاکیزہ تعلیمات دی ہیں، وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اس نے انسانی معاشرے کو اخلاقی بے راہ روی سے بچانے کے لیے سدِ ذرائع کی تعلیم دی ہے۔ سدِ ذرائع کا مطلب ہے برائی کا باعث بننے والی باتوں کی روک تھام کرنا، اس کے لیے ہمیں کہاں سے مدد ملے گی؟ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے اللہ کے کلام سورۃ الاحزاب (آیت: ۲) میں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

''اور جو (کتاب) تم کو تمھارے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، اسی کی پیروی کیے جانا، بے شک اللہ تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔''

اس آیت میں تقوے پر مداومت اور تبلیغ و دعوت میں استقامت کا حکم ہے۔ تقوے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی روشنی کے مطابق اللہ کی اطاعت کرے اور اس سے ثواب کی امید رکھے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تا کہ آپ تمام انسانوں کو ان کے غالب وستودہ صفات پروردگار کے حکم کے مطابق اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عبادت کی حقیقت واضح کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ بندگی کا اظہار صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مکمل اطاعت اور اس کی منع کردہ اشیا سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ نیز اس کے احکامِ عالیہ کو خواہشات وشہواتِ نفسانیہ پر مقدم کرتے ہوئے اس کے حضور خاکساری اور انتہائی تواضع کی جائے۔ سعودی عرب، جو وحی ورسالت کا مرکز اور حیا وحشمت کا گہوارہ ہے، یہاں ایک مدت سے اس معاملے میں لوگ سیدھے راستے پر گامزن تھے۔ عورتیں چادریں وغیرہ اوڑھ کر مکمل پردہ کر کے گھر سے نکلا کرتی تھیں، غیر محرم مردوں کے ساتھ آزادانہ میل جول کا تصور تک ان میں نہ تھا، بحمد اللہ مملکت سعودیہ کے اکثر شہروں میں آج بھی یہی صورت حال ہے۔ لیکن دورِ حاضر میں جبکہ کچھ لوگوں نے پردے کے متعلق نامناسب انداز میں گفتگو شروع کی ہے، جو پردے کے قائل ہی نہیں یا کم از کم چہرے کو کھلا رکھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، ان لوگوں کو دیکھ کر ہمارے ہاں بھی کچھ لوگ شریعتِ مطہرہ کے اس حکم بالخصوص چہرہ ڈھانپنے کے متعلق غلط فہمی کا شکار ہونے لگے ہیں۔

ان کی طرف سے یہ سوال کیا جانے لگا ہے کہ پردہ واجب ہے یا مستحب؟ یہ شرعی حکم ہے یا اس معاملے میں ماحول، عادات اور رسم و رواج کو پیشِ نظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت ہی نہ ہو کہ اس کے واجب یا مستحب ہونے کا حکم لگایا جاسکے؟

اس قسم کے شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کے ازالے اور حقیقتِ حال کی وضاحت سے قبل یہ بھی عرض کر دیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل بھی تھا۔ آپ ﷺ نے ہر طریقے سے فضائل کی دعوت دی اور برے اخلاق کی بیخ و بن سے لوگوں کو بچنے کی ہر ممکن طریقے سے تلقین فرمائی۔ اس طرح شریعت محمدیہ ہر لحاظ سے کامل ہوکر سامنے آئی۔

رسولِ اکرم ﷺ کو جن اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مبعوث کیا گیا، ان میں سے ایک نہایت بلند مرتبہ اور گراں قدر وصف ''حیا'' ہے، جسے آپ ﷺ نے ایمان کا جز اور اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ قرار دیا ہے۔ کوئی عقل مند اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ عورت کا باوقار اور ایسی

عادات واطوار کے ساتھ رہنا جو اسے مشکوک مقامات اور فتنوں سے دور رکھیں، یہ اس حیا کا حصہ ہیں جس کا عورت کو اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرے میں حکم دیا گیا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجایش نہیں کہ عورت کا اپنے چہرے اور جسم کے دیگر پرکشش مقامات و اعضا کو ڈھانپ کر باپردہ رکھنا ہی اس کے لیے سب سے بڑا وقار ہے جس سے وہ اپنے آپ کو آراستہ کرسکتی ہے۔ لیکن موجودہ دور کی نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی تحریک نے جہاں اسلام کی دیگر اقدار کو نشانہ بنایا ہے وہیں حجاب کو بھی سرِ فہرست رکھا ہے۔ روشن خیال حضرات کے نزدیک حجاب یعنی پردہ، جہالت اور پسماندگی کی علامت ہے، جبکہ حجاب شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم ترین حکم ہے، جس کا مقصد معاشرے کو صنفی جذبات کے ہیجان سے پاک صاف رکھنا ہے۔ اس حکم پر عمل کرنے سے معاشرہ ایک نہیں بیسیوں فتنوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ سورۃ الانعام (آیت: ۸۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً تیرا رب بڑی حکمت والا، خوب جاننے والا ہے۔''

رب تعالیٰ کا ہر فیصلہ حکمت سے بھرپور ہے اور وہ بندوں کی ضروریات سے بخوبی آگاہ ہے۔ جبکہ اس کی خلاف ورزی کے نتیجے میں نوجوان نسل میں ایسے ایسے المناک اور زہر آلود فتنے جنم لیتے ہیں جن کا تدارک کرنا والدین کے بس کی بات نہیں رہتی۔ جہاں تک اہلِ ایمان خواتین کا تعلق ہے وہ تو ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہر حکم پر برضا و رغبت عمل کرتی ہیں اور ایسے گھرانوں کی خواتین، گھروں کے اندر ستر اور گھر کے باہر حجاب کے احکام پر نہ صرف خوشدلی سے عمل کرتی ہیں بلکہ اس پر کسی قسم کی خفت یا ندامت محسوس نہیں کرتیں، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں فخر محسوس کرتی ہیں۔

لباسِ تقویٰ:

پردے کے متعلق مرد اور عورت دونوں کے لیے حکم ہے، ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو ستر وحجاب کا حکم دیا ہے اور مرد جو چاہے پہنے، ایسا ہرگز نہیں ''مرد جو چاہے نہیں پہن سکتا۔''

ستر وحجاب ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ مرد پر واجب ہے کہ وہ ناف سے گھٹنے تک کا حصہ بیوی کے سوا ہر ایک سے چھپائے۔ شریعت نے دس سال سے بڑے بچوں کو اکٹھا سلانے سے منع کردیا ہے۔ دورِ جاہلیت میں عرب برہنہ ہوکر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے: ہم ان

کپڑوں میں طواف کیوں کریں جن میں اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نو ہجری میں فرمان جاری کر دیا تھا کہ کوئی آدمی یا عورت برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے۔[1]

برہنہ ہو کر نماز پڑھنا تنہائی اور رات کے اندھیروں میں بھی جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تنہائی میں بھی برہنہ ہونے سے منع کر دیا اور فرمایا: ''اللہ کا حق زیادہ ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔''[2]

حج کے دوران میں احرام میں بھی مرد و عورت کے درمیان واضح فرق رکھا گیا ہے۔ اسلام نے مردوں کو لباس، حلیے، چال ڈھال اور بول چال وغیرہ میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا ہے۔ مرد کو ٹخنوں سے نیچے تک کپڑا لٹکانے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ عورت کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے قدم چھپائے۔ یا تو کپڑا لمبا کر لے یا جرابیں پہن لے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ دوسروں کے ان اعضائے جسم پر نگاہ نہ ڈالیں جو قابلِ اخفا ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورت کے بناؤ سنگار کو بھی قصداً دیکھنے سے منع کر دیا ہے۔ شریعتِ اسلامی نے ہر اس شے کو دیکھنا حرام قرار دیا ہے، جو شہوت بھڑکائے۔

شریعت نے یہ بڑے سلیقے کی چیز بتائی ہے۔ یوں نفسِ انسانی کو حرام سے دور رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ حجاب سے متعلقہ عمومی امور ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت پر واجب ٹھہرایا ہے۔ عورت کا حجاب مرد سے زیادہ ضروری ہے، وہ اس لیے کہ للچائی نظریں عورت کی طرف جلدی اٹھتی ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے عورت کو زینت اور جسمانی حسن و جمال کو ڈھانپ کر رکھنے کا حکم دیا ہے۔ جسمانی حسن و جمال میں چہرے کو اولیت حاصل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۹) میں اعلان فرما دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے اوپر چادریں لٹکا لیا کریں، یہ اَمر ان کے لیے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٣٦٣)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠١٧) سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٧٦٩)

موجبِ شناخت (وامتیاز) ہوگا تو کوئی اُن کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں ''جَلابِیْب'' جِلبابٌ کی جمع ہے، ''جلباب'' اس چادر کو کہا جاتا ہے جو بہت بڑی ہو اور اس سے پورا بدن ڈھانپ لیا جائے۔ اپنے اوپر چادر لٹکانے سے مراد اپنے چہرے پر اس طرح گھونگٹ نکالنا ہے کہ جس سے چہرے کا بیشتر حصہ بھی چھپ جائے اور نظریں جھکا کر چلنے سے اسے راستہ بھی نظر آتا رہے۔ پاک و ہند یا دیگر اسلامی ممالک میں برقع کی جو مختلف صورتیں ہیں، عہدِ رسالت میں یہ برقع عام نہیں تھا، کیونکہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ و تابعین میں معاشرت [رہن سہن] بالکل سادہ تھا۔

عورتیں نہایت سادہ لباس پہنتی تھیں، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت کے اظہار کا کوئی جذبہ ان میں نہیں ہوتا تھا، اس لیے ایک بڑی چادر سے بھی پردے کے تقاضے پورے ہوجاتے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ سادگی ختم ہوگئی، اس کی جگہ تجمل اور زیب و زینت نے لے لی اور عورتوں میں زرق برق لباس اور زیورات کی نمایش عام ہوگئی، جس کی وجہ سے چادر سے پردہ کرنا مشکل ہوگیا اور اس کی جگہ مختلف انداز کے برقعے عام ہوگئے۔

اس سے بعض دفعہ عورت کو، بالخصوص سخت گرمی میں، کچھ دقت بھی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ ذرا سی تکلیف شریعت کے تقاضوں کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی، تاہم جو عورت برقع کے بجائے پردے کے لیے بڑی چادر استعمال کرتی ہے اور پورے بدن کو ڈھانپتی اور چہرے پر صحیح معنوں میں گھونگٹ نکالتی ہے، وہ یقیناً پردے کے حکم کو بجالاتی ہے، کیونکہ برقع ہی کوئی ایسی لازمی شے نہیں ہے جسے شریعت نے پردے کے لیے لازمی قرار دیا ہو۔

لیکن آج کل عورتوں نے چادر کو بے پردگی اختیار کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے، پہلے وہ برقع کی جگہ چادر اوڑھنا شروع کرتی ہیں، پھر چادر بھی غائب ہوجاتی ہے، صرف دوپٹا رہ جاتا ہے اور بعض عورتوں کے لیے اس کا لینا بھی گراں ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اب برقع کا استعمال ہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جب سے برقع کی جگہ چادر نے لی ہے، بے پردگی عام ہوگئی ہے بلکہ عورتیں نیم برہنگی پر بھی فخر کرنے لگی ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

① قرآنِ کریم کی مذکورہ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی بیویوں،

بیٹیوں اور عام مومن عورتوں کو گھر سے باہر نکلتے وقت پردے کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ پردے کا حکم علما کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کا حکم ہے جو قرآنِ کریم کی نص سے ثابت ہے، اس سے اعراض، انکار اور بے پردگی پر اصرار کفر تک پہنچا سکتا ہے۔

② اس آیت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی صرف ایک ہی بیٹی نہیں تھی جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں، جیسا کہ نص قرآنی سے واضح ہے اور یہ چار تھیں، جیسا کہ تاریخ وسیرت اور احادیث کی کتابوں سے ثابت ہے۔

③ مذکورہ آیت میں صراحتاً چہرے کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔[1]

پردے کی حکمت اور اس کے فائدے سے ایک شریف زادی اور باحیا عورت اور بے شرم و بدکار عورت کے درمیان تمیز و پہچان ہوگی۔ پردے سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندانی عورت ہے جس سے چھیڑ چھاڑ کی جراَت کسی کو نہیں ہوگی۔

① امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں شریف عورتوں کو حکم ہے کہ وہ لونڈیوں کنیزوں کی طرح کھلے چہرے اور کھلے بالوں کے ساتھ گھر سے نہ نکلیں۔''

② امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''زمانہ جہالت میں شریف عورتیں اور لونڈیاں سب کھلے منہ پھرتی تھیں، بدکار لوگ ان کا تعاقب کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے شریف عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈال لیں اور یہ فرمایا کہ یہ مناسب طریقہ ہے کہ وہ پہچان لی جائیں۔''

اس کے دو مطلب ہیں:

① ایک یہ کہ ان کے لباس سے پہچان لیا جائے گا کہ وہ شریف عورتیں ہیں، ان کا پیچھا نہ کیا جائے گا۔

② دوسرا یہ کہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی، اس سے کوئی یہ امید نہ رکھے گا کہ وہ اپنی شرمگاہ کھولنے پر آمادہ ہوگی۔[2]

---

[1] معارف القرآن از مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (۷/ ۲۳۴)

[2] تفسیر کبیر بحوالہ اسلامی خطبات از مولانا عبد السلام بستوی رحمہ اللہ۔

اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین نے پردے کے لیے ''حکم'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ''حکم'' کا لفظ مستحب کے لیے استعمال ہوتا ہے یا واجب کے لیے؟ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز و روزہ مستحب ہے، جس کا دل چاہے وہ روزہ رکھے اور جس کا نہ چاہے وہ نہ رکھے اور جس کا دل چاہے نماز پڑھے جو نہ چاہے وہ نہ پڑھے؟

اہلِ ایمان کے لیے تو حکم کا لفظ ہی پردے کو واجب قرار دینے کے لیے کافی ہے، اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے، مستحب نہیں۔ یاد رکھیے مستحب وہ عمل ہے جسے کرنے سے ثواب ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو، جبکہ واجب وہ عمل ہے جسے ترک کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اور عذابِ الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

چہرے کے پردے پر قرآنی دلائل:

قرآنِ کریم کے متعدد مقامات پر اس بات کے واضح اشارات موجود ہیں کہ عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ بھی مقامِ ستر ہیں اور ننگے منہ اس کا گلی بازار میں نکلنا جائز نہیں ہے۔

1 اس سلسلے میں سب سے پہلے سورۃ النور (آیت: ۳۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾

''اور (اے پیغمبر!) مسلمان عورتوں سے کہہ دے کہ اپنی نگاہ نیچی کریں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے اور انھیں چاہیے کہ وہ اپنے سینوں پر آنچل (دوپٹے) کا پلو ڈالے رہیں۔''

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر صحابیات پر رحم کرے، جب یہ حکم نازل ہوا کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سینوں پر اوڑھنیوں کے پلو ڈالے رہیں تو انھوں نے اپنی قمیصوں کے نیچے استعمال کی جانے والی چادروں کو پھاڑا اور ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٨/ ٤٨٩)

یعنی عورت کو چاہیے کہ اپنا بناؤ سنگار چھپا کر رکھے، تا کہ اجنبی مرد کو نظریں نیچی رکھنے میں مدد ملے۔ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ﴾

''اور اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں تا کہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔''

یعنی عورت پائل پہنے ہو تو اس پر حرام ہے کہ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ مرد پائل کی چھن چھن سنیں گے تو فتنے میں پڑ جائیں گے۔ عورت کے لیے جب ایسا کرنا حرام ہے تو چہرے کو کھلا رکھنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ مرد محض پائل کی جھنکار سن کر تو فتنے میں مبتلا ہو گا لیکن کیا چہرے کی دلکشی وجلوہ سامانی اس کے ہوش نہ اڑائے گی؟ واہ! تعجب ہے..!

۲ سورۃ الاحزاب (آیت: ۵۳) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾

''اور جب پیغمبر کی بیبیوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو، اس سے تمھارے دل اور ان کے دل شیطان کے وسوسوں سے خوب پاک رہیں گے۔''

یہ آیت اس امر کی بڑی واضح دلیل ہے کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ واجب ہے۔ مطلب یہ کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے (اور مومنوں کی ان عورتوں سے جو تمھاری ازواج نہیں) کوئی بات پوچھو تو پردے کی اوٹ سے پوچھو، ان کے گھروں میں مت جاؤ۔ یوں تمھارے اور ان کے دل پاکیزہ رہیں گے اور شیطان کو فساد انگیزی کا موقع نہیں ملے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فَاخْتَمَرْنَ بِهَا'' کی شرح یہ کی ہے کہ ''انھوں نے اپنے چہروں کو چھپالیا۔''

اس سے مراد اوڑھنی یا دوپٹا بھی ہے کہ وہ عورت کے منہ کو ڈھانپ لیتا ہے اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فراء سے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنے پیچھے کی طرف دوپٹا یا سر کا کپڑا لٹکا دیتی تھیں۔ آگے سے منہ اور سینہ کھلا رہتا تھا تو اللہ نے ان کو پردے کا حکم دیا۔

''آزاد عورت کا سارا جسم ہی مقامِ ستر ہے۔ شوہر اور محرم کے سوا کسی غیر محرم مرد کو

عورت کے جسم کا کوئی بھی حصہ دیکھنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ سوائے علاج معالجہ اور شہادت وغیرہ کی ضرورت و مجبوری کے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو زینت ظاہر کرنے سے منع فرمایا ہے اور صرف اُس کی اجازت دی گئی ہے جو خود بخود ظاہر ہو جائے۔ اس سے صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمایش نہیں کرنی چاہیے، البتہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے (جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ بہر حال اس کا چھپانا تو ممکن نہیں ہے اور عورت کے جسم پر ہونے کی وجہ سے بہر حال وہ بھی اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے) اس پر اللہ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

عہدِ نبوی میں حکمِ حجاب (پردہ) آجانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں اور حکمِ حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا اور احرام کے سوا (جس میں منہ پر نقاب باندھنے کی ممانعت اور کپڑا لٹکا کر پردہ کر لینے کی گنجایش دی گئی ہے) دوسری تمام حالتوں میں نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا۔ سورت احزاب (آیت: ۵۳) میں اللہ تعالیٰ نے اجنبی مردوں سے پردے کا حکم فرمایا ہے، لیکن بظاہر اس آیت میں اجنبی و غیر اجنبی سب شامل ہیں، لیکن اگلی آیت (۵۵) میں اللہ تعالیٰ نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہاں محرم مراد نہیں ہیں، بلکہ محارم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَ لَآ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ﴾

"ان پر اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور میل جول کی عورتوں اور اپنی کنیزوں غلاموں کے سامنے (پردہ نہ کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے۔"

یعنی عورت محرم کے سامنے چہرہ کھول سکتی ہے اور یہ وہ افراد ہیں جن سے عورت کا پردہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا ذکر فرما دیا ہے، جس کی تفصیل حدیث میں یوں ہے:

① شوہر۔ ② والد۔ ③ سسر۔ ④ بیٹا (سگا و رضاعی)۔ ⑤ سوتیلا بیٹا (شوہر کا بیٹا)۔

---

[1] صفوة التفاسير (١/ ١٦، ١٧) تفسير البيضاوي (٢/ ٥٨) فتح الباري (١٠/ ٤٩٠)

⑥ بھائی (سگا، سوتیلا، رضاعی)۔ ⑦ بھتیجا۔ ⑧ بھانجا۔ ⑨ اپنی خواتین۔ ⑩ غلام۔ ⑪ نابالغ بچہ

لہٰذا اجانب اور محارم کا فرق واضح ہوگیا۔ ایسے ہی محارم کے سامنے ہاتھوں اور منہ کے سوا جن بعض اعضا کو کھولنے کی اجازت ہے، اس سلسلے میں متعدد احادیث مروی ہیں۔

پہلی آیت:

سنن ابو داود اور سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے آزاد کردہ غلام کے ہمراہ تشریف لائے۔ اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سر پر ایک اوڑھنی تھی جب وہ اپنا سر ڈھانپتیں تو وہ پاؤں تک نہیں پہنچتی تھی اور جب پاؤں چھپاتیں تو سر تک نہیں پہنچتی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی لختِ جگر کو ذہنی الجھن میں دیکھا تو ارشاد فرمایا:

''تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تیرا باپ اور غلام ہی تو ہیں۔''

اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ باپ (اور دیگر محرم مرد) عورت کا سر اور بال دیکھ سکتے ہیں اور یہی حکم غلام کے لیے ہے، یعنی سر اور پاؤں باپ اور غلام کے لیے ستر نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور ایک قول میں امام شافعی رحمہ اللہ، ان کے اصحاب اور دیگر اکثر سلف صالحین کا یہی مسلک ہے۔[1]

تفسیر کشاف اور ابن کثیر میں مذکور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں، جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا۔ جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتیوں پر قمیص کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی اور پیچھے دو دو، تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں۔[2]

ابن ابی حاتم کی روایت سے بھی پردے کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے صفیہ بنت شیبہ کے حوالے سے ایک روایت بیان کی ہے، جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھیں کہ قریشی عورتوں کے فضائل کی بات چل نکلی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

---

[1] عون المعبود (١١/ ١٦٥)

[2] الكشاف للزمخشري (٣/ ٦٢) تفسير ابن كثير (٣/ ٢٨٣، ٢٨٤)

''قریشی عورتوں کے بڑے فضائل ہیں لیکن اللہ کی قسم میں نے انصاری عورتوں سے افضل کوئی عورتیں نہیں دیکھی۔ وہ کتاب اللہ کی تصدیق اور وحی پر ایمان لانے میں بڑی شدید ہیں۔ جب سورت نور میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ عورتیں اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رہیں، ان کے مرد لوٹ کر ان کی طرف گئے اور انھوں نے انھیں وہ آیات سنائیں جن میں پردے کا حکم نازل ہوا تھا۔

''ہر مرد نے اپنی بیوی، بیٹی، بہن اور دوسری قرابت دار عورتوں کو وہ آیات سنائیں، ان عورتوں سے ہر کوئی اٹھی اور اپنی چادر (تہبند والی جو پاؤں تک لمبی قمیص کے نیچے پہنے ہوئے تھیں) کو پھاڑا اور اس سے سر اور منہ کا پردہ کیا، تاکہ کتاب اللہ کی نازل شدہ اس آیت کی تصدیق اور ایمان کا اظہار ہو جائے۔ وہ عورتیں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز میں اس طرح ہوگئیں، جیسے (سیاہ اوڑھنیوں کی وجہ سے) گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہیں۔''[1]

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اپنے رسالے ''المرأة المسلمة، أحكام فقهية حول الحجاب'' میں لکھتے ہیں:

''عورت کو جب اپنے سینے پر اوڑھنی کا پلو ڈالے رکھنے کا حکم ہے تو چہرے کا پردہ بھی اس پر واجب ہے، کیونکہ چہرے کا پردہ گریبان کے پردے کا لازمی حصہ ہے یا قیاس کا تقاضا ہے اور جب گلے اور سینے کا پردہ واجب ہے تو چہرے کا پردہ بالاولیٰ واجب ہے، کیونکہ چہرہ ہی مقامِ حسن وجمال اور باعثِ فتنہ ہے اور جو لوگ جمالِ صورت کا مطالبہ کرتے ہیں تو صرف چہرے کے جمال ہی کی بات ہوتی ہے اور جب کوئی کہے کہ فلاں عورت بہت حسین وجمیل ہے تو اس کی بات سے اس کے چہرے کے جمال کے سوا اور کوئی معنی نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ طلب وخبر ہر دو اعتبار سے چہرہ ہی مقامِ حسن و جمال ہے اور جب ایسا ہے تو پھر یہ کیسے سمجھا جاسکتا ہے کہ مبنی بر حکمت شریعتِ اسلامیہ عورت کے گلے اور سینے کے پردے کا تو حکم دے اور چہرہ ننگا رکھنے کی اجازت دے دے؟''[2]

---

[1] بحواله فتح الباري (٨/ ٤٩٠)

[2] المرأة المسلمة (ص: ١١)

پہلی آیت کا دوسرا حصہ:

سورت نور کی آیت (۳۱) کے دوسرے الفاظ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا يَضۡرِبۡنَ بِأَرۡجُلِهِنَّ لِيُعۡلَمَ مَا يُخۡفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾

''اور عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے نہ چلیں تاکہ وہ زینت جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اس کا لوگوں کو علم ہو سکے۔''

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الحجاب'' میں لکھا ہے:

''ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے، تاکہ ان کے پاؤں کے زیورات پازیب وغیرہ کی آواز نہ سنی جاسکے۔ یہ حکم ان کے شرف کے تحفظ اور شر کا دروازہ بند کرنے کے لیے دیا گیا ہے جو عورت کی عفت وعصمت کے تحفظ کی انتہا ہے۔ جب اس آیتِ کریمہ کی رو سے عورت کی پازیب کی جھنکار بھی ممنوع ہے تو پھر کسی مسلمان کے لیے یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ بعض ضعیف و منکر اور غیر صحیح روایات کا سہارا لیتے ہوئے یہ کہے کہ عورت کا چہرہ اور ہاتھ مقامِ ستر اور زینت نہیں ہیں اور انھیں وہ غیر محرم لوگوں کے سامنے ننگا کرسکتی ہیں۔''

علامہ عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مرد کے مبتلائے فتنہ ہونے کے خوف کی بنا پر پازیب کی جھنکار کو ممنوع کیا گیا ہے تو چہرے کو ننگا رکھنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ ان ہر دو میں سے ازروے فتنہ سامانی کون سی چیز بڑی ہے؟ ایک طرف پائل یا پازیب کی جھنکار ہے مگر عورت پردے میں ہے ... نہیں معلوم بوڑھی ہے یا جوان، حسین وجمیل ہے یا قبیح المنظر؟ اور دوسری طرف ایک عورت ننگے منہ ہے، چہرہ فطرتی حسن وجمال کے ساتھ ساتھ مصنوعی زیب وزینت کی بدولت فتنہ بردوش ہے، ہر نفس خواہش عطا کیا گیا ہے، ہر باشعور انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ان ہر دو میں سے کونسی زینت زیادہ فتنے کا باعث اور مستور ومخفی رہنے کی زیادہ حقدار ہے؟''[1]

---

[1] المراۃ المسلمۃ (ص: ۱۲)

دوسری آیت:

اسی مفہوم کی ایک دوسری آیت سورت نور (آیت: ۶۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَّاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾

''اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی اگر وہ اپنی اوپر والی چادر اُتار دیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

حضرت سعید بن جبیر، مقاتل، ضحاک اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''قواعد'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنا بند ہو چکا ہو اور وہ اولاد پیدا کرنے کی عمر سے گزر چکی ہوں۔ اس آیت میں بوڑھی عمر رسیدہ خواتین کو جو کپڑے اتار کر رکھ دینے کی اجازت دی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے عریاں ہوکر بیٹھنا ہرگز مراد نہیں، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہاں کپڑوں سے مراد (زیب و زینت کو چھپانے والی) اوپر کی بڑی چادر (جلباب) مراد لی ہے۔

یہ حکم بوڑھی عورتوں کے لیے ہے جبکہ نوجوان عورت صاحبِ حسن و جمال ہے، جس میں جاذبیت و دلکشی کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ چادر اتار دے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنے پروردگار کے اس حکم کا التزام کرے جس میں اسے چادر اوڑھنے اور چہرہ تک چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ نوجوان عورت کے لیے چہرے کے پردے کے واجب ہونے کی ایک دوسری دلیل بھی ہے۔ جبکہ بوڑھی عورتوں کے لیے بھی یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ چادریں اتار پھینکیں بلکہ انھیں بھی اس بات کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ اجازت کے باوجود اگر وہ حیاداری کریں اور چادریں اوڑھے رہیں تو یہی ان کے لیے بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحینِ امت کی خواتین نے بڑھاپے میں چادر اتار دینے کی اجازت کے باوجود حیاداری و پردہ داری کی ترغیب والے فعل کو ہی اپنایا اور ہمیشہ اپنے چہرے کا بھی پردہ کیا۔ چنانچہ سعید بن منصور، ابن المنذر اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں

عاصم الاحوال سے ایک روایت بیان کی ہے، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم (ایک عمر رسیدہ فاضل خاتون) حضرت حفصہ بنت سیرین رحمہا اللہ کے پاس جایا کرتے تھے، انھوں نے ایک بڑی چادر (جلباب) ایسی بنا رکھی تھی کہ جس سے وہ نقاب ڈالے رکھتی تھیں۔ ہم ان سے کہتے کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ﴾ [النور: ٦٠]

''اور وہ عمر رسیدہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کا کوئی ارادہ (داعیہ) نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنی چادریں اُتار لیں۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں۔''

جبکہ کپڑوں سے مراد جلباب و چادر ہے، تو وہ کہا کرتی تھیں:

ان الفاظ کے بعد ارشادِ الٰہی کے کیا الفاظ ہیں؟ ہم کہتے کہ آگے ہے:

﴿ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ﴾

''اگر وہ حیا داری اختیار کریں تو ان کے لیے یہی بہتر ہے۔''

تو وہ فرماتیں:

''یہی الفاظ (بڑی عورتوں کیلئے بھی) پردے کو ثابت کرتے ہیں۔''[1]

تیسری اور چوتھی آیت:

ایسے ہی چہرے کے پردے کو واجب قرار دینے والوں کا استدلال سورت احزاب کی ان چار آیات سے بھی ہے۔ جن میں سے ایک کو ''آیتِ حجاب'' کا نام دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورت احزاب کی آیت (۳۲ اور ۳۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ

[1] اللباب (ص: ١٠٥) والحجاب للألباني (ص: ٥٢)

لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو (غیر مردوں سے) نرم لہجے سے بات نہ کرو (اگر ایسا کرو گی تو) جس کے دل میں کھوٹ ہے، اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے گا، لہٰذا قاعدے کے مطابق صاف بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں جمی رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو اور نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کی بیویوں کو ان کا مقام و مرتبہ بتایا ہے، یعنی تمھاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے، بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے، اس کی وجہ سے تمھیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرکے انھیں کچھ ہدایات دی جارہی ہیں۔ اس کی مخاطب اگرچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، جنھیں امہات المومنین قرار دیا گیا ہے، لیکن اندازِ بیان سے صاف واضح ہے کہ مقصد پوری امتِ مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے، اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورت کے وجود میں مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں، تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دلکشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو، بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بدباطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو، بات اگرچہ نرم لہجے سے کرنا منع ہے، تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہیں نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔ ﴿اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات متقی عورتوں کے لیے ہیں، کیونکہ انھیں ہی یہ فکر ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہوجائے۔ جن کے دل خوفِ الٰہی سے

عاری ہیں، انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

ٹک کر رہو، کا معنی یہ ہے کہ ضروری حاجت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلو، بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امورِ خانہ داری سرانجام دینا ہے۔ اس میں گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ یوں بے پردہ ہو کر نہ نکلو، جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیں، بلکہ خوشبو لگائے بغیر سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔ ﴿تَبَرُّجَ﴾ بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرجِ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آیندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا تو یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما و دل فریب رکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شریعت کے مطابق باپردہ زندگی نصیب فرمائے اور اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

مراجعِ درس

1. لباس اور پردہ۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ
2. وجوبِ نقاب وحجاب۔ تالیف: الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. چہرے کا پردہ۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی
4. یونیورسٹی کینٹین میں۔ تالیف: ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی۔ ترجمہ: حافظ قمر حسن

چہرے کا پردہ ... احادیث کی روشنی میں

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾

[الأحزاب: ۵۳]

’’مسلمانوں جب تم کو کھانے کے لیے بلایا جائے تو پیغمبر کے گھروں میں اجازت لیے بغیر مت گھسو، اجازت لے کر اندر جاؤ (وہ بھی ایسے وقت میں) کہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرنا پڑے بلکہ جب بلائے جاؤ، اس وقت جاؤ پھر کھانا کھا چکتے ہی وہاں سے چل دو اور باتوں میں نہ لگ جاؤ، کیونکہ ایسا کرنے سے پیغمبر کو تکلیف ہوتی ہے، وہ تم سے شرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو سچ بات کہنے میں کوئی شرم نہیں اور جب پیغمبر کی بیبیوں سے کوئی سامان مانگو، تو پردے کے باہر سے مانگو اس سے تمھارے دل اور ان کے دل (شیطان کے وسوسوں) سے خوب پاک رہیں گے اور تمھارے لیے یہ زیبا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ کہ اس کے پیچھے اس کی عورتوں سے کبھی نکاح کرو، خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے۔‘‘

پانچویں آیت:

سورۃ احزاب کی اس آیت (۵۳) سے بھی وجوبِ حجاب پر استدلال کیا گیا ہے اور سورت

احزاب کی یہی وہ آیت ہے جسے آیتِ حجاب کہا جاتا ہے، کیونکہ پردے کے بارے میں نازل ہونے والی یہ پہلی آیت ہے اور اس کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی بیویوں کو پردے کا حکم فرما دیا تھا۔ اس آیت کے الفاظ: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ﴾ [اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو] پردے کے فرض ہونے کی قطعی دلیل ہیں، اگر کوئی اس آیت کے حکم کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص قرار دے تو اس پر تعجب ہے، کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کے نزول کے بعد اپنی بیویوں کو پردے کا حکم نہ دیتے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے اسی سورت احزاب (آیت: ٦) میں مومنوں کی مائیں قرار دیا ہے، جو ان الفاظ ﴿وَ أَزْوَاجُهُ أُمَّهٰتُهُمْ﴾ میں مذکور ہے۔ لہٰذا ان کا نکاح تمھاری ماؤں کی طرح مومنوں پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور اگر یہ حکم صرف انھی کے ساتھ خاص مانا جائے تو پھر ان کے حجاب کو اپنانے کا کیا معنی ہوگا؟

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اور تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عام مسلمان عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہو۔[1]

احادیثِ مبارکہ میں چہرے کے پردے کا حکم:

① حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے جس میں وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کا ارادہ کیا اور نبی اکرم ﷺ سے اس کے بارے میں بات کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم نے اسے ایک نظر دیکھا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اسے ایک نظر دیکھ لو، یہ تم دونوں کے مابین ازدواجی تعلقات مستقل قائم رہنے کے لیے زیادہ موزوں و مناسب ہے۔''

وہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے گھر گیا اور اس کے والدین کو نبی اکرم ﷺ کا ارشاد سنایا، مگر انھیں یہ بات شاید اچھی نہ لگی (کہ میں لڑکی کو دیکھوں) البتہ لڑکی نے بات سن لی

[1] فصل الخطاب (ص: ٣٤، ٣٥) بتصرف.

اور پردے کی اوٹ سے کہنے لگی کہ اگر واقعی تمھیں نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی اجازت دی ہے تو تم مجھے دیکھ لو، ورنہ یہ بات کوئی معمولی بات نہیں، میں نے اسے دیکھا اور اس سے شادی کر لی، میرے دل میں جتنی قدر اس عورت کی تھی، اتنی کسی اور عورت کی نہ ہو سکی۔'' [1]

اگر اس آیتِ حجاب کے نزول کے بعد صحابیات رضی اللہ عنہن چہرے کا پردہ نہیں کیا کرتی تھیں تو پھر اس ارشاد کا کیا معنی ہوا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا مفہوم مخالف یہ بنتا ہے کہ جو پیغام نکاح نہ دینے والا ہو، اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت کو دیکھے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب چہرے کا پردہ ہو اور اگر وہ ننگے منہ ہو تو پھر اس حدیث کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔

② معجم طبرانی، طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں حدیث ہے جس میں حضرت قیس بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ایک طلاق دے دی تو ان کے دو خالو حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے اور طلاق کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا:

''اللہ کی قسم! ایسا تو نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے مجھ سے جی بھر جانے کی وجہ سے طلاق دی ہو (بلکہ کوئی اور وجہ ہے) اور آپ ﷺ جب لوٹ کر میرے پاس آئے تو میں نے بڑی چادر اوڑھ کر پردہ کر لیا۔''

تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے:

''سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کر لیں (یعنی انھیں دوبارہ اپنے نکاح میں لوٹا لیں) وہ تو بڑی نفلی روزے رکھنے اور راتوں کا قیام کرنے والی خاتون ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیوی ہوں گی۔'' [2]

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ان کے پاس آنے پر چادر

---

[1] مسند أحمد (٤/ ٢٤٦) صحيح جامع الترمذي، رقم الحديث (٨٦٨)

[2] بلوغ الأماني (٢٢/ ١٣١) اللباب (ص: ١٣٤) و الحجاب للألباني (ص: ٤٠)

اوڑھ کر آپ ﷺ سے ان کا پردہ کرلینا اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی ﷺ کے عہدِ مسعود میں پردہ رائج تھا اور انھوں نے جلباب سے اپنا چہرہ چھپا کر انتہائی واضح انداز سے بتا دیا کہ چہرے کا پردہ واجب ہے اور اگر چہرے کا پردہ ہی نہ ہوتا تو پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل کا کوئی معنی ہی نہ تھا، پھر وہ اپنی حالت میں قائم رہتیں۔ خصوصاً جبکہ اندر آنے والا کوئی عام انسان نہیں تھا، بلکہ وہ تو محبوبِ الٰہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے اور آپ ﷺ پر ویسے بھی یہ حالت تو کیا عام حالات میں بھی غیر محرم مومن عورت کو دیکھنا حرام نہیں تھا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں اپنی تحقیق کا نچوڑ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارے نزدیک یہ بات طے ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر عام لوگوں (مردوں) کے برعکس، غیر محرم مومن عورتوں پر نظر ڈالنا حرام نہیں تھا۔''[1]

اس کے باوجود حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل چہرے کے پردے کے وجوب کی واضح دلیل ہے۔
پردے کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ کی بعض دیگر احادیث بھی ہیں جن سے نہ صرف چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے بلکہ بعض احادیث سے پردہ نہ کرنے والی خاتون کا گنہگار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، مثلاً:

③ آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''غیر محرم [مرد کا عورت کو یا عورت کا مرد] کو دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔''[2]

جس شریعت نے غیر محرم عورت کا چہرہ دیکھنے کو آنکھ کا زنا قرار دیا ہے، کیا وہی شریعت چہرے کو ننگا رکھنے کی اجازت دے کر اس زنا کو عام کرنے کی اجازت دے سکتی ہے؟ بلاشبہہ غیر محرم عورت کو دیکھنے والا مرد بھی گنہگار ہے، لیکن وہ عورت جو ننگے چہرے کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر غیر محرم مردوں کو دعوتِ گناہ دے گی کیا وہ گنہگار نہیں ہوگی؟

④ نبی کریم ﷺ کے ارشادِ مبارک کی روشنی میں اہلِ علم نے عورت کے پاؤں کی پشت کو بھی ستر میں شامل کیا ہے۔[3]

---

[1] فتح الباري (۹/ ۲۱۰، ص: ۱۲۵)

[2] صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب زنا الجوارح دون الفرج (۵۸۸۹)

[3] ملاحظہ ہو: فتاویٰ اہل حدیث از حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ (۲/ ۴۹۲)

غور فرمائیں! جس شریعت نے عورت کے پاؤں کی پشت کو ننگا کرنے کی اجازت نہیں دی، وہ چہرہ ننگا کرنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے؟ پاؤں کی پشت کی نسبت چہرے کا فتنہ تو کہیں بڑا فتنہ ہے۔

۵ آپ ﷺ نے فرمایا:

''عورت کا سارا جسم ستر ہے۔''[1]

ظاہر ہے سارے جسم میں چہرہ بھی شامل ہے، لہٰذا جس طرح چہرے کے علاوہ باقی ستر کو ظاہر کرنے والی عورت گنہگار ہوگی، اسی طرح اپنے چہرے کو ظاہر کرنے والی عورت بھی گنہگار ہوگی۔

۶ نبیِ رحمت ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''میرے بعد مردوں کے لیے تمام فتنوں سے بڑھ کر فتنہ عورت کا ہے۔''[2]

ذرا غور فرمائیں! عورت کھلے چہرے کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر مردوں کے لیے یقیناً فتنہ ہے، ایسی ہی عورتوں کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''فتنہ بننے والی خاتون گنہگار ہے۔''

۷ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے نمایاں [خوبصورت] کر کے [مردوں کو] دکھاتا ہے۔''[3]

صحابیات رضی اللہ عنہن کا طرزِ عمل:

حجاب کے احکام کی وجہ سے عہدِ نبوی ﷺ میں تمام صحابیات رضی اللہ عنہن چہرے کے پردے کا سختی سے اہتمام کرتی تھیں، چند واقعات پیشِ خدمت ہیں:

۱ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ہم [صحابیات] رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام میں تھیں، جب سوار ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں سے چہروں پر لٹکا لیتیں، جب سوار گزر جاتے تو چہرے ننگے کر لیتیں۔''[4]

---

[1] سنن الترمذي، مشكاة المصابيح (٢/ ٩٣٣)

[2] صحيح البخاري، كتاب النكاح، رقم الحديث (٤٨٠٨)

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث (١١٧٣)

[4] مسند أحمد (٦/ ٣٠) اس کی سند میں ''یزید بن ابی زیاد'' ضعیف ہے۔

② حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

''ہم [صحابیات] حالتِ احرام میں [اجنبی] مردوں سے اپنے چہرے ڈھانپ لیتی تھیں۔''[1]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پردے کا حکم ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے خاص نہیں، بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہے، اس لیے صحابیات اس کی پابندی کرتی تھیں۔

③ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حجاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دس سالہ پرانے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اسی وقت گھر میں داخل ہونے سے روک دیا اور دروازے پر پردہ لٹکا دیا۔[2]

دروازے پر پردہ لٹکانے کا مقصد ہی یہی تھا کہ چہرے سمیت سارے جسم کو اجنبیوں سے چھپانا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ باقی جسم پر پہلے ہی کپڑے تھے، پردہ صرف چہرے کے لیے کیا گیا تھا۔

④ حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا اپنے شہید بیٹے کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دریافت کرنے حاضر ہوئیں تو اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھیں، صحابیاتِ کرام رضی اللہ عنہن نے دیکھ کر کہا:

''اس المناک صورتِ حال میں بھی یہ عورت نقاب اوڑھے ہوئے ہے۔''

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''مجھ پر بیٹے کے قتل ہونے کی مصیبت آئی ہے، میری شرم و حیا پر مصیبت نہیں آئی۔''[3]

یہ تمام احادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ازواجِ مطہرات سمیت تمام صحابیات حجاب کا سختی سے اہتمام فرماتی تھیں، حتیٰ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردہ کیا کرتی تھیں، اگر پردہ مستحب ہی تھا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟

پردے کے متعلق چند فتاویٰ:

کتاب وسنت کے دلائل اور عہد نبوی میں صحابیات کے تعامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اہلِ علم نے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیا ہے،اس سلسلے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ اور مفتیان عظام کے چند فتاویٰ پیشِ خدمت ہیں:

---

[1] صحيح ابن خزيمة (٤/ ٢٠٣)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٥١٥)

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٤٨٨) اس کی سند میں ''فرج بن فضالہ'' ضعیف ہے۔

① ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے چہرے اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں دی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فتنے کا خوف نہ ہونے کی شرط کے ساتھ چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت دی ہے۔ چونکہ عادتاً یہ شرط مفقود ہے لہٰذا فقہائے حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔[1]

② امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جلباب کے معنی دوہری چادر کے ہیں جو سر سمیت پورے بدن کو ڈھانپ لے اور عبیدہ کے بقول عورت یہ چادر اس طرح اوڑھے کہ آنکھ کے سوا جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔''[2]

③ ''شرعی حجاب کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں تمام جسم ڈھانپے ہوئے ہوں، کیونکہ عورت تمام کی تمام پردہ اور باعثِ فتنہ ہے۔''[3]

④ اسی طرح شیخ محمد بن صالح العثیمین ''فتاویٰ برائے خواتین'' (ص: ۲۵۴) میں لکھتے ہیں:

''عورت کے لیے تمام واجب الستر اعضائے بدن کا ڈھانپنا لازم ہے، ان اعضا میں سے سب سے مقدم اور اولیٰ چہرے کا پردہ ہے اس لیے کہ چہرہ فتنے و رغبت کا مقام و محل ہے، لہٰذا عورتوں کا اجنبی لوگوں سے چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے۔''

⑤ شیخ ابن جبرین فرماتے ہیں:

''عورت ملک کے اندر ہو یا باہر، کسی بھی جگہ لوگوں کے سامنے چہرہ ننگا نہیں کر سکتی۔''

⑥ ''راجح مذہب یہ ہے کہ عورت کو ہر صورت میں اپنا چہرہ غیر محرم سے چھپانا چاہیے، خواہ گھر کے اندر ہو یا باہر، کیونکہ ساری خوبصورتی یا بدصورتی چہرے میں ہوتی ہے۔''[4]

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآنِ حکیم میں چھے مقامات میں مومن عورتوں کے لیے پردے کا حکم دیا ہے اور نبی ﷺ کی پندرہ احادیث بھی ہیں جن میں پردے کا ذکر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو اپنی عصمت کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور

[1] معارف القرآن از مفتی محمد شفیع (۷/ ۲۱۷)
[2] مجموع فتاویٰ از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۲۲/ ۱۱۰، ۱۱۱)
[3] شیخ الاسلام عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ، فتاویٰ برائے خواتین (ص: ۲٥٤)
[4] فتاویٰ اہلِ حدیث حافظ عبداللہ محدث روپڑی (۲/ ٤۹۱)

عصمت کی حفاظت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے تمام وسائل و ذرائع اختیار کیے جائیں جو اس مقصد کے حصول میں مددگار ہوسکتے ہیں اور ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ چہرے کا پردہ عصمت کی حفاظت کے بنیادی وسائل میں سے ہے، کیونکہ چہرہ کھلا رکھنا غیر محرم مردوں کے لیے اس کی طرف دیکھنے کا ذریعہ بنتا ہے اور مردوں کو اس کے خدوخال کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے، اسی سے بات میل ملاقات بلکہ ناجائز تعلقات تک جا پہنچتی ہے۔ لہٰذا ہر مومنہ کو چاہیے کہ جہاں غیر محرم ہوں، وہاں پردے کا خاص خیال رکھے، یعنی حجاب و نقاب سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لے، کیونکہ اس میں اس کے لیے خیر ہے۔

کتاب وسنت نے جب چہرے کا پردہ واجب ٹھہرایا ہے تو اس کے بعد کسی فتوے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟ طاقتور انسان وہی ہوتا ہے جو جرأت مندانہ اقدام کرسکتا اور تبدیلی کی طاقت رکھتا ہے۔ ہماری کتنی ہی ایسی بہنیں ہیں جو یہ تسلیم کرتی ہیں کہ چہرے کا پردہ ضروری ہے یا کم ازکم یہ مانتی ہیں کہ چہرے کا پردہ ہی بہتر ہے۔ ان کی یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ پردہ کریں۔ جب کسی باپردہ عورت کو دیکھتی ہیں تو حسرت سے سوچتی ہیں کہ کاش وہ بھی ایسا کرسکتیں۔ اس کے باوجود سالہاسال گزر جاتے ہیں اور وہ اتباعِ الٰہی کی راہ میں جرأت مندانہ قدم نہیں اٹھا سکتیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمان مرد وعورت کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں اپنے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ دل چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہی پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی وہی کام کرنے کو کہتا ہے جو انسان کے بس میں ہو، حجاب ایک فریضہ ہے۔ اس کو ادا کرنا بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر فریضے کے متعلق دریافت کرنا ہے۔

بے پردگی کی کہانی:

دورِ نبوی سے چودھویں صدی ہجری کے نصف تک مسلمان خواتین کی حالت یہ تھی کہ چہرے پر نقاب اوڑھ کر پردہ کیا کرتی تھیں۔ چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں اسلامی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی مغربی استعمار دبے پاؤں مسلم ممالک میں داخل ہوا۔ مسلمانوں کی شناخت بدلنے کے لیے مغربی استعمار نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مسلم معاشرے سے اسلامی اقدار کو نکال باہر کیا جائے۔ سب سے پہلے مصر کی مسلم خواتین نے چہرے کا پردہ اتارا۔

مصر کے والی محمد علی پاشا نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کے وفود فرانس روانہ کیے۔ طلبہ میں رفاعہ طہطاوی نامی شخص نے مصر واپس آنے کے بعد تحریک اٹھائی کہ خواتین کو چہرے کا پردہ اتار دینا چاہیے۔ رفاعہ طہطاوی کے بعد نصرانی مصنف مرقس فہمی نے یہ تحریک جاری رکھی۔ اس نے ''المرأة في الشرق'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں عورت کو پردہ اتارنے اور مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کی ترغیب دلائی گئی تھی۔ مصر کی وزارتِ تعلیم میں احمد لطفی سید پہلا آدمی تھا جس نے مصر میں مخلوط تعلیمی اداروں کی داغ بیل ڈالی۔ احمد لطفی سید کے بعد طٰہ حسین اور قاسم امین نے اس تحریک میں جان ڈالی۔ قاسم امین نے تو باقاعدہ طور پر ترکِ پردہ پر کتابیں تحریر کہیں: ''تحرير المرأة'' (آزادیِ نسواں) اور ''المرأة الجديدة'' (جدید عورت) سعد زغلول اور احمد زغلول، قاسم امین کی تصنیفات سے متاثر تھے۔ انھوں نے بھی بے پردگی کی اس تحریک میں حصہ ڈالا۔

قاہرہ میں ہدیٰ شعراوی کی قیادت میں خواتین کی تحریک نے جنم لیا جس کا مقصد یہ تھا کہ خواتین سے چہرے کا پردہ اتروا دیا جائے۔ تحریکِ نسواں کا پہلا اجتماع ۱۹۲۰ء میں مصر کے مرقصی کلیسا میں منعقد ہوا۔ ہدیٰ شعراوی مصر کی پہلی مسلمان عورت تھی جس نے حجاب اتارنے کی جرأت کی۔ ہوا یوں کہ سعد زغلول برطانیہ سے لوٹا تو اس کے استقبال کے لیے دو بڑے خیمے سجائے گئے۔ ایک خیمے میں مرد تھے اور دوسرے میں عورتیں۔ سعد زغلول جہاز سے اتر کر سیدھا خواتین کے خیمے کی طرف آیا جو باپردہ خواتین سے پُر تھا۔ وہ خیمے میں پہنچا تو ہدیٰ شعراوی نے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ ہدیٰ نے حجاب اوڑھ رکھا تھا۔ سعد زغلول نے ہاتھ بڑھا کر ہدیٰ کا حجاب اس کے چہرے سے کھینچ اتارا۔ تالیوں کی آواز سے پورا خیمہ گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی دیگر تمام خواتین نے بھی چہروں سے نقاب اتار پھینکے۔ اس ڈرامے کی منصوبہ بندی پہلے سے کی گئی تھی۔

ایک اور موقع پر قاہرہ میں تحریکِ نسواں کی خواتین نے جلوس نکالا۔ سعد زغلول کی اہلیہ صفیہ فہمی بھی جلوس میں شریک تھی۔ اس نے سرِعام اپنا حجاب اتار کر قدموں تلے روند ڈالا۔ مظاہرے میں شریک دیگر خواتین نے بھی صفیہ فہمی کی پیروی کی۔ بعد ازاں حجاب کے ان تمام کپڑوں کو جو سڑک پر پڑے تھے، نذرِ آتش کر دیا گیا۔

۱۹۰۰ء میں ''السفور'' (بے پردگی) کے نام سے ایک میگزین جاری کیا گیا جو اسم بامسمیٰ تھا۔

یہ میگزین اس سلسلے میں رائے عامہ ہموار کرنے کا ذریعہ تھا کہ عورت مرد کی شراکت دار ہے۔ اس شراکت کا تقاضا ہے کہ عورت حجاب اتار پھینکے اور ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرے۔ آزادی کے نام پر لڑکیوں کے گھروں سے بھاگ جانے کے واقعات کو نمایاں کرکے پیش کیا جانے لگا۔ میگزین ''السفور'' میں اداکاراؤں اور گلوکاراؤں کو خصوصی جگہ دی گئی۔

رفتہ رفتہ بے پردہ عورت کا دکھائی دینا عام سی بات ہوگئی۔ مصر کی اسلامی تاریخ جو ہزار سال سے زائد عرصے پر محیط ہے، اس میں آپ کو ایسے مناظر دیکھنے کونہیں ملیں گے کہ مسلم خواتین سڑکوں پر ننگے منہ چلتی پھرتی ہوں۔ یوں آزادی کے نام پر بے پردگی کا رواج ہوگیا تو تحریکِ آزادیِ نسواں نے ایک قدم اور بڑھایا۔ عورت کو گھر سے نکال کر مردوں کے درمیان لاکھڑا کیا، اب عورت ائیر ہوسٹس بن گئی۔ ہوائی اڈوں پر نوکری کرنے لگی۔ مے خانوں میں شراب کے جام بھرنے اور ہوٹلوں میں گاہکوں کے دل لبھانے لگی۔ عورت پر سرپرست کے اختیارات کو بالکل معدوم کر دیا گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلم ممالک میں حکومت کے زیر سایہ زنا اور بے حیائی کے اڈے قائم ہوئے اور فریقین کی رضا مندی کی شرط پر حدِ زنا کو ساقط کر دیا گیا۔

یاد رکھیں! عورت اپنی آزادی، خیالی خوشی اور وہمی ترقی کی طلب میں گھر سے نکلی اور اسے گلیوں، بازاروں، سڑکوں، آفسوں، کارخانوں میں تلاش کرنے لگی، لیکن جب واپس آئی تو شرافت لٹوا آئی، عزت کی چادر میلی کروا آئی، حقوق گم کروا آئی، حیا گم کروا آئی اور غیرت زندہ درگور کر چکی! یہ ہے ماڈرن زمانے کی کم عقل آزادی اور بزعم خویش انسانی تمدن کی ایک جھلک...؟

ترکی، تیونس، ایران، افغانستان، البانیہ، صومالیہ، الجزائر اور اس دور کی دیگر اسلامی جمہوریتوں میں باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے حجاب پر پابندی عائد کی گئی اور پردہ کرنے والی عورت کو سزا دینے کا اعلان کیا گیا۔ یہ مسلمان حکومتوں کا حال ہے اور اس کے برعکس ایک کافر ملک میں رہنے والی ایک باپردہ مسلمان طالبہ کا واقعہ انٹرنیٹ پر ہے جس کے حجاب کی بدولت غیر مسلموں نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہوا یوں کہ ایک لڑکی حجاب پر قائم رہی اور سات غیر مسلم اس کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ وہ ایک امریکی مسلم لڑکی تھی۔ دینِ اسلام پر اسے فخر تھا۔ اس کی بدولت تین پروفیسر اور چار طالب علم اسلام کے زیرِ سایہ آگئے۔

اسلام قبول کرنے والے ایک پروفیسر نے انٹرویو میں بتایا کہ چار برس پہلے کی بات ہے، یونیورسٹی کی ایک مسلم امریکی طالبہ جو حجاب اوڑھتی تھی ، اس کی وجہ سے یونیورسٹی میں ہنگامہ ہوگیا۔ یونیورسٹی کا ایک پروفیسر جو اسلام سے بغض رکھتا تھا ، ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتا کہ طالبہ کو زچ کرسکے ۔ طالبہ نے تنگ آ کر وائس چانسلر کو شکایت کردی ۔ وائس چانسلر نے لڑکی کی شکایت کا ازالہ کرنے کے لیے ایک مباحثہ کا اہتمام کیا اور فریقین کو دعوت دی کہ اپنے اپنے اعتراضات اور دلائل پیش کریں۔ یونیورسٹی کے تقریباً سارے پروفیسر اس انوکھے اور اپنی نوعیت کے اولین مناظرے میں شریک ہوئے۔ طالبہ نے پروفیسر پر الزام لگایا کہ وہ اسلام سے بطورِ خاص نفرت کرتا اور اسی سبب مجھ سے امتیازی سلوک روا رکھتا ہے۔ چند ایک غیر مسلم طلبہ نے بھی جو موقع پر موجود تھے ، طالبہ کی تائید کرتے ہوئے پروفیسر کو موردِ الزام ٹھہرایا۔

پروفیسر سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ طیش میں آ کر اول فول بکنے اور اسلام کو گالیاں دینے لگا۔ طالبہ نے بھی پروفیسر کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے اسلام کا بھرپور دفاع کیا۔ طالبہ کے پر تاثیر اندازِ بیان نے حاضرین کو بے حد متاثر کیا۔ وہ طالبہ سے اسلام کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے لگے۔ طالبہ بڑی روانی سے ان کے سوالوں کے تشفی بخش جواب دیتی رہی۔ پروفیسر نے جب دیکھا کہ مباحثہ نے اسلام کے متعلق معلوماتی لیکچر کی صورت اختیار کر لی ہے تو اس نے ہال سے واک آؤٹ کر دیا۔ سوالوں کے جوابات سے فراغت پا کر طالبہ نے پروفیسرز اور طلبہ میں اسلام کے متعلق معلوماتی کتابچے تقسیم کیے۔ یہ واقعہ کئی دنوں تک یونیورسٹی کے ہر خاص وعام کا موضوعِ بحث بنا رہا۔ چند ہی مہینوں میں چار طلبہ اور تین پروفیسروں نے اسلام قبول کرلیا۔

پردے کے شرعی احکام بیان کرنے کے بعد ہم اہلِ ایمان کی توجہ اس بات کی طرف دلانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ آج کفار اور مشرکین بے حیائی، فحاشی اور عریانی پر مبنی اپنی گندی اور غلیظ تہذیب زبردستی ہر جگہ مسلمانوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمان ممالک میں بھی خاندانی نظام اسی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے جس طرح ان کے اپنے ممالک میں تباہ ہو چکا ہے۔ اپنے ان مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کفار نے بڑی عیاری و مکاری سے ''روشن خیالی'' اور ''اعتدال پسندی'' کے نام پر مسلم ممالک میں بد دین اور ملحد لوگوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کر لیا ہے جو ان کے عزائم کی

راہ ہموار کرنے میں ان کا ممد اور معاون ہے۔ اہلِ ایمان کو پوری قوت کے ساتھ اس ''روشن خیالی'' اور ''اعتدال پسندی'' کی مزاحمت کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کے احکام پر پوری یکسوئی اور مضبوطی سے عمل پیرا رہنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہدایت دے ایسے روشن خیال لوگوں کو جو اپنے گھروں میں پردے کی پابندی نہیں کرواتے اور جو لوگ پردہ کرنے والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، کیونکہ مسلمان خواتین کی عصمت وعفت کے تحفظ کے لیے حجاب ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس دورِ پُرفتن میں اہلِ ایمان کو سختی سے اس قلعے کی حفاظت کرنی چاہیے اور اپنے گردو پیش روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہونے والے مسلمانوں کو بھی اس کا احساس دلانا چاہیے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ چہرے کا پردہ نہ کرنا بذاتِ خود ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس فتنے کا دروازہ کھلتے ہی فحاشی، بے حیائی اور عریانی کے ہزاروں فتنے ازخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں جن کا تدارک کرنا کسی صورت ممکن نہیں رہتا، لہٰذا ہر مومن عورت کو گھر سے باہر جاتے وقت ہر صورت میں چہرے کا پردہ کرنا چاہیے، اسی میں ہماری دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہم سب کو شریعتِ اسلامیہ کے احکام پر پوری طرح مضبوطی کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں مرتے دم تک دینِ اسلام و ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ ہم سے جو غلطیاں ہوگئی ہیں ہمیں معاف فرما دے۔ اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہماری توبہ قبول فرما، جیسا کہ تیرے پاک کلام کی سورت نور (آیت: ۳۱) میں آپ کا فرمان ہے:

﴿ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾

''اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو، تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اگر ہم نے سچے دل سے توبہ کرلی اور احکامِ الٰہی اور فرمانِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق پردے کا صحیح اہتمام کرلیا تو فلاح و کامیابی اور دنیا و آخرت کی سعادت ہمارا مقدر ہے۔ ان شاء اللہ

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ الْاِيْمَانِ وَ ثَبِّتْنَا عَلَى الْاِسْلَامِ. آمين وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْن

مراجعِ درس

① لباس اور پردہ۔ تالیف: فضیلہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

② وجوبِ نقاب وحجاب۔ تالیف: الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

③ چہرے کا پردہ۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی

④ یونیورسٹی کینٹین میں۔ تالیف: ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی۔ ترجمہ: حافظ قمر حسن

دنیا و آخرت کے لیے خوشگوار زندگی

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ النحل (آیت: ۹۷) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

''مرد ہو یا عورت جو کوئی ایمان کے ساتھ نیک کام کرے تو ہم (دنیا میں) اس کی زندگی پاک کریں گے اور ان کو ہم (قیامت میں) ضرور ان کو بہتر کاموں کا بدل دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب کا باپ بنایا، اس لحاظ سے سب کی بنیاد تو ایک ہی ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔شکل وصورت کے اعتبار سے اور رنگوں کے حساب سے بھی، کیونکہ کوئی گورے اور کوئی کالے رنگ کا ہے، اسی طرح کوئی چھوٹے قد کا ہے اور کوئی بڑے قد والا ہے اور معاشی اعتبار سے بھی مختلف ہیں، کیونکہ کوئی مال دار تو کوئی غریب، کوئی بخیل تو کوئی سخی اور کوئی حریص و لالچی ہے۔

اسی طرح ایمان وعمل کے اعتبار سے بھی الگ الگ نظریات کے حامل ہیں، کوئی مومن اور کوئی کافر، کوئی بہت نیک تو کوئی فاسق و فاجر اور کوئی باکردار و بااخلاق اور کوئی بدکردار بداخلاق ہوتے ہیں۔

یہ سب کے سب ہیں تو ایک دوسرے سے مختلف لیکن ان سب کی تمنا و آرزو ایک ہی ہے اور وہ تمنا کیا ہے کہ ہمیں دنیا میں ایک خوشگوار زندگی نصیب ہو جائے اور اس باوقار و پرسکون زندگی کی خاطر دن رات جدوجہد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

وسائل و اسباب یعنی طریقے مختلف ہیں، لیکن ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، کوئی تاجر دن بھر اپنے کاروبار کو وسیع کرنے اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لیے اپنی پوری کوشش کر رہا ہے۔ کوئی گورنمنٹ کے اداروں میں اور کوئی پرائیویٹ دفتروں کے چکر کاٹ رہا ہے اور اسی طرح وہ

مزدور جو صبح سے لے کر شام تک پسینے میں بھیگا محنت و مزدوری کرتا ہے، ان سب کا مقصد ایک ہی ہے کہ خوشحال زندگی نصیب ہو جائے۔

اسی طرح ایک عبادت گزار جو اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کو پابندی سے ادا کرتا ہے اور نوافل بھی پڑھتا ہے، دوسری طرف ایک فاسق و فاجر انسان ہے جو دن رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتا ہے، یہ دونوں بھی ایک ایسی زندگی کی تمنا کرتے ہیں جس میں نہ کسی قسم کی کوئی پریشانی اور نہ کوئی دکھ ہو، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سعادت مندی کیا ہر ایک کو مل جاتی ہے؟ کیا یہ خوشحالی ہر کسی کے نصیب میں ہوتی ہے؟ اگر ملتی ہے تو وہ کونسا راستہ ہے جس پر چلنے سے سب خوشحال و خوشگوار زندگی تک پہنچ سکتے ہیں؟

کیونکہ اس وقت دنیا میں آپ کو ہر کوئی پریشان حال نظر آئے گا، کسی کو مالی و کاروباری مشکلات کا سامنا ہے، کسی پر قرضوں کا بوجھ ہے اور کوئی جسمانی بیماریوں سے پریشان ہے اور کوئی خاندانی لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے اور کسی کو بیوی بچوں کی نافرمانی کا صدمہ اور کسی کو دشمن کا خوف اور کسی کو اپنوں کی جدائی کا دکھ۔ الغرض ہر شخص کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا نظر آتا ہے اور ہر کوئی چاہتا ہے ان صدموں اور پریشانیوں سے نجات حاصل ہو جائے، تو وہ وسائل و اسباب کون سے ہیں، جنھیں اختیار کرنے سے اس قسم کی مختلف آزمایشوں سے نجات مل سکتی ہے؟ یقیناً آپ میں سے ہر شخص یہ چاہے گا کہ ان سوالوں کے جوابات معلوم ہو جائیں، تاکہ وہ ایک خوشحال و باوقار زندگی حاصل کر سکے اور ان پریشانیوں سے چھٹکارا پا سکے۔

اس کے لیے ہمارے پاس بہترین حل موجود ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنا تعلق قرآن اور حدیث کے ساتھ قائم کریں اور ان پر عمل کریں گے تو ہمیں ضرور اپنے ان سوالوں کا جواب مل جائے گا اور ہم ضرور اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔ ان شاء اللہ

خوش گوار زندگی کے اصول:

سب سے پہلی بات یہ کہ خوشگوار زندگی کے اصول تو بہت ہیں، لیکن یہاں ہم چند ایک آپ کی خدمت میں پیش کریں گے، امید ہے آپ سب ان پر عمل کریں گے۔ ان شاء اللہ

کامیاب اور خوشگوار زندگی کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے۔

① سب سے پہلے اللہ پر مکمل توکل رکھنا، یعنی تقویٰ اختیار کرنا ہے۔
② اپنے دل کو پاک صاف رکھیں یعنی ہر قسم کے بغض و کینے سے۔
③ اپنے پروردگار سے توبہ واستغفار کریں۔
④ نماز کی بروقت پابندی کریں۔
⑤ ہمارا ہر چھوٹا بڑا عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو۔
⑥ ہر قسم کی دعا و التجا اللہ ربُ العالمین سے کریں اور قبولیت کی امید بھی اسی سے رکھیں۔
⑦ اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھیں اور لایعنی فضول قسم کی باتوں سے اپنی زبان کو محفوظ رکھیں۔
⑧ ہر قسم کی پریشانی میں صبر وشکر للہ کا مظاہرہ کریں، اس یقین کے ساتھ کہ یہ سب اللہ رب العلمین کی طرف سے ہے اور وہ ہی اس پریشانی کو دور کرنے والا ہے۔
⑨ نفع بخش علوم کا مطالعہ کریں، ہر وہ علم جو دنیا و آخرت میں فائدہ دے۔
⑩ مسلمانوں کی پریشانیوں کو مل کر دور کریں۔

1 پہلا اصول:

خوشگوار زندگی حاصل کرنے کے لیے کچھ اصول ہیں، جن میں سے پہلا اصول ایمان وعمل ہے، جیسا کہ سورۃ النحل (آیت: ۹۷) میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

’’جو شخص نیک عمل کرے گا، مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار بھی ہوگا تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور (آخرت میں) ان کے اعمال کا بہتر بدلہ بھی انھیں ضرور بہ ضرور دیں گے۔‘‘

’’بہتر زندگی‘‘ سے مراد دنیا کی زندگی ہے، کیونکہ ایک مومن جب عملِ صالح اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں پاکیزہ زندگی عطا فرماتا ہے۔ پاک زندگی میں حلال روزی، قناعت، سچی عزت، سکون و اطمینان، دل کی تونگری، اللہ کی محبت اور لذت سبھی چیزیں شامل ہیں، یعنی ایمان اور عملِ صالح سے اُخروی زندگی ہی نہیں بلکہ دنیوی زندگی بھی نہایت سکھ اور چین سے

گزرے گی، جو ایک کافر اور اللہ کے نافرمان کو دنیا بھر کی آسایشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی۔ قرآنِ کریم کی اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے ایمان وعمل نہایت ضروری ہیں، جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کی کامیاب زندگی اور خوشحالی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اگر ہم ان دونوں شرطوں کو پورا کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں خوشگوار زندگی نصیب نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے میں سچا ہے اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا، جیسا کہ سورت آل عمران (آیت: ۹) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ ''یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔''

اس بات کا ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ تمام بنی نوع انسان کی خیر و بھلائی ایمان وعملِ صالح ہی میں ہے، اگر انسان سچا مومن ہو اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کے فرائض کو پورا کرتا ہو، جیسے نمازوں اور فرضی روزوں کا پابند ہے اور انھیں بلاعذر شرعی نہ چھوڑتا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دولت دیا ہو تو اس میں سے فرض زکات ادا کرتا ہو اور والدین اور رشتے داروں سے حسن سلوک کرتا ہو۔ لین دین میں سچا اور وعدوں کو پورا کرنے والا ہو، بددیانتی، دھوکے اور فراڈ سے اجتناب کرتا ہو اور حلال ذرائع سے کما کر خود بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاتا ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر قسم کی خیر و بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور آخرت میں ان کے لیے جنت کی نعمتیں اور اجر وثواب الگ ہے، یہ ایسی نعمتیں ہیں جو دنیا میں کسی نے سنی ہیں، کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کوئی ان نعمتوں کا تصور کرسکتا ہے اور یہ وہ جنت ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے ایک مومن کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی انسان فاسق و فاجر ہو اور ساتھ ہی بداخلاق بھی ہو، نماز اور رمضان کے روزے کی پروا نہ کرتا ہو اور مال و دولت کی زکات کی کوئی فکر نہیں کرتا، دولت و طاقت ہونے کے باوجود حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہو۔ والدین اور قرابت داروں سے بدسلوکی کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے حقوق مارتا ہو، لین دین میں جھوٹ، دھوکا و بددیانتی کرتا ہو اور دن رات حرام ذرائع سے کماتا ہو، تو اس قسم کے انسان کے بارے میں آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ اسے لاکھ کوشش کے باوجود بھی خوشگوار زندگی کبھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ ایسے لوگوں کے

بارے میں سورت طٰہٰ (آیت: ۱۲۴ تا ۱۲۶) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۲۴]

''اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اس کی زندگی کو ہم تنگ کر دیں گے اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

پھر اس وقت بندہ اپنے رب سے سوال کرے گا:

﴿ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ [طٰہٰ: ۱۲۵]

''وہ کہے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا تھا؟''

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے:

﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ [طٰہٰ: ۱۲۶]

''اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہونا (چاہیے تھا) کیوں کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تم نے ان کو بھلا دیا، اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔''

اگلی ہی آیت میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ [طٰہٰ: ۱۲۷]

''ہم ایسا ہی بدلہ ہر اس شخص کو دیا کرتے ہیں جو حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے۔''

کیا خیال ہے کہ اگر وہ خالق و مالک ہمیں اس طرح جواب دے گا تو اور کوئی ہے جو ہم پر رحم و کرم کرنے والا ہے یا اور کوئی اس سے بڑی ہستی ہے جو ہمیں اس سے معاف کروا دے گی؟ ہر گز نہیں۔ اس پاک ذات کے علاوہ اُس دن ہم پر رحم و کرم کرنے والا نہ کوئی ہے اور نہ کوئی ہوگا، لہٰذا ہمیں ایک باوقار اور خوشحال زندگی حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

① اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ کہ ہمیں دینِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا، اپنی من مانی کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حکم یہ ہے کہ ہم سب اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، صرف اسی کو نفع اور

نقصان کا مالک سمجھیں، اگر ہم خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے تو وہ یقیناً ہمیں پاکیزہ اور خوشگوار زندگی نصیب کرے گا، ورنہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے در پر جبینِ نیاز جھکاتے ہیں اور انہی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھیں در در کی ٹھوکریں نصیب ہوتی ہیں اور ذلت وخواری کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اگر ہم نبی اکرم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں زندگی بسر کریں تو اس طرح دنیا کے دکھوں اور صدموں سے ہمیں چھٹکارا ملے گا اور ہماری زندگی کامیابی کی راہ پر گامزن بھی ہو جائے گی۔

② دوسرا اصول:

انسان اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور اَن گنت نعمتوں پر شکر گزار ہو، کیونکہ جب ہم اس کی نعمتوں پر شکر بجا لائیں گے ہمیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں اور زیادہ نعمتوں سے نوازیں گے۔ سورت ابراہیم (آیت: ۷) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾

”اور جب تمھارے پروردگار نے تمھیں آگاہ کر دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو بے شک میں تمھیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بہت) سخت ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی شکر گزاری کرے گا تو اس میں اسی کا فائدہ ہے، ناشکری کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ تو بے نیاز ہے، سارا جہان ناشکر گزار ہو جائے تب بھی اس کا کیا بگڑے گا؟ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آگاہ اور خبردار کر دیا ہے کہ میری دی ہوئی نعمتوں پر شکر کرنے والوں کو مزید انعامات سے نوازوں گا۔ وہ کریم سب نعمتوں کو چھین کر انھیں مصائب وآفات میں گرفتار بھی کر سکتا ہے۔ یاد رہے کہ شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی بجا لانا ضروری ہے۔ سچا شاکر وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ احسانات کرتا ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اس کی طاعت وفرمانبرداری کرتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول ﷺ رات کو اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کی تو اللہ تعالیٰ

نے اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف فرمادی ہیں، پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟))[1]

''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

3 تیسرا اُصول:

بندہ مومن کو جب کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچے تو وہ اسے برداشت کرے، اس پر صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے، اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سمجھ کر اس پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا طالب ہو، اس قدر یقین کے ساتھ کہ میرا اللہ مجھے ضرور اس کا نعم البدل دے گا۔ان شاء اللہ۔ یوں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا کر اسے اطمینانِ قلب نصیب کر دے گا۔ ہر مومن مسلمان کا اس بات پر یقین ہونا چاہیے کہ دنیا میں ہر مومن کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی آزمایش لکھ رکھی ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۵۵ تا ۱۵۷) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمایش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔''

کن لوگوں کے لیے بشارت ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾

''ان لوگوں کو جنھیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ﴾

''یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی مہربانی اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔''

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٨٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٢٠)

ان آیات میں صبر کرنے والوں کے لیے خوشخبریاں ہیں، حدیث میں نقصان و مصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کے ساتھ «اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيْبَتِي وَ اخْلُفْ لِي خَيْراً مِنْهَا» پڑھنے کی بھی فضیلت اور تاکید آئی ہے۔[1]

آزمایش کوئی بھی ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، جسمانی ہو یا ذہنی، ہر قسم کی آزمایش مومن کے لیے باعثِ خیر ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مسلمان کو جب تھکاوٹ یا بیماری لاحق ہوتی ہے یا وہ حزن وملال اور تکلیف سے دوچار ہوتا ہے، حتیٰ کہ اسے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''[2]

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب کسی مسلمان کو کسی سے اذیت (تکلیف) پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کے نامہ اعمال سے اس طرح گرا دیتا ہے جیسے پتے گرتے ہیں۔''[3]

بشرطیکہ وہ صبر وتحمل کا دامن نہ چھوڑے اور ہر آزمایش میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جائے۔ بندہ مومن میں جب یہ دونوں صفات (صبر وشکر) جمع ہو جائیں تو اسے گویا خیر ہی خیر نصیب ہوگئی۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب ہے اور اس کا ہر معاملہ یقیناً اس کے لیے خیر کا باعث ہوتا ہے، یہ خوبی سوائے مومن کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچے تو وہ شکر ادا کرتا جو اس کے لیے خیر کا باعث بن جاتی ہے اور اگر اسے کوئی غمی پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یوں دونوں ہی حالتیں اس کے لیے باعثِ خیر بن جاتی ہے۔''[4]

صبر کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣/ ١٩٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٤٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٥٧٣)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٤٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٥٧١)

[4] صحيح مسلم، رقم الحديث (٦٤ـ ٢٩٩٩)

ایک محرمات و معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر اور لذتوں کو چھوڑنے اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر کرنا۔ دوسری احکام الٰہیہ کے بجا لانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انھیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے، ایسے بھی اگر کوئی مصیبت یا پریشانی آتی ہے تو اس کی وجہ بھی ہم خود ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الشوریٰ (آیت: ۳۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾

”تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے۔“

اس آیت پر آپ غور کریں کہ ہمارے ہی گناہوں کی وجہ سے ہم پر مصیبت آتی ہے اور کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گی۔ حدیث میں بھی آتا ہے:

”مومن پر جب کبھی کوئی مصیبت بن جاتی ہے تو وہ اس کے بعض گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، اس کی وجہ سے اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔“[1]

یاد رہے ہر قسم کی پریشانی چاہے وہ جسمانی بیماری کی صورت میں ہو یا ذہنی اذیت کی شکل میں، وہ کاروباری پریشانی ہو، یا خاندانی لڑائی کا دکھ اور صدمہ ہو، ہر قسم کی مصیبت اس کے اپنے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے اور ہمیں اس سے نجات پانے کے لیے فوراً سچی توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ساتھ ہی اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ازالہ کر کے اس کی زندگی کو خوشحال بنا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما دے۔ اس طرح کا محبوب جو اس دنیا کی عارضی زندگی میں دائمی زندگی کے لیے تیاری کی پیدا کیے گئے ہیں اور وہ بندہ اس دار الفنا کی زندگی میں اس زندگی یعنی دار البقا کے لیے توشہ تیار کرتا ہے اور روحانی و نفسیاتی کمال کے مدارج

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٤١)

طے کرتا ہے، تا کہ وہ اس جنت میں داخل ہونے کے قابل ہوجائے جس میں صرف اصحابِ ایمان وعمل، اہلِ کمال و طہارت اور پاکباز ہی داخل ہوسکیں گے اور وہاں اُس طیب و پاک جنت میں داخلے کے وقت اس کے دربان فرشتے ایسے لوگوں کو سلامی دیں گے، ان کی تعریفیں کریں گے اور خلود و دوام کی بشارتیں اور نعیمِ جنت کی خوشخبری دیں گے، جیسا کہ سورۃ الزمر (آیت: ۷۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾

''اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ گروہ گروہ بنا کر جنت کی طرف روانہ کیے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو وہاں کے نگہبان فرشتے انھیں کہیں گے: تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے، اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔''

ایسے ہی سورت قٓ (آیت: ۳۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ﴾

''یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہر اس شخص کے لیے جو رجوع کرنے والا اور پابندی کرنے والا ہے۔''

سورۃ الزمر (آیت: ۷۴) ہی میں ہے کہ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس نعمت کو پاکر جو اسے اس کے رب کی طرف سے جنت کی شکل میں انعام ملا ہے، دیکھ کر کہے گا:

﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾

''وہ کہیں گے: اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس زمین کا وارث بنا دیا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں، پس عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔''

بلکہ قرآن کریم سے تو پتا چلتا ہے کہ جنت سے پہلے ہی موت کے وقت بھی پاکباز لوگوں کو فرشتوں کی طرف سے سلامی ملنے لگتی ہے، جیسا کہ سورۃ النحل (آیت: ۳۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا

كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''وہ جن کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں، انھیں فرشتے کہتے ہیں کہ تمھارے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے، جاؤ جنت میں اپنے ان اعمال کے بدلے جوتم کرتے تھے۔''

اللہ کی رحمت کے حصول کے لیے اعمالِ صالحہ ضروری ہیں، یعنی عملِ صالح، اللہ کی رحمت کا ذریعہ ہے، اس لیے عمل کی اہمیت بھی بجا ہے، اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا، اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل ہی نہیں سکتی، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

''اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔''[1]

اے اللہ! ہمیں بھی ایسی پاکباز زندگی نصیب فرما جو کفر وشرک سے پاک ہو اور جو ہر وقت تیری رحمت اور مغفرت کی طالب رہے۔

یااللہ! ہمیں دُنیا اور آخرت کی کامیاب اور خوشگوار زندگی نصیب فرما اور ہمارے گناہوں سے درگزر فرما اور ہمیں دینِ اسلام پر قائم رکھ اور ہمیں تمام پریشانیوں، دکھوں اور صدموں سے محفوظ فرما اور ہمارے دلوں میں حقیقی ایمان پیدا کر دے۔ اتباعِ سنت کو ہماری زندگی کا حصہ بنادے اور ہمیں دنیا میں باعزت و بامراد رکھ اور آخرت میں بھی تیری رحمت سے کامیاب و کامران ہو جائیں اور ہمارے اندر صدق و اخلاص اور یقین پیدا فرما دے اور ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما لیجیے، جن کی آخری دعا یہ ہوتی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔ آمين ثم آمين

مراجعِ درس

1. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
2. خوشگوار زندگی کے ۱۳ اصول۔ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد۔

تقدیم ونظر ثانی: الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٣٤۔ ٢٥٦٤)

مصائب و مشکلات ایک آزمایش ہے

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۵۵) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ﴾ [البقرۃ: ۱۵۵]

''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمھاری آزمایش ضرور کریں گے، (دشمن کے) ڈر سے، بھوک سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔''

دنیوی مشکلات زندگی کا ناگزیر حصہ اور اللہ کی طرف سے آزمایش ہیں۔ اِن کا سلسلہ معمولی مسائل سے لے کر جان لیوا بیماریوں اور عزیزوں کی جدائی (موت) تک پھیلا ہوا ہے اور اِن مشکلات میں بھی مومن کی بھلائی موجود ہے۔ کافروں کی نظر میں مصائب صرف ایک غیر آرام دہ شے ہیں، مگر مومن کے لیے آزمایش اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کا موقع ہیں۔ اگر مومن حادثات کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرے تو اللہ جو بے انتہا مہربان ہے، اس کو بے حساب اجر عطا کرے گا، اس کے گناہوں کو دھو دے گا اور اس کے مقام کو جنت میں بلند کرے گا۔

یہ کون لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کی خوشخبری کا اعلان فرما رہے ہیں؟ سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۵۶) میں ان کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:

﴿ اَلَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾

''ان کو جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جانے والے ہیں۔''

یہی وہ مومن ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ (آیت: ۱۵۷) میں کہہ رہا ہے:

﴿ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ﴾

''انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مہربانی ہے اور یہی (جنت کی) راہ پانے والے ہیں۔''

اس کے برعکس کافروں کے لیے واقعی خسارہ ہے، کیونکہ مصیبتوں میں ان کا صبر کرنا ان کے لیے اس دنیا میں کوئی نوازشیں لائے گا اور نہ ہی آخرت کی بھلائی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں مومنوں کو بھلائی پہنچتی نظر آئے تو انھیں بری لگتی ہے اور اگر مسلمانوں کو کوئی بُرائی پہنچتی ہے تو اُس سے خوش ہوتے ہیں:

﴿ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ﴾ [التوبة: ٥٠]

''(اے پیغمبر!) اگر (اتفاق سے) تجھ کو کوئی بھلائی پہنچے (مثلاً فتح یا مالِ غنیمت) تو ان منافقوں کو بُرا لگتا ہے اور اگر تجھ کو کوئی مصیبت پیش آئے (جیسے جنگِ احد میں پیش آئی تھی) تو کہنے لگتے ہیں ہم نے تو (پہلے ہی سے یہ سمجھ کر) اپنا معاملہ درست کر لیا تھا اور (جہاں یہ باتیں ہوتی ہیں کسی مجلس میں یا پیغمبر کے پاس وہاں سے اِتراتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر یقینِ کامل:

سب مصیبتوں سے بچنے کے لیے انسان مناسب طرزِ عمل اور صحیح رویہ اپنائے اور مصائب ومشکلات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ بنایا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہر مسلمان کا کامل یقین ہو۔ یہ تو مسلمان کے ایمان کا جز اور حصہ ہے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ ہر چیز جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے منتخب کرتا ہے؛ برائی یا بھلائی، خوشی یا غم، سب بندے کے فائدے کے لیے ہی ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«عَجَباً لِلْمُوْمِنِ لَايَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ شَيْئاً اِلَّا كَانَ خَيْراً لَهٗ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ»[1]

''مومن کا معاملہ بھی تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں کوئی فیصلہ نہیں فرماتا، مگر اس کی بھلائی کے لیے اور یہ اعزاز سوائے مومن کے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔''

اِس حکمتِ الٰہی کو پوری طرح سمجھنا کہ ان ساری مصیبتوں کے پیچھے کیا راز ہے؟ یہ انسان کی

[1] صحیح مسلم (٤/ ٢٢٩٥)

طاقت سے باہر ہے، کیونکہ ہمارا علم فقط ظاہری معاملات کی حد تک محدود ہے۔ صرف اللہ ہی کو علم ہے کہ آخر میں حالات کیسے بدلیں گے اور بندے کو اس سے کیسے فائدہ پہنچے گا؟ پس مصیبتیں جو بظاہر بری لگتی ہیں، ہوسکتا ہے کہ آگے چل کر بہت فائدہ مند ہوں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسَى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ عَسَى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

[البقرۃ: ۲۱۶]

''(مسلمانو!) تم پر کافروں سے لڑنا (جہاد) فرض کیا گیا اور وہ تم کو برا لگے گا اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے لیکن وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور ایک چیز تم کو بھلی لگے لیکن وہ تمھارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اُوپر بیان کی گئی آیت اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کا صاف حکم دے رہی ہے۔ اللہ سمجھا رہا ہے کہ لوگ اگرچہ جہاد اور قربانیوں کو ناپسند کرتے ہیں، لیکن جہاد تو مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ہے۔ اگر لوگ جہاد نہ کریں گے تو دین کے دشمن مسلمانوں کو ان کے مذہبی اور دنیوی معاملات میں نقصان پہنچانے میں ان پر بھاری ہوجائیں گے۔ پس ''حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے خبر ہو۔''

اس لیے مسلمان ہر وقت اللہ سے اچھی امید رکھے اور زندگی کے ہر معاملے میں اس کے فیصلے اور حکم پر بھروسا کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر مومنوں نے اُسی پر کامل یقین رکھا تو اللہ ان کے لیے کافی ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ [الطلاق: ۳]

''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا، اللہ اسے کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے ہی رہے گا۔''

قرآنِ کریم ہمارے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین کی مثال پیش کر رہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بہت خوبصورت تھی۔ جب انھوں نے اپنی اولاد کو مصر کی طرف روانہ کیا تو انھوں نے ان کو نصیحت فرمائی اور کہا کہ ہر کوئی الگ الگ دروازے سے مصر (شہر) میں داخل ہو، کیونکہ اولادِ یعقوب علیہ السلام بہت خوبصورت، تندرست و توانا اور جوان تھی اور ان کو (اولاد کے

لیے) خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں لوگ انھیں نظر ہی نہ لگا دیں، کیونکہ نظر برحق ہے، اس لیے اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ [يوسف: ٦٧]

''اور (یعقوب) نے کہا: اے میرے بچو! تم سب ایک دروازے سے نہ جانا، بلکہ کئی جدا جدا دروازوں میں سے داخل ہونا۔ میں اللہ کی طرف سے آنے والی کسی چیز کو تم سے ٹال نہیں سکتا۔ حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔ میرا کامل بھروسا اُسی پر ہے اور ہر ایک بھروسا کرنے والے کو اُسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''

یعنی میری احتیاط یا تدبیر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرما لیتا ہے اُس کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے اور نہ اُسے ٹالا جا سکتا ہے، مگر میں اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہوں کہ جس چیز کو وہ پسند کرے وہی بہتر ہے۔

اہلِ ایمان کو بھی اس پر یقین رکھنا چاہیے، کیونکہ دُکھ، درد، مال و اولاد، صحت و سلامتی، نفع و نقصان، زندگی و موت، سب اُس کے ہاتھ میں ہے تو پھر کیوں نہ ہر قسم کے دُکھ درد میں اُسی کو پکاریں، قرآنِ کریم میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا ہے، جن کو دولت، اولاد اور جسمانی صحت چھین کر آزمایا گیا۔ ان کے پاس بہت زیادہ جانور، گائے بیل اور فصلیں تھیں۔ بہت اولاد اور خوبصورت مکانات تھے۔ پھر انھیں آزمایش میں مبتلا کیا گیا، جب وہ اپنی ہر چیز کو کھو چکے تو انھیں ان کے جسم کو بیماری لاحق کر کے آزمایا گیا، بالآخر وہ شہر کے کنارے پر اکیلے رہ گئے، ان کی ایک بیوی کے علاوہ ان کا خیال رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ پر بہت زیادہ بھروسا تھا، انھوں نے صبر سے کام لیا اور صرف اللہ ہی سے مدد کی دعا کی، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾

[الأنبياء: ٨٣]

’’ایوب کی حالت کو یاد کرو جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔‘‘

ان کی دعا و پکار کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾ [الأنبياء: ٨٤]

’’تو ہم نے ان کی دعا سن لی اور جو دکھ انھیں تھا، اسے دور کر دیا اور انھیں اہل وعیال عطا فرمائے، بلکہ اپنی خاص مہربانی سے اتنا ہی اور بھی دیا تاکہ سچے بندوں کے لیے یہ باعثِ نصیحت ہو۔‘‘

اسی طرح ایک اور اللہ کی بندی اور صحابیہ رسول اللہ ﷺ جو بہت صابرہ تھیں، ان کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا فوت ہوگیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، ان کی بیوی نے بچے کو غسل وکفن دے کر اُسے گھر کے ایک گوشے میں رکھ دیا۔ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے تو پوچھا: لڑکے کا کیا حال ہے؟ اُن کی بیوی نے جواب دیا کہ اُسے آرام ہے اور مجھے امید ہے کہ اسے سکون میسر ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ راوی کے بقول حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رات بھر اپنی بیوی کے پاس رہے اور صبح کو غسل کرکے باہر جانے لگے تو بیوی نے انھیں بتایا کہ لڑکا فوت ہوچکا ہے۔ پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ادا کی اور رات کے ماجرے کی نبی اکرم ﷺ کو خبر دی جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں میاں بیوی کے لیے تمھاری اس رات میں برکت دے گا۔‘‘

ایک انصاری شخص کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نسل سے ۹ لڑکے دیکھے جو حافظِ قرآن تھے۔ یہ حضرت ام طلحہ رضی اللہ عنہا کے صبر و استقلال کا نتیجہ تھا کہ اس رات کی ملاقات کے نتیجے میں جو بچہ ان کے ہاں پیدا ہوا، اس کی پشت سے نو بچے حافظِ قرآن پیدا ہوئے، ان کے علاوہ چار صابرہ شاکرہ بیٹیاں بھی اللہ تعالیٰ نے عطا کیں۔[1]

[1] عون الباري (٢/ ٣١٠)

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رحمتوں کو حاصل کرنے کے لیے ''صبر'' ضروری ہے اور جو لوگ ''صبر'' کرنے کی خوبی رکھتے ہیں وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی رحمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا أُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءًا خَيْرًا وَّ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)) [1]

''کسی کو بھی صبر سے بہتر اور زیادہ ساتھ دینے والی کوئی بھی چیز نہیں دی گئی۔''

اللہ بلند و بالا نے صبر کرنے والوں سے اتنے اجر کا وعدہ کیا ہے جس کو تولا جاسکتا ہے اور نہ ناپا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: ١٠]

''صبر کرنے والوں ہی کو ان کا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔''

وہ حقیقی صبر جس پر اللہ تعالیٰ نے حساب کے بغیر اجر دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ ہے جو مصیبتوں کے شروع ہوتے وقت کیا جائے کہ مومن مصیبت آتے وقت اس کی خبر سنتا ہے اور دل کے غمگین ہونے کے باوجود، وہ ناامید ہوتا ہے اور نہ خوف میں مبتلا ہوتا ہے، بلکہ وہ صبر اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مطمئن ہوجاتا ہے۔ پہلے جھٹکے کے بعد والا صبر، جبکہ غم میں کمی آچکی ہو، وہ حقیقی صبر نہیں ہے، کیونکہ صبر کی حقیقی آزمایش تب ہے جب آدمی مصیبت سے رنجیدہ ہو۔

نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰی)) [2]

''واقعی صبر صرف وہ ہے جو صدمے کے آغاز پر کیا جائے۔''

ہر شخص کو چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی صبر کا مظاہرہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ سمجھدار شخص وہ ہے جو چاہتے ہوئے صبر کو اختیار کرے اور وہ بھی شروع ہی سے، کیونکہ صبر کے فائدوں کو وہ سمجھتا ہے۔ اُس کو اس کا بھی علم ہے کہ صبر کرنے پر اسے جزا ملے گی اور بے صبری میں مبتلا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا شکار ہوگا۔ وہ اس بات سے بھی واقف ہے کہ بے صبرا شخص غمگین ہونے سے کھویا ہوا موقع

---

[1] صحيح البخاري و صحيح مسلم بحواله صحيح الترغيب والترهيب للألباني (٣/ ٣٢٧)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٢٢٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٢٦)

واپس لاسکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بدل سکتا ہے۔ اس کے برعکس بے وقوف آدمی وہ ہے جو صرف تب صبر اختیار کرتا ہے، جب اس کے پاس غمگینی اور شکایتوں کے بعد کوئی دوسرا راستہ باقی نہ بچا ہو اور یہ صبر اسے کوئی اجر نہیں دلا سکتا۔

نبی مکرم ﷺ نے اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہا کہ مومن کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم یا فیصلے پر راضی رہنا چاہیے، جب وہ اُسے زندگی میں کوئی آسانی اور خوشی عطا کرے تو وہ اُس سے خوش ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اِسی طرح جب اس کو کوئی مصیبت لاحق ہو تو صبر کرے، نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

''جب مومن کو زندگی میں آسانی دی جائے تو وہ شکریہ ادا کرتا ہے اور یہی اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اُسے کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہی اس کے لیے بہتر ہے۔''[1]

چونکہ بھلائی اللہ کا احسان ہے اور مصائب کا سبب خود نفسِ انسانی ہے، اگرچہ مصائب بھی اللہ کے فیصلے ہی سے آتے ہیں، تو بندے کا فرض ہے کہ وہ اللہ کے فیصلوں کو دِل سے قبول کرے اور اس کا شکر ادا کرے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور صرف اسی پر توکل کرے، کیونکہ ہر قسم کی بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

تمھیں تمھاری استطاعت کے مطابق آزمایا جائے گا:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے حق میں اتنی ہی مصیبتیں اور مشکلات لکھی ہیں، جتنی اس کی استطاعت اور ایمانی قوت ہے۔ یہ نا انصافی ہوتی اگر ہر کسی کو ایک ہی جیسی مصیبت سے آزمایا جاتا اور ناکامیابی پر اسی طرح سزا دی جاتی، کیونکہ کچھ لوگ دوسروں کی نسبت زیادہ صبر کی استطاعت رکھتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کا انصاف اور اپنی مخلوق پر مہربانی، شفقت اور رحم دلی ہے، جس کی بدولت وہ اپنے بندوں کو ان کی استطاعت کے مطابق آزماتا ہے اور اُسی کے مطابق ان کی نافرمانی کے بدلے میں انھیں سزا بھی دیتا ہے، قرآنِ کریم میں بار بار اِس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾

[البقرة: ٢٨٦]

---

[1] صحيح البخاري و صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٩٩٩)

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لیے ہے اور جو برائی وہ کرے اسی کا وبال بھی اسی پر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس انصاف پسندانہ قانون کے تحت علمائے کرام نے صبر کو فرض قرار دیا ہے اور جب یہ بات طے شدہ ہے کہ حادثات آدمی کو اُس کی استطاعت کے مطابق ہی متاثر کرتے ہیں، تب تو اس شخص میں ضرور ہی استطاعت ہوگی جس سے وہ سختیوں کو برداشت کر سکے اور صبر کرنے والا بن جائے۔ اِس کے بعد اُس پر حرام ہے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے، یا انتہائی جوش و غصے کا مظاہرہ کرے، یا ایسی کوئی حرکت کرے یا بات کہے جس سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناپسندیدگی ظاہر ہو رہی ہو، جیسا کہ لمبی دردناک چیخ، کپڑوں کا پھاڑنا، گال پیٹنا وغیرہ۔ جزا کے دن بندے سے اس کی ہر اُس حرکت پر پوچھ گچھ ہوگی جس سے منع کیا گیا تھا اور اس سے بچنے کی بندے میں استطاعت تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ و مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے:

﴿اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَرِيْءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَّةِ﴾[1]

''نبی ﷺ بَین کرنے والی، سر منڈوانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی عورت سے بَری ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی حرکات پر سزا نہیں دیتا جو ان کے اختیار میں نہ ہوں۔ مثال کے طور پر کسی کو اپنے آنسوؤں اور اپنے دل کے جذبات پر قابو نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنے کسی عزیز کے چلے جانے سے یا کسی چیز کے کھو جانے سے، جس سے وہ محبت کرتا ہو، بہت زیادہ غمگین اور دکھی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے آنسوؤں اور دل کے دکھوں کو صحیح طریقے سے ظاہر کرنے پر انھیں سزا نہیں دیتا۔

جب اللہ کے نبی ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے، آپ ﷺ ان کے قریب گئے اور آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: ''کیا آپ بھی اے اللہ کے نبی ﷺ! (رو رہے ہیں)۔'' نبی مکرم ﷺ نے جواب دیا:

---

[1] صحيح البخاري (٣/ ١٣٢)

« يَا ابْنَ عَوْفٍ ! اِنَّهَا رَحْمَةٌ » ''اے ابنِ عوف رضی اللہ عنہ! یہ رحمت ہے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

« اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يُرْضِيْ رَبَّنَا، وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ »[1]

''آنکھیں روتی ہیں اور دل دکھی ہو جاتا ہے اور ہم کچھ نہیں کہتے سوائے اس کے جو ہمارے رب کو خوش کرے۔ اے ابراہیم! تمھاری جدائی سے ہم سخت غمگین ہیں۔''

تقدیر برحق:

اس زمین پر کچھ نہیں ہوتا سوائے اس کے جو لوحِ محفوظ میں درج کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کے متعلق جو مخلوق کے بارے میں ہے، لوحِ محفوظ میں درج کر رکھا ہے۔ ذریعہ معاش، رزق، عمر، اعمال وغیرہ؛ یہ سب کچھ مخلوق کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل ہی درج کر دیا گیا تھا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کی تقدیر زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل سے لکھ رکھی ہے۔''[2]

اسی طرح ہر حادثہ جس سے بندہ دو چار ہوتا ہے، اس کو بھی اللہ نے پہلے ہی مقدر میں لکھ دیا ہے۔ سورۃ الحدید (آیت: ۲۲،۲۳) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾

''کوئی مصیبت دُنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آتی ہے اور نہ خود تمھاری جانوں پر پڑتی ہے، مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے (اور) یہ کام اللہ کے لیے بڑا آسان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید کی اگلی آیت میں مقدر میں پہلے سے لکھے جانے کی وجہ یوں بیان

---

[1] صحيح البخاري (٣/ ١٣٩، ١٤٠)

[2] صحيح مسلم (٤/ ٢٠٤٤) رقم الحديث (٢٦٥٣)

فرمائی کہ اگر کسی پر کوئی مصیبت آ پہنچے تو وہ مایوس نہ ہو جائے اور نہ کسی چیز کے حاصل کر لینے پر فخر اور غرور کرنے لگے، کیونکہ مصیبت کبھی آن پڑتی ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کے لیے متعین ہے اور تمام رحمتیں صرف اللہ ہی کی طرف سے ہیں، پس جو کوئی چیز مشکل یا خیر میں سے اسے پہنچے وہ اُس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو کوئی چیز اس سے ٹل جائے وہ اس تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔ یہ عقیدہ، ایمان کا ایک اہم حصہ ہے۔

نبی مکرم ﷺ سے پوچھا گیا: ''ایمان کیا ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایمان؛ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت (اور اچھی و بُری تقدیر) کو ماننے کا نام ہے۔''

اس کے ساتھ ہی بندوں کو چاہیے کہ ایسی باتوں سے بچیں۔ یعنی اس طرح کہنا کہ اگر میں یہ کرتا تو اس کا انجام ایسا ہوتا یا میں اس حادثے سے بچ جاتا وغیرہ۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''کوئی چیز [مصیبت کی شکل میں] تمھارے پاس آ جائے، تو یہ مت کہو کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا وغیرہ وغیرہ، بلکہ یہ کہو: اللہ نے وہی کیا جو ہونا تھا۔ اور تمھارا ''اگر'' کہنا شیطان کے لیے دروازے کھولتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مومنوں کے دلوں کو صحیح راہ دکھلائے گا اور انھیں سکون عطا کرے گا، بشرطیکہ وہ قیاس آرائیوں سے بچتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ التغابن (آیت: ۱۱) میں فرماتے ہیں:

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾

''کوئی مصیبت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں پہنچ سکتی اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

'' اللہ کے بندے کے دل کو ہدایت دینے یا راہ دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اس کے دل میں یقین راسخ کر دیتا ہے، جس سے وہ جان لیتا ہے کہ جو مصیبت اُس تک پہنچ گئی وہ اس سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو مصیبت بندے سے ٹل گئی وہ اس تک پہنچ نہیں سکتی تھی۔''

[1] صحيح مسلم (٨/ ٥٦) رقم الحديث (٦٤٤١)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کسی مصیبت سے دوچار ہونے کے بعد اگر بندہ یہ ایمان رکھے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان سے ہوا ہے اور وہ صبر کرتے ہوئے اُسے برداشت کرلے اور اللہ تعالیٰ سے جزا کی امید رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کی راہنمائی کرے گا اور اس زندگی میں کھوئی ہوئی چیز کے عوض میں اُس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور کرے گا اور اس کے ایمان کو تقویت دے گا اور جو کچھ بندے نے کھویا، اس کی تلافی بھی اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، کم از کم اس کے برابر یا اس سے بھی کوئی اچھی چیز عطا کر دیتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کی سختیوں اور دکھوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر (مجلد: ۱۔۳)
2. دنیوی مصائب ومشکلات۔ تحریر: محترمہ شوانہ عبد العزیز۔ مترجم: انجینئر شاہد ستار
تقدیم وتہذیب و اضافہ: الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

[1] مختصر تفسیر ابن کثیر (٤/ ٢٥٠)

مصیبتیں......نزولِ رحمت کا ایک ذریعہ

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ النور (آیت: ۱۱) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّكُمۡ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ لِكُلِّ امۡرِیٴٍ مِّنۡهُمۡ مَا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ وَالَّذِیۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴾

''جن لوگوں نے (حضرت عائشہ پر) تہمت اٹھائی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے، اس (طوفان) کو اپنے حق میں بُرا مت سمجھو بلکہ وہ تمھارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر شخص نے جتنا گناہ سمیٹا اتنی سزا پائے گا اور جس نے ان میں سے اس (طوفان) کا بیڑا اُٹھایا (بڑا حصہ لیا، اس کو سخت سزا ہوگی)۔''

مصیبتیں مومنوں کے لیے سختیوں کے علاوہ بہت کچھ فائدے بھی لاتی ہیں:

① سختیاں مومن کو صبر کرنا سکھلاتی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور صابرین کو بے حساب انعامات دیتا ہے۔

② تکالیف گناہ گار بندے کو اِس زندگی کی سب سے بڑی مصیبت کی یاد دلاتی ہیں، جیسے موت، جو اُس کو کسی وقت بھی آسکتی ہے، یہ اس کو سخت سزاؤں کی یاد دلاتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتیجے میں آسکتی ہیں، جب کوئی انحراف کر جائے تو وہ شاذ و نادر ہی کسی چیز کی طرف توجہ کرتا ہے، مگر جب کوئی بڑی مصیبت اس پر حملہ آور ہوجاتی ہے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے سخت ترین عذاب کی یاد دلاتی ہے۔ سورۃ السجدہ (آیت: ۲۱) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنَ الۡعَذَابِ الۡاَدۡنٰى دُوۡنَ الۡعَذَابِ الۡاَكۡبَرِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴾

''اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا دنیا کے چھوٹے سے عذاب بھی چکھائیں گے، شاید کہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں۔''

چھوٹے عذاب سے مراد دُنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں وغیرہ ہیں۔ اسی طرح مصیبتیں، اپنے گناہوں اور اُن سے پیدا ہونے والے ہیبت ناک انجام پر غور وفکر کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرے گا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف لوٹے گا۔ یوں دنیوی مشکلات گناہگار کے لیے رحمت کا کام کرتی ہیں۔

③ مومن کے اذیتیں سہنے سے اس کے گناہوں کا بوجھ کم ہو جاتا ہے اور وہ آخرت کے سخت ترین اور ناقابلِ برداشت عذاب سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَ الْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ، وَوَ لَدِهٖ، وَمَالِهٖ، حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ»[1]

''مصیبتوں کا نزول مومن مرد وعورت کے جان ومال اور عیال پر اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر اپنے اللہ سے نہ مل جائیں۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''کسی مسلمان کو جب کوئی تھکاوٹ، تکلیف، بیماری، پریشانی، غم، دکھ درد اور کوئی اذیت پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اس کے پیر میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ اس کے بدلے اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔''[2]

اس دنیا کی مصیبتیں (یا اذیتیں) جھیلنا آخرت کے سخت عذاب کے مقابلے میں بہت ہی کم اور غیر اہم ہے۔ مزید برآں جب انسان مرجاتا ہے تو اس دنیا کی اذیتیں ختم ہو جاتی ہیں، مگر آخرت کی سزا دائمی ہے!!! تاہم اللہ تعالیٰ جو انتہائی مہربان ہے، بہت سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشورىٰ: ٣٠]

---

[1] سنن الترمذي، مسند أحمد، الصحيحة (٣٤٩/٥) رقم الحديث (٢٢٨)

[2] صحيح البخاري و صحيح مسلم بحواله المشكاة بتحقيق الألباني (١/ ٤٨٦) رقم الحديث (١٥٣٧)

''تمھیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہیں اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرما لیتا ہے۔''

یعنی کچھ گناہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ یوں ہی معاف فرما دیتا ہے اور اللہ کی ذات بڑی کریم ہے، معاف کرنے کے بعد آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہماری ہر برائی اور بد عملی پر سزا دیتا، تو ہر چیز جو اس زمین پر ہے، وہ ساری کی ساری برباد ہوجاتی۔ سورت فاطر (آیت: ۴۵) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے کرتوتوں پر فوراً مواخذہ شروع فرمادے تو روے زمین پر کوئی چلنے والا ہی باقی نہ رہے۔''

یہ تو اللہ تعالیٰ کی عظیم مہربانی ہے کہ وہ ہمیں ہمارے بہت سارے برے اعمال بخش دیتا ہے اور اس نے زندگی کی معمولی مصیبتوں کو آخرت کے سخت اور شدید عذاب کے بدلے میں کفارہ بنا رکھا ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

''جب اللہ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اسے زندگی ہی میں سزا دے دیتا ہے اور جب وہ اپنے بندے سے انتقام لینا چاہے تو وہ اس کے گناہوں پر اسے گرفت نہیں کرتا اور ان کا فیصلہ حساب کے دن [قیامت کے دن] کرتا ہے۔''[1]

① مصیبتیں مومن کے اندر اطاعت و انکساری پیدا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب مومن بیمار ہوجاتا ہے تو وہ اپنی کمزوری اور اللہ کی طرف اپنی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اس سے اپنی صحت کی دعا کرتا ہے اور جب اللہ اسے صحت عطا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے آسانی پیدا کرنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی وہ زیادہ سے زیادہ اس کی عبادت گزاری کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ ہمیشہ کے لیے صحت مند رہتا تو ہوسکتا تھا کہ وہ مغرور ہو جاتا۔ اسی طرح اگر وہ ہمیشہ بیمار رہتا تو ہوسکتا تھا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا موقع نہ ملتا اور نہ وہ اس کا شکر گزار بنتا۔

دنیوی مشکلات و مصائب کے باعث ملنے والی دوسری بہت ساری بھلائیاں سب مل کر مومن

[1] سنن الترمذي، صحيح الجامع(۱۱۸/۱) رقم الحديث (۳۰۸)

کے لیے اللہ کی بے حساب رحمتیں بن جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ دنیوی مصائب و مشکلات مومن کے لیے روحانی ترقی کے لیے بھی ضروری ہیں، کیونکہ یہ اس کو گناہوں سے پاک کرتی ہیں، پرخلوص طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں مدد کرتی ہیں اور اسے دین کو قائم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر اور ان کے ماننے والے مصیبتوں پر بھی راضی رہتے تھے۔

اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

> ’’سب سے زیادہ مصیبتیں پیغمبروں کو پہنچائی گئیں، پھر صالحین کو اور پھر دوسرے اچھے لوگوں کو، اور پھر ان سے کم اچھے لوگوں کو، ہر کسی کو اس کی اپنی دینی استطاعت کے مطابق اذیتیں دی گئیں۔ اگر کسی کا دین پختہ و مضبوط ہے تو پھر اذیتیں بھی سخت ہوں گی، واقعی ان میں سے کسی کو غربت سے اتنا آزمایا گیا کہ وہ کچھ بھی نہ پہن سکے سوائے ایک کُھردرے چوغے کے، اور وہ لوگ مصیبتوں کو جھیلنے میں اتنے ہی خوش رہتے تھے جیسا کہ تم آرام پانے پر خوش رہتے ہو۔‘‘[1]

⑤ دنیوی مشکلات و مصائب کے باعث ملنے والی ان جیسی بہت ساری بھلائیوں کو جاننے سے مومن کو صبر ملتا ہے اور اس کے لیے اذیتیں جھیلنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

مصائب ومشکلات کی تمنا نہ کرنا:

مناسب طریقے سے دنیوی مصیبتوں کو برداشت کرنا اور اس کے بدلے میں بہت ساری بھلائیاں، نعمتیں اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی تمنا کرنا روا ہے، لیکن دنیوی مصیبتیں مومن کے لیے بہت ساری بھلائیاں حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مصائب و مشکلات کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اولاً: اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا بندہ کتنی سختی برداشت کر سکتا ہے اور اسی حساب سے اللہ نے ان کے لیے مصیبتیں متعین کر رکھی ہیں اور اگر کسی نے زیادہ تکالیف مانگ لیں تو وہ ناشکری اور ناامیدی میں بھی گر سکتا ہے۔ مزید برآں یہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا اس زندگی میں جھیلے یا برداشت کر سکے، بلکہ مومن کو

---

[1] سنن ابن ماجه، الصحيحة للألباني (١/ ٢٢٦) رقم الحديث (١٤٤) صحيح الجامع، رقم الحديث (٩٩٢)

چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رحیم و کریم ہونے کا فائدہ اٹھا کر اس سے معافی مانگے اور اپنے ایمان کی حفاظت کی دعا کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک ایسے مسلمان شخص کی زیارت کی جو اتنا کمزور اور دبلا پتلا تھا جیسا کہ مرغی کا چوزہ، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کوئی خاص دعا کی ہے یا پھر اللہ سے ایسا کچھ مانگا ہے کہ تم اس طرح ہو جاؤ؟ اس شخص نے جواب دیا: ہاں! میں اس طرح کہتا ہوں: ''اے اللہ جو بھی سزا آخرت میں میرے لیے ہے، وہ اسی دنیا میں مجھے دے دے۔'' اس کے جواب میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ پاک ہے! تم اس کی سزا کو برداشت نہیں کر سکتے۔ بہتر تھا کہ تم اس کی بجائے یوں کہتے: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ جہنم سے نجات دے۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے تندرست ہونے کی دعا مانگی اور اللہ نے اسے تندرست کر دیا۔[1]

ثانیاً: مصیبتوں کی تمنا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی آسانیوں اور درگزاریوں کی صفت سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ تاکید گئی ہے کہ ہم اپنی صحت یابی اور درگزاری کے لیے دعا کریں، اللہ بلند وبالا ہے، اس نے قرآن میں یہ دعا سکھلائی ہے اور پھر اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی کہ انھیں اس سے مانگنا کس طرح ہے؟ اس نے کمالِ لطف و مہربانی سے اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازنے کی ذمہ داری بھی لے لی ہے اور اپنے بندوں کی راہنمائی فرماتے ہوئے اور مانگنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ کہو:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک یا خطا ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔''

اگر بھول کر ہم نے کوئی فرض ترک کر دیا ہو یا بھول کر کسی فعلِ حرام کا ارتکاب کر لیا ہو یا از راہِ جہالت ہم کسی کام کو شریعت کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق سرانجام نہ دے سکے ہوں تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

[1] صحيح مسلم (٤/ ٦٨، ٢٩) رقم الحديث (٢٦٨٨)

﴿رَبَّنَا وَ لَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَآ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔''

کئی سندوں سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 بُعِثۡتُ بِالۡحَنِيۡفِيَّةِ السَّمۡحَةِ 》[1]

''مجھے دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہے جو انتہائی آسان ہے۔''

ایسے ہی فرمان الٰہی ہے:

﴿ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا ﴾ [البقرة: ٢٨٦]

''اے ہمارے پروردگار! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں، اس کو ہمارے سر پر نہ رکھنا۔''

یعنی ہمیں ایسی تکلیفوں، مصیبتوں اور آزمایشوں میں مبتلا نہ کرنا جن کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔

نیز فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاعۡفُ عَنَّا﴾ ''اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔''

یعنی ہم سے جو گناہ، کوتاہی اور لغزش ہوئی جس کا تعلق ہمارے اور تیرے مابین ہے اور جسے تو خوب جانتا ہے، اس سے درگزر فرما۔

﴿وَاغۡفِرۡ لَنَا﴾ ''اور ہمیں بخش دے۔''

یعنی ان گناہوں کو جن کا تعلق ہمارے اور تیرے بندوں کے حقوق سے ہے اور تو انھیں ہماری برائیوں اور ہمارے برے اعمال پر مطلع نہ کرنا۔

﴿وَارۡحَمۡنَا﴾ اور ''مستقبل میں ہم پر رحم فرما۔''

اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم کسی اور گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ گناہگار کو تین چیزوں کی ضرورت ہے:

① اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین جو ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔

[1] مسند أحمد (٥/ ٢٦٦) عن أبي أمامة رضي الله عنه.

② بندوں سے اسے چھپائے اور ان میں اسے ذلیل و رسوا نہ کرے۔

③ اور آیندہ اسے بچائے، پھر اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہ کرے۔

﴿اَنْتَ مَوْلٰنَا﴾ ''تو ہی ہمارا مالک ہے۔''

تو ہی ہمارا مولیٰ اور حامی و ناصر ہے، ہم نے تجھی پر توکل کیا تو ہی ہمارا مددگار ہے اور تو ہی ہمارا سہارا ہے اور تیری حفاظت کے بغیر ہمیں گناہ سے بچنے کی قدرت نہیں اور تیری مدد اور توفیق کے بغیر ہمیں تیری اطاعت کی طاقت نہیں۔

اگر اللہ آسانیاں عطا کرے:

مومن کو چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اُس کو آسانی عطا کرتا ہے تو وہ اُس کا شکر ادا کرے اور کم از کم یہ ہرگز نہ سمجھے کہ یہ سب اس کے تقوے اور سچائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ صرف دنیوی مصائب ومشکلات ہی آزمایش نہیں بلکہ فراغت، دولت اور خوش حالی بھی آزمایشوں کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ﴾ [الأنبياء: ٣٥]

''ہم بطریقِ امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی و بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ ہم تمھارا امتحان لیں گے، کچھ تکالیف سے اور کچھ آسانیوں سے، تاکہ دیکھیں کہ کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا ہے؟ کون صبر کرنے والا نکلتا ہے اور کون مایوسیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے؟

رحمت یا زحمت؟

جہاں مصیبتوں کے وقت صبر اور اطاعت مومن کے لیے نعمتیں اور رحمتیں لاتے ہیں، وہیں نافرمانی اور بے صبری پر بندے کو اللہ کا قہر، غضب اور سزا اُٹھانا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اقدس ﷺ نے فرمایا ہے:

''اجر کی مقدار مصیبت کی مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ جب اللہ کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے، تو وہ انھیں مشکلات میں مبتلا کر دیتا ہے، جو کوئی اللہ کے لکھے پر صبر کرتا ہے تو وہ اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے اور جو اللہ کے لکھے پر ناخوش ہوتا ہے تو وہ اللہ کے غضب و غصّے کا شکار ہو جاتا ہے۔''[1]

[1] سنن الترمذي و سنن ابن ماجه، الصحيحة للألباني (١/ ٢٢٧) رقم الحديث (١٤٦)

اجر وثواب کی امید:

دکھ اور پریشانی کا خیال کیے بغیر، ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے اجر اور معافی کی امید کے منتظر رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر صرف جنت رکھا ہوا ہے۔ ہم فرعون کی بیوی آسیہ کی مثال لے لیتے ہیں۔ انھیں ان کے شوہر نے جو ایک بادشاہ تھا، سختی سے اذیتیں دیں، کیونکہ آسیہ نے اللہ کی توحید کا اقرار کر لیا تھا۔ سخت دکھ میں ہونے کے باوجود، آسیہ اپنے ایمان پر قائم رہیں، بہت زیادہ صبر اور احتساب کا مظاہرہ کیا، اللہ سے دعا کی اور جنت میں ایک گھر مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعے کو قرآن میں بیان فرمایا ہے:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

[التحريم: ١١]

''اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جبکہ اس نے دعا کی کہ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں مکان بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔''

جب انھوں نے یہ دعا کی تو آسمان کے دروازے اُن کے لیے کھل گئے اور انھوں نے جنت میں اپنا گھر دیکھا اور وہ مسکرائیں۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک بہت بڑا پتھر لایا جائے اور آسیہ کو کچل کر مار دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پتھر گرنے سے پہلے ان کی روح قبض کر لی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آسیہ کو ان کے صبر و احتساب پر دو نیکیاں عطا کیں: جنت میں گھر اور فرعون کے فریبی منصوبوں سے حفاظت اور وہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ایک مثال بن گئیں۔[1]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمایشوں کی بھٹی میں جھونک کر ان کے جوہر اور سونے کو کندن بنا دیتا ہے۔ ان کے گناہ مٹاتا اور انھیں پاک کرتا رہتا ہے، لہٰذا مومن کو مصائب و مشکلات میں گھبرانے اور واویلا کرنے کے بجائے صبر کا دامن تھامے رکھنا چاہیے، اللہ پر مکمل بھروسا کرنا چاہیے اور اپنے گناہوں کے کفارے کی توقع رکھنا چاہیے۔ جان و مال، اولاد و کھیتی اور فقر و خوف میں مبتلا

[1] تفسير ابن كثير (٤/ ٥٠٥)

کر کے مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو آزمانا سنتِ الٰہی ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۵۵) اور سورۃ الانبیاء (آیت: ۳۵) شاہد ہیں، البتہ اگر یہی مصائب و مشکلات آزمایشیں نہیں بلکہ گناہوں کے نتیجے میں ہوں تو بندہ فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ڈراتا ہے یعنی وارننگ دے رہا ہے اور اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی تنبیہ پر توجہ نہ دے تو قرآن شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کو سخت ترین سزائیں دیں، جنھوں نے اللہ کی تنبیہ کو پسِ پشت ڈال کر حد سے تجاوز کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں تباہ ہی کر ڈالا۔

- اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کافروں کو ایک ہولناک وخوفناک سیلاب (پانی کے طوفان) سے سزا دی۔
- حضرت ہود علیہ السلام کے زمانے میں سزا کے طور پر ایک ہیبت ناک ہوائی طوفان بھیجنے کا فیصلہ کیا۔
- حضرت صالح علیہ السلام کے زمانے میں ایک تباہ کن زلزلے نے مغروروں کا سر جھکایا اور پھر موت کی نیند سلا دیا۔
- حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے الٹا کر دیا اور اُوپر جلی ہوئی کالی مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی۔

پچھلی قوموں کی یہ داستانیں اور دوسرے واقعات ہمیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے برے انجام سے ڈراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

''سنو! جو لوگ حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

عذاب اور سزائیں کسی بھی شکل میں آسکتی ہیں۔ آج اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اپنے رحمٰن و رحیم رب کی طرف رجوع کریں، کیونکہ قرآن صاف صاف بیان کر رہا ہے کہ دعا بھی ایک عبادت ہے اور وہ صرف اللہ ہی کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيۡنَ﴾ [المؤمن:٦٠]

''اور تمھارے رب کا فرمان (صادر ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔''

دعا کے عبادت ہونے کا پتا نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے بھی چلتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((اَلدُّعَآءُ هُوَالۡعِبَادَةُ)) ''دعا عبادت ہے۔''[1]

تو پھر کیوں نہ ہم اپنے اللہ سے دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے اور جنت کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین

جہنم کی شدتوں اور جنت کی نعمتوں کا اندازہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''جہنم کے مستحق لوگوں میں سے ایک شخص جو اس دنیا میں خوب عیش وخوشی کی زندگی بسر کر چکا ہوگا، قیامت کے دن اس کو صرف ایک مرتبہ جہنم کی آگ میں ڈبویا جائے گا اور پوچھا جائے گا: اے ابنِ آدم! کیا تم نے کوئی بھلائی پائی [کوئی نعمت پائی] تھی؟ کیا تم نے کوئی رحمت حاصل کی؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! نہیں، اے میرے رب! پھر ایک شخص کو لایا جائے گا جو جنت کا مستحق ہوگا، لیکن وہ اس دنیا میں بہت تنگی میں زندگی گزار کر آیا ہوگا، اس کو صرف ایک لمحہ بھر کے لیے جنت میں داخل کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تم نے دنیا میں کوئی تکلیف اٹھائی یا کوئی تنگی محسوس کی؟ وہ کہے گا: اے اللہ! نہیں، میں نے کوئی تکلیف یا رنج ہرگز محسوس نہیں کیا۔''[2]

آپ اندازہ کریں کہ وہ جنت کیسی ہوگی جس میں ایک منٹ میں جاتے ہی آدمی کہے گا کہ مجھے کبھی کوئی دکھ تنگی نہیں ملی اور جب یہ ساری کی ساری جنت اُسے مل جائے گی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے سعادت مند لوگوں میں شامل فرما دے۔ آمین

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٤٠٨)

[2] صحيح مسلم (٤/ ٢١٦٢) رقم الحديث (٢٨٠٧)

ہر مسلمان کو آٹھ باتوں کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے:

① اذیتیں اور آسانیاں آپ کے لیے آزمائش ہیں۔

② ہر اچھی یا بری چیز جسے اللہ آپ کے لیے پسند کرتا ہے، وہ آپ کی بھلائی کے لیے ہی ہوتی ہے۔

③ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا وہ ٹل نہیں سکتا تھا اور جو کچھ آپ سے ٹل گیا وہ آپ تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔

④ صبر کرنا فرض ہے۔

⑤ انعامات صرف ان کے لیے ہوتے ہیں جو اللہ کے فیصلوں پر صبر کریں۔

⑥ خوف وگھبراہٹ اور بے صبری اللہ کے حکم یا فیصلے کو روک نہیں سکتے۔

⑦ شکوہ و شکایت صبر کی ضد (برعکس) ہے۔

⑧ صرف اللہ ہی نقصان سے بچا سکتا ہے اور وہی آپ کی تکلیفوں کو دور کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کے دکھ اور پریشانیوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں ثابت قدم رکھے اور دینِ اسلام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو نیک عمل سے نوازے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما دے اور آخرت میں ہم سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمۡدِكَ أَشۡهَدُ أَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ أَنۡتَ أَسۡتَغۡفِرُكَ وَ أَتُوۡبُ اِلَيۡكَ

مراجعِ درس

1 تفسیر ابن کثیر (مجلد: ۱۔۳)۔

2 دنیوی مصائب ومشکلات۔ تحریر: محترمہ شوانہ عبد العزیز۔ مترجم: انجینئر شاہد ستار۔
تقدیم وتہذیب واضافہ: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

استقامت
راہِ دین پر دنیا وآخرت میں نجات کا سبب

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

''استقامت'' نہایت جامع لفظ ہے جو شریعت کے پورے نظام کی پابندی سے عبارت ہے، لہٰذا استقامتِ دین ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر استقامت اختیار کرنے کا بارہا ذکر مختلف انداز میں فرمایا ہے۔ کہیں اس کو اختیار کرنے والوں کی تعریف فرماتے اور اس کو اپنانے کا نتیجہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴾ [الأحقاف: ١٣]

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر (اس بات پر) مضبوطی سے قائم رہے تو ان لوگوں کو (دنیا میں) کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) انھیں کوئی دکھ ہوگا۔''

کہیں اس کا دنیاوی فائدہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ لَاَسۡقَیۡنٰہُمۡ مَّآءً غَدَقًا ﴾ [الجن: ١٦]

''(اے نبی! آپ فرما دیجیے کہ) اور اگر یہ لوگ دینِ اسلام پر استقامت اختیار کرتے تو یقیناً ہم انھیں وافر مقدار میں پانی عطا کرتے۔''

کہیں اسے اپنانے کا حکم فرمایا:

﴿ فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَمَنۡ تَابَ مَعَکَ وَلَا تَطۡغَوۡا اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴾ [ھود: ١١٢]

''پس آپ جمے رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں، خبردار! تم حد سے نہ بڑھنا، اللہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ اور تمام مسلمانوں کو سیدھی راہ پر دوام وہمیشگی اور استقامت و ثابت قدمی کا حکم دے رہا ہے، کیونکہ دشمن کا مقابلہ کرنے اور اس پر کامیابی حاصل کرنے میں یہی سب سے بڑی معاون چیز ہے۔''[1]

کہیں اس ''استقامت'' پر قائم رہنے کی دعا کرنے کی تعلیم فرمائی:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ [الفاتحة: ٥]

''(اے ہمارے اللہ!) ہمیں استقامت والا راستہ عطا فرما۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی ''استقامت'' کا حکم فرمایا، جیسا کہ حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتا دیجیے کہ پھر میں اس کے بارے میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں (جسے اختیار کر لینے کے بعد میں کامیاب ہو جاؤں اور جنت کی بشارت مجھے حاصل ہو جائے)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»[2]

''کہہ دو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر مضبوطی سے جمے رہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشادِ مبارک میں اسلام کے گویا تمام معاملات کو سمو دیا، کیونکہ اسلام اللہ پر ایمان اور اس ایمان کے مطابق اللہ کے احکام پر عمل کا مجموعہ ہے، اللہ پر ایمان کے تمام پہلو «آمَنْتُ بِاللّٰهِ» ''میں اللہ پر ایمان لایا۔'' میں ذکر فرمائے اور اس ایمان پر عمل کے تمام پہلو «فَاسْتَقِمْ» ''(اور بس) پھر اس پر مضبوطی سے جم جاؤ۔'' میں بیان فرمائے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٢/ ٦٠٦)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٣٨)

راہِ حق اختیار کرتے ہوئے دل اور ذہن میں کوئی تزلزل نہ ہو اور حق کو اختیار کرنے کے بعد پھر آدمی پامردی، جرأت، ہمت، بہادری اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بات پر ڈٹ جائے۔ یاد رکھو! کسی چیز کو مان لینا، یہ اور بات ہے، پھر اس بات کا اظہار کرنا یہ مختلف بات ہے اور پھر اس بات پر ڈٹ جانا (استقامت کرنا) یہ اس سے بھی آگے کی بات ہے۔ بہت سے لوگ ایک بات کو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ان میں اس بات کو ظاہر کرنے کی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی اور بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ایک بات کو اپنا لیتے ہیں، پھر اس کو ظاہر کرنے کی ہمت بھی اپنے اندر پا لیتے ہیں لیکن اس پر ڈٹنے کی توفیق انھیں حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ایمان اس کا نام ہے کہ آدمی حق کو اختیار کرے اور اختیار کرنے کے بعد ڈنکے کی چوٹ اس کا اعلان کرے اور اعلان کرنے کے بعد اس پر ڈٹ جائے۔ ایسے آدمی کو مومن کہا جاتا ہے۔ اگر آدمی بات کو مانتا ہے، لیکن اس کا اظہار اور اعلان نہیں کرتا تو ایسے حق ماننے والے کے حق ماننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اگر آدمی اعلان کرنے کے بعد پسپائی اختیار کر لیتا ہے، اپنے سچے راستے سے ہٹ جاتا ہے، تو ایسے آدمی کا ایمان بھی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ فائدہ صرف اسی شخص کا ایمان پہنچاتا ہے جو شخص ایمان کو اختیار کر لینے کے بعد اس کا اظہار کرتے ہوئے پھر استقامت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ وہی سچا مومن ہے جو اللہ کے دین پر استقامت اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انعامات کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ [حم السجدة: ۳۰ تا ۳۲]

’’(واقعی) جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔ تمھاری دنیوی زندگی میں بھی ہم

تمھارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمھارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور و رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطورِ مہمانی کے ہے۔''

استقامت کیا ہے؟

استقامت کا لغوی معنی ''کھڑے ہونا'' اور ''سیدھے ہو جانا'' ہے۔ استقامت کے شرعی مفہوم کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور دیگر علماءِ کرام کے متعدد اقوال موجود ہیں۔

① حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے:

''اَیْ اِسْتَقَامُوْا عَلٰی اَدَاءِ فَرَائِضِہٖ''[1]

''اِن آیات میں استقامت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض کو ادا کرنے کا انھیں حکم فرمایا ہے، وہ انھیں پوری طرح ادا کرتے ہیں۔''

② قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے:

''انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (توحید) کا اقرار کیا، اُس پر ایمان لائے اور اُس پر استقامت اختیار کیے رہے، یعنی توحید پر قائم رہے اور اُس پر سے ہٹے نہیں، بلکہ اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری بجا لاتے رہے، یہاں تک کہ انھیں اِسی حالت میں موت آ گئی۔''[2]

③ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے:

''انھوں نے محض اللہ تعالیٰ کی خاطر ایمانداری کے ساتھ اچھے اعمال کیے اور اسی کی فرمانبرداری کی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔''[3]

④ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''یہ سارے اقوال اگرچہ ایک دوسرے میں داخل و مشابہ ہیں، مگر ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

[1] فوائد من الأربعين النووية للشيخ ناظم محمد سلطان (ص: ١٨٥)

[2] شرح صحيح مسلم للنووي (١/ ٢٠٣)

[3] تفسير ابن كثير (٤/ ٨٩) طبع دارالقلم، بيروت.

عقائد، اقوال اور اعمال؛ سب میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا، اِسی پر جمے رہنا اور اسی راہ پر قائم رہنا استقامت کہلاتا ہے۔‘‘[1]

استقامتِ قلب (دل) تمام طرح کی اقسامِ استقامت میں سے اہم ترین اور ضروری ہے، کیونکہ دل ایمان کی جڑ ہے، اگر دل کا عقیدہ صحیح اور مضبوط ہو تو جسم کے دوسرے تمام اجزا اُسی کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے:

’’سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑا سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو! وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔‘‘[2]

استقامتِ قلب سے مراد یہ ہے کہ آدمی یقین کے ساتھ ایمان (صحیح اسلامی عقیدے) کو قبول کرلے اور اسی پر موت تک ڈٹا رہے۔ استقامتِ قول وعمل سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی زبان سے ایمان کا اقرار اور اظہار کرے اور اللہ کے احکام کو عملی جامہ پہنائے۔ پھر اقرار اور عمل کے بعد ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ کہے اور ایسا کوئی عمل اس سے سرزد نہ ہو جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے خلاف یا اس کے احکام کے منافی ہو۔ پس استقامتِ قلب کے ساتھ ہی ہر مسلمان کو چاہیے کہ استقامتِ قول وعمل پر بھی توجہ دے اور خصوصی طور پر اپنی زبان کی حفاظت کرے، کیونکہ جو اعضا ایمان کو تباہ و برباد کرسکتے ہیں، ان میں سب سے آگے زبان ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’مجھے جو شخص جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) اور پاؤں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی ضمانت دے، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔‘‘[3]

استقامت کی راہ میں دو رکاوٹیں:

① دنیا کی محبت (یا لالچ)

پہلی محبت وہ ہے جو بندے کو اللہ کے احکامات سے وابستہ رکھے۔ اللہ کی محبت، اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے دین کی محبت۔ یہ محبت بندے کے لیے مفید، اللہ کی رحمت کا باعث

---

[1] تفسير القرطبي (١٥/ ٣٥٨)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٩٩)

[3] صحيح البخاري بحواله مشكاة المصابيح، رقم الحديث (٤٨١٢)

اور جنت میں داخلے کا سبب بنتی ہے۔

دوسری محبت وہ ہے جو بندے کے لیے رحمت اور عذاب کا باعث بنتی ہے، وہ دنیا کی محبت اور اس کا لالچ ہے، مثلا مال، رتبہ و منصب اور شہرت کی محبت۔ یہ محبت خواہشاتِ نفس (دلی خواہشات جو اللہ کے احکامات کے خلاف ہوں) کی تکمیل کے لیے بندے کو حرام امور کی طرف دعوت دیتی ہے اور حرام ذرائع (جو اللہ کی ناراضی اور وبال کا باعث ہیں) کو اختیار کرنے پر ابھارتی ہے اور اس کے نتیجے میں بندے کی استقامت پاش پاش ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مال اور جاہ وشرف کی محبت کے متعلق فرمایا:

«مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَ الشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ»[1]

''دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے درمیان کھلا چھوڑ دینا اتنا نقصان دہ نہیں جتنا دین کے لیے نقصان دہ یہ ہے کہ کوئی شخص دولت اور منصب و رتبہ حاصل کرنے کے لالچ میں ہو۔''

جس طرح بھوکے بھیڑیے کے حملے سے شاید ہی کوئی بکری بچ پائے، ایسی ہی مثال مومن کے دل پر مال و رتبے کی محبت کے حملے کی ہے کہ شاید ہی مومن کا ایمان اس حملے سے بچ پائے!!

امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''فصل في ذم الهوىٰ'' میں لکھتے ہیں:

''جو کوئی ہویٰ (خواہشاتِ نفس) کی پیروی کرتا ہے، خدشہ ہے کہ کہیں وہ ایمان سے بالکل ہی خالی نہ ہو جائے اور اسے پتا بھی نہ چلے۔''

چنانچہ مذکورہ احادیث میں ہویٰ پرستی (دلی خواہشات جو اللہ کے احکامات کے خلاف ہوں، ان کی پیروی) سے ممانعت اور تنبیہ موجود ہے اور استقامتِ دین کا مطالبہ ہے کہ بندہ نفسانی خواہشات نفسانی کو کچل کر اللہ کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ اور استقامت (دین پر ثابت قدم رہنے) اور اللہ کے احکام کی خلاف روزی سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے یقیناً شدید صبر اور تحمل کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ شخص جو اپنی بری خواہشات مثلاً غصے پر قابو رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ اس شخص سے زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے جو

[1] مسند أحمد (٣/ ٤٦٠)

اپنی جسمانی قوت کی بنا پر لوگوں کو قابو میں کرلے۔ اس لیے کہ پہلا شخص اپنی بُری خواہشات کو دفع کرتے وقت اپنی ہویٰ اور شیطان کے وساوس کا مقابلہ کرتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

’’طاقتور وہ نہیں جو کشتی لڑنے میں غالب آجائے بلکہ اصل طاقتور تو وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پالے۔‘‘[1]

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جنت کی بشارت سنائی ہے جو ہویٰ پرستی (اپنی بری خواہشات) پر قابو پاسکتے ہوں اور دین پر ثابت قدم رہ سکتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ [النازعات: ٤٠، ٤١]

’’ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔‘‘

غرض اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، وحی کی اتباع کرنے والے اور ہویٰ (خواہشاتِ نفس) کی پیروی کرنے والے۔ اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

[القصص: ٥٠]

’’پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تُو یقین کرلے کہ یہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہو بغیر اللہ کی راہنمائی کے؟ بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

پس جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے دین پر ثابت قدمی اختیار کی، اس نے جنت کی راہ چن لی اور جس کسی نے اپنی خواہشات کی پیروی کی، وہ اس راہ پر چل پڑا جو ہمیشگی والے دردناک عذاب کو پہنچتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ))

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٦٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٠٩)

’’دوزخ خواہشاتِ نفسانی سے ڈھانپ دی گئی ہے اور جنت مشکلات و ناپسندیدہ چیزوں اور دشواریوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔‘‘[1]

② غیر اللہ کا خوف۔

غیر اللہ سے نقصان کا خوف یا کسی محبوب اور پیاری چیز کے کھو جانے کا ڈر جیسے مال، شہرت، منصب و رُتبہ وغیرہ، یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے اور استقامت اختیار کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس کی ایک بہترین مثال نبی ﷺ کے چچا ابوطالب کی دی جاسکتی ہے۔ ابوطالب کو اسلام کی حقانیت اور اس کے سچا دین ہونے کا مکمل یقین تھا اور ساتھ ہی وہ نبی اکرم ﷺ کے رسول ہونے کی نشانیوں کا بھی عینی شاہد تھا۔ اس کے باوجود ابو طالب نے اسلام قبول نہیں کیا، کیونکہ وہ مشرکین کے سرداروں میں سے تھا اور اسے اپنے منصب و رُتبہ کھو جانے اور ساتھ ہی بدسلوکی اور بائیکاٹ کر دیے جانے کا خوف تھا۔ اس نے اپنے اشعار میں اس طرح کہا تھا:

’’اگر مجھے گالی اور پھٹکار کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ہی اُسے (اسلام کو) کھلے عام قبول کرلیتا۔‘‘

بھلائی و برائی، فائدہ و نقصان، عزت و ذلت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اُس کی اِس قدرت میں کوئی بھی اس کا حصے دار نہیں ہے، لہٰذا اللہ کے علاوہ دوسروں سے نقصان کا خوف محسوس کرنا فضول اور بیکار ہے۔

اِس کے علاوہ، اللہ علیم وخبیر (ہر چیز کے ماضی، حاضر اور مستقبل کا مکمل علم رکھنے والا) ہے، اس نے اپنے وسیع علم کی بنا پر بندوں کے تمام مفادات ونقصانات کو، کائنات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی لوحِ محفوظ میں درج کر لیا تھا اور ان تصرفات کا (جنھیں اللہ نے لوحِ محفوظ میں درج کر لیا ہے) واقع ہونا یقینی ہے، ان میں کوئی ردّ و بدل کی گنجایش نہیں اور وہ مفادات جو اللہ نے بندے کے حق میں لکھ رکھے ہیں، انھیں کوئی روکنے والا یا چھیننے والا نہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

’’اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کی تقدیر زمین اور آسمانوں کی پیدایش سے پچاس ہزار سال قبل سے لکھ رکھی ہے۔‘‘[2]

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٢٢٨)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٦٥٣)

جب بندہ غیراللہ کا خوف دل سے نکال کر اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو ایسے بندوں کے بارے میں سورۃ الطلاق (آیت: ۳) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾

''اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا، اللہ اسے کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے ہی رہے گا۔''

توکل علیٰ اللہ کی متعدد مثالیں ہم انبیا علیہم السلام اور سلف صالحین کے واقعات میں پاتے ہیں جو اللہ پر توکل کرتے ہیں، اللہ کس طرح اپنے ان بندوں کی غیب سے مدد فرماتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے ان کی قوم کے لوگوں نے لکڑیوں کا بہت بڑا ڈھیر جمع کیا۔

امام سُدّی رحمہ اللہ آگ کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

''انھوں نے زمین میں ایک بہت بڑا اور گہرا گڑھا کھودا، لکڑیوں سے اسے پُر کیا اور اس انبار میں آگ لگائی، روے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ نہیں دیکھی گئی، جب آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تو اس کے پاس جانا محال ہوگیا۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« كَانَ آخِرُ قَوْلِ إِبْرَاهِيمَ حِيْنَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ »[2]

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آخری کلمہ جو آپ علیہ السلام کی زبان سے نکلا وہ ''حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' تھا (یعنی میری مدد کے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز (کام بنانے والا) ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مزید فرمایا:

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو بارش کے فرشتے نے عرض کی: ''مجھے بارش برسانے کا حکم کب دیا جائے گا؟ مگر اللہ تعالیٰ کا حکم تو اس سے زیادہ فوری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

---

[1] تفسير ابن كثير، سورة الأنبياء (آيت: ٧٠٦)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٢٨٧)

﴿ يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ [الأنبياء: ٦٩]

''اے آگ! تو ٹھنڈی ہوجا اور ابراہیم کے لیے سلامتی و آرام کی چیز بن جا۔''

پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استقامتِ دین اور اللہ پر توکل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے منصوبوں سے اپنے نبی علیہ السلام کی حفاظت فرمائی اور قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴾ [الأنبياء: ٧٠]

''اور انھوں نے اُن (ابراہیم) کا برا چاہا، لیکن ہم نے انھیں نقصان اٹھانے والے بنا دیا۔''

ایک اور بہترین مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استقامتِ دین اور توکل علیٰ اللہ کی بھی ملاحظہ فرمائیں۔ فرعون ایک بڑے لشکر کو لے کر جس میں قائدین، شہزادے، نواب زادے اور سپاہی شامل تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کی نیت سے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ طلوعِ آفتاب کے وقت تعاقب کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک پہنچ گئے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء (آیت: ٦١) میں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴾

''پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا، تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا:

''ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے۔''

کیونکہ آگے دریا تھا اور پیچھے فرعون اور اُس کا لشکر ان کے قریب سے قریب تر پہنچ رہا تھا۔ اب بچاؤ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مگر موسیٰ علیہ السلام نے توکل علیٰ اللہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا اور کہنے لگے:

﴿ كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ [الشعراء: ٦٢]

''ہرگز نہیں، یقیناً میرا رب میرے ساتھ ہے، جو ضرور مجھے راہ دکھلائے گا۔''

فرعون کا لشکر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا اور ان کے بالکل قریب ہوگیا۔ اُس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی:

﴿اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴾ [البقرة: ٦٣، ٦٤، ٦٥]

''دریا پر اپنی لاٹھی مار، پس اسی وقت دریا پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ مثل بڑے پہاڑ کے ہوگیا اور ہم (اللہ) نے اس جگہ دوسروں (فرعون اور اس کے لشکر) کو لاکر کھڑا کر دیا اور موسیٰ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو نجات دے دی۔ پھر سب دوسروں کو ڈبو دیا۔''

اس طرح اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا اور فرعون اور اس کا لشکر پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔ اسی طرح کے کئی واقعات کا تذکرہ ہمیں سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔

حصولِ استقامت کے ذرائع

1 صبر کرنا:

صبر کا لغوی معنی ہے ''روک دینا'' اور صبر کا شرعی معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو ہر اس قول وفعل (بات یا حرکت) سے روک دے جو اللہ کو ناپسند ہو، مثلاً مصائب کے وقت ماتم کرنے اور سینہ پیٹنے سے رک جانا اور زبان کو ہر اس کلمے سے روک دینا، جس سے اللہ کے فیصلے پر ناراضی ظاہر ہوتی ہو۔

صبر کا اصل امتحان تب ہوتا ہے جب بندہ فتنوں میں گِرا ہوا ہو یا اس پر دین کی راہ میں مشکلات پیش آئیں یا اس کا سامنا کسی غیر متوقع (اچانک پیش آنے والے) ناگہانی حادثے سے ہو، کیونکہ یہی وقت ہے جب انسان کے جذبات اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوجاتے ہیں اور بندہ کسی غور وفکر کے بغیر صبر کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ممکن ہے کہ بندہ ایسے کلمات اپنی زبان سے کہہ جائے یا ایسا کوئی کام کر بیٹھے جو اسلام کے منافی ہو اور اس کی استقامت کا پیمانہ پاش پاش ہو جائے۔ چنانچہ ہر مسلمان کو چاہیے:

اولاً: صفتِ صبر کو اپنے اخلاق میں شامل کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے صفتِ صبر حاصل کرلی، اس نے سب سے بہتر اور وسیع خیر و بھلائی کو حاصل کر لیا ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''اور کسی کو صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں و وسیع خیر و بھلائی نہیں ملی (یعنی نعمتِ صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے)۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري (٢/ ٢٤/ ٥٤٨)

2 اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اُسی سے پناہ مانگنا:

اس سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ایک عظیم مثال لی جاسکتی ہے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾

[یوسف: ۲۳]

”اُس عورت نے جس کے گھر میں وہ (یوسف) تھے، انھیں بہلا پھسلا کر اپنی طرف مائل کرنا شروع کیا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی: لو آجاؤ۔“

اُس وقت یوسف علیہ السلام نے فوراً شیطان کے وساوس اور بہکاوے سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کی اور کہا:

﴿ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [یوسف: ۲۳]

”اللہ کی پناہ! وہ (تمھارا شوہر) میرا مالک ہے، مجھے اُس نے بہت اچھی طرح رکھا ہے، بے انصافی کرنے والے ظالم فلاح و کامیابی نہیں پاتے۔“

پس اللہ نے انھیں استقامت عطا کی اور اپنے حکم کی خلاف ورزی سے بچا لیا۔ اس لیے اگر ہماری زندگی میں بھی کبھی کوئی ایسا موقع آجائے جب ہمیں اپنی استقامت کے کمزور پڑجانے کا خدشہ محسوس ہو، تب اللہ کا ذکر کرنا اور اس کی پناہ مانگنا چاہیے، یہی شیطان کے خلاف ہمارا بہترین ہتھیار بن سکتا ہے اور یہی شیطانی وساوس کو دفع کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

3 اللہ سے استقامت کی دعا کرنا:

اہلِ ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کر کے اس کی مدد طلب کرتے ہیں۔ حصولِ استقامت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں یہ دعا سکھلائی ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ [آل عمران: ۸]

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔“

امام ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت بیان کی ہے کہ اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس طرح دعا فرمایا کرتے تھے:

«یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ»

''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم و ثابت رکھ۔''

5 موت کو یاد کرنا:

﴿وَ مَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ وَ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَان لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ [العنکبوت: ٦٤]

''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش یہ (لوگ) سمجھتے۔''

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«اَكْثِرُوْامِنْ ذِكْرِهَادِمِ اللَّذَّاتِ»[1]

''موت کو کثرت سے یاد کرو، جو خواہشات اور لذتوں کو مٹانے والی ہے۔''

مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ موت اُس کے جوتوں کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معروف ہے اور موت اس پر کسی بھی وقت اچانک آجائے گی۔ جب وہ آجائے گی تب اسے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور نہ اس کی کوئی فریاد سنی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن میں حکم بھی یہ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

[آل عمران: ١٠٢]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہیے اور دیکھو کہ تمھیں ہر گز موت نہ آئے سوائے اس کے کہ تم مسلمان ہو۔''

یعنی اِس بات کا خیال رکھنا کہ تم پر موت صرف اسلام کی حالت میں واقع ہو اور وہ اس لیے کہ بندہ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اس کی موت واقع ہوئی

[1] صحیح سنن الترمذي (٢/ ٥٠) إرواء الغلیل (٣/ ١٤٥)

ہوگی۔ اگر مسلمان ان چند باتوں کو ذہن نشین کر لیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کو بھول جائیں یا دِین سے متنفر ہونا انھیں گوارہ ہو جائے؟

6 اللہ کے وعدوں کو یاد رکھنا:

فطرتی طور پر ضمیر قربانیاں دینے اور مشکلات کا ثابت قدمی کے ساتھ سامنا کرنے کی طرف اُس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک اسے کسی چیز کا لالچ نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے نفس کو اکثر اللہ کے وعدے اور اجر و انعام کی یاد دلاتے رہیں۔ جب کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم پر کوئی آزمایش آتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کے لیے آسانی پیدا کرنے والی آیات نازل کرتا جن میں جنت کی خوشخبری ہوتی اور یہی معمول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا کہ وہ پریشان حال صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارتیں دے کر مطمئن کیا کرتے تھے۔ اللہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمار اور اُم عمار رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرے، جبکہ مشرکینِ مکہ انھیں محض اللہ کے دین کی خاطر اذیت پہنچا رہے تھے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دے کر ہی ان کی ڈھارس بندھائی۔

اس کے علاوہ اُن آیات اور احادیث کا مطالعہ بھی ضروری ہے جن میں اللہ کے دین سے پھر جانے پر سخت وعیدیں اور عذابوں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس سے ہمارے قلوب میں اللہ کا رعب اور خوف پیدا ہوگا، ساتھ ہی ساتھ ۔ان شاء اللہ۔ جب ہم دنیوی مشکلات کا قیامت کے ہولناک عذاب سے مقارنہ و موازنہ کریں گے تو ہمیں قیامت کے عذاب کے مقابلے میں دنیوی مشکلات کا جھیلنا آسان اور معمولی نظر آئے گا۔

7 صحبتِ صالح اور طلبِ نصیحت:

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيقَ لِلشَّرِّ، وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيقَ لِلْخَيْرِ...»[1]

''لوگوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بھلائی کے راستے پر گامزن کرنے کی چابیاں اور بدی کا راستہ بند کرنے والے ہیں اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو برائی کے راستے پر

[1] سنن ابن ماجه، كتاب السنة لابن أبي عاصم (١/ ١٢٧) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١٣٣٢)

گامزن کرنے کی چابیاں ہیں اور وہ نیکی کے راستے کو بند کرنے والے ہیں۔''

اسلامی تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر آزمایش کا وقت آیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مطمئن اور ان کی مدد چند ایسے صالح افراد کے ذریعے کی جو لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کی شان و رفعت کا تذکرہ کرتے، مومنوں کو اللہ کی رحمتیں اور انعامات یاد دلاتے اور انھیں دین کی راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر کی تلقین کرتے۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ دورِفتن میں اپنے استاذ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کردار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب ہمارا خوف بڑھ جاتا اور ہم بُرے انجام کا خیال کرتے اور ہمارے لیے حالات بہت بگڑ جاتے، تو ہم اُن کے پاس چلے آتے۔ ہم صرف ان کا دیدار ہی کرتے اور صرف ان کی حوصلہ مندانہ باتیں سنتے تو ہمارے تمام خوف وخطر رفع ہو جاتے اور ان کے بجائے اطمینان، تقویت، اعتماد اور سکون حاصل ہو جاتا۔''[1]

ہم ایسی ہی ایک اور مثال امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں، جنھیں آزمایش کی بھٹی میں تپایا گیا اور وہ کندن کی مانند کھرے ثابت ہوئے۔ استاذِ امام بخاری امام علی ابن المدینی نے ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے فتنہ اِرتداد کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے اور آزمایش کے وقت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ذریعے اپنے دین کی مدد فرمائی۔''

اِس عظیم آزمایش میں جن امور نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فیصلے کو تقویت دی اور انھیں ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی، اُن میں صالح افراد کی وعظ و نصیحت بھی شامل ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

''اُس وقت میں نے ایک بدو آدمی کے الفاظ سے زیادہ قوی کوئی بات نہیں سنی جو اس نے مجھ سے ''رحبۃ طوق'' نامی ایک مقام کے پاس کہے تھے۔ اُس بدو شخص نے کہا: ''اے احمد! اگر وہ تمھیں سچ کہنے پر قتل بھی کر دیں تو تم درجہ شہادت پاؤ گے اور اگر تم

---

[1] الوابل الصیّب (ص: ۹۷)

زندہ بچ جاؤ گے تو تمھاری تعریف ہوگی۔ یہ سننے کے بعد میرا دل اور مضبوط ہوگیا۔‘‘ [1]

تاریخِ اسلام کی کتاب ’’البدایة والنهایة لابن كثير‘‘ میں لکھا ہے کہ ایک بدو نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا:

’’میری بات غور سے سنو! تم لوگوں کے نمائندے ہو، اُن کے لیے بُری خبر نہ بنو۔ آج تم لوگوں کے لیڈر ہو، لہٰذا وہ کام ہرگز نہ کرنا جس کا یہ اہلِ اقتدار تمھیں حکم دے رہے ہیں۔ ورنہ تم اِن لوگوں کے گناہوں کا بوجھ آخرت کے دن اُٹھاؤ گے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو اس مصیبت کو صبر کے ساتھ برداشت کرو، کیونکہ تمھارے اور جنت کے درمیان جو چیز کھڑی ہے، وہ صرف تمھارا قتل کیا جانا ہی ہے۔‘‘

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُس اعرابی کے ان کلمات نے مجھے اتنی قوت بخش دی کہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اب میں ان کے حکم کی تعمیل ہرگز نہیں کروں گا۔ [2]

8 کثرت سے نیک اعمال کرنا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾

[النساء: ٦٦، تا ٦٨]

’’اور اگر یہ وہی کریں جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی اُن کے لیے بہتر اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہے، تب تو انھیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں اور یقیناً انھیں راہِ راست دکھلا دیں۔‘‘

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ثابت قدمی کا نسخہ یہ بتلایا ہے کہ ہم ان اعمال کو ہمیشہ سر انجام دیتے رہیں جن کا ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی ’’تفسیر القرآن العظیم‘‘ میں معروف مفسر امام قتادہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے

---

[1] سير أعلام النبلاء للذهبي (١١/ ٢٤١)

[2] البداية والنهاية (١/ ٣٣٢)

اس آیت سے متعلق فرمایا:

''جہاں تک دنیوی زندگی کا تعلق ہے، اللہ انھیں نیک و صالح اعمال کرتے رہنے میں استقامت دے گا اور آخرت (قبر میں) اللہ انھیں ثابت قدم رہنے میں مدد کرے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ نیک اعمال میں مشغول رہا کرتے تھے اور نبی ﷺ کو سب سے زیادہ وہ اعمال محبوب ہیں جنھیں بندہ ہمیشہ کیے جاتا رہے، چاہے وہ اعمال معمولی ہی کیوں نہ ہوں۔ مثلاً نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو کوئی ہمیشہ بارہ رکعت نماز (سنن رواتب یا سنتِ موکدہ جن کو نبی کریم ﷺ ہمیشہ ادا کیا کرتے تھے) کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔''[1]

ایک حدیثِ قدسی میں یوں فرمایا ہے:

''میرا بندہ میرا قرب حاصل کرنے کے لیے جو عبادات بجالاتا ہے، اُن میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا بندہ نفلی عبادات سے بھی میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔''[2]

اگر ہم عام حالات میں نیک اعمال کی ادا کرنے میں سُستی برتنے لگیں تو پھر ہم سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ ہم پُرفتن دور میں یا مصائب و مشکلات میں استقامت کے ساتھ دین پر ڈٹے رہیں گے؟ اس کے برعکس اگر ہم نے اپنے قیمتی اوقات کو اللہ کی عبادات اور نیک اعمال میں صَرف نہیں کیا، تو یقیناً ہم گناہوں میں گِر رہ جائیں گے اور اللہ کی نافرمانی ایمان کی تخفیف (گھٹنے) کا سب سے بڑا سبب ہے۔

9 قرآنِ کریم کی طرف رجوع کرنا:

سورۃ الفرقان (آیت: ۳۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾

[1] صحيح مسلم بحواله مشكاة المصابيح (١/ ٣٦٥) صحيح سنن الترمذي (١/ ١٣١)

[2] صحيح البخاري، كتاب الرقاق (٨/ ٥٠٩)

''اور کافروں نے کہا کہ اس پر قرآن سارے کا سارا ایک ہی بار کیوں نہیں اتارا گیا۔ ہم نے اس طرح اسے (تھوڑا تھوڑا کر کے) اتارا ہے، تاکہ اس سے آپ (ﷺ) کا دل مضبوط رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا ہے۔''

نیز سورۃ النحل (آیت: ۱۰۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾

''کہہ دو کہ اسے آپ (ﷺ) کے رب کی طرف سے جبریل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو جائے۔''

استقامتِ دین کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، اسے حفظ کرنا اور اس کی آیات کو سمجھنا اوران پر فکر و تدبر کرنا بہت زیادہ معاون و مفید ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید مسلمانوں کو بنیادی احکام اور دین کی صحیح سمجھ فراہم کرتا ہے اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے مومنوں سے کیے ہوئے وعدے مذکور ہیں، جو مسلمانوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے فتنے اور مشکلات سے محفوظ رکھے آمین۔

اے اللہ! ہماری ہر قسم کی عبادت صرف تیرے لیے ہو اور تیرے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شمار فرمالے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
2. حصولِ استقامت کے ۱۳ ذرائع۔ تالیف: محترمہ شوانہ عبد العزیز۔ ترجمہ: انجینئر شاہد ستار تقدیم وتہذیب: الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

فتنے اور استقامت کے ذرائع

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت ہود (آیت: ۱۲۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''رسولوں کے سب احوال ہم آپ کے سامنے آپ کے دل کی تسکین کے لیے بیان فرما رہے ہیں۔ آپ کے پاس اس (سورت) میں بھی حق پہنچ چکا ہے جو مومنوں کے لیے نصیحت و موعظت ہے۔''

⑩ انبیا کے واقعات کو پڑھنا اور اُنہی جیسی زندگی گزارنا:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اگلی امتوں کا اپنے نبیوں کو جھٹلانا، نبیوں کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا، بالآخر مومنوں کا فتح و نصرت پانا اور کافروں پر اللہ کے عذابوں کا آنا، کافروں کا ذلیل و برباد ہونا، نبیوں، رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا، یہ سب واقعات ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سنا رہے ہیں، تاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل کو ہم مزید مضبوط کر دیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کامل سکون و اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس سورت میں بھی حق آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر واضح ہو چکا ہے یا یہ کہ اس دنیا میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سچے واقعات بیان ہو چکے ہیں اور یہ کفار کے لیے عبرت ہے اور مومنوں کے لیے نصیحت ہے، تاکہ وہ اس سے نفع حاصل کریں۔''[1]

⑪ تدریجاً اور مستقل دین کا علم اور دینی تربیت حاصل کرنا:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۲/ ۶۱۱، ۶۱۲)

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [الزمر: ۹]

''بتلاؤ تو بھلا! علم والے اور بے علم، کیا برابر ہوتے ہیں؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں۔''

علم حاصل کرنا، دین کو سمجھنا اور قدم بہ قدم دینی تربیت حاصل کرنا، یہ سب حصولِ استقامت کے بنیادی اسباب ہیں۔ دین کا علم صحیح اور غلط کی تفریق کر دیتا ہے، مجرموں کے طریقے بے نقاب کرکے مومنوں کے طریقے کی نشان دہی کرتا ہے۔ قلوب میں اللہ کی محبت پیدا کرتا اور اس کے عذاب کا خوف دلاتا ہے اور بندے کو پے در پے اسلام سے ایمان اور پھر احسان کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو اپنے دین کو سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا، وہ دین پر قائم کیسے رہے گا جبکہ وہ اپنے دین کو پہچانتا ہی نہیں؟!

یہی وجہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں دین کا علم اور سمجھ پیدا کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔ آپ ﷺ کی نبوت کے ابتدائی دور میں بھی جب سارا مکہ اسلام کا مخالف تھا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کی دینی تربیت کے لیے دار الارقم (اسلام کی پہلی درسگاہ) کا انتخاب کیا، جہاں آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دین کا علم سکھلاتے اور ان کی روحانی تربیت کیا کرتے تھے۔ اسی دینی تربیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین پر وہ پختہ استقامت حاصل ہوئی کہ انھوں نے اللہ کے دین کی خاطر اپنا مال و عیال اور جان تک قربان کرنا گوارا کر لیا، مگر اللہ کے دین سے ہٹ جانا انھیں پسند نہ آیا۔ وہ ہمارے لیے استقامت کی سب سے بہترین مثال ہیں۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا آقا و مالک آگ میں سرخ کی ہوئی لوہے کی سلاخیں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی پیٹھ پر رکھ دیا کرتا تھا اور انھیں تب تک نہیں ہٹاتا تھا جب تک حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پیٹ کی چربی پگھل کر انھیں ٹھنڈا نہ کر دیتی۔

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے آقا امیہ بن خلف کو جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شدید اذیّتیں پہنچائیں۔ کبھی ان کی گردن میں رسّی ڈال کر محلے کے لڑکوں کے ہاتھ میں تھما دیتا جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رسّی کے بل مکہ مکرمہ کی گلیوں

میں کھینچتے چلے جاتے، یہاں تک کہ مکے کی پہاڑیوں سے بھی گزر جاتے۔ بعض اوقات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو باندھ کر انھیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور ان کے سینے پر بھاری پتھروں کی چٹانیں رکھ دی جاتیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ایک بوڑھی عورت، جوان بیٹے کی ماں، مادر زاد ننگی کر دی گئی بالکل برہنہ۔ خاوند بھی برہنہ اور بیٹا بھی سامنے برہنہ، تینوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے اور انھیں تپتے ہوئے ریگ زار پہ لٹا دیا گیا اور کہا گیا کہ واپس اپنے پرانے دین میں پلٹ آؤ۔ کہا: اگر آج کی ریت کا عذاب، آخرت کے عذاب سے بچا لے تو سودا مہنگا نہیں ہے۔ پھر اس بوڑھی خاتون کو دو اونٹوں کی رانوں سے باندھا گیا۔ ایک ٹانگ ایک اونٹ کے ساتھ اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ کے ساتھ۔ ایک کا رُخ مشرق کی طرف، دوسرے کا مغرب کی طرف۔ ابوجہل نیزہ اٹھائے ہوئے آیا۔ سمیّہ! (رضی اللہ عنہا) جانتی ہو تیرا انجام کیا ہونے والا ہے؟ کہا: ابوجہل! میرا انجام نہ پوچھو، اپنے انجام کی فکر کرو کہ اس کے بدلے میں قیامت کو تیرا انجام کیا ہونے والا ہے؟ میرا انجام کیا پوچھتے ہو؟! یہ چند لمحوں کی زندگی تو گزر جائے گی۔ اِس انجام کا کیا پوچھتے ہو؟ اُس انجام کی سوچو جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔[1]

ایک دن پہلے کی بات تھی کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تپتی ہوئی ریت پر ننگے تڑپتے ہوئے دیکھا اور کہا:

«اِصْبِرُوْا يَا آلَ يَاسِرٍ! اِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةَ»[2]

''اے آلِ یاسر! صبر کرو، کیونکہ تمھاری منزل جنت ہے۔''

ظالم نے نیزہ اٹھایا اور ان کی شرمگاہ میں مارا، ایک چیخ نکلی اور گردن ڈھلک گئی، لیکن اس سے قبل کہا: ''اللہ! تو اپنے دین پر ثابت قدم رکھنا۔''

استقامت اس کا نام ہے۔ اللہ! آخری وقت شکوے کی کوئی بات منہ سے نہ نکل جائے۔ اے اللہ! آخری وقت میں حفاظت کرنا۔ پھر نیزہ مارا، پھر نیزہ مارا۔ جسم کٹ گیا۔ پھر غلاموں کو حکم دیا کہ اونٹوں کو کھینچو۔ دونوں اونٹ کھینچتے ہوئے چلے گئے۔ لاش دو ٹکڑے ہو کر گر پڑی اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مسکراہٹ ہے۔ اتنی تکلیف سے مارا مگر لبوں سے

[1] ماخوذ از خطاب علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ۔

[2] حسن صحيح. مستدرك الحاكم (٣/ ٣٨٣)

مسکراہٹ نہیں چھین سکے۔ سب حیران ہیں!! اتنی تکلیف کے بعد بھی مسکرا رہی ہے۔ انھیں کیا پتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ ۝ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ ﴾ [حم السجدة: ۳۰ تا ۳۲]

''(واقعی) جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی غم نہ کرو (بلکہ) اُس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔ تمھاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمھارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمھارے لیے (جنت میں موجود) ہے۔ غفور و رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطورِ مہمانی ہے۔''

اگر اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں دین کی تعلیم نہ دی ہوتی اور نفس پر قابو کرنا نہ سکھلایا ہوتا یا شیطان کے وساوس کا مقابلہ کرنے کا ہُنر انھیں نہ بتلایا ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی تکالیف برداشت کرنے کے باوجود اپنے دین پر اس قدر ثابت قدم رہتے؟

اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بتدریج اور مستقل طور پر دین کا علم اور تربیّت حاصل کر لیں، قبل اس کے کہ کوئی فتنہ ہمیں آ گھیرے اور ہمیں کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے۔

⑫ دشمنانِ اسلام کی سازشوں کی خبر رکھنا:

سورۃ الانعام (آیت: ۵۵) میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿ وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَ لِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴾

''اسی طرح ہم آیات کی تفصیل کرتے رہتے ہیں، تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جائے۔''

دشمنانِ اسلام ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں رہتے ہیں اور اس

سازش میں مصروف رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیسے ان کے دین سے دور کیا جائے؟ یہ اس لیے کہ جب تک مسلمان اپنے دین سے آشنا رہے گا اور دین کے ذریعے اپنے رب سے تعلق بنائے رکھے گا، تب تک دنیا کی کوئی طاقت اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس مقصد کے لیے دشمنانِ اسلام نے کئی منصوبے آزمائے، اسلامی تعلیمات کا غلط تصور لوگوں میں عام کر کے لوگوں کو اسلام سے متنفر کر دینا چاہا۔ کبھی اسلام پر عورتوں کی حق تلفی اور ان پر ظلم کرنے والا دین ہونے کا الزام لگایا، کبھی اللہ کے نبی ﷺ پر تہمتیں باندھیں تو کبھی اسلامی تاریخ کی غلط بیانی سے آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اُچھالا۔ کبھی اسلام کے ان مسائل پر کلام کیا گیا جن میں مسلمانوں کو زیادہ بحث و مباحثے سے منع فرمایا گیا ہے، مثلاً کبھی اللہ کے اسما و صفات پر سوالات اٹھائے اور کبھی تقدیر پر شکوک کی بوچھاڑ کر دی۔ دشمنانِ اسلام کی اِنھی گھناؤنی حرکتوں اور اس پر مستزاد مسلمانوں کی اپنے دین سے جہالت اور دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے بے خبری ہی کا نتیجہ ہے کہ آج لوگوں میں اسلام کے متعلق غلط فہمیاں موجود ہیں۔ اس لیے مسلمان کو اچھی اور بھلی باتوں کے ساتھ ساتھ برائی اور دشمنانِ اسلام کی شر پسند انہ سازشوں کا بھی علم ہونا چاہیے اور دشمنانِ اسلام کے پیدا کیے ہوئے شکوک وشبہات کے ازالے کے لیے علما کی طرف رجوع کرنا چاہیے، تاکہ مسلمان اپنے دین کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے اور یہ شیطانی سازشیں اسے بے خبر اور کسی تیاری کے بغیر پانے پر گمراہ کر نہ سکیں۔ اس ضمن میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا وہ قول بڑا ہی مناسب ہے، جس میں وہ کہتے ہیں:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ اَسْأَلُهٗ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ اَنْ يُّدْرِكَنِيْ...»[1]

''لوگ نبی اکرم ﷺ سے خیر و بھلائی کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر و برائی کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا، اس خدشے کی بنا پر کہ میں کہیں اس میں نہ پھنس جاؤں۔''

13 اسلام کے روشن مستقبل کا پختہ یقین:

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٣٦٠٦، ٣٦٠٧)

﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ [الصف: ٩]

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا، تا کہ اسے دیگر تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں۔''

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اور احادیثِ نبویہ کے ذخیرے میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں آپ کے سامنے اسلام کے روشن مستقبل کی خوش خبری دی ہے۔ ہمیں ان آیات واحادیث کا مطالعہ کرنا چاہیے اور نوجوان نسل پر بھی انھیں کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم بڑھتا جا رہا ہے اور ہماری فتح و کامیابی میں تاخیر واقع ہو گئی ہے، تا کہ نا امیدی اور عدمِ یقین کی وجہ سے ہم کہیں ہدایت پا لینے کے بعد پھر گمراہی کی دلدل میں نہ پھنس جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کی یہ سنت ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطمئن کرنا چاہتے تو انھیں خوش خبری سناتے اور حوصلہ دلاتے کہ آنے والے دن اسلام کے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کرتے ہیں، جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! یہ امر (اسلام) ضرور کمال کو پہنچے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ (راستوں کے پُرامن ہونے کی وجہ سے) ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ صرف بھیڑیے کا خوف ہوگا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے، لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔''[1]

بعض فتنے اور ضرورتِ استقامت

(1) مال کا فتنہ:

سورۃ الحشر (آیت: ۹) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''اور (بات یہ ہے کہ) جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے، وہی کامیاب (اور بامراد) ہیں۔''

---

(1) صحيح البخاري مع فتح الباري (٧/ ١٦٥)

ایک دوسرے مقام پر سورۃ التوبہ (آیت: ۷۵، ۷۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَ تَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾

''اُن میں وہ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے اور ضرور نیکو کاروں میں سے ہوجائیں گے، لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں نواز دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کرکے منہ موڑ لیا۔''

اللہ تعالیٰ دنیا کا مال و دولت آزمایش کے طور پر جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، لیکن دنیوی مال و دولت میں ممتاز ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے۔ عند اللہ مقبولیت کے لیے تو ایمان واخلاص کی ضرورت ہے اور اس دولتِ ایمان و اخلاص سے وہ جس کو چاہتا ہے، نوازتا ہے۔

2 بیوی اور بچوں کی آزمایش:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ﴾

[التغابن: ۱٤]

''اے ایمان والو! تمھاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمھارے دشمن ہیں (یعنی تمھیں اللہ کی فرمانبرداری سے روکتے ہیں) پس ان سے ہوشیار رہنا۔''

مسند ابو یعلی میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْوَلَدُ ثَمَرَةُ الْقَلْبِ، وَإِنَّه مَجْبَنَةٌ، مَبْخَلَةٌ، مَحْزَنَةٌ)) [1]

''بیٹا دل کا پھل ہوتا ہے اور یہی بزدلی، بخل اور غم وحزن کا باعث بھی بنتا ہے۔''

3 دجال کا فتنہ:

سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم اور الاحادیث المختارہ کی ایک طویل حدیث میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

[1] مسند أبي يعلىٰ، صحيح الجامع للألباني (۷۱٦۰)

’’اللہ تعالیٰ نے جب سے اولادِ آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے، روے زمین پر فتنۂ دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں اٹھا اور اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی اُمت کو اس فتنے سے خبردار نہ کیا ہو۔‘‘

آگے چل کر اسی حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا، میں تمھیں اس (دجال) کے وہ وصف بتاؤں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں بتائے۔‘‘[1]

4 استقامت ...موت کے دروازے پر:

﴿ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ﴾ [الملك: ٢]

’’جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے، اور وہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔‘‘

موت کا وقت سب سے زیادہ نازک اور استقامت طلب ہوتا ہے اور اس وقت اللہ صرف ان اہلِ ایمان کو ثابت قدم رہنے میں مدد دیتا ہے جنھوں نے اپنی زندگی میں صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے میں جدوجہد کی ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس اللہ اپنی رحمت کے فرشتے بھیجتا ہے، جو موت کے وقت بندے کو جنت کی بشارت سنا کر اسے استقامتِ دین پر قائم رکھتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ [حم السجدة: ٣٠]

’’(واقعی) جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اسی پر قائم رہے، ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔‘‘

صحیح مسلم، سننِ اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

---

[1] سنن ابن ماجه (٢/ ١٣٥٩، ١٣٦٠) سلسلة الأحاديث الصحيحة (٢٤٥٧)

«لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ»

''اپنے قریب المرگ لوگوں کو کلمہ توحید پڑھنے کی تلقین وترغیب دلاؤ۔''

اصحاب الاخدود کا قصہ:

صحیح مسلم، سنن ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا جس کا ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو بادشاہ سے کہنے لگا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں، میرے پاس کوئی لڑکا بھیج، جسے جادو سکھلاؤں، بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجا۔ وہ اسے جادو سکھلاتا تھا۔ اس لڑکے کی آمد و رفت کی راہ میں ایک راہب (نصرانی درویش) رہتا تھا۔ وہ لڑکا اس کے پاس بیٹھتا اور اس کا کلام سنتا۔ وہ اسے بھلا معلوم ہوتا۔ جب جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کی طرف سے ہوکر نکلتا اور اس کے پاس بیٹھتا، پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو وہ اسے مارتا۔ آخر لڑکے نے جادوگر کے مارنے کا راہب سے گِلہ کیا۔

''راہب نے کہا: جب تو جادوگر سے ڈرے تو یہ کہہ دیا کر کہ میرے گھر والوں نے مجھے روک رکھا تھا اور جب تو اپنے گھر والوں سے ڈرے تو یہ کہہ دیا کر کہ جادوگر نے مجھے روک رکھا تھا۔

''کچھ وقت کے لیے وہ لڑکا اسی حالت میں رہا کہ ایک دن اچانک ایک بڑے قد کے جانور (اژدھے) کے پاس سے گزرا جس نے لوگوں کی آمدورفت کا راستہ روک رکھا تھا۔ لڑکے نے کہا کہ آج میں پتا کرتا ہوں کہ جادوگر افضل ہے یا راہب! اس نے ایک پتھر لیا اور کہا: الٰہی! اگر جادوگر کے طریقے سے راہب کا طریقہ تجھے پسند ہو تو اس جانور کو قتل کر دے، تاکہ لوگ چلیں پھریں۔ پتھر مارنے سے وہ جانور مرگیا۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے یہ حال کہہ سنایا، اُس نے کہا: بیٹا! تو مجھ سے بڑھ گیا۔ تیرا درجہ بہت اونچا جا پہنچا جو میں دیکھ رہا ہوں تو عنقریب آزمایا جائے گا۔ پھر اگر تو آزمایا جائے تو میرا نام پتا نہ بتلانا۔''

’’اس لڑکے کا یہ حال تھا کہ اندھے اور کوڑھی کو (اللہ کے حکم سے) اچھا کر دیتا اور ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا۔ اس کا یہ حال بادشاہ کے ایک مصاحب نے سُنا جو اندھا ہو چکا تھا۔ وہ بہت سے تحفے لے کر لڑکے کے پاس آیا اور کہنے لگا: اگر تو مجھے بینا کر دے تو یہ سب مال تیرا ہے۔ لڑکے نے کہا: میں کسی کو اچھا نہیں کرتا، اچھا کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے تو میں اس سے دعا کروں گا اور وہ تجھے اچھا کر دے گا۔ وہ مصاحب اللہ پر ایمان لے آیا۔ اللہ نے اسے بینا کر دیا۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے پاس اسی طرح بیٹھا جیسا کہ بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا: تیری آنکھیں کس نے روشن کیں؟ مصاحب نے کہا: میرے مالک نے۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا تیرا مالک کون ہے؟ مصاحب نے کہا: میرا اور تیرا دونوں کا مالک اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑا اور مارنا شروع کیا اور مارتا رہا یہاں تک کہ اُس نے لڑکے کا نام لے لیا۔ وہ لڑکا بلایا گیا۔ بادشاہ نے اُس سے کہا: اے بیٹا! تو جادو میں اس درجے پر پہنچا ہوا ہے کہ اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہے اور بڑے بڑے کام کرتا ہے۔

وہ لڑکا کہنے لگا: میں تو کسی کو اچھا نہیں کرتا، اللہ ہی اچھا کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس کو پکڑا اور مارتا رہا، یہاں تک کہ اس نے راہب کا نام بتلا دیا۔ وہ راہب قید ہوکر آیا تو اُس سے کہا گیا: اپنے دین سے پھر جا، وہ نہ مانا۔ بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور راہب کے سر پر رکھا اور اسے چیر ڈالا، یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہوکر گر پڑا، پھر وہ مصاحب بلایا گیا اور اُس سے کہا: تو اپنے دین سے پھر جا، وہ بھی نہ مانا۔ اُس کے سر پر بھی آرا رکھا اور اسے بھی چیر ڈالا، یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہوکر گرا۔ پھر وہ لڑکا بلایا گیا۔ اس سے کہا گیا: اپنے دین سے پلٹ جا۔ وہ بھی نہ مانا۔ بادشاہ نے اس کو اپنے چند مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ۔ جب تم چوٹی پر پہنچو تو اس لڑکے سے پوچھو، اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو خیر، نہیں تو اسے دھکیل کر پہاڑ سے لڑھکا دو۔ وہ اسے لے گئے اور پہاڑ پر چڑھایا۔ لڑکے نے دعا کی:

((اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ)) ’’الٰہی! تو جس طرح سے چاہے، مجھے ان کے شر سے بچا۔‘‘

پہاڑ ہلا اور وہ لوگ گر پڑے۔ وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھی کدھر گئے؟ اُس نے کہا: اللہ نے مجھے ان کے شر سے بچا لیا ہے۔ بادشاہ نے اسے پھر اپنے چند مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا: اسے لے جاؤ اور ایک ناؤ (کشتی) پر چڑھا کر دریا کے اندر لے جاؤ، اگر اپنے دین سے پھر جائے تو خیر، ورنہ اسے دریا میں دھکیل دو۔ وہ لوگ اس کو لے گئے۔ لڑکے نے کہا:

''الٰہی! تو مجھے جس طرح چاہے، اِن کے شرّ سے بچا دے۔''

وہ ناؤ اوندھی ہوگئی اور لڑکے کے سب ساتھی ڈوب گئے اور لڑکا زندہ بچ کر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تیرے ساتھی کہاں گئے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اُن سے مجھے بچا لیا ہے۔ پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: تب تک تو مجھے نہ مار سکے گا جب تک جو میں بتلاؤں تو وہ نہ کرے۔ بادشاہ نے کہا: وہ کیا؟ اس نے کہا: تو سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر اور ایک لکڑی پر مجھے سولی پر لٹکا دے، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے اور کمان کے اندر رکھ، پھر یہ کہہ ''مارتا ہوں اُس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔'' پھر تیر مار، اگر تو ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر دے گا۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اُس لڑکے کو ایک لکڑی پر سولی چڑھایا، پھر اُس کے ترکش سے ایک تیر لیا اور تیر کو کمان کے اندر رکھ کر کہا: مارتا ہوں اُس اللہ کے نام سے جو اِس لڑکے کا رب ہے اور پھر تیر مارا۔ وہ لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اُس نے اپنا ہاتھ تیر لگنے کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔

وہاں موجود سب لوگوں نے یہ حال دیکھ کر کہا: ہم بھی اِس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ کسی نے بادشاہ سے کہا: جس سے تو ڈرتا تھا، اللہ کی قسم! وہی ہوا، یعنی لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ راہوں کے ناکوں پر خندقیں کھودی جائیں، پھر خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ بھڑکائی اور کہا:

جو شخص اس دین (لڑکے کے دین) سے نہ پھرے اُسے ان خندقوں میں دھکیل دو یا اس سے کہو کہ ان خندقوں میں کود جائے۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی۔ اُس کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی تھا۔ وہ عورت آگ میں گرنے سے جھجکی (پیچھے ہٹی) تو بچے نے کہا:

''اِصْبِرِیْ یَا اُمَّہُ، فَإِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ''

''اے ماں! صبر کر کیوں کہ تو سچے دین پر ہے۔'' (یعنی مرنے کے بعد پھ چین ہی چین ہے، پھرتو دنیا کی مصیبت سے کیوں ڈرتی ہے؟)[1]

حاصلِ کلام:

آج مسلمان ظلم اور زیادتیوں کے فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہیں اور یہ دور شدید صبر اور استقامت طلب ہے۔ یہ ضروری ہے کہ کفار کی یہ وقتی کامیابی ہماری استقامتِ دین پر کوئی اثر نہ ڈال سکے اور ہمارے توکل علیٰ اللہ میں ذرّہ برابر بھی تزلزل یا کمی واقع نہ ہونے پائے۔ ہمارا رب زبردست انصاف کرنے والا ہے اور وہ دشمنانِ اسلام پر ان کے ظلم اور زیادتیوں کے سبب جلد ہی اپنا دردناک عذاب مسلط کر دے گا۔ اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ [آل عمران: ١٩٦، ١٩٧]

''کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمھیں فریب میں نہ ڈال دے، یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے، اُس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔''

اسی سورت میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

﴿ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ [آل عمران: ١٧٨]

''کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں، یہ مہلت تو اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں، ان ہی کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

استقامتِ دین کے ساتھ ہمیں اس بات پر بھی غور وفکر کرنا چاہیے کہ وہ کون سے اسباب اور وجوہات ہیں جن کی بنا پر آج دشمنانِ اسلام کو ہم پر غلبہ حاصل ہوگیا ہے اور وہ کون سی چیز ہے جس نے ہمیں ان کے مقابلہ میں کمزور اور نہتے کر رکھا ہے اللہ کی رحمتوں نے ہمارا ساتھ کیوں چھوڑ دیا ہے؟

ایک وقت تھا کہ مسلمان کفار کے مقابلے میں ۳۱۳ سے زیادہ نہ تھے، پھر ان کی تعداد میں

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٧١٤٨) تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٣٥ تا ٦٣٧)

اضافہ ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ اللہ نے انھیں ساری دنیا میں حکمرانی عطا کی۔ اُس وقت دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے ڈر سے کانپتے اورلرزتے تھے۔ اگر ان کی اس کامیابی کی وجوہات پر غور کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ ان کی فتح اور کامیابی کی بنیادی وجہ مسلمانوں کا تقویٰ (پرہیزگاری و نیک نیتی)، توکّل علی اللہ اور دین پر ہر آزمائش کے مقابلے میں استقامت اختیار کرنا تھا۔

لیکن آج ہم اللہ کی نُصرت سے محروم کر دیے گئے ہیں جس کا واضح سبب یہ ہے کہ ہماری زندگی میں اسلام صرف چند عبادات تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم نے گناہوں کو اپنا کر تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی ترک کر دی ہے۔ لوگ اپنا وقت، طاقت اور دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بجائے اسے بے سود و بیکار امور میں صَرف کر رہے ہیں۔ چونکہ ہم اللہ کے احکام کی بجا آوری اور ذمے داریوں کو ادا کرنے سے اپنے آپ کو دور کر چکے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں اپنی مہربانیوں اور رحمتوں سے محروم کردیا ہے۔قرآنِ کریم سورۃ الرعد (آیت: ۱۱) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ﴾

’’کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک وہ خود اُسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔‘‘

اُس دور میں جبکہ مسلمان کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتے چلے جا رہے تھے، اللہ کے نبی ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ایک ایسا دن آجائے گا، جس میں دشمنانِ اسلام کا پلہ بھاری ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایاہے:

’’عنقریب کافر قومیں ہر طرف سے تم پر یوں ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح بھوکے لوگ کھانے کے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اُس وقت مسلمانوں کی تعداد قلیل ہوگی؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں! بلکہ تم سیلاب کے جھاگ کی طرح کثرت سے مگر بے جان ہوگے، لیکن تمھارے دلوں میں کمزوری ڈال دی جائے گی اور تمھارے دشمنوں کے دل سے تمھارا رعب و دبدبہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ تم دنیا سے محبت اور موت سے نفرت کرنے لگ جاؤ گے۔‘‘[1]

آج ہماری شکست کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے اندر ’’دنیا کی محبت اور موت سے نفرت‘‘ پیدا

[1] صحیح الجامع، رقم الحدیث (۸۱۸۳) الصحیحۃ، رقم الحدیث (۹۵۶)

ہوگئی ہے، جبکہ ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ دین کی خاطر اپنی جانوں کو بھی قربان کر دینے میں کوئی تردد نہیں کرتے تھے۔ مومن کا معاملہ بھی بڑا ہی تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں کوئی بھی فیصلہ نہیں فرماتا، مگر اس کی بھلائی کے لیے ہوتا ہے۔

اگر آج ہمیں ظلم و زیادتی برداشت کرنی پڑ رہی ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرزنش و یاد دہانی ہے کہ ہم دین کی طرف لوٹ آئیں اور فرمانبرداری کے راستے پر چل کر جنت کے مستحق بنیں۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے دین صراط مستقیم یعنی اسلام پر استقامت عطا فرمائی، اس کو آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ استقامت والے راستے پر قائم فرمائے گا جو اللہ کی رضا اور اس کے ثواب کے ابدی ٹھکانے جنت تک پہنچانے والا ہے۔ جس قدر مضبوطی سے کوئی بندہ اس دنیا میں اللہ کے نازل کردہ دین صراط مستقیم یعنی اسلام پر کاربند رہا ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں جہنم پر نصب کیے ہوئے پل صراط پر مضبوط قدم رکھے گا اور جس چال سے دنیا میں کوئی بندہ اللہ کے نازل کردہ صراطِ مستقیم پر چلا ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے پل صراط پر ویسی ہی چال چلنے کی توفیق دے گا، پس ہر شخص یہ دیکھے کہ وہ دنیا میں اللہ کے نازل کردہ صراطِ مستقیم پر کیسی چال چل رہا ہے اور کہاں کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہے؟

ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اچھی طرح اس حقیقت کو سمجھ لے کہ اللہ کا نازل کردہ صراطِ مستقیم اسلام ہے اور وہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنتِ مبارکہ میں محدود ہے، پس جو کوئی ان کے علاوہ کچھ اپنائے ہوئے ہے، وہ جہنم کے کانٹوں میں اٹکا ہوا ہے، خواہ یہ سوچ رہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہے، لیکن جلد ہی یہ کانٹے اسے وہاں کھینچ لے جائیں گے جہاں ان کی اساس ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (زمین پر) ہمارے لیے ایک لکیر بنائی اور پھر ارشاد فرمایا:

《هَذَا سَبِيلُ اللّٰهِ》 "یہ اللہ کا راستہ ہے۔"

پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں کئی لکیریں بنائیں اور ارشاد فرمایا:

《هَذِهِ سُبُلٌ، عَلٰى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ، يَدْعُوْ إِلَيْهِ》

"یہ وہ راستے ہیں جن میں ہر ایک راستے پر شیطان (کھڑا ہے اور) اپنی طرف بلا رہا ہے۔"

پھر آپ ﷺ نے (یہ آیت پاک) تلاوت فرمائی:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾ [الأنعام: ١٥٣]

''اور یہ میرا سیدھا استقامت والا راستہ ہے، لہٰذا اس پر ہی چلو اور (ادھر ادھر والے) دوسرے راستوں کو مت اختیار کرو، ورنہ شیطان تم لوگوں کو اللہ کے راستے سے دور لے جائے گا۔''[1]

اللہ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم اپنی اصلاح کرلیں قبل اس کے کہ بہت دیر ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور استقامتِ دین کا مفہوم سمجھے میں ہماری مدد فرمائے اور اس پر عمل کرنے میں ثابت قدم رکھے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
2. حصول استقامت کے ۱۳ ذرائع۔ تالیف: محترمہ شوانہ عبدالعزیز۔ مترجم: انجینئر شاہد ستار تقدیم وتہذیب: الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

---

[1] سنن الدارمي، رقم الحديث (٢٠٢) یہ روایت سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١١) میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور دونوں روایات صحیح ہیں۔

ماہِ رجب کی بدعات

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ المائدۃ (آیت: ۳) میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

’’آج میں نے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمھارے لیے دینِ اسلام سے راضی ہو گیا ہوں۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے جس دین کو حق بتایا ہے، وہ دینِ اسلام ہے، جیسے خود اس کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: ۱۹]

’’حقیقتاً اللہ کے نزدیک جو دین ہے وہ اسلام ہی ہے۔‘‘

قرآن مجید کے یہ پاکیزہ کلمات اس بات کی دلیل ہیں کہ شریعت کی تکمیل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہو چکی ہے۔ تکمیلِ دین کا یہ واضح ترین اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا جس کے صرف پونے تین ماہ (۸۱ دن) بعد آپ ﷺ وفات پا کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اب اللہ اور رسول ﷺ کے اطاعت گزار بندوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں، جس پر عمل پیرا ہونے کا حکم معبودِ برحق نے ان کلمات کی صورت میں دیا ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ۷]

’’اور جو کچھ تمھیں رسول دیں، وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں، اس سے رک جاؤ۔‘‘

عبادتِ الٰہی ایک امرِ عظیم ہے، مگر عبادت صرف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً و فعلاً ثابت ہے۔ ہمیں عبادت کے سلسلے میں اُس دیہاتی کا اسوہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے جس نے نبی کریم ﷺ

سے وہ عمل دریافت کیا جو جنت کی طرف راہنمائی کرتا ہو۔ آپ ﷺ نے اسے ایمان باللہ و بالرسول کے ساتھ نماز، روزے، زکات اور حج کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ کا جواب سن کر وہ یہ کلمات کہتا ہوا پلٹ گیا: ''اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی باتوں میں زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔''

اس کا یہ کلام سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کوئی جنتی دیکھنا ہو تو وہ اسے دیکھ لے۔''

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مومن و مسلم صرف وہی ہیں جو اس انداز سے اپنے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے احکامات میں اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے رد و بدل کرتے ہیں نہ کسی قسم کی کمی بیشی کرتے ہیں، کیونکہ نیکی اور ثواب نام ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات کی تعمیل کا اور اس کے ماسوا یعنی اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، اگر اللہ و رسول ﷺ کی مہرِ تصدیق والا ہے تو درست ہے، ورنہ دین و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور کوئی بھی عمل ظاہری اعتبار سے چاہے کتنا ہی اچھا اور موجبِ اجر و ثواب محسوس ہو رہا ہو، لیکن وہ اللہ کے ہاں تبھی مقبول ہے جب اُسے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پسند فرمائیں یا جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہو یا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا ہو، یا اس کی ترغیب دلائی ہو، لیکن ایسا کام جس کو ادا کرنے کا موقع بھی نبی اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آیا ہو، کوئی خاص مجبوری اور امرِ مانع بھی نہ ہو، تب بھی آپ ﷺ نے خود اُسے کیا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اُس کے کرنے کا حکم و اشارہ فرمایا اور نہ قرونِ خیر میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو، تو پھر ایسے کام میں خیر و بھلائی اور اجر و ثواب کی توقع رکھنا بالکل عبث و بے کار بات ہے۔ مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا باعثِ سعادت و برکت اور کارِ اجر و ثواب ہے، ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف اور سنن دارمی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا، اُسے نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا ثواب دس گُنا ہوتا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف حرف ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے۔''[1]

اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ تلاوتِ قرآن کارِ ثواب تو ہے ہی اور اللہ تعالیٰ کے بندے اُس

[1] صحيح الترمذي، رقم الحديث (٢٣٢٧)

سے قریب تر اُس وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ سجدے کی حالت میں ہوں، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابو داود و نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بندہ اپنے رب کے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے، پس اس حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔'' [1]

اب اگر کوئی شخص قربِ الٰہی کے اس مقام پر قرآنِ کریم کی تلاوت شروع کر دے تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اِس حالت میں خود نبیِ رحمت ﷺ نے تلاوت فرمائی ہے اور نہ اللہ اور رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ الٹا اس طرح سجدے میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''خبردار! مجھے رکوع یا سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے۔'' [2]

اس مثال کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں تو پھر سارا مسئلہ بہ آسانی حل ہوجاتا ہے، کیونکہ بالکل یہی حال اُن تمام دینی ایجادات و اختراعات یا بدعات کا ہے جنھیں کسی نے خود اپنی مرضی سے اور اپنی ہی طرف سے دین میں داخل کر کے اُن پر عمل کرنا شروع کر دیا ہو۔

ماہِ رجب کے روزے:

اِن اصولی امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب ذرا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آپ کو سیکڑوں ایسے اعمال نظر آجائیں گے جنھیں اسلام کے نام لیواؤں نے دین کا حصہ بنا رکھا ہے، حالانکہ کتاب و سنت، تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماے امت سے ان کا ثبوت نہیں ملتا۔ آپ دور نہ جائیں، ماہِ رجب میں سرانجام دیے جانے والے بعض امور ہی پر غور کرلیں اور ان کی سند کا پتا چلائیں تو بات صاف ہوجائے گی، مثلاً: بعض لوگوں نے اس مہینے میں کئی روزے ایجاد کر رکھے ہیں، کسی کو ''معراج شریف'' کا روزہ کہا جاتا ہے، کسی کو ''مریم روزہ'' کا نام دیتے ہیں، کسی کو ''ہزاری روزہ'' اور کسی کو ''لکھّی روزہ'' کہتے ہیں، حالانکہ یہ روزے نبی مکرم ﷺ نے خود رکھے اور نہ اِن کا حکم فرمایا، بلکہ اِس کے برعکس ایک ضعیف سند والی روایت میں ہے:

---

[1] مختصر صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٩٨) صحیح أبي داود (٧٧٨)

[2] صحیح مسلم مع شرح النووي (٢/ ٤/ ٢٩٦)

''نبی مکرم ﷺ نے رجب کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔''[1]

اگر کوئی شخص ہر دوسرے دن کا روزہ رکھنے والوں میں سے ہو، جسے ''صومِ داودی'' کہا جاتا ہے تو وہ حسبِ عادت روزہ رکھ سکتا ہے، ایسے ہی سال بھر ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے والا شخص بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے، کیونکہ یہ روزے مسنون ہیں اور ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کے دو روزے بھی نبی ﷺ کا معمول تھے، اِن کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے یا ''بزرگوں نے فرمایا'' جیسی سند سے بیان کردہ روزے رکھتا ہے تو وہ بدعات میں شمار ہوں گے، ان کا نام ''لکھّی'' رکھیں یا ''ہزاری'' اور انھیں ''مریم روزے'' کا نام دیں یا ''معراج کا روزہ'' کہیں، نبی ﷺ، خلفاے راشدین و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور علماے دین رحمہم اللہ سے یہ روزے ہرگز ثابت نہیں ہیں۔

صلوٰۃ الرغائب:

بعض لوگ ماہِ رجب کے پہلے جمعے کی رات کو ایک خود ساختہ نماز ادا کرتے ہیں جسے ''صلوٰۃ الرغائب'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ نماز جمعرات اور جمعے کی درمیانی شام کو مغرب وعشا کے ما بین پڑھی جاتی ہے، جس کی امام غزالی وغیرہ کی طرف سے بارہ رکعتیں قرار پائی ہیں۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ ہر رکعت میں ایک دفعہ سورت فاتحہ، تین دفعہ سورت قدر ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ اور بارہ مرتبہ سورت اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ستّر مرتبہ درود شریف پڑھیں اور پھر سجدے میں گر کر ستّر مرتبہ ''سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَآئِكَةِ وَ الرُّوْحِ'' پڑھیں۔ پھر سجدے سے سر اُٹھا کر ستّر مرتبہ ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ'' اور پھر دوسرے سجدے میں بھی پہلے کی طرح ہی کریں۔[2]

کئی موضوع و من گھڑت روایتیں بیان کر کے اس نماز کی فضیلتوں کے پُل باندھے جاتے ہیں، جنھیں سن کر لاعلم لوگ حصولِ ثواب کے لیے کشاں کشاں چلے آتے ہیں، حالانکہ "البداية و النهاية"

---

[1] سنن ابن ماجه تحقيق محمد فؤاد عبد الباقي (١/ ٥٥٤) رقم الحديث (١٧٤٣)

[2] إحياء علوم الدين للغزالي (١/ ١٨٢)

میں معروف مفسر و محدث اور مورخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق یہ نماز قطعاً بے ثبوت ہے۔[1]

فقہ حنفی کی معروف و متداول کتاب ''رد المحتار حاشیہ در مختار'' (۱/ ۵۴۴) میں صلوٰۃ الرغائب کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ نماز ۴۸۰ھ کے بعد ایجاد ہوئی اور علما نے اس کے انکار اور اسے ادا کرنے والے کے احمق پن پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور بیشتر شہروں میں اسے ادا کرنے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھایا جائے۔''

آگے چل کر (ص: ۶۶۰) لکھا ہے:

''اسی لیے اہلِ علم نے اس نماز ''صلوٰۃ الرغائب'' کے لیے جمع ہونے سے منع کیا ہے، جسے بعض جاہل عابدوں (صوفیوں) نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ اس کیفیت کے ساتھ مخصوص راتوں میں ایسی کوئی نماز ثابت نہیں ہے، اگرچہ بذاتہٖ نماز کا پڑھنا ایک اچھا عمل ہے، مگر یہ سب باطل ہیں۔''

اسی خود ساختہ نماز کے بارے میں امام طرطوشی نے امام المقدسی سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارے یہاں بیت المقدس میں یہ نماز ''صلوٰۃ الرغائب'' نہیں پڑھی جاتی تھی جو رجب میں پڑھی جاتی ہے اور نہ پندرہ شعبان کی نماز مروّج تھی۔ یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد ہوئی ہے۔''[2]

ایسے ہی کئی دیگر محققین علما نے اس صلوٰۃ الرغائب کو غیر مستحب بلکہ مکروہ و منکر بدعت قرار دیا ہے۔

معراج کی عدمِ تعیین:

رجب کے روزوں اور خود ساختہ صلوٰۃ الرغائب کی طرح اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو بعض لوگ ''شبِ معراج'' ہونے کے زعم میں جشن مناتے ہیں، رات کو چراغاں کرتے ہیں اور خود ساختہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان امور کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے تو ضروری ہے کہ ''شبِ معراج'' کا تعین ہو، لیکن جب محدثین و مورخین کی تالیف کردہ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ

[1] البداية و النهاية لابن كثير (۲/ ۳/ ۱۰۹)

[2] الإبداع (ص: ۲۸۸)

ستائیسویں شب کے ''شبِ معراج'' قرار پانے سے پہلے خود ماہِ رجب کے ماہِ معراج ہونے پر بھی علمائے تاریخ کا اتفاق نہیں۔ معروف مفسر و مورخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی ضخیم تاریخِ اسلام ''البدایۃ و النہایۃ'' کے تیسرے جز (ص: ۱۰۸، ۱۰۹) میں اسرا و معراج کا واقعہ نقل کرنے سے پہلے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں، وہاں انھوں نے امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''نبی مکرم ﷺ کو ہجرتِ مدینہ سے ایک سال پہلے سفرِ معراج کرایا گیا۔''

یہی قول امام عروہ کا ہے۔ امام حاکم کے حوالے سے انھوں نے حضرت سدی کا قول بھی ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کو ہجرت سے سولہ ماہ قبل معراج کرایا گیا۔''

لہٰذا امام زہری اور عروہ رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماہِ معراج ربیع الاول بنتا ہے، جبکہ وہ بھی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے تو اسرا و معراج کی احادیث کا ذکر ہی اوائلِ بعثت کے واقعات میں کیا ہے اور حضرت سدی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق معراج کا واقعہ ماہِ ذی القعدہ میں بنتا ہے۔[1]

جب ماہِ معراج پر ہی اتفاق نہیں تو تاریخِ معراج کی تعیین متفق علیہ کیسے ہوسکتی ہے؟ مختصر یہ کہ تاریخِ معراج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ بات بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہیں کہ ماہ و تاریخِ معراج پر اتفاق نہ ہوسکا، تاکہ طرح طرح کی بدعات کو وجود میں لانے والوں کو یہ بنیادی چیز ہی متفق علیہ نہ ملے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید تھا کہ تمام مورخین کا اتفاق ہوجاتا۔

جشنِ معراج کی شرعی حیثیت:

اگر مشہور روایت کے مطابق ماہِ رجب اور اس کی بھی ستائیس تاریخ ہی کو ''شبِ معراج'' مان لیا جائے، تو ہمارے لوگ جو اس رات میں چراغاں کا اہتمام کرنے، جشن منانے اور خوشیاں منانے کے رنگا رنگ انداز اختیار کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نوافل پڑھنے میں گزارتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

---

[1] البدایۃ و النہایۃ (۲/ ۳/ ۱۰۸، ۱۰۹)

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نبی مکرم ﷺ، خلفاے راشدین، عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ اربعہ اور علماے دین کسی سے بھی یہ مروّجہ امور ثابت نہیں ہیں، جنھیں جشنِ معراج کے نام سے سرفراز کیا گیا ہے۔ امام الانبیا نبیِ رحمت ﷺ اس عظیم معجزے کے بعد ایک طویل مدت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ما بین موجود رہے، مگر آپ ﷺ نے نہ تو خود یہ کام کیے اور نہ کسی کو ان کے کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے اشارہ اُبرو پر جانیں نچھاور کرنے والے خلفا و صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین و ائمہ، کسی سے بھی ان امور کا پتا نہیں چلتا۔

ان جشنوں، جلسوں یا اجتماعات کی شرعی حیثیت کی تعیین کے بارے میں دَورِ حاضر کے معروف عالم اور مفتیِ عالَم علامہ عبدالعزیز ابنِ باز رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی فتویٰ صادر فرمایا تھا، جس کا پورا متن یا ترجمہ تو نہیں، البتہ اُس کا ایک پیرا گراف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں:

''اسرا و معراج کی رات کا حدیثوں میں کوئی تعین نہیں ہے اور جو کچھ بھی اس کی تعیین کے متعلق مذکور ہے، وہ سب من گھڑت ہے۔ نبی مکرم ﷺ سے اس کے متعلق کچھ ثابت نہیں اور اگر بالفرض اُس کی تعیین ثابت بھی ہو جائے تو بھی اُس دن کو عبادت کے لیے خاص کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ اُس دن جلسہ و اجتماع یعنی جشن منانا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ اُس دن نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا جلسہ و اجتماع نہیں کیا اور نہ اس دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ اگر اس روز جلسے و اجتماع کرنا ثواب کا کام ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنی امت کے لیے قولی یا فعلی طور پر اس کی ضرور وضاحت فرما دیتے اور اگر اس کے متعلق نبی اقدس ﷺ سے ایسا کوئی عمل واقع ہوا ہوتا تو لوگ اُسے پہچانتے اور وہ مشہور و معروف ہوتا، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (دوسرے دینی اُمور و ہدایات کی طرح) اسے بھی ہماری طرف منتقل کرتے، کیونکہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے ہر اُس شے کو نقل کیا ہے جس کی اُمت کو ضرورت تھی۔ انھوں نے دین کے معاملے میں کبھی سستی و غفلت کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ نیکی کے معاملے میں وہ پیش پیش تھے۔ اگر اس رات کو اجتماع و احتفال اور جلسہ و جشن منعقد کرنا جائز اور

کارِثواب ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کام سب سے پہلے خود کرتے۔

''علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغامِ رسالت نہایت دیانت داری سے پہنچایا۔ اگر اِس رات کی تعظیم کرنا، اِس میں اجتماع و احتفال اور جلسہ وجشن کوئی دینی کام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس میں ہرگز سستی نہ کرتے اور نہ اِسے اپنی اُمت سے مخفی رکھتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات ہی نہیں کہی تو معلوم ہوا کہ اس رات کی تعظیم کرنا اور اس میں اجتماعات و احتفالات منعقد کرنا کوئی اسلامی فعل نہیں ہے، لہٰذا اسے عبادت وثواب کی نیت سے کرنے والوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''[1]

ماہِ رجب کے کونڈے اور دیگر بدعات:

ماہِ رجب ہی میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام کا حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو ''رجب کے کونڈوں'' کی شکل میں ایک خود ساختہ عبادت کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے، نیز اِس ماہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی ولادت کی رات میں مجلس قائم کی جاتی ہے اور شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح خواجہ غریب نواز خواجہ بندہ نواز اور میراں داتا وغیرہ بزرگوں کے نام پر بھی جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور اُن مجالس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، طبلے بجائے جاتے ہیں، علَم اٹھائے جاتے ہیں اور کئی ایسی دوسری برائیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ دینِ اسلام کے نام پر قائم کی جانے والی ان مجالس کو دین کی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ تمام محققین علماے اسلام اور اہلِ بصیرت ان سب اعمال کے بدعت وضلالت ہونے پر متفق ہیں۔

رجب کے کُونڈے اور ایک افسانہ:

یہی حال حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا بھی ہے، جن کے مدعوین مہمانوں یا بالفاظِ دیگر ''کونڈہ خوروں'' کو پہلے یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ یہ اندر ہی اندر پکتے

---

[1] فتاویٰ مهمة لعامة الأمة (ص: ٥٦، ٥٧) طبع مؤسسه الحرمين الشريفين. هفت روزه ''الإسلام'' لاهور (جلد ۱۵ شماره ۳۸ بابت ۹ رجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۷/ ۱۹۸۹ء)

اور تیار کیے جاتے ہیں، انھیں اندر ہی کھائیں، اس مخصوص حلوے کو چھت کے نیچے تیار کیا جاتا ہے اور چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے، اسے باہر نہیں لے جایا جا سکتا۔ اُن کی یہ بات محض اس حد تک تو بہر حال معقول ہے اور وہ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں چھت سے باہر لے جا کر نہیں کھائی جاتیں، بلکہ اسے اندر ہی رہنا چاہیے کیوں کہ باہر تو وہی چیز لائی جا سکتی ہے جو مذہبی، اخلاقی، طبعی اور معاشرتی ہر اعتبار سے جائز اور ناقابلِ اعتراض ہو، جبکہ کونڈوں کا آغاز کسی شرعی دلیل پر نہیں ہوا، بلکہ یہ تو محض ایک قصے یا افسانے کی وجہ ظہور پذیر ہوئے ہیں، قرآن و سنت اور سلفِ امت کے یہاں یہ مروّجہ فعل ثابت نہیں ہے۔

آیئے! پہلے آپ کو اِن کونڈوں کو وجہ جواز بخشنے والی ''داستانِ عجیب'' کا خلاصہ سنا دیں:

''ایک لکڑ ہارا مدینہ منورہ میں تنگ دستی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ تونگری کی تلاش میں وہ مدینے سے نکلا اور بارہ سال کہیں بھی خوش حالی کی جھلک نظر نہ آئی۔ پیچھے اس کی بیوی نے وزیر کے محل میں نوکری اختیار کر لی۔ اسے ایک دن وہ جھاڑو دے رہی تھی کہ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا وہاں سے گزر ہوا، انھوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: آج کیا تاریخ ہے؟ کسی نے بتایا: آج رجب کی بائیس (۲۲) تاریخ ہے۔ فرمایا: اگر کوئی مشکل میں پھنسا ہوا ہو تو اس کو چاہیے کہ نئے کونڈے لائے اور اُن میں پوریاں بھر کر میرے لیے فاتحہ پڑھے، پھر میرے وسیلے سے دعا مانگے، اگر اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہ ہوئی تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑ لے۔

''یہ سن کر لکڑ ہارے کی بیوی نے اس پر عمل کیا اور اپنے شوہر کے صحیح وسلامت اور مال و دولت کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی دعا کی۔ کونڈے اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ بارہ سال سے مارا مارا پھرنے والا لکڑ ہارا ایک مدفون خزانے کو پا لیتا ہے اور واپس آ کر وزیر کے محل کے سامنے ایک شاندار گھر بنا لیتا ہے۔ اچانک ایک دن وزیر کی بیگم کی نظر اپنے محل کے سامنے بنے ہوئے اُس شاندار مکان پر پڑی اور پتا چلا کہ یہ اُسی خادمہ کا گھر ہے جو یہاں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اس نے اسے منگوا کر اس کا راز پوچھا تو پتا چلا کہ یہ سب کونڈوں نے رنگ دکھایا ہے۔ وزیر کی بیگم کو کونڈوں کی اس ''کرامت'' پر یقین نہ آیا تو

اس نے کہا: تمھارے شوہر نے یہ مال کسی چوری ڈاکے کے ذریعے حاصل کیا ہوگا۔

''جیسے ہی اس نے حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے ارشاد و کرامت کو جھٹلایا، ویسے ہی اس کے میاں سے وزارت کا عہدہ جاتا رہا، حاسد و کینہ پرور جھوٹا وزیر غالب آ گیا اور اس نے اس کے میاں کو خائن ثابت کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو معزول کر کے اس کی تمام جایداد حقِ سرکار ضبط کر لی اور اسے ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا۔ میاں بیوی شہر سے نکل رہے تھے کہ بیوی کے پاس کُل دو درہم تھے۔ انھوں نے ان میں سے ایک درہم کا خربوزہ خرید کر رومال میں باندھ لیا، تاکہ بھوک کے وقت کام آئے۔

''اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا شکار پر گیا ہوا تھا جس کے واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ نئے وزیر نے پھر کاری ضرب لگائی کہ کہیں معزول وزیر نے اُسے قتل نہ کروا دیا ہو۔ بادشاہ کے حکم سے سرکاری کارندے گئے اور انھیں دربار میں حاضر کر دیا۔ جب معزول وزیر کی بیوی کے ہاتھ میں موجود رومال کو کھولا گیا تو اس میں خربوزے کی جگہ شہزادے کا سر بندھا ہوا پایا گیا، بادشاہ ان دونوں کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیتا ہے اور جیل میں بند کر دیتا ہے۔

''وزیر اور اس کی بیگم کونڈوں کی کرامت پر یقین نہ کرنے کے نتیجے میں سزائے موت کے انتظار میں جیل میں بند ہیں۔ وزیر اپنی بیگم سے کہتا ہے:

''مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی پر ظلم کیا ہو، نہ جانے ہمیں کس خطا کی پاداش میں یہ ذلت و رسوائی مل رہی ہے؟''

وزیر کی بیگم نے کہا:

''آپ تو بے قصور ہیں۔ قصوروار تو مَیں ہوں جس نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا انکار کیا۔''

''چنانچہ وہ ساری رات توبہ اور خلاصی کی صورت میں کونڈے بھرنے کا عزم کرتی رہی۔ اِدھر انھوں نے کونڈوں کی عظمت کا اقرار کیا، اُدھر شہزادہ شکار سے گھر واپس آ گیا۔ بادشاہ اپنے بیٹے کو سلامت دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور وزیر کو جیل سے نکلوا کر ماجرا

دریافت کیا، تو اس نے ادب و احترام سے کونڈے نہ بھرنے، ان کو جھٹلانے اور پھر رات بھر جیل میں توبہ کرکے کونڈے بھرنے کے عہد کا واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو نہ صرف دوبارہ بحال کر دیا، بلکہ اسے خلعت سے بھی نوازا، پھر بادشاہ اور وزیر تو کیا، رعایا نے بھی کونڈے بھرنے کا اہتمام شروع کر دیا۔“

یہ عجیب وغریب داستان کونڈے بھرنے والوں کی دلیل ہے جو آسمان سے نازل ہوئی ہے، نبی رحمت ﷺ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئی ہے اور نہ خلفا راشدین یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی طرف منسوب ہے، بلکہ ایک قطعی من گھڑت کہانی ہے، جو قرآن و حدیث تو دور کی بات ہے، کسی بھی معتبر کتاب میں مذکور نہیں اور نہ اِس کی کوئی سند ہی ہے، بلکہ کسی منشی جمیل احمد کے منظوم کلام میں خوبصورت انداز سے یہ افسانہ ملتا ہے، جس کا خلاصہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ مگر اِتنی بڑی حماقت کوئی صاحبِ عقل و دانش مسلمان کیسے کرسکتا ہے؟ اس کو داستان یا افسانہ تو کہا جاسکتا ہے مگر شریعت نہیں۔

اس افسانے کے من گھڑت ہونے کے بعض دلائل:

① جس ہستی یعنی حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف اس داستان کو منسوب کیا گیا ہے، اُن سے ایسے متکبرانہ الفاظ کا صادر ہونا قطعاً بعید از عقل ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ بدعتی نہیں تھے۔ وہ شریعتِ الٰہیہ میں اپنی جانب سے اضافہ کرنے والے تھے اور نہ انھیں اس بات کا اختیار دیا گیا ہے۔ وہ نواسہ رسول ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔ نبیِ رحمت ﷺ کی لختِ جگر حضرت فاطمہ زہراء کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول سن رکھا تھا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»[1]

”جس کسی نے بھی ہماری اس شریعت میں کوئی نیا کام ایجاد کیا تو وہ امر مردود اور نامقبول ہے۔“

② دوسری بات یہ ہے کہ رجب کی بائیس تاریخ کا امام صادق رحمہ اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تاریخ نہ تو اُن کی پیدائش کی تاریخ ہے اور نہ اُن کی وفات ہی اس تاریخ میں ہوئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش ایک روایت کے مطابق ۸/ رمضان ۸۰ھ اور دوسری کے مطابق ۱۷/ ربیع الاوّل ۸۳ھ میں ہوئی اور اُن کی وفات پر اتفاق ہے کہ ۱۵/ شوال ۱۴۸ھ

[1] صحيح البخاري، صحيح مسلم، صحيح الجامع، رقم الحديث (٥٩٧٠)

ہے۔ اب تاریخِ اسلام کو دیکھ لیں، معلوم ہوجائے گا کہ اُن کی عمرِ عزیز کے تقریباً باون (۵۲) سال خلفائے بنی اُمیہ کے عہد میں گزرے جن کا دار الخلافہ دمشق تھا اور باقی سال خلافتِ بنی عباس میں گزرے جنھوں نے بغداد کو اپنا دار الخلافہ بنا لیا تھا۔

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہوگیا کہ مدینے میں کبھی کوئی بادشاہ تھا، نہ اس کا محل، نہ کوئی وزیر تھا اور نہ ہی وزیر کا محل، البتہ جس ادیب و شاعر نے بادشاہ، وزیر اور ان کے محلات بنا ڈالے، اسی نے لکڑہارے کا کردار بھی تراش لیا اور ایک ادبی شہ پارہ لکھ مارا، جسے لوگوں نے شریعت بنا ڈالا ہے۔

③ سابقہ دونوں تاریخی روایات کے مطابق امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش ۸/ رمضان یا ۱۷/ ربیع الاوّل ہے، ۲۲/ رجب نہیں جبکہ نذر و نیاز بالخصوص انھیں تاریخوں میں ہوتی ہے۔

④ ایک خاص بات یہ کہ نذر و نیاز کرنے والے اور فاتحہ خوانیاں کرنے والے کبھی کسی زندہ کی نذر و نیاز اور فاتحہ کرتے ہی نہیں، لہٰذا امام جعفر صادق کے ساتھ ایسا کیوں ہوا کہ ان کے نام کی نذر و نیاز ان کی زندگی ہی میں شروع ہوگئی؟

اصل حقیقت:

یہ ایک دل خراش حقیقت ہے کہ اُس دن یعنی ۲۲/ رجب کو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی، امّ المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور صحابیِ رسول حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تھی، لہٰذا اس دن رافضی و شیعہ حضرات خوشی کا اہتمام کرتے ہیں اور حلوہ پوری کے کونڈے بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں۔ وہ خود انھیں کونڈوں میں رکھ کر اس نقطہ نظر سے کھاتے ہیں کہ آج کا دن معاویہ کا کونڈا ہوا۔ (یعنی ان کی وفات ہوئی) یہ امر کس قدر افسوسناک ہے، کہ لوگوں کی کثیر تعداد بلا سوچے سمجھے، نادانستہ ہی ان کی خوشی میں شریک ہوجاتی ہے۔ پہلے تو اندر کا یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا تھا اور اندر ہی اندر کھایا جاتا تھا، مگر جب دوسرے لوگوں کی ایک بھیڑ بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگئی تو اب اُسے مذکورہ داستانِ عجیب کے ذریعے ایک نئی صورت دے دی گئی ہے۔[1]

اس داستان میں قرآن و سنت کی تعلیمات سے رُوگردانی، نذر لغیر اللہ اور حضرت امام جعفر

[1] مختصراً از ''رجب کے کونڈے'' مولانا فضل الرحمٰن ازہری، لاہور۔

صادق رحمہ اللہ کی شان میں توہین و گستاخی کے پہلو بھی نکلتے ہیں، جن کی تفصیل میں جانے کے بجائے سرِدست ایسے من گھڑت قصے کہانیوں کو عمل کی بنیاد بنانے والوں سے صرف اتنا ہی عرض کریں گے۔ ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّا کارِ طفلاں تمام شد

انوارِ قرآن و حدیث:

آیئے! ایمان وعقیدے کی تازگی کے لیے قرآنِ کریم سے اللہ تعالیٰ کے بعض ارشادات اور احادیثِ شریفہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فرمودات و معمولات کا بھی مطالعہ کریں، تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ حاجت مندوں کو مشکلات میں گھر جانے کی شکل میں کسے پکارنا چاہیے اور کس سے مشکل کشائی طلب کرنا چاہیے اور وہ کون سی ذات ہے جو ایسے وقت میں حاجتیں پوری کرنے اور مشکلات دور کرنے کے لیے سنتی اور مانتی ہے؟ چنانچہ سورت بقرہ (آیت: ۱۸۶) میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرمایا ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴾

’’آپ سے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں؟ تو میری طرف سے فرما دیں کہ) بے شک میں بہت قریب ہوں، میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ آپ انھیں سنا دیں) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔‘‘

سورت تغابن (آیت: ۱۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

’’اللہ کے سوا کوئی معبودِ (برحق) نہیں، پس مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کریں۔‘‘

ان آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ بہت قریب ہے اور پکارنے والے جب بھی اسے پکارتے ہیں تو نہ صرف وہ ان کی پکار سنتا ہے، بلکہ جو کچھ وہ مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے۔ چونکہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے، لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ صرف اسی پر توکل اور بھروسا رکھیں اور در در کی

خاک نہ چھانتے پھریں۔

اگر کبھی آزمایش کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف آجائے تو اسے اس کے سوا کوئی بھی دور نہیں کرسکتا اور نہ کوئی دوسرا اس کی طاقت رکھتا ہے۔ سورت انعام (آیت: ۱۷) اور سورت یونس (آیت: ۱۰۷) میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ﴾

''اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اُسی کے سوا اُسے دُور کرنے والا دُوسرا کوئی نہیں ہے۔''

یہاں بات صاف ہوگئی کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصا ہے، جس میں کوئی نبی یا وَلی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ لہٰذا صدقہ و خیرات صرف اللہ کے نام پر کریں۔ یہی ذریعہ ثواب ونجات اور باعثِ دفعِ بلا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر دی گئی نذر و نیاز نہ صرف یہ کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو صریح شرک اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ماہِ رجب کے کونڈے بھی اِسی زمرے میں آتے ہیں، اگرچہ جعل سازوں اور شکم پرست جاہلوں نے انھیں رواج دے دیا ہے۔

کچھ جاننے والے طبقے کے افراد نے اپنی بھلائی اور فائدہ اسی میں دیکھا کہ لوگوں کو اسی راہ پر چلتے رہنے دینا چاہیے، تاکہ روزی روٹی کا چکر چلنے کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی بحال رہے، بلکہ سیدھے سادے لوگوں کو ان کے خود ساختہ فضائل سُنا کر مزید پختہ کیا اور کونڈے بھرنے والوں کو گناہوں سے خلاصی اور جنت کی بشارتیں دیں اور دنیا میں اس فعل کو مُرادیں پوری ہونے کا ذریعہ بتایا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے نواسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت باقر رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ایک ایسے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ اُن کا گھر سونے چاندی کی چمک دمک سے روشن نہ تھا، بلکہ ان کے خاندان نے غربت و افلاس اور فقر و فاقے میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ایمان کی روشنی کو کبھی گل نہیں ہونے دیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

''نبی ﷺ نے کبھی جَو کی روٹی مسلسل دو دن پیٹ بھر کر نہ کھائی، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی رُوحِ مبارک قبض کرلی گئی۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري، كتاب الأطعمة و الرقاق، مشكاة المصابيح بتحقيق الألباني (٣/ ١٤٤٣)

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''میں نبی اقدس ﷺ کی خدمت میں جَو کی روٹی اور بدلی ہوا والی چربی کا تیل لے کر حاضر ہوا۔ جبکہ نبی ﷺ اپنی ایک ذرع [آہنی جنگی لباس] مدینے کے ایک یہودی کے یہاں کچھ غلے کے عوض گروی رکھ چکے تھے۔''[1]

یاد رہے کہ گھر والوں کے لیے جَو لے کر ان کے بدلے میں یہ ذرع گروی رکھی تھی اور کتبِ حدیث و سیرت میں یہ بات معروف ہے کہ جب آپ ﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کی ذرع ایک یہودی کے ہاں گروی پڑی تھی۔

آگے اسی مذکورہ حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کے پاس نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ اس کے باوجود میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''آلِ محمد ﷺ کے پاس کسی رات بھی ایک صاع گندم یا ایک صاع دانے جمع نہیں رہے۔''[2]

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ آلِ محمد ﷺ میں سے تھے۔ بھلا بتایئے کہ ایسی مقدس ہستی جس کے خاندان والوں اور اہلِ بیت کی غربت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا اور جس شخصیت نے ایسی پاکیزہ خاندانی تربیت اور عمدہ روایت کے مطابق پرورش پائی ہو، انھیں ان کونڈوں کے عمل اور حلوہ پوریوں کا خیال کہاں سے آ گیا؟ پھر جب یہ کام تابعین، تبع تابعین، محدثین و مجتہدین اور ائمہ وفقہا رحمہم اللہ میں سے کسی نے نہیں کیا تو آج اِن کونڈے خوروں کو اس کے جواز کا ثبوت کہاں سے مِل گیا ہے؟ روایت و درایت اور نقل و عقل ہر اعتبار سے یہ فعل خود ساختہ اور غیر اسلامی ہے۔

بائیس رجب کے کونڈے اور فاضل بریلوی احمد رضا خان کا فتویٰ:

کونڈوں کی رسم نہ صرف شیعہ بلکہ سنیوں اور عموماً بریلوی حضرات میں بھی چلتی ہے، جبکہ اُن کے بانی فاضل بریلوی احمد رضا خاں اپنی معروف کتاب ''احکامِ شریعت'' (۱/ ۵۵) میں ان کے خلاف فتویٰ دے چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۰۶۹)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۴۱۴)

علامہ شہاب الدین خفاجی "نسیم الریاض شرح قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں:

"جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے یومِ وفات [۲۲/ رجب] کو ان کی موت کی خوشی میں کونڈے کرے۔"[1]

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے، ہمہ وقت پاس رہتے اور وحی الٰہی کی کتابت کرتے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دل میں جو احترام تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد بھی جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کے خود ساختہ کاموں سے محفوظ رکھے۔ آمین

لوگوں نے اگر کونڈوں کو مغفرت کا سَستا طریقہ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور انہی کے ذریعے وہ جنت پانا چاہتے ہیں تو پھر یقین جانیں کہ یہ احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات تو ہوسکتی ہے مگر حقیقت میں جنت نہیں، کیونکہ جب تک عملِ صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی، مغفرت نہ ہوگی۔ محض کسی بزرگ کی قرابت کے دعوے کام نہ آئیں گے۔ سورت ہود (آیت: ۴۵ اور ۴۶) پڑھ کر دیکھیں، حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے [کنعان] کی نسبت کیسا سخت جواب بلکہ ڈانٹ پلائی گئی ہے۔ سورت توبہ (آیت: ۱۱۳) میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشرکین کے لیے دعاے مغفرت و شفاعت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور سورت بقرۃ (آیت: ۲۵۵) یعنی آیۃ الکرسی میں ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾ فرما کر واضح فرما دیا گیا ہے کہ دربارِ الٰہی میں اُس کے حکم کے بغیر کوئی بھی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

جب معاملہ اتنا سخت ہے تو پھر شب و روز اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانیاں کرنے اور خود اپنے ہی بنائے ہوئے اعمال کو اختیار کرنے والے کی شفاعت کیسے ہوگی اور حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی سفارش ہر گناہگار کے متعلق کیسے قبول ہوگی؟

اللہ کے بندو! ہاتھوں پر ہاتھ رکھے محض تمناؤں کی بنا پر جنت کے وارث بن جانے کے بجائے مسنون عمل کی دنیا میں آؤ اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور اُس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھو، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراء، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ اور اپنے

---

[1] بحواله تعليمات شاه أحمد رضا خان بريلوى از مولانا محمد حنيف يزداني (ص: ۷۲، ۷۳)

چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہم اور پورے خاندان و قبیلے کو الگ الگ مخاطب ہوکر فرمایا تھا کہ اپنے آپ کو آگ سے بچالو، میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

''اے فاطمہ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگ لو، لیکن حکمِ الٰہی کے سامنے مَیں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔''[1]

اگر عمل کے بغیر محض تمنا اور شفاعت کے سہارے نجات و مغفرت ممکن ہوتی تو اُن سادات کی نجات ضرور ہوتی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقت واضح فرما دی تو اُن کے مقابلے میں ہما شما کی حیثیت ہی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی بدعت و گمراہی سے محفوظ رکھے، کیونکہ ہر گمراہی کا راستہ جہنم کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. بدعاتِ رجب و شعبان۔ تالیف: الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. بدعات اور ان کا تعارف۔ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦٠٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٠٤)

ماہِ شعبان کی بدعات

حمد و ثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [آل عمران: ٣١]

''(جب تو نے ان کو خبردار کر دیا، اے پیغمبر) کہہ دے (ان مشرکوں یا یہود یا نصاریٰ یا مسلمانوں سے) اگر تم کو اللہ کی محبت ہے تو میری راہ پر چلو، اللہ بھی تم سے محبت رکھے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

ماہِ شعبان سے متعلقہ بعض موضوعات کی وضاحت کہ اس ماہ میں کون کون سے اعمال مسنون ہیں؟ وہ کون کون سے افعال ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسنون نہیں بلکہ بدعات ہیں؟ اسی طرح اس ماہ کی درمیانی یعنی نصف شعبان کی رات کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی جو اس رات میں ایک مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے اور اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

① ماہِ شعبان کے روزے:

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس ماہ کے کسی خاص دن کو مقرر کیے بغیر اس میں کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''نبی اقدس ﷺ [نفلی] روزے اس کثرت سے رکھتے کہ ہم کہتے کہ شاید آپ ﷺ کسی دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑیں گے اور کبھی مسلسل روزے نہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ ﷺ کبھی [نفلی] روزہ نہیں رکھیں گے۔ میں نے آپ ﷺ کو کسی بھی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔''[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١٩٦٩) صحيح مسلم (٤/ ٨/ ٣٧)

آپ ﷺ حسبِ موقع اور حسبِ فرصت کبھی مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے اور کبھی مسلسل چھوڑتے ہی چلے جاتے ،جبکہ ہر ماہ کے ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے اور ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔

② ماہ شعبان کے کثرت سے روزے رکھنے کی وجہ:

ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے تو ماہِ محرم کے ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں وارد ہے، البتہ آپ ﷺ نے محرم سے بھی زیادہ شعبان کے روزے رکھے ہیں۔ سنن ابو داود و نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں ایک حدیث ہے، جس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ ﷺ کو ماہِ شعبان جتنے [نفلی] روزے کسی دوسرے مہینے میں رکھتے نہیں دیکھا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”یہ ایسا مہینا ہے جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں اور یہ مہینا وہ ہے جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل ایسی صورت میں اٹھایا جائے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔“[1]

ماہِ شعبان میں نبی ﷺ کے کثرت سے روزے رکھنے کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایامِ بیض اور پیر و جمعرات کے روزے آپ ﷺ اکثر رکھا کرتے تھے اور کبھی بعض وجوہات کی بنا پر مسلسل یہ روزے نہ رکھ سکتے تو ان کی کمی پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ شعبان کے اکثر روزے رکھ لیتے تھے۔

بہر حال آپ ﷺ ماہِ شعبان میں کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اور نبی اکرم ﷺ کی ہر سنت مبنی بر حکمت اور کسی نہ کسی برائی کو دور کرنے والی ہے۔ چونکہ عربوں میں ڈاکا اور رہزنی عام تھی مگر حرمت والے چار مہینوں میں وہ بھی ان افعال سے رک جاتے تھے اور ماہِ رجب کے حرمت والا مہینا ہونے کی وجہ سے اس میں وہ رکے رہتے اور شعبان کے شروع ہوتے ہی اِدھر اُدھر منتشر ہوجاتے تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے:

”ماہِ شعبان کا یہ نام ان کے پانی کی طلب یا لڑائی و لوٹ مار وغیرہ کے لیے منتشر

---

[1] سنن النسائي، رقم الحديث (٢٣٥٧)

ہوجانے کی وجہ سے رکھا گیا، یہ چیزیں وہ رجب گزر جانے کے فوراً بعد ہی وہ شروع کر دیتے تھے۔ یہ وجہ تسمیہ سب سے اولیٰ ہے، اگرچہ اور بھی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں۔''[1]

نبی ﷺ نے ان کی ان حرکات اور افعالِ قبیحہ کے مقابلے میں روزے رکھنے کی سنت قائم فرمائی، جس میں ترکِ طمع، ضبطِ نفس اور فاقہ کشی کی ریاضت ہے جس سے غارت گری، لوٹ مار اور ظلم وتعدی کی عادات خود بہ خود چھوٹ جاتی ہیں۔

③ نصفِ ثانی شعبان کے روزے:

ماہِ شعبان کے روزے مطلق ہیں نہ کہ خاص پندرہ شعبان کا روزہ، کیونکہ خاص پندرہ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی روایت ضعیف ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہیں رکھنے چاہییں، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''جب نصف شعبان ہوجائے تو بعد میں روزے نہ رکھو، یہاں تک کہ ماہِ رمضان داخل نہ ہو جائے۔''[2]

المرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ شعبان کے روزے چاہے کتنے ہی فضیلت والے کیوں نہ ہوں، مگر ہیں تو نفلی، جبکہ آگے رمضان المبارک کے فرض روزوں کا مہینا ہے، لہٰذا اُس کی تیاری کے لیے قوت جمع کی جائے، تاکہ کہیں آدمی کمزوری وضعف کا شکار نہ ہوجائے اور کہیں اُس مہینے کے فرض روزوں میں قضا کی نوبت نہ آجائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ ممانعت اُن لوگوں کے لیے ہے جو عموماً سال بھر کے دَوران میں روزے رکھنے کے عادی نہ ہوں اور کسی وجہ سے شعبان کے نصفِ ثانی میں شروع کر دیں، جبکہ ہر ماہ میں جو شخص ایامِ بیض، ہر ہفتے میں پیر و جمعرات یا ہر دوسرے دن کا روزہ یعنی صومِ داودی رکھنے کا عادی ہو، اُسے اِن ایام میں روزے رکھنے کی بھی ممانعت نہیں ہوگی، لہٰذا دونوں طرح کی احادیث کا تعارض ختم ہوگیا۔''[3]

---

[1] فتح الباري (٣/ ٢١٣)

[2] صحيح سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٠٤٩) سنن الترمذي مع التحفة (٣/ ٤٣٧)

[3] فتح الباري (٤/ ٢١٥)

④ شعبان کے آخری ایک دو دنوں کا روزہ:

اسی طرح ماہِ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی بھی ممانعت ہے۔[1] ان دو یا صرف ایک روزے کی ممانعت بھی اُن لوگوں کے لیے ہے جو رمضان المبارک کی ''سلامی'' کا روزہ سمجھ کر رکھیں۔ خاص شعبان کی آخری تاریخ کا روزہ محض اس شک کی بنا پر رکھنا کہ شاید چاند ہوگیا ہو مگر کسی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، لہٰذا ہم اس دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں، اس بات کی بھی نبی ﷺ نے سخت تردید فرمائی ہے اور شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ بعض صحیح احادیث کی رو سے شک کے دن کا روزہ رکھنا نہ صرف ممنوع بلکہ حرام ہے اور بعض محدثین و فقہا نے ''صَوْمُ یَوْمِ الشَّكِّ'' کو ''اَلْأَیَّامُ الَّتِيْ یَحْرُمُ صَوْمُهَا'' کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔[2]

⑤ شبِ قدر یا شبِ براءت:

خاص پندرہ شعبان کے دن اور اس کی رات کے متعلق عرض ہے کہ پندرہ شعبان کے دن کا بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو قیام کیا جاتا ہے اور اس رات کو ''شبِ براءت'' کہا جاتا ہے یا ''شبِ قدر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں اور فقہا و محدثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شبِ براءت یا شبِ قدر کے الفاظ کا کہیں ذکر نہیں اور نہ آج تک عربوں میں ایسے ناموں سے یہ معروف ہے۔ یہ نام صرف برصغیر تک ہی ہیں اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے، وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالے سے آیا ہے اور ویسے بھی شبِ قدر یا شبِ براءت سے مراد دراصل وہ لیلۃ القدر ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم نازل کرکے اِس اُمت کے لیے نظامِ زندگی مہیا کیا اور جادۂ حق کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، لہٰذا یہ تعین کرنا ہوگا کہ نزولِ قرآن کی رات کون سی ہے اور کب ہے اور قرآن کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا؟ اُس رات کی صراحت خود قرآنِ کریم میں موجود ہے۔ چنانچہ سورت بقرہ (آیت: ۱۸۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ﴾

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۹۱٤) صحیح مسلم (٤/ ۷/ ۱۹٤)

[2] صحیح سنن النسائي، رقم الحدیث (۲۰٦۸) صحیح سنن الترمذي (۵۵۳) سنن ابن ماجه (٦٤۵)

''رمضان المبارک وہ مہینا ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے مہینے کی تعیین فرمادی ہے جو رمضان المبارک ہے اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر سورت قدر میں موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ﴾ [القدر:۱] ''ہم نے اسے شبِ قدر میں نازل کیا۔''

پھر یہ شبِ قدر صحیح احادیث کی رو سے ماہِ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر اُن میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔ نزولِ قرآن کی اس رات کو سورت دُخان کے شروع میں شبِ مبارک کہا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ حٰمٓ ۚ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِيۡنَ ۙ فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ﴾ [الدخان:۱ تا ۵]

''حٰمٓ۔ قسم ہے اِس کتابِ مبین کی! ہم نے اِسے ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب سے) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی رات میں ہر معاملے کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے، ہمارے پاس سے حکم لے کر۔''

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں، اُن کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدایش و اموات، خوشی وغم اور رزق و فقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں، وہ اُسی مبارک شب میں ہوتے ہیں، جس میں قرآنِ کریم نازل ہوا وہ شبِ مُبارک، شبِ قدر، رمضان میں ہے نہ کہ ماہِ شعبان میں۔ شب فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا اور قدر تو ہر دو زبانوں میں مشترک ہے، لہٰذا ''لیلۃ القدر'' کو فارسی و اردو میں ''شبِ قدر'' کہا جاتا ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔

تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے:

''اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، یا پھر نصف شعبان والی رات۔''

پھر آگے اس لیلۃ مبارکۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآنِ کریم

ساتویں آسمان [لوحِ محفوظ] سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

''جمہور اہلِ علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی (یعنی رمضان المبارک والی لیلۃ القدر) ہی مراد ہے۔''[1]

ترجمان القرآن حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اسی طرح امام ابنِ کثیر نے بھی اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی تائید کی ہے کہ اس رات سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

''جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے اس کی بات ''دور کی کوڑی'' یا بعید از حقیقت ہے، کیونکہ نصِ قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے۔''[2]

اِن تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورت دخان (آیت ۳) میں مذکور رات رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ ۱۵/شعبان والی رات۔

شبِ براءت منانے کے چھے طریقے:

سابقہ تفصیلات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کے یہ مروّجہ نام شبِ قدر یا شبِ براءت کتبِ تفسیر و حدیث میں نہیں پائے جاتے اور اس رات کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف نصفِ شعبان کی رات کے حوالے سے ہے، اور جہاں تک اس رات کو منانے کا تعلق ہے تو ہمارے یہاں اس کے چھے مختلف انداز اور طریقے مروّج ہیں:

پہلا طریقہ: حلوے مانڈے پکانا اور کھانا:

اُس شام کو اچھے اور عمدہ کھانے یا حلوے مانڈے تیار کیے جاتے ہیں اور انھیں خود تیار کرنے والے ہی مل بیٹھ کر مزے لے لے کر کھا جاتے ہیں۔ جہاں تک اس طریقے یعنی اچھے اور عمدہ کھانے اور حلوے مانڈے تیار کرنے اور کھانے کا تعلق ہے، تو یہ اسلامی تہواروں کی علامت سمجھے جاتے ہیں، جبکہ نصف شعبان کی رات کو سرے سے اسلامی تہوار کہا ہی نہیں جا سکتا اور اسے عیدین یا

[1] تفسیر جلالین، (ص: ٤١٠)

[2] مختصر تفسير ابن كثير للرفاعي (٤/ ١٩)

حج کی شکل دینا غلط ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم تہوار سمجھ کر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اچھے کھانے پکانا کسی بھی دن جائز نہ ہو؟

اِس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ بلاشبہہ اسراف وتبذیر یعنی فضول خرچی کے ضمن میں نہ آنے والے کھانے تیار کرنے میں واقعی کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ یہ ہر روز یا اکثر ایام میں معمول ہو اور اگر یہ صرف پندرہ شعبان کی شام کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو معاملہ یقیناً مشکوک سا ہوجاتا ہے اور مشکوک فعل سے احتراز ہی مومن کی شان ہے۔ فعل اب ہر شخص اپنے عمل کا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ وہ یہ حلوے تہوار سمجھ کر تیار کرتا ہے یا معمول کے مطابق ہی تیار کیے جاتے ہیں؟ بعض حلوہ خور مذہبی پیشواؤں نے یہ رسم اپنے مخصوص مفادات کے لیے جاری رکھی ہوئی ہے۔ ایسی رسوم کو جاری کرنے کے لیے بڑے عجیب وغریب ثبوت بھی دیے جاتے ہیں اور اِس رات کو حلوہ پکانا سنت قرار دیا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”ما ثبت بالسنّة“ (ص: ۲۱۴) میں فضائلِ شعبان کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے اور اسی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی وجہ سے کھانا کھانے سے قاصر تھے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ تناول فرمایا تھا، یہ بالکل لغو اور بے اصل بات ہے، کیونکہ مورخین کا اتفاق ہے کہ غزوہ اُحد ماہِ شوال ۳ھ میں واقع ہوا تھا نہ کہ شعبان میں اور یہ بات کیوں کر قرینِ عقل ہوسکتی ہے کہ دندانِ مبارک شہید ہوں شوال کے مہینے میں اور حلوہ کھایا جائے شعبان کے مہینے میں اور وہ بھی خاص پندرہ شعبان کو، لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی واجب اور ضروری ہے، صحیح نہیں۔ میری بہنو! یہ سنت کے نام پر بدعت ہے۔“

ایسے ہی شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

”اسی طرح پندرہ شعبان کی رات کو تہوار منانا، کھانے پکانا اور زیب وزینت کا اظہار کرنا بھی ہے اور یہ سب بدعات کے قبیل سے ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔“[1]

[1] اقتضاء الصراط المستقیم (۲/ ٦۲)

دوسرا طریقہ: چراغاں و آتش بازی کرنا اور دین کو کھیل تماشا بنانا:

شبِ براءت منانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس رات بڑے زور وشور سے آتش بازی کی جاتی ہے، گولہ بارود چلایا جاتا ہے، پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، موم بتیاں اور شمعیں جلاکر چراغاں کیا جاتا ہے، جبکہ پندرہ شعبان والی آتش بازی اور پٹاخے ہر سال لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ برباد کرنے کا سبب بن جاتے ہیں، اگر صرف اتنا ہی رہتا تو بھی شاید ''یہ مال تو آنی جانی چیز ہے'' کا نعرہ لگا کر جو بعض لوگ اس فکر سے آزاد ہوجاتے ہیں اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ بھئی پیسے پھر کمائے ہی کس لیے جاتے ہیں؟ اِسی لیے تو کمائی کی جاتی ہے کہ خوشی وغم میں کام آئیں، لہٰذا کیا ہوا، اگر خوشی کے اس موقع پر دو چار سو روپے کی آتش بازی ہمارے گھر والوں نے کر لی۔'' ان کی بات ہی چل جاتی لیکن معاملہ دولت کی بربادی سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔

اس آتش بازی و چراغاں کے دوران میں ہر سال کئی گھروں کے چراغ بھی گل ہو جاتے ہیں، کسی خانے میں اہلِ خانہ کا صرف ایک ہی لختِ جگر تھا۔ اب ایسے ہی مروّجہ کھیل تماشوں کا موقع آئے تو ایسے والدین اپنے اکلوتے لاڈلے کے لیے چاؤ پیار سے دوسرے لوگوں کی نسبت بڑھ چڑھ کر اور طرح طرح کی آتش بازی اسے مہیا کر دیتے ہیں، اب اس بات سے تو شاید کوئی بھی ناواقف نہ ہو کہ آتش بازی سے جو ہر سال جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، اُن میں سے ایسے کتنے ہی معصُوم ومحبوب اکلوتے لختِ جگر بھی ہوں گے جن کا جھلس کر والدین کے ہاتھوں سے نکل جانا انھیں عمر بھر کا داغ دے جاتا ہوگا اور ہمیشہ کے لیے ان کے دِلوں کے چراغ گُل کر جاتا ہوگا۔

پھر اگر کسی کا کوئی لختِ جگر اکلوتا نہ بھی ہو، تو بھی یہ کون سا ایسا سَودا ہے کہ پیسے کے ساتھ خریدا جا سکتا ہے؟ اس موقع پر آتش بازی کی نذر ہوجانے والا اگر پورے خاندان کا کفیل اور عیالدار ہوا تو پھر اُس خاندان پر کیا کیا مصائب و مشکلات نہ آئیں گی جن کی روزی روٹی کا ظاہری سہارا ہی چھن جائے؟

آتش بازی اور کثرت سے موم بتّیاں جلا کر چراغاں کرنا تاریخی اعتبار سے ایک ہی گروہ کی سازش ہے اور سازش بھی ایسی گہری اور خفیہ کہ مسلمان سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں، لہٰذا اسے عبادت وثواب کے نام سے نہ صرف یہ کہ اسے گھروں کی حد تک ہی رہنے دیا، بلکہ

مساجد بھی اِس سے نہ بچ پائیں۔ شبِ معراج ہو یا شبِ براءت؛ ہر دو موقعوں پر چراغاں کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں اور شاید کبھی یہ صرف شبِ براءت کے ساتھ ہی خاص تھی اور شبِ معراج اس سے محفوظ تھی لیکن دورِ حاضر میں ایسا نہیں رہا۔

معروف ومعتبر عالم علامہ ابوشامہ نے اس چراغاں کی تاریخ و آغاز اور اس کی تہہ میں پائے جانے والے خطرناک محرکات کی تفصیل اپنی کتاب "الباعث علیٰ إنکار البدع و الحوادث" میں ذکر فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اہلِ بدعت نے جو بدعات ایجاد کی ہیں اور دینِ خالص میں جو اضافے کیے ہیں اور جن امور میں وہ آتش پرست مجوسیوں کی روش پر چل نکلے ہیں اور اپنے دین کو لہو و لعب بنا دیا ہے، اُن امور میں سے ایک نصفِ شعبان کی رات ''شبِ براءت'' میں چراغاں کرنا بھی ہے، حالانکہ نبی مکرم ﷺ سے اس رات میں ایسا کوئی عمل ثابت ہے نہ آپ ﷺ سے اس رات میں کسی خاص نماز کا پتا چلتا ہے اور نہ چراغاں کے بارے میں کوئی حدیث ہے۔ اس فعلِ چراغاں کو شریعتِ اسلامیہ سے کھلواڑ کرنے اور دینِ مجوس میں دلی رغبت رکھنے والوں نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ مجوسی لوگ آگ کو اپنا معبود مانتے ہیں اور اس کی پوجا و پرستش کرتے ہیں۔

''اس چراغاں کا آغاز خاندانِ برامکہ کے عہد میں ہوا، انھوں نے چالاکی کے ساتھ اسے دینِ اسلام میں داخل کر دیا اور شعبان کی چراغاں کو ایسی ہوا دی کہ اِسے سنَنِ ایمان کے درجے پر لے آئے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اُن کا مقصود صرف لوگوں سے آگ کی پرستش کروانا تھا جسے وہ خود پوجتے تھے، یوں وہ اپنے دین کی اقامت چاہتے تھے، جبکہ مجوسیت درحقیقت تمام ادیانِ عالم سے بڑھ کر خائب و خاسر دین ہے اور ان کا چراغاں کی ترغیب دلانا اس لیے تھا کہ لوگ اپنے سامنے کثرت سے شمعیں جلا کر رکھ لیں گے اور نماز پڑھیں گے تو ان کے رکوع و سجود آگ کی طرف ہوں گے۔''[1]

بعض مورخین نے لکھا ہے:

---

[1] تحفة الأحوذي (٣/ ٤٤٣)

''ان برامکہ نے ہارون الرشید کے سامنے کعبہ شریف میں بخور کی ایسی انگیٹھیاں رکھنے کے فعل کو خوب بنا سجا کر پیش کیا، لیکن ہارون الرشید اُن کے بہکاوے میں نہ آیا، بلکہ اُس نے اُن کی سازش کا راز فاش کر دیا، کیونکہ وہ ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ یہ لوگ کعبہ شریف میں یہ انگیٹھیاں اس لیے رکھوانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان مساجد میں آگ رکھنے پر مانوس ہوجائیں، جبکہ آگ مجوسیوں کی معبود ہے اور وہ اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ برامکہ آتش پرست مجوسیوں کی اُن خفیہ تنظیموں کے سربراہوں میں سے تھے جو اسلام کی عمارت کو زمین بوس کرنے، عربوں پر مجوسیوں کا تسلط جمانے اور مجوسی حکومت کا دَور لانے میں کوشاں تھیں۔''

الغرض کبار علماء مصر میں سے شیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کے بقول:

''مساجد میں چراغاں کرنا سلف صالحین کے عمل میں شامل نہ تھا اور نہ اُن کے یہاں مساجد کی یوں تزئین کی جاتی تھی، بعد میں چراغاں کے ذریعے مساجد کو مزین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا گیا، حتیٰ کہ یہ سلسلہ رمضان المبارک کی تعظیم کا ایک لازمی جز بن گیا اور علمائے کرام کے ان امور پر نکیر نہ کرنے کے باعث عوام الناس میں یہ فعل جڑ پکڑتے پکڑتے عقیدہ ہی بن گیا ہے۔''[1]

یہ ہیں آتش بازی اور چراغاں کرنے اور مساجد کو بخور سے معطر کرنے کی تاریخ اور اسباب و محرکات! آفرین ہے مسلمانوں کی سادہ لوحی پر کہ مجوسیوں کی سازش کو اپنے لیے عبادت بنائے چلے آرہے ہیں اور شبِ معراج، شبِ براءت اور ماہِ رمضان میں اِن امور کو بجالانا اپنے لیے عظیم ثواب و سعادت سمجھتے ہیں۔ افسوس ہے اُن لوگوں کے تغافلِ مجرمانہ پر جو جانتے بوجھتے بھی اِن افعال و دسائس کے خلاف زبان تک کھولنے پر آمادہ نہیں، اللہ انھیں سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۵۹) کا مصداق بننے سے بچالے، جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾

[1] الإبداع (ص: ۲۸۹، ۲۹۰)

''جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ شبِ براءت کا ہم اہلِ سنت مسلمانوں سے کوئی تعلق ہے نہ حلوہ پکانے کی بدعت اور نہ نوافل پڑھنے کی رسم کا، اس بدعت کے موجد شیعہ رافضی حضرات ہیں۔ چودھویں شعبان ان کے بارھویں امام مہدی غائب کی پیدائش کا دن ہے، ان کی پیدائش کی خوشی میں رافضی لوگ حلوہ پکاتے، چراغاں کرتے اور پٹاخے وغیرہ پھوڑتے ہیں اور پندرھویں شب جسے شبِ براءت (بے زاری کی رات) کہا جاتا ہے، وہ اس میں مہدی منتظر کے نام عرضیاں لکھ کر دریاؤں میں ڈالتے ہیں۔ قرآنِ موجود سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے مہدی منتظر سے ان کا قرآن جلد لے کر آنے کی درخواست کرتے ہیں۔ رافضی حضرات نے اپنی اس رسم کو سنیوں میں پھیلانے کے لیے دندانِ مبارک کی شہادت کے افسانے پھیلائے، نیز ایسی احادیث جن کی اسناد میں غالی قسم کے روافض موجود ہیں، ان کے ذریعے اس شب کے محاسن عام کرا دیے، چنانچہ یہ بدعت روز بروز مسلمانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ پندرھویں شعبان کی عبادت اگر سنت ہے تو پھر آج بلادِ عرب میں یہ سنت کیوں موجود نہیں؟ یہ امر تو تعجب خیز ہے کہ جہاں سنت نے جنم لیا، وہاں اسے جاننے پہچاننے والا کوئی ایک بھی نہیں، لیکن برصغیر میں اس پر عمل کرنے والے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ویسے بھی آتش بازی کے ساتھ کسی دن یا تہوار کو منانے کا اسلام میں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں، بلکہ شرعاً یہ افعال قبیح و مذموم ہیں، کیونکہ ضرورت سے زیادہ کسی جگہ بھی روشنی کرنا اور لاتعداد شمعیں جلانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کھلا اِسراف وتبذیر اور صریح فضول خرچی ہے، جسے اللہ نے قرآنِ کریم میں ممنوع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے، جیسا کہ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۲۶، ۲۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾

''اور بے جا فضول خرچی نہ کرو، بے شک بے جا مال اُڑانے والے شیطان کے بھائی

[دوست وتابع] ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔‘‘

کیونکہ جو شخص اپنے مالکِ حقیقی کے دیے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے، وہ شیطان ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ سورت اعراف (آیت: ۳۱) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

’’کھاؤ اور پیو اور اڑاؤ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘

آتش بازی و چراغاں دینِ حق کے ساتھ ایک صریح اور بھونڈا مذاق ہے اور اپنے دین کو لہو ولعب یا کھیل تماشا بنا دینا عذابِ الٰہی کو آواز دینے والی بات ہے۔ قرآنِ کریم پڑھ کر دیکھیے کہ پہلی قوموں میں سے جن اقوام نے اپنے دین کو تماشا بنایا اُن کا کیا انجام ہوا اور انھیں کن کن عذابوں میں مبتلا کیا گیا؟ ہمیں اُن قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے، ورنہ عذابِ الٰہی کوئی دور نہیں ہے۔

اس سلسلے سورت انعام (آیت: ۷۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾

’’اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیں، جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے انھیں دھوکا میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعے سے نصیحت بھی کرتے رہیں تاکہ کوئی شخص اپنے کردار میں (اس طرح) پھنس نہ جائے، اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیے نہ ہو اور اگر وہ ہر ممکن چیز بھی فدیے میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے، کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجے میں پکڑے جائیں گے، ان کو اپنے انکارِ حق کے معاوضے میں پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب بھگتنے کو ملے گا۔‘‘

سورت اعراف (آیت: ۵۰، ۵۱) میں ایسے لوگوں کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾

''اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے، اسی میں سے کچھ پھینک دو، وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن منکرینِ حق پر حرام کردی ہیں، جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا ہے اور جنھیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) آج ہم بھی انھیں اُسی طرح بھلادیں گے جس طرح وہ اِس دن کی ملاقات کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔''

اِن آیات میں اقوامِ ماضیہ اور اممِ سابقہ کو جو وعیدیں سنائی گئی ہیں، ہمیں اُن سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے دین کو آتش بازی اور چراغاں وغیرہ سے کھیل تماشا نہیں بنا لینا چاہیے۔

تیسرا طریقہ: گھروں کی صفائی اور فوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ:

پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا تیسرا مروّجہ طریقہ یہ ہے کہ اس رات کے استقبال کے لیے گھروں کو صاف کیا جاتا ہے کہ فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اپنے بدن کی ہو، لباس و پوشاک کی ہو، یا گھر کی، یہ سب چیزیں اسلام میں مرغوب ومحبوب ہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو اسے جزوِ ایمان قرار دیا گیا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے، حتیٰ کہ ایک صحیح حدیث شریف کا جزوِ اوّل تو زبان زدِ خاص و عام ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''طہارت اور پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔''[1]

اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی کے ہر ماہ وسال اور شب و روز پر ہوتا ہے، تو پھر اس حکم کو صرف ایک رات کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے؟ پھر جمعہ وعیدَین کے دنوں میں اللہ و رسول اللہ ﷺ کو بطورِ خاص طہارت و پاکیزگی مطلوب تھی تو اُس کا الگ سے حکم موجود ہے، لیکن

[1] مختصر صحيح مسلم، رقم الحديث (١٢٠) مسند أحمد (٥/ ٣٤٢)

اِس رات کے استقبال کے لیے اس فعل کی بطورِ خاص کوئی دلیل نہیں، ہاں اگر مطلق حکمِ طہارت پر عمل پیرا ہونے کی مسلسل توفیق حاصل ہوتو حسبِ معمول اِس رات میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر تہوار سمجھ کر اور روحوں کی آمد کے عقیدے سے ہوتو پھر یہ عقیدے سراسر باطل ہے۔ قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، مرنے کے بعد کسی کی روح کا واپس آنا شعبان کی اس رات میں ممکن ہے اور نہ کسی دوسرے دن میں، بلکہ قرآنِ کریم، سورت مومنون (آیت: ۹۹، ۱۰۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے افعال سے باز نہ آئیں گے:

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کر دے گا کہ اے میرے رب! مجھے اُس دنیا میں واپس بھیج دے، اُمید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا جسے چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے، اب ان سب مرنے والوں کے پیچھے برزخ [پردہ] حائل ہے، جو دوسری زندگی کے لیے اٹھائے جانے کے دن [قیامت] تک رہے گا۔''

بعض لوگ تیسویں پارے کی سورۃ القدر کے الفاظ: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا﴾ [القدر: ٤] سے دھوکا کھاتے یا مغالطہ دیتے ہیں اور ان الفاظ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ''اس رات (لیلۃ القدر) میں فرشتے اور روحیں اُترتی ہیں۔'' رُوح سے مراد فوت شدگان کی روحیں نہیں بلکہ روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ (متعدد تراجمِ قرآن بشمول ترجمہ فاضل بریلوی)

پھر صرف اسی ایک آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح سے تعبیر نہیں کیا گیا بلکہ قرآنِ کریم کے دیگر متعدد مقامات پر بھی انھیں ''روح الامین'' اور ''روح القدس'' کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ سورت بقرہ (آیت: ۸۷ اور ۲۵۳) میں روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں، یا وحی الٰہی کا علم ہے، پھر سورت مائدہ (آیت: ۱۱۰) سورت نحل (آیت: ۱۰۲) سورت شعراء (آیت: ۱۹۳) سورت معارج (آیت: ۴) اور سورت نبأ (آیت: ۳۸) میں روح الامین اور روح سے مراد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

الغرض قرآنِ کریم میں جہاں کہیں بھی ''روح'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام ہی مراد ہیں نہ کہ فوت شدگان کی روحیں۔

چوتھا طریقہ: اجتماعی شکل میں زیارتِ قبور:

نصفِ شعبان کی رات کو منانے کا چوتھا طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

اِس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یوں تو کسی بھی دن یا کسی بھی رات مسنون طریقے سے قبرستان کی زیارت جائز ہے، بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی ترغیب دلائی ہے کہ یہ فکرِ موت و ذکرِ آخرت میں معاون ہوتی ہے، لیکن جب بہت سارے لوگ مل کر قبرستان میں جائیں گے تو ظاہر ہے کہ انھیں وہ عبرت حاصل نہیں ہوسکتی جو اکیلے شخص کے لیے ممکن ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غرض سے زیارتِ قبور کے لیے تشریف لے گئے تو اکیلے تھے، ''باجماعت'' نہیں تھے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو زیارت کے لیے اکیلے جائیں اور ہم ''باجماعت'' وہاں جانکلیں تو یہ اتباع نہیں ابتداع ہے، سنت نہیں بدعت ہے، باعثِ ثواب نہیں موجبِ عذاب ہے اور پھر نصف شعبان کی اس رات کی فضیلت کے پیشِ نظر بطورِ خاص زیارت کے لیے جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت بھی نہیں، اس سلسلے میں جو روایت بیان کی جاتی ہے، محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ خود امام ترمذی نے اس روایت کے بیان کرنے کو بعد ذکر کیا ہے کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے۔[1]

پانچواں طریقہ: نصف شعبان کا روزہ:

پندرہ شعبان کی رات المعروف ''شبِ براءت'' کو منانے کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو ذکر و عبادت کے لیے مخصوص کیا جاتا ہے اور سب سے زیادہ معروف طریقہ یہی ہے، لہٰذا آیئے پہلے دیکھیں کہ اُس دن کا جو روزہ رکھا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلے میں پہلے وہ باتیں مستحضر کرلیں جو ہم نے اس موضوع کو شروع کرتے وقت ذکر کی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا تخصیصِ یوم، اس ماہِ شعبان کے کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے اور جو شخص

---

[1] سنن الترمذي مع التحفة (٣/ ٤٤١) ضعيف سنن الترمذي (١١٩)

صومِ داودی [ایک دن روزہ اور ایک دن افطار] کا عادی ہو، وہ اس ماہ کے حسبِ معمول روزے رکھ سکتا ہے، اس میں چاہے پندرہ شعبان کا روزہ بھی ہو، چاہے رمضان سے ایک یا دو دن قبل کا روزہ بھی کیوں نہ آجائے اور وہ شخص جو ہر ماہ ایامِ بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتا آرہا ہے، وہ بھی بلا اختلاف اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ صرف پندرہ شعبان کا روزہ نہیں رکھے گا بلکہ ساتھ ہی تیرہ اور چودہ کا بھی رکھے گا اور وہ صرف ماہِ شعبان میں ہی ایسا نہیں کررہا، بلکہ وہ سال بھر کے تمام مہینوں میں مسلسل یہی عمل کرتا آرہا ہے۔

من گھڑت روایت:

علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَمْ أَجِدْ فِي صَوْمِ يَوْمِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِن شَعْبَانَ حَدِيْثاً صَحِيْحاً مَرْفُوْعاً" [1]

''نصف شعبان کے دن کے روزے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح سند والی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی مرفوع حدیث مجھے نہیں ملی۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صرف اکیلے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا بے بنیاد ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے۔'' [2]

ایک روایت بیان کی جاتی ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے:

''جب نصف شعبان کی رات آئے تو اس رات کو قیام کرو اور اس کے دن کو روزہ رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ اس رات غروبِ آفتاب کے وقت آسمانِ دنیا پر اتر آتا ہے اور فرماتا ہے: کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے کہ میں اسے رزق سے نوازوں؟ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسے عافیت بخش دوں؟ کیا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے کہ اس کی حاجت پوری کردوں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہوجائے۔'' [3]

علامہ البانی نے اسے ضعیف ہی نہیں بلکہ من گھڑت کہا ہے۔ [4]

---

[1] تحفة الأحوذي (٣/ ٤٤٤)

[2] اقتضاء الصراط المستقيم (ص: ٦٢٨)

[3] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٣٨٨)

[4] تحقيق مشكاة المصابيح (١/ ٤١٠)

چھٹا طریقہ: نصف شعبان کی رات کو قیام:

باقی رہا اس رات کو منانے کا چھٹا طریقہ یعنی رات کو قیام کرنا ،ذکر و اذکار میں مشغول ہونا اور ایک مخصوص نماز ادا کرنا، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ رات بہر حال عام راتوں کی نسبت قدرے فضیلت والی ہے، جس کا اندازہ متعلقہ روایات کے مجموعی مفاد سے لگایا جا سکتا ہے، ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا تو اندازہ ہوجاتا ہے مگر ان میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے اس طرف اشارہ ملتا ہو کہ اس رات میں تہوار منایا جائے، شبِ بیداری کا اہتمام کیا جائے اور مخصوص نمازیں ادا کی جائیں جیسا کہ آج کل رواج ہے۔

نصف شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں:

ماہِ شعبان کی درمیانی یا پندرھویں رات کو ایک مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے، جسے ”صلاۃ الخیر“ اور ”صلاۃ الألفیۃ“ بھی کہا جاتا ہے۔[1]

اس کے بارے میں کثیر محدثین ومجتہدین علما کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے اور یہ کہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد کی گئی۔

آگے بیت المقدس میں اس نماز کے آغاز کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

”نابلس سے ایک شخص ابن ابی حمراء بیت المقدس میں آیا جو بڑا خوش الحان قاری تھا، اس نے مسجدِ اقصیٰ میں یہ نماز پڑھانا شروع کی، پہلے پہل اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا، پھر دوسرا تیسرا چوتھا مل گیا اور نماز مکمل کرنے تک ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ مل گئی، وہی شخص آیندہ سال بھی آیا تو اس کے ساتھ ایک خلقِ کثیر نے نماز پڑھی اور اس کا چرچا مسجدوں اور گھروں میں عام ہوگیا اور پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آج تک اسے پابندی سے ادا کیا جا رہا ہے جیسے معافی کی دعا فرمائی وہ کوئی مسنون عمل ہو۔“

امام طرطوشی فرماتے ہیں کہ میں نے امام مقدسی سے پوچھا:

”کیا آپ نے لوگوں کو یہ نماز باجماعت ادا کرتے خود دیکھا ہے؟“ تو انھوں نے کہا:

---

[1] الإبداع للشيخ علی المحفوظ (ص: ٢٨٩)

ہاں، پھر اس پر اللہ سے معافی کی دعا فرمائی اور "أستغفر الله" کہا۔"[1]

ان کا یہ استغفار غالبًا اس بنا پر ہوگا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بدعت کو مروّج دیکھا مگر اسے روک نہ سکا۔ حافظ عراقی نے ''تخریج احیاء علوم الدین'' میں پندرہ شعبان کی رات والی اس نماز کے بارے میں وارد کی جانے والی روایت کے بارے میں لکھا ہے:

''نصف شعبان کی رات والی نماز کی حدیث باطل، [یعنی خود گھڑ کر نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کی گئی] ہے۔''[2]

امام شوکانی رحمہ اللہ نے من گھڑت حدیثوں کو اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے اور اُس میں مذکورہ سَو رکعت والی نماز (صلوٰۃ الالفیہ) پر مشتمل روایت کو انھوں نے جعلی وخود ساختہ قرار دیا اور اس کی متعدد اسانید ذکر کرکے اُن کے راویوں کے مجہول ہونے کی بنا پر انھیں من گھڑت کہا ہے۔[3]

اب مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس رات کو کسی خاص طریقے سے منانے کا ثبوت نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث ہی میں۔

نصف شعبان سے متعلق بعض احادیث:

ہم نے پندرہ شعبان کے بارے میں تفصیلات ذکر کردی ہیں کہ کیا ہونا چاہیے؟ مگر کیا ہو رہا ہے؟ اب ان ایام سے تعلق رکھنے والی صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے: نصف شعبان کے بارے میں پائی جانے والی بعض دیگر احادیث، چنانچہ ان میں سے ایک حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے السنۃ ابن ابی عاصم، صحیح ابن حبان، شعب الایمان بیہقی، تاریخ ابنِ عساکر اور معجم کبیر و اوسط طبرانی میں مرفوعاً مروی ہے، جس میں مروی ہے:

''اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہ شعبان کی رات اپنی مخلوق کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک و کینہ پَرور کے سوا سب کو بخش دیتا ہے۔''[4]

دَورِ حاضر کے معروف محدث شیخ البانی نے متعدد طرق نقل کیے ہیں اور ان کے مجموعے سے

---

[1] الإبداع للشيخ علی المحفوظ (ص: ٢٨٨)

[2] التحذير من البدع لابن باز (ص: ١٨)

[3] الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة (ص: ٥١٠۔ ٥١١)

[4] صحيح الترغيب، رقم الحديث (١٠١٦) الصحيحة، رقم الحديث (١١٤٤)

حاصل ہونے والی قوت کی بنا پر مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ اس رات کی کچھ فضیلت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا سابقہ ساری تفصیل کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص اس رات میں مطلق عبادت [نوافل و تلاوت] کر لیتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، جبکہ متعین اور مقررہ اشکال کی کوئی عبادت ثابت نہیں ہے۔

آج کل مسلمانوں میں عقیدہ وعمل کی خرابیاں عام ہیں، جو ان کی ذلت و اِدبار کی سب سے بڑی وجہ بھی ہے۔ جب تک مسلمان خالص قرآن مجید اور صحیح احادیث کے سرچشمہ صافی سے فیض یاب ہوکر اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح نہ کریں گے، تب تک وہ عزت وشرف اور عظمت و رفعت کے حصول میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دینِ اسلام میں عزت وعظمت کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے اور ہمیں خالص عبادات اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ عبادت وہ قبول ہوتی ہے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنتِ رسول ﷺ کے مطابق ہو، ان دو شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی فوت ہوجائے تو کوئی بھی عبادت یا نیک عمل قبول نہیں ہوگا، وہ چاہے کتنا بڑا عمل کیوں نہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، اسی لیے ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہماری ہر قسم کی عبادت رضائے الٰہی کے لیے ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں سنت کے مطابق ایسے اعمال کی توفیق سے نوازے جو ہمیں رحمت ومغفرتِ الٰہی کا مستحق بنا دیں۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. بدعاتِ رجب وشعبان۔ تالیف: الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
3. چند بدعات اور ان کا تعارف۔ مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی
تقدیم ونظرِ ثانی: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

نفاق اور منافقین کی علامتیں ①
(۱۔۱۵)

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الحج (آیت: ۳۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾

''سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ ہٹا دیتا ہے۔کوئی خیانت کرنے والا نا شکرا اللہ کو ہرگز پسند نہیں۔''

امانت میں خیانت کرنے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔[1]

نفاق ایسی خطرناک باطنی بیماری ہے کہ آدمی اس میں مبتلا رہتے ہوئے بھی احساس نہیں کر پاتا اور عام طور پر لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بسا اوقات آدمی اس کا شکار ہو کر بجائے مفسد کے اپنے آپ کو مصلح سمجھنے لگتا ہے۔

نفاق کی قسمیں:

نفاق کی دو قسمیں ہیں: نفاقِ اکبر اور نفاقِ اصغر۔ نفاقِ اکبر انسان کو ہمیشہ کے لیے جہنم کے انتہائی گہرے حصہ میں پہنچا دیتا ہے۔ نفاق اصغر کا حامل شخص مسلمانوں کے سامنے کسی دنیاوی لالچ یا دباؤ کی وجہ سے ظاہری طور پر اللہ، اس کے رسول، فرشتوں، کتابوں اور یومِ آخرت پر ایمان لاتا ہے، لیکن اندرونی طور پر اس سے عاری ہوتا ہے، یعنی دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت چھپائے رکھتا ہے، یہ نفاق اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ اور بدترین کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں منافقین کا پردہ فاش کیا اور ان کی قلعی کھول دی ہے اور اپنے بندوں پر ان کی حقیقت واضح فرما دی ہے، تاکہ وہ ایسی اور ایسی صفات سے محتاط رہیں۔

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (١٦)

① مومنین ② کفار ومشرکین ③ منافقین:

سورت بقرہ کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مذکورہ بالا تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ مومنین کے سلسلے میں چار آیتیں نازل فرمائیں اور کفار ومشرکین کے متعلق دو آیتیں، جبکہ منافقین کے سلسلے میں پوری تیرہ آیتیں نازل فرمائیں، کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہے۔ لوگ عام طور پر ان کی وجہ سے شر میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کو انھی سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور وہ ان کے لیے غیر معمولی خطرناک ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ اسلام کے وفادار اور اس کی نصرت ودعوت کے علمبردار تصور کیے جاتے ہیں، حالانکہ درحقیقت یہ ان کے شدید ترین دشمن ہیں اور ان کے خلاف مکر وفریب اور سازشوں میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں اور اپنی چھپی ہوئی عداوت و بغض کو نت نئے طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ عام آدمی تصور کر بیٹھتا ہے کہ وہ نشرِ علم اور اصلاحِ معاشرہ میں مصروف ہیں، حالانکہ وہ جہل وفساد پھیلانے میں سرگرم ہوتے ہیں۔

انھوں نے انھی سازشوں سے اسلام کے کتنے ہی مراکز تباہ و برباد کر دیے ہیں اور کتنے ہی قلعوں کی در و دیوار کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ اسلامی نشانات کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے اور کتنے اسلامی اصولوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کو ختم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ اسلام اور مسلمان ان کی سازشوں اور فتنوں کا شکار رہے اور برابر ان کی طرف سے مختلف قسم کے حملے ہوتے رہے جبکہ اپنی خام خیالی میں یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ وہ اصلاح اور عملِ خیر کر رہے ہیں۔

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴾

''جان لو! بلاشبہ وہی فساد کرنے والے ہیں، لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔''

یعنی جس کو یہ اصلاح سمجھتے ہیں، یہ تو عین فساد ہے، لیکن جہالت کی وجہ سے یہ سمجھتے ہی نہیں کہ یہ فساد ہے۔ سورۃ الصّف (آیت: ۸) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾

''اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اپنے نور کو پھیلا کر رہے گا، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

انھوں نے وحی الٰہی کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور اس سے ہدایت یاب نہ ہونے پر باہمی طور پر متفق اور متحد ہو گئے ہیں۔ سورۃ المومنون (آیت: ۵۳) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴾

''مگر بعد میں لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، اسی میں وہ مگن ہے۔''

سورۃ الفرقان (آیت: ۳۰) میں فرمایا ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ ''میری قوم اس قرآن کو چھوڑ بیٹھی۔''

انھوں نے قرآن کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے (نشانۂ تضحیک بنالیا ہے) ان کے دلوں سے ایمانی علامتیں مٹ چکی ہیں۔ جنھیں وہ اب جانتے ہی نہیں اور ان میں اسلامی جڑیں کمزور ہو چکی ہیں، جنھیں وہ دوبارہ تعمیر نہیں کرسکتے۔ ان حضرات نے اہلِ ایمان کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے، لیکن دل و دماغ میں گمراہی، کج روی اور مکر وفریب بھرا ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور وہ ہرگز مومن نہیں۔''

کیونکہ یہ ان کا محض زبانی دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا اصل سرمایہ دھوکا دہی اور مکر و فریب ہے، ان کی جمع پونجی دروغ گوئی اور خیانت ہے۔ وہ باطل طریقے سے کھانے پینے کی زبردست صلاحیت رکھتے ہیں اور دونوں فریقوں (مومنین و کافرین) کو خوش رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، اس طرح وہ دونوں کی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں، لیکن ان کی حقیقت کو سورۃ البقرہ (آیت: ۹) میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴾

''وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جو ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ شعور نہیں رکھتے۔''

اللہ تعالیٰ نے اسی سورت (آیت: ۱۰) میں ان کے دلوں کا حال بیان فرما دیا ہے:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

''ان کا دل (پہلے ہی سے) بیمار تھا، اللہ تعالیٰ نے انھیں اور زیادہ بیمار کر دیا اور جھوٹ بولنے کی سزا میں انھیں دکھ کی مار پڑے گی۔''

ان منافقین کے شکوک وشبہات کے پنجے جس شخص کی بھی ایمانی چادر میں پیوست ہوئے، اسے تار تار کر دیا اور ان کے فتنے کی چنگاریاں جس قلب وجگر تک پہنچیں، اسے جلا کر خاکستر کر دیا۔ جس کسی کے کانوں میں ان کے شکوک وشبہات والی باتیں پڑیں، ان کے دل سے ایمان و یقین اٹھ گیا، حاصل یہ کہ ان کے شر و فساد لا متناہی ہیں، جن سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں، کیونکہ ہر منافق کے دو چہرے ہوتے ہیں اور لوگوں سے ان کا معاملہ دورخی والا ہوتا ہے۔ ایک وہ چہرہ جس سے مسلمانوں سے معاملہ کرتا ہے اور دوسرا وہ رخ جس سے اپنی کافر برادری سے ربط و ضبط رکھتا ہے، اسی طرح اس کی دو زبانیں ہوتی ہیں، ایک وہ جس سے چرب زبانی کرکے مسلمان کو دھوکے میں رکھتا ہے، دوسری وہ جس سے اپنی خاص محفلوں میں اپنے اصل خیالات کا اظہار کرتا ہے۔

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾

''اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو (مسلمانوں سے) ہنسی مذاق کرتے ہیں۔''

ان منافقوں نے قرآن وسنت سے اعراض کیا، اس کے حاملین کا مذاق اڑایا، ان کو حقیر جانا اور اپنے نام نہاد علم پر گھمنڈ کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے الہامی احکام کو ماننے سے انکار کیا۔ ان کے ظاہری علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں اضافے سے سوائے تکبر میں اضافے کے انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہنسی مذاق کرتا ہے ان کو ڈھیل دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۶) میں ان منافقین کا حال اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے میں خرید لیا، پس نہ تو ان کی تجارت نے ان کو فائدہ پہنچایا اور نہ یہ ہدایت والے ہوئے۔''

ایمان کی روشنی تھوڑی دیر کے لیے ان کے سامنے چمکتی ہے جس کی روشنی میں ہدایت وضلالت کی جگہیں نمودار ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ روشنی بجھ جاتی ہے اور ایک آگ باقی رہ جاتی ہے جو لپٹ اور اشتعال سے بھرپور ہوتی ہے، وہ اس آگ سے دوچار رہتے ہیں اور ان تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

سورۃ البقرہ (آیت: ۱۷) میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال اس طرح دی ہے:

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴾

''ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں کچھ نہیں دیکھتے۔''

ان منافقوں کے قلوب مردہ ہو چکے ہیں، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے، ان کی زبانیں گنگ ہو چکی ہیں، نہ تو یہ ایمانی ندا و پکار کو سنتے ہیں، نہ قرآنی حقائق کو دیکھتے ہیں اور نہ حق بات کہتے ہیں، جیسا کہ سورۃ البقرہ (آیت: ۱۸) میں ان کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾

''بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں لوٹیں گے۔''

منافقوں کی علامات:

قرآن وسنت میں غور وفکر کرنے سے منافقوں کی کچھ علامتوں اور اوصاف کا علم ہوتا ہے اور ایمانی بصیرت رکھنے والے لوگ ان کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

① ریا کاری:

یہ انسان کی بدترین عادت ہے۔ منافقین سستی اور کاہلی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری سے جی چراتے ہیں۔ اخلاصِ عمل ان حضرات کے یہاں بار گراں ہوتا ہے۔

سورۃ النساء (آیت: ۱۴۲) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

''جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

② موقع پرستی:

منافقین کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان بے چین رہتی ہے، کبھی اِدھر کبھی اُدھر بھاگتی ہے اور کسی ایک گروہ کے ساتھ مستقل مزاجی سے نہیں ٹھہرتی۔ اسی طرح منافق دو گروہوں کے درمیان حیران و پریشان رہتا ہے، نہ تو اُدھر ہوتا ہے اور نہ اِدھر ہی کا رہتا ہے۔ وہ موازنہ کرتا رہتا ہے کہ کون زیادہ طاقتور ہے، جس سے اپنا رشتہ ناتا زیادہ استوار کرے۔ ان کی کیفیت یوں ہے:

﴿مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾ [النساء: ۱۴۳]

''کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اُس طرف، جسے اللہ نے بھٹکا دیا ہو، اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔''

③ گھات میں رہنا:

منافقین ہمیشہ مومنین کے نقصان کے درپے ہوتے ہیں اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ ان پر کوئی مصیبت آ جائے۔ اگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی حاصل ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں؟ پھر اس پر یقین دلانے کے لیے طرح طرح کی قسمیں کھاتے ہیں اور

اگر خدانخواستہ مسلمانوں کے دشمنوں کو فتح نصیب ہوتی ہے تو کافروں سے کہتے ہیں کہ ہمارے تمھارے تعلقات تو بہت مستحکم ہیں اور ہم ایک دوسرے کے قریبی رشتے دار بھی ہیں۔

④ چرب زبانی:

منافقوں کی شیریں کلامی اور نرم مزاجی کی وجہ سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، منافق اپنی دروغ گوئی اور افترا پردازی کو چھپانے کے لیے بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ حق گوئی کے وقت آپ انھیں خاموش دیکھیں گے اور دروغ گوئی کے وقت سرگرم۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس صفت کو سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۰۴) میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾

’’انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمنِ حق ہوتا ہے۔‘‘

⑤ فساد کرنا:

منافقین اپنے متبوعین کو ہر ایسے کام کا حکم دیتے ہیں جس سے لوگوں اور ملکوں میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو اور ہر اس چیز سے روکتے ہیں جس میں لوگوں کی دینی یا دنیوی بھلائی ہو۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ان میں کوئی شخص اہلِ ایمان کے بشانہ بہ شانہ نماز و ذکر اور زہد و جہاد میں نظر نہیں آئے گا۔

⑥ باہم مشابہ ہونا:

منافقین عادات و اوصاف میں باہمی طور پر ایک دوسرے سے مشابہ ہوتے ہیں۔ سبھی بری باتوں کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں اور اس کو خود کرتے ہیں اور اچھی چیزوں سے روکتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور غیر معمولی بخل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا انھیں اپنے احسانات ونعمتوں سے نوازا، لیکن یہ لوگ نعمتوں کے حصول کے بعد اس کے ذکر وشکر سے اعراض کرتے ہیں اور متعدد جگہوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے

مومن بندوں پر ان کے حالات کو کھول کر بیان فرمایا ہے، تاکہ وہ ان کے مکر وفریب سے محفوظ ہو سکیں۔ چنانچہ سورۃ التوبہ (آیت: ۶۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ کو خرچ سے روکے رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا، یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں۔''

⑦ قبولِ حق سے بے زاری:

اگر قرآن کی روشنی میں ان کے مابین فیصلہ کیا جائے تو وہ اس سے اظہارِ بیزاری کرتے ہیں اور اگر انھیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی طرف دعوت دی جائے تو وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے حقائق واسرار پر مطلع ہو جائے تو اسے پوری طرح اندازہ ہو جائے گا کہ وہ راہِ حق سے کتنے دور ہیں، اسی وجہ سے وہ وحی الٰہی سے بیزار نظر آتے ہیں۔ اس بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت ۶۱) میں یوں فرمایا ہے:

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے: اس طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اور رسول کی طرف (یعنی اللہ اور رسول کا حکم مانو، انھی کے حکم سے اپنے جھگڑے میں فیصلہ کرو)، تو منافقوں کو دیکھتا ہے کہ وہ رک کر منہ پھیر لیتے ہیں۔''

⑧ کفر کو ترجیح دینا:

یہ منافقین کیسے صلاح و فلاح سے مشرف اور ہدایت یاب ہو سکتے ہیں جبکہ ان کی عقل وفہم اور دین ومذہب بھی متاثر ہو چکے ہیں اور یہ کیسے گمراہی اور بربادی سے نجات پا سکتے ہیں جبکہ انھوں

نے خود ایمان کے بدلے کفر خریدا اور ان کی تجارت کتنے گھاٹے میں ہے جبکہ انھوں نے رحیقِ مختوم کے عوض جہنم کی آگ خریدی ہے۔

⑨ شکوک وشبہات کا شکار ہونا:

منافقین کے دل ودماغ طرح طرح کے شکوک وشبہات کے شکار ہوتے ہیں، وہ ان ہی میں غلطاں وپیچاں رہتے ہیں اور اس سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے، جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۶۳) میں فرمایا گیا ہے:

﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيغًا ﴾

’’اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، ان سے تعرض مت کرو، انھیں سمجھاؤ اور ایسی نصیحت کرو جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔‘‘

بربادی اور ہلاکت مقدر ہو ان منافقین کے! یہ لوگ حقیقتِ ایمان سے کتنے دور ہیں؟ تحقیق وعرفان کے دعوے میں کتنے جھوٹے ہیں؟ اس بدبخت جماعت کی حالت وکیفیت اتباعِ سنت سے سرشار لوگوں سے پوری طرح مختلف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس میں بہ نفس نفیس ایک عظیم الشان قسم کھائی ہے، اہلِ بصیرت اس کے مضمون سے واقف ہیں کیونکہ ان کے قلوب اس کی ہیبت اور تعظیم کی وجہ سے ڈرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو ان منافقین سے محتاط رہنے کی تاکید کرتے ہوئے سورۃ النساء (آیت: ۶۵) میں فرماتے ہیں:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

’’(اے نبی!) تمھارے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سرِ تسلیم خم کر لیں۔‘‘

⑩ کثرت سے قسمیں کھانا:

منافقوں کو اگرچہ نہ بھی ٹوکا جائے، تب بھی بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں، کیونکہ وہ بہ خوبی

جانتے ہیں کہ اہلِ ایمان ان کی چکنی چپڑی باتوں پر یقین نہیں کرتے، چنانچہ وہ سوے ظن سے بچنے کے لیے قسموں کا سہارا لیتے ہیں تاکہ ان کی حقیقت کھل نہ جائے۔ اسی طرح کمزور کردار کے مالک جھوٹ بولا کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں تاکہ سننے والا شخص یقین کرلے کہ یہ سچے ہیں، جیسے سورۃ المنافقون (آیت:۲) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾

''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، جس کی آڑ میں وہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور یہ لوگ بہت برا کام کر رہے ہیں۔''

اصل برائی یہ ہے کہ وہ خود دل سے نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے۔ صرف زبان سے دھوکا دینے کے لیے اظہار کرتے ہیں، یعنی جو وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تمھاری طرح مسلمان ہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، انھوں نے اپنی قسم کو ڈھال بنا رکھا ہے، اس کے ذریعے سے وہ آپ سے بچے رہتے ہیں اور کافروں کی طرح یہ آپ کی تلواروں کی زد میں نہیں آتے۔ سورۃ المنافقون کی (آیت:۴) میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثال کھڑی ہوئی لکڑی سے دی ہے:

﴿وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾

''اور (اے پیغمبر) جب تو ان منافقوں کو دیکھتا ہے تو ان کے ڈیل ڈول بھلے (خوشنما) لگتے ہیں اور وہ کوئی بات کریں تو ان کی بات (اچھی طرح) سنتا ہے، وہ (آدمی نہیں) لکڑیاں ہیں جو ٹیکا لگا کر رکھی جائیں، جہاں زور کی کوئی آواز ہوئی، وہ سمجھتے ہیں ہم للکارے گئے (اے پیغمبر) بڑے دشمن (تیرے) یہی لوگ ہیں، ان سے بچا رہ، اللہ کی مار ان پر، کدھر بہکے جا رہے ہیں؟''

⑪ ظاہری طور پر معزز ہونا:

ظاہری اور جسمانی طور پر باعزت وشریف معلوم ہوتے ہیں اور شریں بیان اور نرم کلام ہوتے ہیں لیکن درحقیقت انتہائی بد باطن وخبیث النفس ہوتے ہیں، ان کی مثال اس خوبصورت

دیوار پر لگائی ہوئی لکڑی کی طرح ہے، جو دیکھنے والوں کو تو بھلی لگتی ہے لیکن کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ مطلب یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے ہیں، جیسے دیوار کے ساتھ لگی ہوئی لکڑیاں ہیں جو کسی بات کو سمجھتی ہیں نہ جانتی ہیں۔ بزدل ایسے ہیں کہ کوئی زور دار آواز سن لیں تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر کوئی آفت نازل ہوگئی ہے یا گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا ہے، جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔

⑫ نمازوں کو تاخیر سے اور اکیلے ادا کرنا:

یہ منافقین نمازوں کو اول و افضل وقت سے تاخیر کرکے پڑھتے ہیں، چنانچہ فجر کی نماز طلوعِ شمس اور عصر کی نماز غروبِ شمس کے وقت پڑھتے ہیں، وہ بھی کوے کے ٹھونگے مارنے کی مانند جلدی جلدی ادا کرتے ہیں، لہٰذا یہ تو جسمانی نماز وعبادت ہوئی نہ کہ قلبی، اور لومڑی کی طرح حالتِ نماز میں ادھر ادھر دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ان کے تعاقب میں ہے، گویا وہ رحمتِ حق سے دور ہیں۔ وہ نمازوں کو مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا نہیں کرتے، بلکہ یہ لوگ نمازیں پڑھیں بھی تو دکان یا گھر میں ادا کرتے ہیں۔

⑬ جھوٹ ⑭ خیانت ⑮ اور وعدہ خلافی:

یہ لوگ لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے تو گالی گلوچ کرنے لگتے ہیں، جب وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی و غداری کرتے ہیں اور جب بات چیت کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں، جب ان کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت اور خرد برد کرتے ہیں۔[1]

ایسے لوگوں کی سزا سورت نساء (آیت: ۱۴۵) میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں سنائی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾

’’کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔‘‘ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ.

خیانت کیا ہے؟

امانت داری ان خصائلِ حمیدہ میں سے ہے جو شخص اس سے متصف ہو، وہ اپنے معاشرے

[1] صحيح البخاري، صحيح مسلم، صحيح الجامع، رقم الحديث (١٦)

کے ہر کس و ناکس کی نگاہ میں معزز سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے بہتر اجر ہے، یہی وجہ ہے کہ امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ اپنے ہر خطبے میں فرمایا کرتے تھے:

«لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ»[1]

''وہ شخص ایمان دار ہی نہیں، جس میں امانت داری کی صفت نہ ہو۔''

امانت میں خیانت ایک بدترین فعل اور موجبِ جہنم امر ہے۔

① خیانت کا دائرہ بڑا وسیع ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو مالی خیانت ہے جو عام طور پر معروف ہے کہ کسی کے پاس پیسے بطورِ امانت رکھے جائیں تو وہ کھا جائے ایک اور مالی خیانت یہ ہے کہ دو آدمی مل کر کوئی کام شروع کریں تو ان میں سے ایک پارٹنر دوسرے کو اندھیرے میں رکھ کر پرافٹ کی تقسیم کے علاوہ بھی کچھ مال مار لے۔ یہ خیانت اخروی انجامِ بد کے علاوہ تجارت میں بے برکتی اور گھاٹے کا سبب بنتی ہے، کیونکہ ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے:

«أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيْكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ»[2]

''میں دو پارٹنروں کے ساتھ تیسرا ہوتا ہوں، مگر یہ برکت تب تک رہتی ہے جب تک ایک ساتھی دوسرے سے خیانت نہ کرے۔''

② شرعی فرائض اور واجبات کو ادا نہ کرنا جو بندوں کے ذمے لگائے گئے ہیں۔ اللہ ورسول ﷺ کی نافرمانی اور معصیت بھی خیانت ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کرنے کے بارے میں سورۃ انفال (آیت: ۲۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾

''اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔''

③ اسی طرح انسان کے اعضائے جسم بھی اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں اور ان کا ناجائز

---

[1] مسند أحمد (٣/ ١٣٥)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٣٨٣)

اور غلط استعمال بھی خیانت ہے، جیسے جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، گالیاں بکنا، چغلی وغیبت کرنا اور حرام و بے ہودہ بات کرنا، زبان کی خیانت ہے۔ غیر محرم اور اجنبی عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو تاڑنا اور جن چیزوں کا دیکھنا شرعاً حرام ہے، انھیں دیکھنا آنکھ کی خیانت ہے۔ ہاتھوں سے انھیں چھونا اور تھام لینا ہاتھوں کی خیانت ہے۔ زنا کاری، نظر بازی، شراب خوری اور ڈکیتی وچوری کے لیے چل کر جانا پاؤں کی خیانت ہے۔ غیبت وچغلی اور فحش گانے سننا کانوں کی خیانت ہے۔ زنا اور لواطت کا ارتکاب کرنا شرمگاہ کی خیانت ہے۔ اپنے شوہر کو دھوکے میں رکھ کر غلط کاری کے لیے غیروں سے تعلقات جوڑنا شوہر کی خیانت ہے اور بازاری و غلط عورتوں سے میل جول رکھنا، اہلیہ پر ظلم و زیادتی کرنا اور اس کے حقوق ادا کرنے میں بخل سے کام لینا بیوی کی خیانت ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی غلام یا مزدور اپنے فرائضِ منصبی کو کما حقہ ادا نہ کرے اور اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی کرے جو حکومت، کمپنی یا کسی تاجر کی طرف سے اس کے ذمے لگائی گئی ہے تو یہ فرائضِ منصبی اور ذمے داری میں خیانت ہے۔ اپنے فرائضِ منصبی، ملازمت اور تجارت ولین دین میں کسی بھی طرح کی خیانت انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ کسی بھی ملازم کا پوری نہ دینا، کسی صاحبِ منصب کا اپنے فرائضِ منصبی سے سستی برتنا، کسی مالک کا مزدوری مکمل طور پر ادا نہ کرنا، یہ سب ذمے داریوں میں خیانت شمار ہوتی ہے۔ تجارت میں دو حصے داروں (partners) کا ایک دوسرے کو اندھیرے میں رکھ کر از راہِ خیانت منافع یا اس کا کچھ حصہ ہڑپ کر جانا بہت بڑی خیانت ہے۔ ذمے داری امانت ہے اور امانتوں کو ادا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ حکم فرمایا ہے، چنانچہ قرآن کریم، سورۃ النساء (آیت: ۵۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔''

سورۃ الانفال (آیت: ۵۸) میں امانت میں خیانت کی مذمت اس طرح فرمائی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾

''کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

آج اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے کر آپ بہ خوبی محسوس کر سکتے ہیں کہ خیانت اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ ہمارے معاشرے میں بری طرح حملہ آور ہو چکی ہے۔ مالی حقوق میں خیانت عام ہے۔ حقوقِ الٰہیہ میں خیانت کرنے، شرعی پابندیوں کو توڑنے اور فرائض و احکامِ الٰہیہ کو چھوڑنے کا نام آج کل ''روشن خیالی'' رکھا جاتا ہے اور احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہونے والوں کو رجعت پسند کہا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ پرانے خیالات کے لوگ ہیں، یہ نئے زمانے کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ عملی حقوق میں خیانت، اپنے فرائض اور ڈیوٹی میں کوتاہی اور اخلاص سے پہلو تہی کو ہوشیاری اور چالاکی سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسی ''روشن خیالی'' اور ہوشیاری و چالاکی سے محفوظ رکھے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. صفات المنافقین (اردو)۔ تالیف: امام ابن قیم الجوزیہ
4. اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

نفاق کی دیگر علامتیں ②

(۱۶۔۲۴)

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الرعد (آیت: ۲۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾

''اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔''

سابقہ نشست میں نفاق اور منافقین کا ذکر کیا جا رہا تھا، اب ہم اسی موضوع کو مکمل کرنے جا رہے ہیں، لیکن یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اگر انسان تھوڑی سی کوشش کرے تو وہ اپنی محنت کو جہاد و نماز کی طرح عبادت بنا سکتا ہے، مگر اس کے لیے چند شرائط کا التزام کرنا ضروری ہے۔ اگر ہر کوئی اپنے کام میں ان شرائط کی رعایت رکھے تو انسان کی معاشی زندگی کے تمام مراحل بھی عبادت بن سکتے ہیں۔

وہ شرائط کیا ہیں؟

① نیک نیتی، کیونکہ ہر کام کا دار و مدار نیتوں پر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ''اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔''[1]

نیت نیک ہوگی تو اجر وثواب بھی ہوگا، اور جس کام پر اجر وثواب ہوگا وہ تقرب الی اللہ کا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١)

ذریعہ اور ایک عبادت بن جائے گا۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کام اسلام کی نظر میں جائز ہو، جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی مشہور حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزہ کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔''[1]

③ تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی اپنے کام کو پورے خلوص و مہارت کے ساتھ مکمل کرے، کیونکہ صحیح مسلم، سنن اربعہ، مسند احمد اور دیگر کتبِ حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ نے ہر چیز کے ساتھ احسان وخلوص فرض کیا ہے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی کام سرانجام دے تو اسے حسن وخوبی کے ساتھ سرانجام دے۔''[3]

④ چوتھی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کام کی انجام دہی میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرے۔ کسی پر ظلم کرے اور نہ خیانت ہی سے کام لے، اسی طرح نہ دھوکا دہی وجعل سازی کرے اور نہ کسی کی حق تلفی کرے، کیونکہ ظلم کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور نہ اللہ کے رسول ﷺ اس کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم، سورت آل عمران (آیت: ۵۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے، ان کو اللہ پورا پورا صلہ دے گا اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔''

قرآنِ کریم کی طرح نبی اکرم ﷺ کی کثیر احادیثِ مبارکہ میں کسی پر بھی ظلم کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے، چنانچہ صحیح مسلم، الادب المفرد امام بخاری اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''ظلم و جور کرنے سے بچو، بے شک یہ ظلم روزِ محشر اندھیروں میں پھنسا دینے والا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث (٦٥)

[2] صحیح الجامع، رقم الحدیث (١٧٩٥) الإرواء (٢٢٣١)

[3] السلسلة الصحيحه، رقم الحديث (١١١٣) صحيح الجامع، رقم الحديث (١٨٩١)

بخل سے بچو، کیونکہ اس بخل نے تم سے پہلی قوموں کو تباہ کر دیا تھا اور انھیں اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور ایک دوسرے کی حرمتوں کو پامال کیا۔"[1]

ظلم کی مذمت کا ایک انداز یہ بھی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"مظلوم کی بد دعا سے بچو، اسے بادلوں پر اٹھایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

"مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے، میں تیری ضرور مدد کروں گا، اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔"[2]

دوسری حدیث مستدرک حاکم میں ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"مظلوم کی بد دعا سے بچو، اسے یوں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے جیسے کوئی شرارہ ہو۔"[3]

ایک تیسری حدیث مسند احمد میں ہے، جس میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"مظلوم کی بد دعا سے بچو، اگرچہ وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ مظلوم کی بد دعا کی راہ میں کوئی حجاب و رکاوٹ نہیں ہوتی۔"[4]

آمدم برسرِ مطلب:

بات امانت کی ہو رہی تھی، مطلب یہ کہ کام کرنا خصوصاً امورِ تجارت میں صدق و امانت سے کام لینے والے تاجر کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث شریف میں نبی ﷺ نے تجارت اور تاجر کا بڑا مقام بیان فرمایا ہے، انسان کو چاہیے، کہ تجارت اور مزدوری کے ساتھ ساتھ اپنے ایمان باللہ اور یقین کو قوی، خشیتِ الٰہی اور تقوے کو مضبوط اور زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھے، یوں وہ یقیناً ان لوگوں کی رفاقت کا مستحق ہو جائے گا جن پر اللہ نے انعامات کیے ہیں، جیسے انبیا، صدیقین اور شہدا ہیں۔[5]

غرض یہ کہ کاروبار میں دھوکا وفریب اور ملاوٹ نہ ہو۔ مگر آج یہ عالم ہے کہ ملاوٹ زوروں

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٥٧٨) الصحیحة، رقم الحدیث (٨٥٨)

[2] صحیح الجامع، رقم الحدیث (١١٧) الصحیحة، رقم الحدیث (١٦٨)

[3] صحیح الجامع، رقم الحدیث (١١٨،) الصحیحة، رقم الحدیث (٨٧١)

[4] صحیح الجامع، رقم الحدیث (١١٩)

[5] حلال اور حرام (ص: ١٨٤، ١٨٥)

پر ہے۔ بیماریاں بڑھ رہی ہیں، علاج کے لیے دوا لیں تو وہ بھی ملاوٹ اور دھوکے سے پاک نہیں ملتی، غرض ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ عیوب کو چھپانے کے لیے قسمیں کھاتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بازار میں غلام کے ہاتھوں کپڑا بیچنے کے لیے بھیجا۔ اس میں ایک تھان داغی تھا۔ غلام کو بتانا یاد نہ رہا۔ پتا چلنے پر خریدار کو تلاش کیا، مگر وہ نہ ملا، انھوں نے اس کاروبار کا سارا پیسہ صدقہ کر دیا۔ بعض تاریخی روایات سے پتا چلتا ہے کہ خریدار ملا جو ایک یہودی تھا۔ داغ کا پتا بتانے پر وہ مسلمان ہوگیا (سبحان اللہ!) سچ میں کتنی برکت ہے اور جھوٹ میں کس قدر بربادی؟!

⑯ گفتگو میں جھوٹ بولنا:

دنیا میں ذلیل ورسوا اور آخرت میں عذابِ جہنم میں مبتلا کرنے والے بدترین گناہ ''نفاق'' کی ایک علامت ''گفتگو میں جھوٹ بولنا'' ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جھوٹ وہ بلا خیز گناہ ہے جس کی بدولت معاشرے میں بے چینی، قلق واضطراب، فتنہ وفساد اور خون ریزیاں جنم لیتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جھوٹے آدمی کو کوئی بھی منہ نہیں لگاتا اور معاشرے میں اس کی ہر بات حتیٰ کہ اس کی ذات بے وزن ہوکر رہ جاتی ہے اور دینی اعتبار سے بھی اسے راہِ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔

جھوٹ اور دروغ گوئی کی بھی کئی قسمیں ہیں جن میں سے سب سے بدترین قسم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہے جو نہ صرف گناہ بلکہ سراسر کفر ہے، مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں چیز یا کام اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے اور فلاں کو حرام کیا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو یا اپنی بات کو محض وزنی بنانے کے لیے، اس کا چرچا کرنے یا اپنے کسی باطل طریقے یا نظریے کی ترویج واشاعت کرنے اور اس کا کھوٹ چھپانے کے لیے یہ کہا جائے کہ اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو گویا اس آدمی نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھا اور ان کی طرف جھوٹ منسوب کیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے سورۃ الزمر (آیت: ٦٠) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴾

''اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا، تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے

ہو رہے ہوں گے، کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے؟''

ایسے ہی سورۃ العنکبوت (آیت: ۶۸) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ﴾

''اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے (اس کا شریک ٹھہرائے) یا جب سچی بات (اللہ کی کتاب) اس تک پہنچے تو اس کو جھٹلائے، کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا دوزخ نہیں ہے؟''

جبکہ بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''

جھوٹ کی دوسری قسم یہ ہے، جس کے نتیجے میں کسی مسلمان یا ذمی کو مالی، ذہنی یا جسمانی تکلیف ہو یا اس کی عزت و آبرو کو ٹھیس پہنچے، مثلاً حکام یا افسرانِ بالا کو کسی شخص کے خلاف جھوٹ بول کر بھڑکایا اور اسے قید و بند، جرمانہ اور زدوکوب کرایا جائے یا جھوٹ بول کر اپنی عیب دار چیز کو بے عیب ظاہر کیا جائے یا اس کے دام بڑھانے کے لیے کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ یہ جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔

جھوٹ ہی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ اس سے کسی دوسرے کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنی بہادری ظاہر کرنے کے لیے الٹے سیدھے قصے بیان کرتا ہے اور حاضرینِ مجلس پر اپنی خوش طبعی کا سکہ جمانے اور انھیں ہنسانے کے لیے خواہ مخواہ جھوٹ بولتا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس جھوٹ کا عادی ہو جائے تو پھر یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں بخاری ومسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''کوئی آدمی بلا سوچے سمجھے ایک نا جائز بات کہہ دیتا ہے اور اتنا غور نہیں کرتا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، وہ حرام ہے۔ صرف اسی لگاتار عادت کی وجہ سے وہ جہنم میں اتنی دور جا گرتا ہے جتنی دوری مشرق ومغرب کے مابین بھی نہیں ہے۔''

ایسے ہی ارشادِ نبوی ہے:

''جھوٹ سے بچتے رہو، کیونکہ جھوٹ گناہ و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ و فجور جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔ بندہ مسلسل جھوٹ بولتا اور اس کی جستجو میں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ نے جھوٹ بولنے والے کی سزا یہ بتائی ہے:

''اس کے مرنے کے بعد لوہے کے ایک نوکیلے ہتھیار سے پہلے اس کی ایک باچھ گدی تک چیری جائے گی، پھر دوسری باچھ بھی اسی طرح چیری جائے گی۔ اتنے میں پہلی والی دوبارہ اپنی جگہ آ چکی ہوگی اور اسے پھر چیرا جائے گا اور یہ سلسلہ اور دردناک عذاب قیامت تک جاری رہے گا۔'' اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.[2]

⑰ غداری، وعدہ خلافی، عہد شکنی:

انفرادی یا اجتماعی سطح پر کیے گئے عہد و پیمان کو وفا کرنا اور نبھانا انسان کی بہترین صفات میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ایفاے عہد کا تاکیدی حکم دیا ہے، جیسا کہ سورت بنی اسرائیل (آیت: ۳۴) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾

''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتری ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے ضرور پرسش ہوگی۔''

ایفاے عہد کے خوگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں میں سے شمار کیا ہے جو قیامت کے دن نجات یافتہ اور جنت الفردوس کے وارث ہوں گے۔ سورت بقرہ (آیت: ۱۷۷) میں اللہ تعالیٰ نے ان سعادت مند افراد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٦٣٩) صحيح.

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٤٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٠٧)

حِيْنَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

''اور جب (کسی سے) کوئی اقرار کیا تو اس کو پورا کیا اور سختی اور تکلیف اور لڑائی میں صبر کیا یہی لوگ (ایمان واسلام کے دعوے میں) سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔''

اس کے برعکس عہد شکنی اور وعدہ خلافی نفاق کی علامتوں میں سے ہے اور نبی ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ہے:

《لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ》

''اس آدمی کا کوئی دین ہی نہیں جس میں ایفاءے عہد کی صفت نہیں۔''[1]

امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایفاءے عہد کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے گئے عہد و میثاق بھی آتے ہیں کہ جن چیزوں کو اس نے حلال کہا ہے، انھیں حلال سمجھا جائے اور جنھیں حرام قرار دیا ہے، انھیں حرام ہی سمجھا جائے اور فرائض کو ادا کیا جائے اور ان میں عہد شکنی نہ کی جائے۔[2]

عہدِ شکنی کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرعد (آیت: ۲۵) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ﴾

''اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے انھیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کے لیے لعنتیں ہیں اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔''

اسی ضمن میں مختلف ممالک میں عدمِ جارحیت وغیرہ کے معاہدے اور مختلف قبائل، برادریوں اور خاندانوں کے باہمی عہد و پیمان بھی آجاتے ہیں جن کی خلاف ورزی جھگڑوں اور فتنہ وفساد کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

ایسے ہی وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے واقعات منڈی مارکیٹ میں کاروبار کرنے والوں میں بھی رونما ہوتے ہیں، مثلاً ایک سودا طے ہوگیا، صرف مال اٹھوانا باقی ہے، اتنے میں کسی پارٹی سے

---

[1] مسند أحمد (۳/ ۱۵٤)

[2] الكبائر بتخريج محمد عبد الرزاق حمزه (ص: ۱۸۱) طبع الرياض ۱۹۸۵ء.

زیادہ قیمت ملنے کا اشارہ ملا تو پہلی پارٹی کو مال ہینڈ اُور کرانے کے بجائے معذرت کر کے ٹرخا دیا اور زیادہ پرافٹ کی خاطر دین بیچ کر پہلی پارٹی سے طے شدہ سودا توڑ دیا۔ عہد شکنی اور وعدہ خلافی کرنے والے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے، کیونکہ بخاری و مسلم کی ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے:

''قیامت کے دن تین آدمیوں کے مدِمقابل خود میں ہوں گا: ایک وہ آدمی جس نے میرا نام لے کر کسی سے عہد کیا، پھر عہد شکنی کی اور دوسرا آزاد کو بیچ کھانے والا اور تیسرا مزدور کی مزدوری نہ دینے والا۔''[1]

مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''قیامت کے دن غدر اور وعدہ خلافی کرنے والے کی علامت ایک جھنڈا ہوگا جو اس بات کا پتا دے گا کہ اس نے فلاں آدمی کے ساتھ غدر یا وعدہ خلافی اور عہدہ شکنی کی تھی۔''[2]

⑱ جھگڑے میں جھوٹ بولنا:

دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرنے والے ''نفاق'' کی ایک علامت نبی ﷺ نے ((وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) بھی بتائی ہے کہ ''وہ آدمی جب بھی کسی کے ساتھ جھگڑ پڑے تو گالی گلوچ اور جھوٹ بولے۔''

کذب بیانی اور چرب لسانی کے بل بوتے پر لوگوں کے مال و زمین پر نا جائز قبضہ جما لینے اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلنے والوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور نبی ﷺ کا وہ ارشاد یاد رکھنا چاہیے جس میں آپ ﷺ نے چالاکی اور چرب زبانی سے غلط فیصلہ کروا لینے والوں کو جہنم کی آگ حاصل کرنے والے قرار دیا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''تم لوگ اپنا جھگڑا میرے سامنے لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک شخص خوش بیانی کی وجہ سے دوسرے سے بہتر طور پر بات بتالے اور میں اس سے سننے کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں اور اس طرح اس کے بھائی کے حق سے کچھ اس کو کاٹ دوں تو اس کا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢١١٤)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠١٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧٣٥)

مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اس کو آگ (نارِ جہنم) کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے ایسے پُرفریب جھوٹ بولنے والے لوگوں کے بارے میں سورۃ البقرۃ (آیت: ۲۰۴) میں فرمایا ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾

"اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمھیں دلکش معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔"

ان کا یہ طریقِ کار تو اللہ کے بندوں کے ساتھ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ نمازوں میں کوتاہی و کاہلی وغیرہ کرتے ہیں۔ ان کے اوصاف کی مزید معرفت کے لیے سورۃ المطففین کی شروع کی آیتیں اور سورت طلاق کی آخری آیات دیکھی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی باخبر ذات سے بڑھ کر ان کے اوصاف صحیح طور پر کوئی نہیں بتا سکتا۔ سورۃ التوبہ (آیت: ۷۳) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ [التوبة: ٧٣]

"اے نبی! کفار اور منافقین دونوں کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، آخر کار ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔"

یہ لوگ تعداد میں کتنے بھی زیادہ ہوں لیکن درحقیقت اقلیت میں ہیں، خواہ کتنے طاقتور ہوجائیں لیکن بہرحال ذلیل وخوار ہیں اور کتنے بڑے ہی جاہل کیوں نہ ہوں لیکن اپنے آپ کو زبردستی علما کی صف میں شامل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اس کی عظمت وجلالتِ قدر سے یکسر جاہل و ناواقف ہیں۔ سورۃ التوبہ (آیت: ۵۶) میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴾

"وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں۔"

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٥٣٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٧١٣)

⑲ حسد وشماتت سے متصف ہونا:

ان منافقین کا حال یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو عافیت، نصرف اور فتح وغلبہ نصیب ہوتا ہے تو انھیں برا لگتا ہے اور وہ مارے حسد کے رنج وغم کا شکار ہو جاتے ہیں اور اگر مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آزمایش میں مبتلا ہو جائیں، تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ بنے اور انھیں اللہ برائیوں سے پاک وصاف کرے تو ان منافقوں کو غیر معمولی مسرت وخوشی ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾

[آل عمران: ۱۲۰]

”اگر تمھارا فائدہ ہو تو ان کو برا لگے اور جو نقصان ہو تو خوش ہوں اور اگر تم صبر اختیار کر لو اور ان (کی دوستی) سے بچے رہو تو ان کے فریب سے تمھارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا (اس لیے) وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔“

یہ طبیعت اور مزاج ان کو یہودیوں اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنانِ اسلام سے بطورِ وراثت ملا ہے۔ وہ دو طبقے ہرگز برابر ویکساں نہیں ہو سکتے جن میں سے ایک کی وراثت رسول اللہ ﷺ سے ملے اور دوسرے کی منافقین سے دستیاب ہو۔

⑳ تکالیفِ شرعیہ کا گراں گزرنا:

یہ لوگ احکامِ شرعیہ کو گراں تصور کر کے ان سے نفرت کرتے ہیں، ان کی بجا آوری سے عاجز ہوتے ہوئے انھیں سر سے اتار پھینکتے ہیں، سنتوں کی حفاظت ومداومت سے مایوس وبیزار ہو کر ان میں کوتاہی کرنے لگتے ہیں، قرآن وسنت کی نصوصِ صریحہ میں اپنے خود ساختہ قوانین کی بنیاد پر تحریف وتاویل کر کے انھیں مسترد کر دیتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کیا، ان کے اسرار کو آشکارا فرما دیا اور (کذب وخیانت اور غداری ونفاق) میں ان کو ضرب المثل فرما دیا اور بتلایا کہ جب ان کی کوئی جماعت ختم ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسرے لوگ لے لیتے ہیں جو عادات واخلاق میں اسی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کے شر وفتن سے محفوظ رکھنے کے لیے ان کے اوصاف کو سورت محمد (آیت: ۹) میں وضاحت سے بیان فرمایا ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ﴾

''کیونکہ انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے، لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔''

㉑ نفاق کو چھپانا اور اس کی پردہ پوشی کرنا:

ان لوگوں نے اپنی منافقانہ عادتوں کو چھپایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی چالوں اور چالبازیوں کی قلعی کھول دی اور ان کی ایسی ایسی علامات بیان فرما دیں جن سے ان کو اہلِ ایمان پہچان لیتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کفر و نفاق چھپا کر اور اسلام ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت ظاہر فرما دی ہے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۲۹، ۳۰]

''کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا؟ ہم چاہیں تو انھیں تم کو آنکھ سے دکھا دیں اور ان کے چہروں سے تم ان کو پہچان لو، مگر ان کے اندازِ کلام سے تم ان کو جان ہی لو گے، اللہ تم سب کے اعمال سے خوب واقف ہے۔''

قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا جب سب لوگ یکجا جمع ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ بندوں کے سامنے جلوہ افروز ہوگا اور اپنی پنڈلی کھول رکھی ہوگی اور لوگ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے، تو یہ منافقین (سجدہ) نہیں کر سکیں گے۔ سورت قلم (آیت: ۴۳) میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر ان الفاظ سے فرمایا ہے:

﴿ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ﴾

''ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلت ان پر چھا رہی ہوگی، یہ جب صحیح و سالم تھے، اس وقت انھیں سجدے کے لیے بلایا جاتا تھا (اور یہ انکار کرتے تھے)۔''

اس وقت ان کا کیا حال ہوگا؟ جب یہ پل صراط کی طرف لے جائے جائیں گے، جو بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز اور تاریک ترین پھسلنے والی جگہ ہوگی، جس کو لوگ نورِ ایمان کی روشنی میں پار کرسکیں گے جس سے انھیں چلنے کے لیے راستہ نظر آتا رہے گا، چنانچہ اس روشنی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا تو وہ اس کے مطابق ہی پار کرنے میں سہولت حاصل کریں گے۔

منافقین کو بھی اپنے روزے، نماز، حج اور زکات کی وجہ سے اہلِ اسلام کی طرح ظاہری طور پر نور دیے جائیں گے، لیکن پل صراط کے درمیان پہنچیں گے تو نفاق کی ایک آندھی ان کی روشنی کو بجھادے گی اور ان کے ہاتھوں کے سارے چراغ بجھ جائیں گے، پھر کیا ہوگا؟ حیران پریشان کھڑے رہ جائیں گے اور راستہ نہ دیکھ پائیں گے۔ پھر اچانک ان کے اور اہلِ ایمان کے مابین ایک دیوار حائل ہو جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کا وہ حصہ جو مومنین کی طرف ہوگا وہ رحمت و برکت والا ہوگا اور جو حصہ منافقین کی طرف ہوگا وہ عذاب و سزا والا ہوگا۔ سورۃ الحدید (آیت: ۱۳) میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت یہ مومنوں کو کہیں گے:

﴿ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ﴾

’’ذرا ہمیں موقع دیں تاکہ ہم تمھارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔‘‘

یعنی ہم لوگ بھی اس تنگ و تاریک رہ گزر سے پار ہوسکیں، کیونکہ ہماری روشنیاں بجھ چکی ہیں اور آج کے دن بغیر نورانی قندیلوں کے گزرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی آیت میں ہے کہ ان سے کہا جائے گا:

﴿ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ﴾ [الحدید: ۱۳]

’’کہا جائے گا: واپس چلے جاؤ اور نور تلاش کر لاؤ۔‘‘

چنانچہ وہ ایک دوسرے کو اپنی سابقہ دوستی اور ملاقاتوں کی یاد دہانی کروائیں گے اور اس کا حوالہ دے دے کر مدد طلب کریں گے، جس طرح ہم سفر رہنے والا ایک مسافر شخص اپنے دوسرے مقیم ساتھی سے سفری یادوں کو تازہ کرتا ہے اور پھر یہ منافقین کہیں گے:

﴿ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ [الحدید: ١٤] ’’کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے۔‘‘

ہم لوگ ایسے ہی روزے رکھتے تھے جیسا کہ تم لوگوں نے رکھے تھے، نماز بھی ایسے ہی پڑھتے تھے جیسا کہ تم لوگ پڑھتے تھے، تلاوتِ قرآن ایسی ہی کرتے تھے جیسی تم لوگ کرتے تھے اور

صدقہ وخیرات بھی اتنا ہی کرتے تھے جیسا تم لوگ کرتے تھے اور حج بھی تم ہی لوگوں کی طرح کرتے تھے، تو اس کے باوجود کسی چیز کی وجہ سے ہمارے اور تمھارے حالات میں فرق آ گیا ہے۔ آج تم لوگ پل صراط پر سے تیزی سے گزرے جا رہے ہو اور ہم رکے ہوئے ہیں اور ضیق و پریشانی میں پھنسے ہوئے ہیں، تو وہ مومنین اس کے جواب میں کہیں گے: ہاں، ہمارے اور تمھارے درمیان بڑا فرق ہے، وہ یہ کہ ''تم ہمارے ساتھ محض ظاہری طور پر شریکِ عمل رہتے تھے لیکن تمھاری ساری ہمدردیاں کافروں اور ظالموں کے ساتھ رہتی تھیں، تمھارا ان سے ہر طرح کا اتحاد و اتفاق تھا اور ان کے منصوبوں کی تعمیل و تکمیل میں ہمہ تن مشغول تھے۔

جیسا کہ سورۃ الحدید (آیت: ۱۴۔ ۱۵) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾

''مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا، موقع پرستی کی، شک میں پڑے رہے اور جھوٹی توقعات تمھیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ گیا اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمھیں اللہ کے معاملہ میں دھوکا دیتا رہا، لہٰذا آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنھوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا، تمھارا ٹھکانا جہنم ہے، وہی تمھاری خبر گیری کرنے والی ہے اور وہ بدترین جگہ ہے۔''

منافقین کے اوصافِ بد کا احاطہ کرنا تو بڑا مشکل ہے، جتنے اوصاف ہم نے آپ کے سامنے ذکر کیے ہیں، ان سے کہیں زیادہ چھوڑ دیے ہیں۔ گویا قرآنِ کریم کا بہت بڑا حصہ ان ہی کے متعلق نازل ہوا ہے، کیونکہ روے زمین پر ان کی تعداد کافی ہے اور مر جانے والے بھی کچھ کم نہیں۔ سر زمین کا کوئی حصہ ان کے وجود سے خالی نہیں، اگر یہ ختم ہو جائیں تو گلیاں سنسان ہو جائیں گی اور مسلمان راستے پر چلتے خوف و ہراس محسوس کریں گے اور معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک شخص کو یہ بددعا کرتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! منافقوں کو ہلاک و برباد کر دے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے میرے بھتیجے! اگر منافقین ہلاک ہو جائیں گے تو تم لوگ راستوں میں لوگوں کے کم ہونے کی وجہ سے دہشت اور خوف محسوس کرو گے۔''

امتِ اسلامیہ کے سلف صالحین رحمہم اللہ ہمیشہ مرضِ نفاق سے ڈرا کرتے تھے کیونکہ وہ اس کی تفصیلات اور مجملات کا علم رکھتے تھے، حتیٰ کہ بسا اوقات خود ان پاکیزہ نفوس حضرات کو اپنے اوپر بھی شبہہ ہوگیا کہ کہیں وہ اس مرض کا شکار تو نہیں ہوگئے، کیا وہ منافقین کی صف میں تو نہیں کھڑے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا میرا نام اس فہرست میں تو نہیں، جس کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے سلسلے میں فرمائی ہے؟ تو انھوں نے کہا: ہرگز نہیں، لیکن اب آپ کے سوال کے بعد میں کسی کی پاک دامنی کی گواہی نہیں دے سکتا۔

حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم نے تقریباً تیس ایسے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے ملاقات کی ہے، جو سبھی اپنے متعلق نفاق کا خدشہ محسوس کرتے تھے، ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا ایمان حضرت جبریل اور حضرت میکائیل رحمہما اللہ جیسا مستحکم ہے۔''[1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو مطمئن ہوگیا وہ منافق ہے اور جو ڈرتا رہا وہ مومن ہے۔''

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

''اے اللہ! میں آپ سے ''منافقانہ خشوع'' سے پناہ چاہتا ہوں۔''

ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ ''منافقانہ خشوع'' کیا چیز ہے؟ تو جواب میں فرمایا:

''جسمانی طور پر تو خوف وخشوع حاوی ہو، لیکن قلب اس سے عاری ہو۔''

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان لوگوں کے دل ودماغ ایمان ویقین سے لبریز تھے اور نفاق سے شدید خطرہ محسوس کرتے تھے اور اس سلسلے میں انتہائی فکر مندر رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسے نورِ بصیرت سے نواز دے۔ آمین۔ لیکن ان کے علاوہ بہت سے لوگ

---

[1] صحيح البخاري (١/ ٢٦)

ایسے ہیں کہ ان کا ایمان گلے سے بھی نیچے نہیں اترتا اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان ویقین کو حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام جیسا مستحکم سمجھتے ہیں۔

۲۲ بے حیا ہونا ۲۳ سنگ دل ہونا ۲۴ جھوٹی گواہی دینا:

ان منافقین کے قلوب خیر و بھلائی کی چیزوں سے مستغنی ہوتے ہیں اور جسمانی طور پر اس کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ بے حیائی ان کے یہاں عام ہوتی ہے، حق وہدایت کی باتوں کو سننے کے بعد ان کے دل پتھر ہو جاتے ہیں، جب فسق و فجور کی جگہوں پر حاضر ہوتے اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں تو دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور غیر معمولی کیف وسرور محسوس کرتے ہیں۔

نفاق اور منافقین کی یہ چند علامتیں اور صفاتِ بد تھیں جو ہم نے پیشِ خدمت کی ہیں، ہر مسلمان شخص ان صفات وعلامات اور خصلتوں سے بچنے کی کوشش کرے قبل اس کے کہ ہم اس میں مبتلا ہو جائیں۔

ایمان والوں کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، جیسا کہ سورۃ الاحزاب (آیت: ۷۰، ۷۱) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سیدھی (سچی) بات کیا کرو، تاکہ اللہ تمھارے کام سنوار دے اور تمھارے گناہ معاف فرما دے، جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔“

اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں فرما رہا ہے کہ ایسی بات نہ کرو جس میں کجی اور انحراف ہو، نہ دھوکا اور فریب، بلکہ سچ اور حق ہو، یعنی جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے تاکہ ٹھیک نشانے پر لگے، اسی طرح تمھاری زبان سے نکلی ہوئی بات اور تمھارا اخلاق وکردار راستی پر مبنی ہو، حق وصداقت سے بال برابر انحراف نہ ہو۔ یہ تقوے اور قولِ سدید کا نتیجہ ہے کہ تمھارے عملوں کی اصلاح ہوگی اور مزید توفیقِ مرضیات سے نوازے جاؤ گے اور کچھ کمی کوتاہی رہ جائے گی تو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں راہِ ہدایت عطا فرمائے، ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے اور ہمیں منافقین کی تمام خصلتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

مراجع درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. صفات المنافقین (اردو)۔ تالیف : امام ابن قیم الجوزیہ
4. اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

معوذتین کے فضائل وبرکات

سورۃ الفلق ...... ترجمہ وتفسیر

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورۃ الفلق میں ارشادِ الٰہی ہے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۝ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۝ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴾

''تو کہہ میں مخلوق کے رب کی پناہ پکڑتا ہوں۔ اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔''

ہمارا آج کا درس قرآنِ کریم کی ان دو سورتوں کے بارے میں ہے، جنھیں نبی مکرم ﷺ ہر نماز کے بعد اور رات کو سوتے وقت ضرور پڑھا کرتے تھے اور وہ ہیں معوذتین: ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

- قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلامِ پاک ہے۔
- یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ خالدہ اور خوشگوا زندگی کے لیے کامل آسمانی دستور ہے۔
- یہ قرآنِ کریم تمام جن وانس کے لیے ذریعہ ہدایت اور خزینہ رحمت ہے۔
- جو اس کے احکام پر عمل پیرا ہوا، اسے اللہ تعالیٰ عروج وترقی کی رفعتوں سے آشنا کرتا ہے۔
- قرآنِ کریم قلبی وروحانی اور جسمانی بیماریوں سے شفا کا باعث ہے۔
- قرآنِ کریم سیکھنے والے کے لیے جنت کی راہیں آسان کردی جاتی ہیں۔
- قرآنِ کریم زہریلے جانوروں کے زہر کا تریاق ہے۔

- یہ آسیب و مرگی اور نظرِ بد زائل کرنے کا تیر بہ ہدف نسخہ ہے۔
- یہ تعویذ گنڈوں، جادو ٹونوں اور شیطانی وساوس کا رحمانی علاج ہے۔
- ابلیسِ لعین سے انسان کو بچانے کے لیے یہ قرآن حارس (Guard) کا کام کرتا ہے۔
- یہ قرآنِ کریم حصولِ خیر و برکت کا دروازہ ہے۔
- یہ اللہ سے اپنی حاجات پوری کروانے کا ذریعہ اور فراوانیِ رزق کا باعث ہے۔
- یہ قرآن دنیوی و برزخی اور اخروی زندگی کی تمام مشکلات سے نجات کا سبب بھی ہے۔

لٰہذا ہر قسم کی پریشانی اور مشکلات سے بچنے کے لیے جو شخص قرآنِ کریم کی ان سورتوں کو پڑھے گا، اللہ رب العزت اسے شیطان کے شر سے کفایت کر دے گا اور یہ وہی دو سورتیں ہیں، جنھیں معوذتین کہا گیا ہے۔

① معوذتین کے فضائل و برکات:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معوذتین کا مطلب کیا ہے اور اس کے معنے کیا ہیں؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس، یہی وہ دو سورتیں ہیں جن کو معوذتین کہا گیا ہے اور معوذتین کے معنی ہیں پناہ دینے والیں۔ چونکہ ان دو سورتوں کے ذریعے پناہ مانگی گئی ہے جن، جادو اور حسد سے، نظرِ بد اور شیطان کے شر سے حفاظت، یعنی ہر قسم کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور ان سورتوں کا موضوع بھی یہی ہے۔

② جن اور نظرِ بد کا دم:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (معوذتین کے نزول سے پہلے اپنے الفاظ میں یعنی جب دعا کیا کرتے تھے تب) جنوں اور لوگوں کی نظرِ بد سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے، یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوگئیں۔ جب یہ نازل ہوگئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذریعے سے پناہ مانگنے کو اختیار فرمالیا اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں کو چھوڑ دیا۔''[1]

قرآنِ حکیم کی یہ دو سورتیں بہت زیادہ فضیلت کی حامل ہیں اور توحید کے بڑے عظیم نکات

[1] سنن ابن ماجه (٢/ ١١٦١) مشكاة المصابيح، رقم الحديث (٤٥٦٣)

اور بڑی باریکیوں کو واضح کرتی ہیں۔ اِنھیں دو سورتوں پر کتاب اللہ کا اختتام بھی ہوتا ہے اور اللہ رب العزت نے ان میں توحید کے بڑے جوہر بیان فرمائے ہیں، جنھیں کوئی صحیح عالمِ دین ہی پیش کرسکتا ہے۔

چنانچہ یہ دو سورتیں بڑی فضلیت والی سورتیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ قرآنِ کریم کی یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں ہیں، لیکن ان کی شان بہت بڑی اور ان کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ بعض سورتوں کا مرتبہ بتا دیا گیا اور بعض کا نہیں۔ مثال کے طور پر سورت اخلاص کا مقام بتا دیا گیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کے بارے میں فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ (سورت اخلاص) ایک تہائی قرآن کے برابر ہے (یعنی سورت اخلاص ایک بار پڑھنے سے دس پاروں کا اجر وثواب ملتا ہے)۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی مسجدِ قبا میں جماعت کرواتے تھے اور ہر نماز کی ہر رکعت کی قراءت میں سورت اخلاص کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ سے ان کی شکایت کی تو نبی اکرم ﷺ نے پوچھا:

''تم ہر رکعت میں اس سورت کو کیوں پڑھتے ہو؟'' اس نے کہا: ((اِنِّیْ اُحِبُّهَا)) ''مجھے اس سے محبت ہے۔'' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ))[2]

''اس سورت کی محبت کے عوض اللہ تعالیٰ نے تمھیں جنت میں داخل کر دے گا۔''

۳ بے نظیر اور بے مثل سورتیں:

رسول اللہ ﷺ کی ایک طویل حدیث حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

''اے عقبہ! اپنی زبان کو روک، اپنے گناہوں پر آنسو بہا اور اپنے گھر میں بیٹھا رہ۔''

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (١٢٦٩)

[2] صحيح البخاري مع فتح الباري (٢/ ٢٩٨)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عقبہ! کیا میں تجھے ایسی سورتیں نہ سناؤں کہ ان جیسی سورتیں نہ تورات میں نازل ہوئی ہیں، نہ زبور میں، نہ انجیل میں اور نہ فرقان (قرآن) میں۔ پھر فرمایا: سن! تجھ پر کوئی ایسی رات نہ گزرنے پائے جس میں تو یہ سورتیں نہ پڑھے:

1 ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ 2 ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾

3 ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾[1]

۴ بعض نصائحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نصیحتیں کیں۔ (وہ نصیحتیں بھی قابلِ غور اور قابلِ فکر ہیں اور خاص طور پر وہ ہمارے اس دور کی ضرورت ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱ اے عقبہ! تمھارے جو رشتے دار تم سے تعلق توڑیں تم ان سے تعلق جوڑو۔

۲ جو تمھیں محروم کریں، تم ان کو دو۔

۳ جو تم پر ظلم کریں، تم ان کو معاف کر دو۔

پھر واپس گئے تو فرمایا:

۴ اے عقبہ! اپنی زبان پر کنٹرول رکھو۔

۵ کوئی گناہ ہو جائے تو رویا کرو اور یہ رونا ندامت کی نشانی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ» ''گناہ پر ندامت توبہ ہے۔''[2]

۶ زیادہ سے زیادہ اپنے گھر میں رہنے کی کوشش کیا کرو، کیونکہ بازار فتنہ و فساد اور شر کے مراکز ہیں۔ یہاں بے مقصد گھومنے اور جانے کے بجائے زیادہ کوشش یہ کیا کرو کہ اپنے گھر رہا کرو۔

۷ ''اے عقبہ! یہ تین سورتیں ہر نماز کے بعد پڑھنا نہ بھولنا اور رات کو سوتے ہوئے بھی۔''

---

[1] مسند أحمد، سلسلة الأحاديث الصحيحة (۲۸۶۱)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۴۲۵۲)

وہ تین سورتیں: الاخلاص، الفلق اور الناس ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث میں ہے:

''جو شخص جمعے کے روز یہ سورتیں سات مرتبہ پڑھ لے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اللہ تعالیٰ اسے آیندہ جمعہ تک ہر نقصان سے محفوظ رکھے گا۔''

⑤ شیطان کے خلاف چوکیدار:

شیطان کے خلاف، شیطان کے شرکو دفع کرنے کے لیے اور اس کے مکر وفریب کو ٹالنے کے لیے یہ سورتیں حارس (چوکیدار) کا کام بھی دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''جو شخص ان سورتوں کو پڑھے گا، اللہ رب العزت شیطان کے شر سے اسے کفایت کردے گا۔''[1]

یعنی اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور شیطان کا شر، فساد اور اس کا مکر اسے لاحق نہیں ہوگا۔ اس لحاظ سے ان سورتوں کو بڑا عظیم مقام حاصل ہے۔

⑥ پناہ:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جحفہ اور ابواء (دو جگہوں کا نام) کے درمیان ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ اچانک ہمیں آندھی اور شدید تاریکی نے آلیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی شروع کر دی اور فرمایا:

''اے عقبہ! ان دونوں سورتوں کے ذریعے اللہ کی پناہ مانگو، کسی پناہ مانگنے والے کے لیے اس سے بہتر کوئی سورت نہیں۔''[2]

⑦ ہر مصیبت وتکلیف کا علاج:

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شدید بارش اور تاریکی کی رات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے نکلے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھائیں۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٢٤١)

[2] سنن أبي داود، مشكاة المصابيح بتحقيق الألباني، رقم الحديث (٢١٦٢)

نے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟'' میں نے کوئی جواب نہ دیا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہہ'' میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''کہہ'' میں نے پھر بھی کچھ نہ کہا، پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ ارشاد فرمایا: ''کہہ'' میں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا کہوں؟'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شام اور صبح کے وقت تین مرتبہ سورت اخلاص اور تین مرتبہ معوذتین پڑھو، یہ ہر مصیبت اور تکلیف سے بچنے کے لیے کافی ہوں گی۔''[1]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب بھی نبی ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو آپ ﷺ معوذتین یعنی سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور سورت اخلاص پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے۔''[2]

ترجمہ وتفسیر سورۃ الفلق:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ''کہہ دیجیے! میں پناہ پکڑتا ہوں رب الفلق کی۔''

﴿اَلْفَلَقِ﴾ صبح کے اجالے کو کہتے ہیں۔ یعنی اس رب کی جو روشنی اور صبح کے اجالے کا مالک ہے، میں اس پروردگار کی پناہ طلب کرتا ہوں۔ پناہ کس چیز سے طلب کرتا ہوں؟

﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ''اس کی مخلوقات کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہیں۔''

یعنی جو شر اُن میں موجود ہے، اللہ رب العزت سے، جو رب الفلق ہے، میں اس کی پناہ طلب کرتا ہوں ان مخلوقات کے شر سے۔

﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾

''رات اور تاریکی کے شر سے جب وہ تاریکی اور وہ اندھیری رات آجائے۔''

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ﴾

''اور میں اللہ رب العزت کی پناہ طلب کرتا ہوں، گرہوں میں پھونکیں مارنے والی عورتوں کے شر سے۔''

﴿فِی الْعُقَدِ﴾ یعنی گرہوں میں۔ یہ جادو کا عمل ہوتا ہے۔ گرہیں باندھ کر ان میں پھونکیں مارنا،

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٢٨٦١)

[2] سنن النسائي، رقم الحديث (٥٤٣٤)

شرکیہ منتر پڑھ کر پھونکیں مارنا، جادو باعثِ شر ہے، اس لیے یہاں ان کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾

''اور ہر حاسد کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جب بھی وہ حسد کرے۔''

اس سورت کے تین مرکزی نکتے ہیں:

① پناہ طلب کرنا۔ ② پناہ کس کی طلب کی اور پناہ دینے والا کون ہے؟

③ پناہ کس کس چیز سے طلب کی گئی ہے؟

جس سے پناہ طلب کی جائے وہ کون ہے؟:

اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ دنیا و آخرت کا نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کی مشیت کے بغیر کوئی کسی کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ دنیا و آخرت کے تمام نقصانات اور آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دے اور اپنے عمل کے ساتھ اس کی پناہ میں رہنے کے قابل بننے کی کوشش کرے، کیونکہ یہی نکتہ توحید ہے۔

اللہ رب العزت نے خاص طور پر اپنے پیغمبر کو ہر قسم کے نقصانات سے بچنے کے لیے تعلیم دی اور یہی اپنے پاک پیغمبر سے کہا کہ ﴿قُلْ﴾ ''آپ کہیں'' ﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ''میں رب الفلق کی پناہ پکڑتا ہوں۔'' اور فرمایا! دنیا والوں کو بتا دیں کہ میں بھی اللہ کی پناہ کا طلب کرتا ہوں اور محتاج ہوں۔ اللہ کی پناہ کے بغیر میرے لیے بھی کوئی چارہ کار نہیں اور نہ کوئی ٹھکانا ہی ہے۔

میرے اور آپ کے پاک پیغمبر حضرت محمد ﷺ صاحبِ شفاعت اور صاحبِ مقامِ محمود ہیں۔ اس کائنات میں سب سے افضل ہیں لیکن کسی تصرف کے مالک نہیں۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے اور دن رات اس میں مصروف رہتے تھے۔ ہمارے لیے بھی دن رات اللہ تعالیٰ سے پناہ کے طالب رہنے میں دنیا و آخرت کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ اللہ کی پناہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کی کوئی بھی ''سرکار'' ہمیں پناہ نہیں دے سکتی۔ اگر پناہ ہے تو صرف اللہ رب العزت کی پناہ ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ چھوٹے چھوٹے امور میں بھی اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ ایک دعا کیا کرتے تھے، جس کے الفاظ یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ»[1]

''یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، ہر فکر سے، غم سے، عاجزی و سستی سے، بزدلی سے، بخل و کنجوسی سے اور قرضے کے غلبے سے اور لوگوں کے قہر اور ان کے غلبے سے۔''

اللہ رب العزت کی تمام مخلوقات میں جو بھی شر ہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو، اللہ کے پیغمبر کو تعلیم دی گئی کہ ہر شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

پہلا امر:

اللہ رب العزت کی بے شمار صفات ہیں اس کا رحمٰن ہونا، اس کا رحیم ہونا۔ اس کا کریم ہونا یا اس کا رزاق ہونا، لیکن یہاں جس صفت کا ذکر کیا گیا وہ ہے:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ ''میں پناہ طلب کرتا ہوں صبح کے رب کی۔''

اس میں بڑا لطیف اشارہ موجود ہے کہ پناہ دینے والا صرف وہی ہے۔ جب رات نمودار ہوتی ہے تو اس کے دامن میں بڑے فتنے ہوتے ہیں، بڑے فساد ہوتے ہیں۔ رات اگر ہمیشہ رہے تو تم مصائب ومشکلات میں گھر جاؤ۔ اللہ رب العزت اگر رات کو ہمیشہ کے لیے مسلط کر دے تو تمھیں روشنی کون دے گا؟ ضیا دینے والا ایک رب ہی ہے جس کی صفت ہے: ربُّ الفلق۔ وہ خوف اور دہشت سے پناہ مانگنے والے کو امن دے سکتا ہے اور وہ صبح کا مالک ہے۔ سورج طلوع ہوتا ہے تو یہ شیطان کی ذریت اور یہ ارواحِ خبیثہ صبح کے اجالے کے ساتھ ہی چھپ جاتی ہیں تو یہ صبح لانے والی کون ذات ہے؟ اللہ رب العزت، اسی لیے تاریکی کے شر سے پناہ طلب کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

پناہ کس چیز سے طلب کی گئی ہے؟

شیطان اور اس کی اولاد، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ان میں سے پہلا امر ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ہے کہ ''اللہ رب العزت کی مخلوقات میں جو بھی شر ہے، اس شر سے پناہ طلب کرنا'' لیکن یہ شر اللہ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے اور نہ یہ اللہ کی کوئی صفت ہے، اگرچہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦١٠، ٢٦٧٨) صحيح مسلم، رقم الحديث (٤٨٥٦)

''اے اللہ! میں حاضر ہوں اور تجھ سے سعادت کا طلبگار ہوں اور ساری خیر تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے اور شر تیری طرف منسوب نہیں۔''[1]

تیرے پاس خیر ہی خیر ہے۔ اللہ رب العزت نے کئی مخلوقات پیدا کیں اور ان میں شر رکھا، ان میں اللہ رب العزت کی مصلحتیں ہیں، وہ حکمتیں جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ایک چیز بعض کے لیے شر ہے، وہی بہت سے لوگوں کے لیے باعثِ خیر بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یقیناً چور کے لیے یہ شر ہے، لیکن باقی دنیا اس کے ہاتھ سے راحت میں آجاتی ہے اور ان کے لیے اسی میں خیر ہے۔ وہ چور چوریاں کرتا تھا، اب لوگوں کے گھر محفوظ ہو گئے، لوگوں کے مال محفوظ ہوگئے، اللہ کی حد قائم ہوگئی۔ اس حد کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس قوم کو کتنا نوازے گا؟

سنن ابن ماجہ اور مسند احمد میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے:

''کسی زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایک حد قائم کر دی جائے۔ (یعنی چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے یا زانی کو سنگسار کر دیا جائے) یہ وہاں چالیس دن اللہ کی زمین پر رحمت کی بارش سے بھی زیادہ بہتر ہے۔''[2]

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو اتنی برکتیں دے گا کہ کسی زمین پر چالیس دن رحمت کی بارش رہے تو اس بارش سے وہ ثمرات حاصل نہیں ہوں گے جو ایک حد قائم کرنے پر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

تجارت کا گھاٹا، مختلف بیماریاں، یہ سب شر ہی ہیں۔ ان سے پناہ طلب کیا کریں۔ الغرض اس دنیا میں جو چیز شر ہوسکتی ہے، وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ہو ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ میں ہر شر آجاتا ہے۔

دوسرا امر:

﴿مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾

''(یا اللہ!) پناہ طلب کرتا ہوں شر غاسق سے جب وہ آجائے۔''

وہ غاسق (تاریکی) کیا ہے؟ یہ اندھیری رات ہے، جب یہ آتی ہے تو مختلف شر اپنے دامن میں لے کر آتی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

---

[1] صحیح مسلم، المسافرين (۲۰۱) سنن النسائي، الافتتاح (۱۷)

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (۲۵۲۷) صحيح الجامع، رقم الحديث (۱۱۳۹)

''غروبِ آفتاب کے وقت اپنے بچوں کو گھر میں روک لیا کرو، باہر مت جانے دیا کرو، کیونکہ جب سورج ڈوب جاتا ہے تو شیطان پھیل جاتے ہیں، پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو انھیں چھوڑ دو اور دروازے بند کر لو اور اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو، اس سے شیطان بند دروازے کو نہیں کھول سکتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنے مویشی، جانوروں اور چوپایوں کو باندھے رکھا کرو۔ جب تک رات کی سیاہی غائب نہ ہو جائے، اس وقت تک گھر کے دروازے بند کر لیا کرو۔ اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں۔ یہ تاریکی بہت سے فسادات کا باعث بن سکتی ہے۔ پھر اس تاریکی میں لوگ ایک دوسرے سے چھپ جاتے ہیں اور اسی اندھیرے میں خطرناک درندے کچھاروں سے اور موذی جانور اپنی بلوں سے باہر نکلتے ہیں، اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ تاریکی منبعِ فساد ہے۔ اس میں کوئی خیر کا پہلو نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں تمھیں چمک دار اور روشن دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں، اتنا روشن کہ اس کی رات بھی دن کی طرح سفید اور چمک دار ہے۔''

ہمارا دین نور ہے اور بڑا ہی عظمت والا ہے، اس میں بہت ہی برکتیں ہیں۔ اس لیے ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اندھیری رات بہت بڑے شر اور فتنوں کا منبع ہو سکتی ہے۔ اسی لیے یہاں رات کی تاریکی سے خاص طور پر پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

﴿ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ﴾

یا اللہ! ''اس تاریکی سے میں پناہ طلب کرتا ہوں جب وہ چھا جائے۔''

تیسرا امر:

﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ ''ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں کے اندر۔''

یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، اس سے مراد جادو کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں۔ یعنی اس میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ عام طور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٦٢٣)

پر وہ اس قسم کے کام رات کے اندھیرے میں کرتے ہیں اور جس پر جادو کرنا ہوتا ہے، اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کرکے جادوگر ان بالوں یا دھاگے پر پڑھ پڑھ کر پھونکتا جاتا ہے اور اس میں گرہ لگاتا جاتا ہے، اسی لیے کہا گیا: ﴿وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ﴾ یعنی خاص طور پر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے چونکہ یہ جادو کا عمل ہے۔

چوتھا امر:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾

''(اے اللہ!) میں حاسد کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جب بھی وہ حسد کرے۔''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا تَحَاسَدُوا...» ''حسد نہ کرو۔''[1]

حسد یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت یا خوبی یا فضیلت عطا کی ہو، اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے یا کم از کم اس سے ضرور چھن جائے۔ حسد کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ نبی مکرم ﷺ پر جادو اسی حسد کے سبب سے ہوا، یہود اور منافقین آپ کی اور مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور ظاہری جنگ وقتال کی وجہ سے آپ ﷺ کو غالب نہیں دیکھ سکتے تھے، اس لیے جادو کے ذریعے سے انھوں نے اپنی حسد کی آگ کو بجھانا چاہا۔ جادوگر طبقہ دنیا کا خبیث ترین طبقہ ہے یہ لوگ پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بال تک خبیث ہیں، ان کا ظاہر بھی پلید اور ان کا باطن بھی پلید ہے۔ یہ وہی طبقہ ہے، جنھوں نے نبی کریم ﷺ پر جادو کیا تھا، اللہ تعالیٰ برباد کرے ان یہودیوں کو اور ان کے شر سے سب مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ آمین

نبی اکرم ﷺ پر جادو کا واقعہ:

① سورت فلق کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ہر حاسد سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٧٣٤٢)

''(اے اللہ!) میں ہر حاسد کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں، جب بھی وہ حسد کرے۔''

رسول اللہ ﷺ کے جادو کا واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی اکرم ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو ۷ھ ہجری میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ آیا اور مشہور جادوگر لبید بن اعصم یہودی سے ملا جو انصار کے قبیلے بنو زریق سے تعلق رکھتا تھا اور منافق تھا۔ یہودیوں نے اس سے کہا کہ محمد ﷺ پر ہم نے جادو کرنے کی بہت کوشش کی ہے، لیکن کامیابی نہیں ملی، لہٰذا تم یہ تین اشرفیاں قبول کرلو اور محمد ﷺ پر جادو کردو۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس زمانے میں ایک یہودی لڑکا نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ کو اس پر بہت اعتماد تھا، لیکن اللہ کے نبی ایک بشر ہیں۔ عالم الغیب نہیں، کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے اس لڑکے کا باطن کیا ہے اور ما فی الضمیر کیا ہے؟ اللہ کے پیغمبر ﷺ نہیں جانتے۔ چنانچہ لبید بن اعصم نے اس سے ساز باز کرکے نبی اکرم ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کرلیا، جس میں آپ ﷺ کے کچھ بال بھی تھے، اس نے ان بالوں پر گیارہ گرہیں لگائیں اور ان کو لپیٹ کر جادو کا عمل کیا، پھر موم کے ایک پتلے پر سویاں چبھو کر ایک بڑی بدترین جگہ جہاں کھجوروں کے درخت تھے، ایک کنویں میں جس کا نام ''بئر ذروان'' تھا، اس میں دفن کردیا گیا۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ پر جادو ہوا اور اللہ کے پیغمبر ﷺ کی اس جادو کی وجہ سے کیفیت یہ تھی کہ ایک کام سمجھتے تھے کہ میں نے کرلیا ہے، حالانکہ نہیں کیا ہوتا تھا۔[1]

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

''اللہ کے پیغمبر جادو کے نتیجے میں اپنی عورتوں، یعنی اپنی بیویوں سے ہم فراش ہونے سے روک دیے گئے اور کھانے کی اشتہا وطلب سے روک دیے گئے اور پانی کی طلب سے روک دیے گئے۔''

یعنی وہ جادو آپ ﷺ کے صرف تین اعمال پر ہوا۔ بیویوں سے ہم فراشی، کھانا اور پینا، باقی نماز روزہ، حج وعمرہ، نوافل، تہجد، قرآن کی تلاوت، وحی کو لینا، وحی کا ضبط، وحی کا حفظ اور وحی کی تبلیغ؛ ان میں سے کوئی چیز متاثر نہیں ہوئی تھی۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٧٦٣ـ ٥٧٦٥)

اللہ کے پیغمبر اللہ کے رسول ﷺ تھے، لیکن دوسری طرف ایک بشر بھی تھے۔ ہر وہ کیفیت اور ہر وہ تکلیف یا ہر وہ مشکل جس کا شکار ہر بشر ہوسکتا ہے، اللہ کے پیغمبر ﷺ بھی اس کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ پر بیماری بھی آتی تھی، تکلیفیں بھی آتی تھیں۔

② بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة: ٦٧]

''اللہ آپ کو لوگوں سے بچا کر رکھے گا۔''

تو اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو اس جادو کے عمل سے کیوں نہیں بچایا؟

یہ کہنے والے کون تھے؟ مشرکین اور یہودی...!

یہ بات درست ہے کہ اللہ بچانے والا ہے۔ اپنے پیغمبر ﷺ کو بچاتا ہے اور بعض امور میں وہ اپنے پیغمبر کو مبتلا بھی کرتا ہے، کیونکہ اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے اور اللہ کی حکمتیں پیغمبر کی آزمائش ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ))[1]

''سخت ترین تکلیفیں تو نبیوں پر آتی ہیں، اس کے بعد ان پر جن کا درجہ نبیوں کے بعد، پھر جن کا ان کے بعد ہے۔''

اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ تکلیفیں اور پریشانیاں اللہ کے نیک بندوں پر ہی آتی ہیں اور ان پر صبر کرنے سے اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند کرتا ہے۔ بہرحال اس جادو کے اثر سے آپ ﷺ کو تکلیف رہنے لگی، پیغمبرِ رحمت ﷺ پر چھے مہینے تک یہ کیفیت رہی۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ آپ کو کیا مرض ہے؟ کیا تکلیف ہے؟ بالآخر اللہ کے پیغمبر ﷺ کے پاس عیادت کے لیے دو فرشتے (آدمی کی شکل میں) حاضر ہوئے ان میں سے ایک آپ ﷺ کے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا آپ ﷺ کے پاؤں کے پاس، ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا:

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کیا تکلیف ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا:

''فلاں شخص جو آپ ﷺ کے پاس آتا جاتا تھا، اس نے آپ ﷺ پر گرہیں باندھ کر

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٩٩٣ تا ٩٩٦)

جادو کیا ہے اور فلاں انصاری کے کنوئیں میں (اشیا) ڈالی ہیں۔ اگر آپ ﷺ کسی آدمی کو بھیجیں جو گرہ شدہ دھاگے وہاں سے نکالے تو (جادو کے اثر سے) وہ اس کنوئیں کا پانی زرد پائے گا (اس کے بعد) حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ کو معوذتین پڑھنے کی ہدایت کی اور بتایا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنویں میں دفن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی اور کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیجا۔ بعد میں آپ ﷺ خود بھی تشریف لے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے وہ کھجوریں دیکھیں، یوں لگتا تھا کہ وہ کھجوریں شیطانوں کے سر ہیں اور نیچے پانی اتنا گدلا اور بدبودار جیسے مہندی کا پانی ہوتا ہے۔ بالآخر کنویں میں پتھر کے نیچے سے وہ غلاف برآمد کرلیا گیا، اس سے قبل یہ دوسورتیں اتار دی گئیں، ان دوسورتوں کی گیارہ آیتیں ہیں۔سورۃ الفلق کی پانچ آیتیں اورسورۃ الناس کی چھ آیتیں۔ یہ گیارہ آیتیں اور گرہیں بھی گیارہ ہی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ ایک آیت پڑھتے، ایک گرہ کھل جاتی ۔ دوسری پڑھی تو دوسری کھل گئی۔ تیسری آیت پڑھی تو تیسری کھل گئی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے جب گیارہ آیتیں مکمل کرلیں تو جادو کی گیارہ کی گیارہ گرہیں کھل چکی تھیں۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اللہ کے پاک پیغمبر ﷺ اس طرح آرام و راحت میں آگئے جیسے کسی کو رسی میں جکڑا ہوا ہو اور رسی کو کھول دیا جائے تو وہ شخص آرام محسوس کرتا ہے، اس طرح اللہ کے پیغمبر ﷺ کا بدن راحت میں آگیا اور آپ ﷺ بالکل شفایاب ہوگئے۔" [1]

جادو کا عمل ان دوسورتوں کی برکت سے ختم ہوگیا۔ہمیں بھی چاہیے کہ ان سورتوں پر پابندی کریں۔ممکن ہے ہر دوسرے گھر میں یہ جادو داخل ہو اور لوگ یہ کفر کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں۔ جادوگر بھی کافر اور جادو کروانے والا بھی کافر ہے اور جادو کو جادو کے ذریعے ختم کرنے اور کروانے والے بھی کافر۔ [2]

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (١٠/ ٢٤٣) سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، رقم الحديث (٢٧٦١)

[2] دیکھیں: سورة البقرة مع التفسير (آیت: ١٠٢)

لٰہذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حارس (چوکیدار) عطا فرمایا۔ اللہ کے نبی ﷺ کو اس حارس کے ذریعے شفائے کامل دے دی گئی۔ یہ وہی دو سورتیں ہیں، لٰہذا ہمیں بھی تعویذ گنڈوں، جنات و جادو، نظرِ بد، حسد، یعنی ہر شر سے بچنے کے لیے ان سورتوں کے ذریعے اللہ سے پناہ طلب کرنی چاہیے۔

① ان سورتوں کے آخر میں حسد کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے، جو دین داری کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ بڑا موذی مرض ہے۔ یہ دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور اللہ رب العزت دل کی صفائی چاہتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کرو۔ دل کو ہر قسم کے بغض اور ہر قسم کے حسد سے پاک و صاف کرو۔ حاسد کے دل میں جو حسد آتا ہے، وہ شر کا باعث بن سکتا ہے اور بعض اوقات یہ شر اس کی آنکھوں کے ذریعے محسود تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کو ''نظرِ بد'' کہتے ہیں۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلْعَيْنُ حَقٌّ)) ''نظرِ بد حق ہے۔''[1]

نظر لگ جاتی ہے۔ اس کا اثر لاحق ہو جاتا ہے۔

② حسد کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص جہالت، تنگ دستی، کمزوری یا پریشانی وغیرہ میں مبتلا ہے اور وہ اس شخص کے حق میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کی یہ حالت تبدیل ہو اور اللہ تعالیٰ اس پر فضل فرما کر ان مصائب سے اس کو نجات دے اور اس کو اپنی رحمت کا حقدار بنائے۔

نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں آہستہ آہستہ پہلی امتوں کا مرض، حسد اور بغض سرایت کر گیا ہے۔ آپس میں بغض رکھنا مونڈنے والا مرض ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سر کے بالوں کو مونڈ دیتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے (یعنی دین کو ختم کر دیتا ہے)، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ایمان لائے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور تم تب تک ایماندار بھی نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔''

آگے فرمایا:

''کیا میں تمھیں ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو تمھیں محبت پر قائم رکھے؟'' پھر فرمایا: ''آپس

[1] صحيح الجامع، رقم الحديث (٤١٤٦، ٤١٤٧)

میں سلام کو عام کرو۔"[1]

لہٰذا حاسد کے تمام طرح کے شرور سے بچاؤ کے لیے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھیں۔ ان دونوں سورتوں کی کثرت سے تلاوت کیا کریں، جیسا کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی تعلیم ہے۔ اللہ رب العزت ان سورتوں کی برکت سے ہمیں اور آپ کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ان شاء اللہ

خشیتِ الٰہی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عمل:

اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے امر اور نہی کو بجا لانا ضروری ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، تو ایسے شخص کا خود اللہ تعالیٰ نگہبان اور متولی ہوتا ہے اور اس کو دوسرے کے حوالے نہیں کرتا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ﴾ [آل عمران: ١٢٠]

"اگر تم صبر کرو، استقلال اور تقویٰ اختیار کرو تو ان حاسد کافروں کی سازشیں تمھیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

"اگر تم اللہ تعالیٰ کا خیال رکھو گے تو تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو گے تو وہ تمھارا نگہبان ہوگا۔"[2]

اللہ پر توکل:

اللہ پر بھروسا رکھنا، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتا ہے وہ اس کو تمام مہمات سے بے فکر کر دیتا ہے۔ اگر مخلوق کی طرف سے ہمیں کوئی ایسی تکلیف پہنچے جس کو ہم اپنی قوت اور اپنی طاقت سے رفع نہیں کر سکتے تو ایسی حالتوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا اور اس کی نصرت کا امیدوار رہنا کامیابی اور فتح مندی کا مضبوط ترین سبب ہے، کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ [الطلاق: ٣]

"جو شخص اللہ پر توکل کرلے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔"

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٥١٠)

[2] صحيح الجامع، رقم الحديث (٣٤ ٧٨)

پھر یہ شر، یہ فتنے، یہ جادو اور یہ موذی امراض اسے کوئی نقصان نہیں دے سکیں گے، کیونکہ اللہ اس کے لے کافی ہے۔ اپنے دل کو حاسد کے ساتھ مشغول نہ رکھے اور اسے اس کے بارے میں کچھ سوچنے سے بالکل بچایا جائے اور اگر اس قسم کا کوئی خطرہ دل میں پیدا ہو تو اسے مٹانے کی فکر میں مصروف ہو، بلکہ اس کی طرف التفات اور توجہ تک نہ کرے، کیونکہ اس کے شر کو رفع کرنے کا زبردست علاج یہی ہے۔

حسد ایک آگ ہے جس کے لیے ایندھن کی ضرورت ہے اور جب محسود ایسا عمل اختیار کرے جس سے اس کو مطلق ایندھن نہ ملے تو اس کے شعلے خود حاسد کو بھسم کر ڈالیں گے اور محسود اس سے محفوظ رہے گا۔

اپنی توجہ کو نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے پر مرکوز رکھے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اخلاص سے اس حد تک معمور کر دے کہ جہاں پر خواطرِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی کا گزر ہوا کرتا تھا، وہاں پر اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے لیے اخلاص اور اس کی خوشنودی کی طلب لبالب بھری ہو۔

بے شک جب دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے اخلاص نے گھر کر لیا ہو تو ان کا نگہبان خود اللہ پاک ہو جاتا ہے اور وہ دشمن کے تسلط سے محفوظ رہتے ہیں۔ آدمی کو اپنے گناہوں سے تائب ہونا چاہیے، کیونکہ دشمن کے مسلط ہونے کا سب سے بڑا سبب انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ [الشوریٰ: ۳۰]

''اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے، وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کا کسب وعمل ہے۔''

انسان اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر ڈالے اور ان سے تائب ہو کر اپنے اعمال کی اصلاح میں مشغول ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت اور اس کی نصرت فرمائے گا۔

شر سے بچنے کے لیے صدقہ وخیرات کریں۔ بلا، مصیبت، نظرِ بد اور حسد کا شر دفع کرنے میں اس کا اثر حیرت انگیز ہوتا ہے۔ صدقہ دینے والے اور نیکی کرنے والے اشخاص نظرِ بد اور حسد کے شر سے محفوظ رہتے ہیں، اس کا صدقہ اور احسان ایک قلعہ ہے، جو اس کا محافظ ہوتا ہے۔

صدقے سے انسان کی تکلیفیں اور مشکلیں ٹل جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اپنے بیماروں کا علاج کرو صدقے کے ذریعے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہمارے صدقے کو قبول کرلے گا تو ہمارے بیماروں کو شفا دے گا اور ان سے شرور کو ٹال دے گا۔ ہم یہ طریقہ جب اپنائیں گے تو وہ شخص جسے آپ سے عداوت ہے، وہ اچھے برتاؤ کی برکت سے آپ کا گہرا دوست بن جائے گا اور اس کا شر آپ سے ختم ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر قسم کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. صحیح البخاری (جلد: ٦)
3. تفسیر معانی القرآن الکریم۔ — دار السلام۔ لاہور
4. تفسیر احسن البیان۔ — فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
5. معوذتین کے فضائل و برکات۔ — تالیف: انجینئر شاہد ستار۔ تقدیم وتہذیب: ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
6. فضائل قرآن مجید۔ — تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی

[1] صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث (٣٣٥٨)

سورۃ الناس ... ترجمہ وتفسیر
اور جنات و جادو کا علاج

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ [سورۃ الناس]

’’(اے پیغمبر ﷺ) کہہ دے میں پناہ میں آیا لوگوں کے مالک کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے خدا کی۔ اس وسوسے ڈالنے والے چھپ جانے والے کی بدی سے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔‘‘

تین صفاتِ الٰہی اور اقسامِ توحید:

سورۃ الناس بظاہر ایک چھوٹی سی سورت ہے، لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات مذکور ہیں۔ اس میں پوری توحید آگئی ہے اور اس نے توحید کی تمام (تینوں) اقسام اور تمام نکات کو اپنے دامن میں سمو لیا ہے۔

① توحیدِ ربوبیت:

﴿رَبِّ النَّاسِ﴾: یہ توحیدِ ربوبیت ہے۔ اللہ رب العزت پوری کائنات کا مالک و خالق ہے اور کائنات پر اسی کا امر اور اسی کا تصرف چلتا ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، سب اسی کے حکم سے ہو رہا ہے اور چونکہ یہ مقامِ پناہ ہے تو اللہ کی صفتِ ربوبیت ذکر کر دی گئی کہ جو رب الناس ہے، وہ تم کو پناہ دینے، تمھارے شر کو ختم کرنے اور تم کو آسایش، امن وسلامتی اور سکون عطا فرمانے پر قادر ہے، کیونکہ وہ ﴿رَبِّ النَّاسِ﴾ ہے۔

۲ توحیدِ اسما وصفات:

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ یہ توحیدِ اسما وصفات ہے کہ وہ ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ہے۔ تمام لوگوں کا بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ ''مَلِكُ الْمُلُوْكِ. مَلِكُ الْاَمْلَاكِ'' یہ اللہ کی صفت ہے۔ دنیا کے بادشاہ جن کے پاس کچھ بھی نہیں، وہ بھی بعض وقت پناہ دیتے ہیں لیکن وہ ایک عارضی امر ہے، جبکہ آپ نے پناہ کی درخواست کی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تو مالک ہے، احکم الحاکمین ہے، جیسا کہ سورۃ الملک (آیت: ۱) میں ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ [الملك:۱]

''برکتوں والی ہے، وہ ذات جس کے ہاتھ میں کل کائنات کی بادشاہت ہے۔''

اللہ نے اپنی اس صفت کا خاص طور پر ذکر کیا تاکہ اللہ سے پناہ طلب کرنے والے مطمئن ہو جائیں کہ جس ذات کی پناہ ہم طلب کرنا چاہتے ہیں، وہ مالک ہے، وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ قیامت کا دن ہوگا، یہ زمین اور آسمان اللہ کی انگلیوں پر اچھل رہے ہوں گے۔ اللہ ان کو ہلا رہا ہوگا اور فرما رہا ہوگا:

«اَیْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟» ''زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

«اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ؟» ''بڑے بڑے سرکش کہاں ہیں؟''

«اَیْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ؟» ''تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟''

اللہ تعالیٰ تو زبردستوں کا زبردست اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اے اللہ کی پناہ طلب کرنے والے جس ذات کی تو پناہ طلب کرنا چاہتا ہے وہ ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ہے۔ وہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ کل کائنات کی بادشاہت اور حکومت اس اللہ کے ہاتھ میں ہے، تو وہی پناہ دے گا، لہٰذا اسی سے پناہ طلب کر، وہی پناہ دے گا، پھر دنیا کی کوئی طاقت کوئی شر کوئی فتنہ تمھیں نقصان نہیں دے سکے گا۔

۳ توحیدِ الوہیت وعبادت:

﴿اِلٰهِ النَّاسِ﴾ وہ تمام لوگوں کا معبود ہے۔ یہ توحیدِ الوہیت یا توحیدِ عبادت ہے، اس کا خالق ومالک ہونا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ جو خالق ہے وہی معبود ہوتا ہے۔ سورۃ البقرہ (آیت: ۲۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ﴾

’’اے لوگو! عبادت کرو اس رب کی جو تمھارا خالق ہے۔‘‘

وہ خالق ہے، دوسرا کوئی خالق نہیں، تو خالق ہی عبادت کے لائق ہوتا ہے اور ہر قسم کی عبادت بھی اسی کے لیے ہے۔ ان عبادات میں سے ایک عبادت ’’استعاذہ‘‘ بھی ہے، پناہ مانگنے کی عبادت۔ اللہ کی پناہ کی طلب کرو، وہی پناہ دینے والا ’’مستعاذ بہٖ‘‘ (جس کی پناہ مانگی جائے) ہے۔

یہاں مستعاذ منہ (جس سے پناہ مانگی جائے) کیا ہے؟ مستعاذ منہ ﴿شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾

’’اس وسوسے ڈالنے والے چھپ جانے والے کی بدی سے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ جنوں اور انسانوں سے۔‘‘

سورت فلق اور سورت ناس کا موازنہ:

دنیا میں شر کی دو ہی بڑی قسمیں ہیں۔ ایک ذنوب اور معاصی کا شر۔ دوسرا مصائب اور تکالیف کا شر۔ سورۃ فلق میں مصائب اور تکالیف کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، یعنی جن، جادو، نظرِ بد اور ہر قسم کے شر سے اور سورۃ ناس میں ذنوب اور معاصی کے شر یعنی گناہوں اور نافرمانیوں کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ جس کا اصل ہمیشہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے، لیکن انسان کو اس کے اثرات روکنے کا اختیار حاصل ہے اور آدمی اس پر غالب آ سکتا ہے۔

وسوسہ کیا ہے؟

اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ’’وسواس‘‘ کے متعلق بتلایا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کو چوکا لگاتا ہے۔ اس وقت اگر وہاں اللہ کا نام لیا گیا ہو تو وہ بھاگ جاتا ہے، ورنہ بچے کے دل پر جم جاتا ہے۔[1]

شیطان نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے جس کو شیطانی وسوسہ کہا جاتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، قبل الحديث (٤٦٩٣)

شیطان کا وسوسہ تمام گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جڑ ہے اور یہ وسوسہ ایک ایسا شر ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور اس کا تعلق انسان کے اپنے اختیار سے ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کا بھی وہ خود ذمے دار ہے، کیونکہ شیطان کا وسوسہ اس وقت تک کچھ بھی شر نہیں پیدا کرتا جب تک آدمی خود اس کو قبول نہ کرے اور اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ سورت ابراہیم (آیت: ۲۲) میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَا کَانَ لِیَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَ لُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ﴾

’’(شیطان کا قول ہے) اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا، ہاں میں نے تمھیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا، پس (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔‘‘

وسوسے کے علاوہ شیطان کے دوسرے شر:

① وہ چور بھی ہے اور لوگوں کے مال چراتا ہے، وہ اس طرح کہ جس کھانے یا پینے کی چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ ذکر کیا جائے، اس سے اپنا حصہ چرا لینے میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے، اسی طرح جس گھر میں لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں، وہ اس گھر میں شب باش ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو کہتا ہے: آجاؤ یہاں کھانا بھی ملے گا اور رات گزارنے کی جگہ بھی...!

② ایک شر اس کا یہ ہے کہ جس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس سے گناہ کراتا ہے، پھر خود ہی اس کا پردہ فاش کر کے لوگوں میں اس کو ذلیل و رسوا اور بدنام کرتا ہے۔ بسا اوقات ایک شخص پوشیدہ طور پر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، جس سے کوئی بھی آگاہ نہیں ہوتا، لیکن وہ دیکھتا ہے کہ دوسرے دن اس کی خبر چاروں طرف پھیل گئی ہے اور لوگوں کا موضوعِ سخن اسی کا گناہ ہے۔ یہ تمام شیطان کی کارستانی ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ستار ہے، اپنے بندے کے گناہوں اور اس کے عیوب پر پردہ ڈالتا ہے، لیکن شیطان جو اس کا دشمن ہے، اس کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے، بہت سے لوگ اس نکتہ سے بے خبر ہیں۔

③ شیطان کا ایک شر یہ بھی ہے کہ انسان کوئی نیکی کا کام کرنا چاہے تو وہ اس کا راستہ روکتا ہے اور اس کو نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

دنیا میں جتنی بھی نیکیاں ہیں، ہر ایک نیکی کے راستے پر شیطان بیٹھا راستہ روک رہا ہے اور اس کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس راستے پر کوئی نہ چلے اور اگر کوئی اس کی مخالفت کر کے چل پڑے تو وہ رہزن کی طرح اس کو تشویش میں ڈال کر اور اس کے سامنے ہر قسم کی رکاوٹ لا کر اسے آخر تک پہنچنے نہیں دیتا، لیکن اگر کوئی خوش قسمت اور باہمت انسان نیکی کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کو ایسی باتوں پر آمادہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے، جس سے اس کا وہ عمل برباد ہو جائے، کیونکہ اس نے قسمیں کھا کر کہا تھا جس کا ذکر قرآن کریم میں کچھ اس طرح ہے:

﴿لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾

[الأعراف: ۱۵، ۱۷]

''یقیناً میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا اور پھر ان کا راستہ روکنے کے لیے ان کے آگے کی طرف سے اور ان کے پیچھے کی طرف سے اور ان کی دائیں جانب سے آ کر اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی کوشش کروں گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو ان میں سے اکثر کو ناشکر گزار پائے گا۔''

④ شیطان کا ایک شر یہ بھی ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو وہ اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے جو اس کے تہجد کے لیے اٹھنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات کو سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ فسوں بھی پھونک دیتا ہے کہ سو جا، ابھی رات بہت باقی ہے۔ پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرنے لگا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر (فرض یا نفل) پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے۔ اس طرح صبح کے وقت آدمی چاق چوبند اور خوش مزاج رہتا ہے، ورنہ بد باطن رہتا ہے۔''[1]

بندہ سو رہا ہے اور اس کا ابدی دشمن اس کو گمراہ کرنے کے پروگرام بنا رہا ہے تا کہ اس کو اس

[1] اللؤلؤ و المرجان (ص: ٤٤٤)

کے دین سے گمراہ و غافل کر دے۔ جو بندہ اٹھا، وضو کیا اور نماز پڑھی تو وہ نشیط اور چاق و چوبند ہوگیا اور اگر وہ نہ اٹھا، نہ اللہ کا ذکر کیا، نہ وضو کیا اور نہ نماز پڑھی، ویسے ہی نہایا، خوشبو لگائی اور اپ ٹو ڈیٹ صاف ستھرا بن کر دفتر کے لیے گاڑی میں جا رہا ہے تو ایسے آدمی کے لیے اللہ کے نبی اقدس ﷺ کا فرمان ہے:

«اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ» ''وہ کسلان وسُست ہے اور خبیث النفس بھی۔''

انسان سو رہا ہوتا ہے اور دشمن اپنی کاروائیاں کر رہا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! اس نے وسوسے کے ذریعے ہمارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صحیح بخاری ومسلم، سنن ترمذی ونسائی اور مسند احمد کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا:

«اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ» ''نکال لو جہنم کا گروہ۔''

یعنی جہنمیوں کو نکال کر جہنم میں ڈال دو، پوچھا جائے گا کہ اے اللہ! «بَعْثُ النَّارِ» کیا ہے؟ جہنم کی جماعت کہاں ہے؟ جہنم کی فوج کہاں ہے؟ تو اللہ فرمائے گا:

«مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعُمَائَةٍ وَتِسْعٌ وَّ تِسْعِيْنَ»

''ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنمی ہیں (اور صرف ایک جنتی)۔''

⑤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوانا بھی اسی شیطان کی کارستانی تھی کہ اہلِ بابل کو اس پر آمادہ کیا کہ رئیس الموحدین ابو الانبیاء حضرت خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں پھینک دیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کی حمایت کی اور کافروں کے شر سے انھیں محفوظ رکھا اور فرمایا:

﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ [الأنبياء: ٦٩]

''اے آگ! ابراہیم کے حق میں ٹھنڈی اور سلامتی کا موجب ہوجا۔''

⑥ اسی طرح اس نے یہودیوں کو ورغلایا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے لیے جدوجہد کریں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنے فضل وکرم سے ان کے شر سے محفوظ کر لیا اور فرمایا:

﴿ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ﴾ [النساء: ١٥٧]

''انھوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو صلیب دینے میں کامیاب ہوئے بلکہ ایک شبہے

میں ڈال دیے گئے۔“

⑦ یہ شیطان ہی کے کرتوت تھے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہم السلام کو کافروں کے ہاتھوں شہید کرایا۔ فرعون کو خدائی کا دعویٰ کرنے بلکہ زمین سخت فساد پھیلانے اور غریبوں پر مظالم ڈھانے پر آمادہ کیا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کافروں کو اکسایا کہ ان کے قتل کی سازش کریں اور ان کی رسالت کو ناکام بنانے کے لیے ان کے ساتھ لڑائیاں لڑیں، لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ان دوسورتوں (معوذتین) کی تلاوت کے ذریعے اس کے وسواس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ»[1]

”شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح جاتا ہے۔“

یہ انسان کو ورغلانے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے، لہٰذا اس سے تحفظ کے لیے اس حارس کو اپنائیے جو شیطان کے وسواس سے بندوں کو بچا سکے۔

شیطانی شر کی اقسام:

اگرچہ ہر قسم کا شر جو دنیا میں موجود ہے، اس کی ابتدا شیطان سے ہے، اس لیے شر کی قسموں کا شمار کرنا قدرے دشوار ہے، لیکن ان میں سے چھ بڑی بڑی قسموں کا ہم مختصر ذکر کریں گے اور وہ ہمیشہ انسان کو انھیں میں سے کسی ایک میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

① کفر و شرک:

سب سے بڑا گناہ شرک و کفر ہے، جس کا نتیجہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی ہوتی ہے، اس کی عقوبت آخرت میں ابدی جہنم ہے۔ شیطان سب سے پہلے انسان کو اسی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

② بدعت:

اگر پہلی قسم میں وہ کامیاب نہ ہو تو پھر وہ آدمی کو بدعت کی طرف بلاتا ہے جس کی بنیاد مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، اس لیے اس کا درجہ شرک اور کفر کے قریب ہے، لہٰذا بدعت کی طرف بلانا

[1] صحيح البخاري (٤/ ٣٢٦)

شیطانِ لعین کا مرغوب اور پسندیدہ مشغلہ ہے اور جب اس کوشش میں وہ کامیاب ہوتو وہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے خلفا کی تعداد میں ایک اور کا اضافہ کرلیا ہے۔

③ کبائر:

اگرکسی کو اللہ تعالیٰ نے سنت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشی ہوتو شیطان کا تیسرا داؤ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو کبائر کے ارتکاب پر آمادہ اور اس میں مبتلا کر دے اور اگر وہ شخص عالم ہے اور لوگ اس کو قابلِ اقتدا سمجھتے ہیں تو شیطانِ لعین کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کو پھسلا دے، تاکہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں اور اس کے فیضِ صحبت سے جو تھوڑا بہت فائدہ ہو رہا تھا، اس کا دروازہ بند ہوجائے۔ جب وہ بدقسمتی سے گناہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اس (شیطان) کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کو لوگوں میں شہرت دے اور عوام میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی جو ابلیس کے نائب بن کر اس عالِم کی لغزش کومشہور کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ پاک میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [النور: ۱۹]

”جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں میں مومنوں میں بری بات مشہور ہو جائے، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

④ صغائر:

اگر شیطان کو اس کوشش میں بھی مایوسی ہو اور وہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب پر بھی کسی کو مائل نہ کر سکے تو وہ صغائر گناہ کرانے پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ صغائر بھی جمع ہو کر کبیرہ کی طرح انسان کی ہلاکت کا باعث ہوسکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

”حقیر گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی قوم بیابان میں اتر پڑے اور ان میں سے ہر ایک جا کر جنگل سے ایک ایک لکڑی کا ٹکڑا اُٹھا لائے۔ یہ ٹکڑے جمع کر کے ایک بڑی آگ مشتعل کی جا سکتی ہے۔“ (یہ حدیث بالمعنی بیان کی گئی ہے)

⑤ مباحات:

شیطان کے شر کی پانچویں قسم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صغائر کا بھی ارتکاب نہیں کرتا تو وہ اس کو

ایسے مباحات (جن کے کرنے نہ کرنے میں ثواب و عذاب نہیں) میں مشغول کر دیتا ہے، جن میں مشغول رہ کر انسان ثواب کے کاموں سے محروم رہتا ہے اور جن کا ثواب باوجود قدرت کے کھو بیٹھنا نقصانِ عظیم ہے، شیطان کو اس سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ وہ کسی کو ثواب اور درجات کے حاصل کرنے سے محروم کر دے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں شیاطینِ جن و انس اور ان کے ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

جنات و جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنا کفر ہے:

جادو کا علاج جادو کے ذریعے یا کفریہ اور شرکیہ کلمات سے کرنا حرام اور گناہ کا کام ہے، اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ جادو کرنا کفر اور جادو کرنے والا کافر ہے اور جادوگر کی سزا قتل ہے۔ لیکن گذشتہ چند برسوں سے یہ وبا اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اس کے کفریہ عمل ہونے کی کسی کو پروا نہیں رہی، جبکہ جادو کا تعلق شیاطین و جنات سے ہوتا ہے، لہٰذا جادو کے اثرات زائل کرنے کے ساتھ ساتھ ہی ہم آپ کو جنات وشیاطین کے بارے میں بعض اہم معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں۔

جنات کی پیدائش:

جنات آگ سے پیدا کی گئی لطیف مخلوق ہے جو نظر نہیں آتی اور نہ محسوس ہی ہوتی ہے۔ انسانوں کی طرح جنات بھی ایمان لانے کے مکلّف ہیں، لہٰذا آخرت میں ان کے لیے بھی جزا اور سزا ہے، ان میں اہلِ ایمان بھی ہیں جو بلا وجہ انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتے بلکہ بعض صالح اور نیک جنات انسانوں سے دین کا علم حاصل کرتے ہیں اور انسانوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہیں، البتہ ان میں سے جو فاسق اور فاجر جنات ہوتے ہیں، وہ انسانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیت اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ان فاسق اور فاجر جنات کو عام زبان میں ''شیاطین'' کہا جاتا ہے اور جادوگر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے انہی شیاطینِ جنات سے کام لیتے ہیں۔

جنات کی رہائش:

جنات کی رہائش عموماً غیر آباد جگہوں پر ہوتی ہے، لیکن بعض اوقات آبادی میں غلیظ جگہوں پر بھی ہوتی ہے مثلاً: حمام اور غلاظت کے ڈھیر وغیرہ میں بھی جنات رہائش اختیار کر لیتے ہیں اور ایسے گھر جہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر، تلاوتِ قرآن، نماز اور مسنون دعاؤں کا اہتمام نہ ہو یا جہاں پر موسیقی اور

گانا بجانا ہو اور عورتوں کی بے حجاب، عریاں یا نیم عریاں تصاویر و غیرہ ہوں، وہاں بھی شیاطین جن رہایش اختیار کرتے ہیں۔ فحاشی اور بے حیائی کے تمام اڈوں پر بھی شیاطین جن قیام پذیر ہوتے ہیں۔

جنات کا نسلی سلسلہ:

جنات میں انسانوں کی طرح مذکر اور مونث پائے جاتے ہیں اور اسی طرح ان کے ہاں بھی بیاہ، شادیاں اور نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، انسانوں کی طرح انھیں بھی موت آتی ہے۔

جنات کی محبوب چیزیں:

شیاطین جنات کے بعض مرغوب اعمال اور محبوب چیزیں یہ ہیں:

① کفر و شرک اور اس کے مراکز مثلاً مزارات اور خانقاہیں۔

② موسیقی، ناچ گانا اور اس کے اڈّے

③ عورت کا تنہا گھر سے نکلنا۔

④ غیر محرم مرد اور عورت کا باہم خلوت اختیار کرنا۔

⑤ غیر محرم مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس۔

یاد رہے کہ جادو کا علاج کرنے والے اہلِ علم کے نزدیک عورتوں کے کھلے بال، سرخ ہونٹ اور لمبے ناخن شیاطین جنات کے عورتوں کی طرف فوری راغب ہونے کا باعث بنتے ہیں۔

⑥ لڑائی اور جھگڑا خصوصاً میاں بیوی کے درمیان۔

⑦ انسانوں کے اموال لوٹنا کرنا (یعنی حرام مال کمانے اور ناجائز خرچ کرنے کی راہ پر لگانا)۔

⑧ انسانوں کی اولاد میں شرکت کرنا (یعنی انسانوں کو کفر و شرک اور فسق و فجور کے کاموں میں مبتلا کرنا)۔

⑨ بسم اللہ نہ پڑھنے کی وجہ سے انسانوں کے کھانے پینے میں شرکت کرنا۔

⑩ نجاست والی اشیا۔

⑪ نومولود بچوں کو تکلیف پہنچانا۔

⑫ حاملہ خواتین کو تکلیف پہنچانا۔

⑬ میاں بیوی کے جنسی تعلقات میں شرکت کرنا، خصوصاً جب وہ مسنون اذکار نہ کرتے ہوں۔

یہ سب شیاطینِ جنات کے پسندیدہ کاموں میں سے ہیں۔

ایک خاص بات:

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو بعض غیر معمولی طاقتیں عطا فرمائی ہیں، مثلاً تیز رفتاری سے حرکت کرنا، فضا کی (ایک حد تک) بلندی میں پرواز کرنا، مختلف شکلیں بدلنا، انسانی جسم میں خون کی طرح گردش کرنا، انسانی خیالات و افکار پر اثر انداز ہونا، یعنی وساوس پیدا کرنا، انسانوں کو ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچانا وغیرہ۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقابلے میں شیاطین کو بہت زیادہ طاقت اور قوت عطا فرمائی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ فوقیت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہیں، جہاں چاہیں اللہ تعالیٰ سے شیطان کے مقابلے میں مدد و نصرت طلب کرلیں اور پناہ طلب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نصرت اور پناہ عطا فرماتے ہیں۔

جادو کا اثر زائل کرنا:

یہ دراصل شیطان و جن کو مغلوب کرنا ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت اور پناہ کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا جادو کا اثر زائل کرنے کے لیے قرآنی سورتیں اور آیات پڑھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے نصرت اور پناہ طلب کرنی چاہیے۔ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ جو سورتیں اور آیات ہیں، ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہے:

① تعوذ، یعنی «أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَ نَفْخِهٖ وَ نَفْثِهٖ»

② بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (مسلم، ترمذی) ③ سورۃ الفاتحہ۔ (ابو داود)

④ سورۃ البقرۃ. (مسلم، ترمذی) ⑤ آیت الکرسی۔ (صحیح البخاری)

⑥ سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات۔ (بخاری) ⑦ سورۃ الاخلاص۔ (ابو داود، نسائی)

⑧ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس۔ (ابو داود، ترمذی، نسائی)

ہمارا ایمان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے روحانی اور جسمانی بیماریوں کے لیے ان سورتوں اور آیات کے جو فضائل اور فوائد بتائے ہیں، وہ اتنے ہی یقینی ہیں جتنی ہماری موت یقینی ہے۔

علاج کروانا جائز ہے:

ادویات سے بیماریوں کا علاج تو محض ایک جائز وسیلہ ہے، اصل بات تو اللہ تعالیٰ کا امر

ہے۔ اگر اس کا امر نہیں تو شفا حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا بنیادی بات تو ایمان کی ہے۔ جو لوگ دنیا میں اطمینان، سکون، قناعت، آسودگی، خوشحالی اور حقیقی مسرت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے گھروں میں قرآنِ مجید کی تلاوت، سماعت، تعلیم اور تدریس کا ماحول پیدا کریں۔

والدین خود صبح اٹھ کر نمازِ فجر ادا کریں اور پھر باقاعدگی سے قرآن مجید کی تلاوت کریں اور گھر میں قرانِ کریم کی قراءت کی کیسٹس باقاعدگی سے روزانہ کسی نہ کسی وقت لگا کر خود بھی سنیں اور بچوں کو بھی سنائیں۔ قرانِ کریم کے ساتھ اپنا تعلق جتنا گہرا ہوتا جائے گا، اسی قدر آپ قلبی اور ذہنی سکون محسوس کرنے لگیں گے۔ غیر محسوس طریقے سے دیگر روحانی اور جسمانی بیماریوں سے بھی آپ کو شفا حاصل ہوتی چلی جائے گی، جیسا کہ سورت یونس (آیت: ۵۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ يَآَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''لوگو! تمھارے پاس تمھارے مالک کی طرف سے نصیحت آئی (یعنی قرآن) اور دلوں میں جو (کفر اور شرک اور رشک کی) بیماریاں ہیں ان کو دور کرنے کے لیے یہ شفا ہے اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان داروں کے لیے۔''

یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے حاسد، ساحر اور نظرِ بد لگانے والے کا شر دفع کیا جاسکتا ہے، لیکن اس سے مفید تر ایک بات اور ہے کہ انسان کلی طور پر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور اسی پر اس کا بھروسا ہو، اس کے بغیر اسے کسی کا خوف نہ ہو اور نہ کسی سے امید رکھے، اس کا دل اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے ساتھ لٹکا ہوا نہ ہو۔ وہ کسی دوسرے کو مصیبت کے وقت پکارے نہ کسی سے فریاد کرے، کیونکہ جس کے دل میں کسی دوسری چیز کی محبت ہو اور اس کے ساتھ اس کا دل معلق ہو یا اس کے بیم و امید کا مرکز اللہ تعالیٰ کی کا ذاتِ پاک نہ ہو یا کسی دوسرے کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو تو وہ دل اسی غیر کے حوالے کیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نگہبانی اٹھا لیتا ہے، یہی اللہ کا قانون اور حکمت ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

جن، جادو اور نظرِ بد کی تاثیر برحق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر یہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے۔

اگر کسی کو جن، جادو یا نظرِبد کا علاج کرنا ہے تو اس صورت میں قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کے ذریعے سے اس کا علاج کریں اور حاسدین کے حسد سے بچاؤ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو اور اپنے رشتے داروں کو قرآنِ کریم کی پاکیزہ تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں، کیونکہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، اس میں مسلمانوں کے لیے شفا اور ان کے لیے ہدایت بھی ہے، جیسا کہ قرآنِ مجید کو اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر رحمت قرار دیا ہے۔ سورۃ النمل (آیت: ۷۷) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

''اور یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ایمان لانے والوں کے لیے۔''

ایک اور جگہ ارشادِ مبارک ہے:

﴿ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ﴾ [لقمان: ۳]

''اس میں نیکوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

بہرحال ہر انسان اس دنیا میں باعزت، مطمئن اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ہے۔ لہٰذا قرآنی سورتوں اور آیات کے علاوہ شیاطین کے شر اور فتن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے لیے مسنون دعاؤں کے ساتھ دم کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ مریض کو دم یا مریض کے لیے کھانے پینے کی کچھ اشیا پر دم کرنا، جیسے عجوہ کھجور، شہد، زیتون یا تیل زیتون، سنا مکی اور اس کا تیل اور پانی پر دم کرنا ہے۔ کھانے پینے میں ان چیزوں کا کثرت کے ساتھ استعمال کریں، ان شآء اللہ آپ کو شفا ہوگی۔ ایک بات یاد رکھیے کہ دم کیے ہوئے تیل یا پانی سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری شرائط یہ ہیں:

① اس بات پر ایمان رکھنا کہ قرآن میں شفا ہے۔

② اس بات پر ایمان رکھنا کہ شفا قرآن سے ہے نہ کہ قرآن پڑھنے والے سے، جیسے یہ کہنا کہ فلاں سے دم کروایا ہے تو فائدہ ہوگیا ہے۔

③ جہاں درد ہو وہاں دم شدہ تیل کے چند قطروں سے مساج کی جائے، کیونکہ علاج قرآن سے ہے نہ کہ تیل سے اور یہ عمل دن میں ایک، دو یا زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ کیا جائے۔

④ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر عمل کا دارو مدار نیت پر ہے۔''[1]

لہٰذا تیل لگاتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے:

① شفا حاصل کرنے کے لیے تیل لگایا جا رہا ہے، کیونکہ اس پر قرآنِ کریم سے دم ہوا ہے۔

② اگر کوئی جن ہے تو اسے اللہ ہدایت دے، اسے جلانے یا قتل کرنے کی نیت نہ ہو، بلکہ اُسے سیدھا راستہ دکھانے اور ہدایت دینے کے لیے ہو، شفا کے لیے ہو، کیونکہ قرآنِ کریم ہدایت والی کتاب ہے نہ کہ عذاب والی اور اس نیت کا جن پر واقعی بہت اثر ہوگا اور وہ خود ہی اپنا شر روک لے گا۔

⑤ جس پر محض شک ہو، اس پر آپ الزام نہ لگاؤ جیسا کہ کسی نے آپ کا کوئی وصف بیان کیا یا جس شخص کو آپ ناپسند کرتے ہوں یا جسے خواب میں دیکھا جائے، اس کا کوئی اثر نہیں لے لینا چاہیے اور حسنِ ظن قائم رکھنا چاہیے، کیونکہ نظر کسی اپنے چاہنے والے سے بلامقصد مذاق میں بھی لگ جاتی ہے۔

⑥ اگر تیل استعمال کرنے کے بعد کچھ ایسے حالات سامنے آئیں جیسے نیند آنا، ہاتھ پاؤں سُن ہونا، ڈکار لینا، جمائی آنا اور رونا وغیرہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے دم کرنے کا طریقہ کار بالکل صحیح ہے اور جان لیں کہ ان سب امور کا ہونا عام ہے اور جو تکلیف دے کر داخل ہوا ہے وہ تکلیف ہی سے نکلے گا اور ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ شیطانی وسوسوں سے ڈر کر یہ علاج نہ روک دیں، کیونکہ شیطان آپ کو قرآن سے علاج کرنے سے روکے گا۔

⑦ شفا حاصل کرنے کے لیے دوسرے اسباب سے درگزر مت کریں، جیسے میڈیکل دوائیں اور شفا کی نیت سے صدقہ خیرات کرنا، محرمات سے پرہیز کرنا، دعا اور توبہ واستغفار وغیرہ زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے۔

نظرِ بد کا علاج:

نظر لگانے والے سے کوئی چیز لینا، جیسا کہ اس کے غسل یا وضو کا پانی لینا یا اس کے کھانے یا پینے والی چیز کا بقایا لینا یا پھر اس کی چھوئی ہوئی چیز کو کسی کپڑے یا گیلے رومال سے صاف کر کے لینا بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے، پھر اس رومال کو مناسب مقدار پانی میں ڈال کر اس پانی کو جسے نظر لگی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٠٧)

ہو، اس کے سر پر ڈالنا چاہیے اور کچھ پلانا چاہیے (خاص طور پر اگر مرض داخلی ہو) اور بہتر یہی ہے کہ دونوں عمل کیے جائیں (یعنی پینا اور سر پر ڈالنا) کیونکہ یہی سنت کا طریقہ ہے۔

اللہ کے پیغمبر ﷺ کو جب کبھی کوئی مشکل لاحق ہو جاتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے:

«يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ»

''اے زندہ وقائم رہنے والے! میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں۔''

سورۃ الملک (آیت: ۱) میں بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

''وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

"يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ'' ہم ہر قسم کے شر سے تیرے نام کے ساتھ پناہ طلب کرتے ہیں۔ ہر حال میں اپنے اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے، خواہ وہ تکلیف شیطانی جنوں سے ہو یا وہ انسانوں سے ہو۔

اگر آپ قرآنی آیات اور مسنون دعاؤں کے ذریعے مسلسل اللہ سے دعا اور فریاد کر رہے ہیں لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں مل رہا اور دعا جلدی قبول نہیں ہو رہی تو بے صبری اور بے قراری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعا کو ترک نہ کریں، بلکہ دعا کو مسلسل جاری رکھیں۔ یوں سمجھیں کہ جب تک کھانا اچھی طرح پک کر تیار نہ ہو جائے، ماں اپنے بچے کو کھانا نہیں دیتی کیونکہ وہ ماں ہے اور وہ جانتی ہے کہ یہ کھانا بچے کے لیے مناسب نہیں، اس کے لیے نقصان دہ ہے، لیکن بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے روتا اور ضد کرتا ہے، کیونکہ وہ دیر کی مصلحت کو نہیں سمجھتا۔ ایسے ہی انسان بہت سی دعاؤں کو اپنے لیے بہتر و مفید سمجھ کر مانگتا ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے وہ نفع بخش نہ ہوں، بلکہ اس کے لیے وہ نقصان کی چیزیں ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس کی دعا کیوں قبول نہیں کی گئی، اسی وجہ سے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعاؤں کو ترک نہیں کرنا چاہیے، صبر سے کام لیں اور جب بھی دعا کریں، آخر میں آمین ضرور کہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ آمین کہا کرتے تھے۔

دَم شدہ پانی اور چند احتیاطی امور:

- جادو وغیرہ کے علاج کے آخر میں یہ بات بھی آپ کے گوش گزار کر دیں کہ دَم شدہ پانی پئیں اور اس کے بقیہ حصے سے نہائیں اور جب دَم شدہ پانی سے نہائیں تو عام حمام میں نہیں بلکہ

کسی دوسری جگہ نہائیں تو بہتر ہے، تاکہ وہ پانی لیٹرین میں جانے کے بجائے صاف جگہ پر گر کر خشک ہوجائے، غرض اس پانی کو ناپاک جگہ پر نہ انڈیلیں تو بہتر ہے۔

- جس پانی پر دَم کیا گیا ہو اُسے آگ وغیرہ سے گرم نہ کریں اور اگر گرم کرنا ضروری ہی ہو تو صرف سورج کی تپش سے گرم کر سکتے ہیں۔
- پینے کے اُس دَم شدہ پانی میں مزید پانی ڈال کر اضافہ نہ کریں، بلکہ نئے پانی پر دَم کرلیں۔[1]

سچ بات تو یہی ہے کہ اللہ کے کلامِ پاک میں ہر قسم کی شفا ہے تو پھر کیوں نہ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا پاک کلام پڑھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں اپنے پاک پیغمبر ﷺ کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ رب العالمین ہمیں جن، جادو، حسد، نظر بد، یعنی ہر قسم کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر
2. صحیح البخاری (جلد:٦)
3. تفسیر معانی القرآن الکریم — دار السلام۔ لاہور
4. معوذتین کے فضائل و برکات۔ — تالیف: انجینئر شاہد ستار۔ تقدیم وتہذیب: ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
5. جادو کا آسان علاج۔ — تالیف: ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
6. فضائلِ قرآن مجید۔ — تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی

---

[1] شریر جادوگروں کا قلع قمع کرنے والی تلوار (ص: ١٠٨)

قرآن خوانی کی بدعت

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

① قرآن ... کتابِ ہدایت ورحمت:

قرآنِ کریم نازل فرمانے والے رب العالمین نے سورت طٰہٰ (آیت:۱۲۳) میں وعدہ فرمایا ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی﴾

''جوشخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبختی ہی میں مبتلا ہوگا۔''

سورت یونس (آیت: ۵۷) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آ گئی ہے اور یہ (ان بیماریوں کے لیے) شفا ہے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔''

یعنی جو قرآن کریم کو دل کی توجہ سے پڑھے اور اس کے معانی و مطالب پر غور کرے، اس کے لیے قرآن نصیحت ووعظ ہے اور وعظ کے اصل معنی ہیں: عواقب و نتائج کی یاددہانی، چاہے ترغیب کے ذریعے سے ہو یا ترہیب سے۔ وعظ کی مثال اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو مریض کو ان چیزوں سے روکتا ہے جو اس کے جسم وصحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔

اسی طرح قرآنِ کریم بھی ہمیں دونوں طریقوں سے وعظ ونصیحت کرتا ہے اور ان نتائج سے آگاہ کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں دوچار ہونا پڑے گا اور ان کاموں سے بھی روکتا ہے، جن سے انسان کی اخروی زندگی برباد ہوسکتی ہے۔ یعنی دلوں میں توحید و رسالت اور

عقائدِ حقہ کے بارے میں جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا ازالہ اور کفر و نفاق کی جو گندگی ہوتی ہے، اسے صاف کرتا ہے۔

یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے، ویسے تو یہ قرآنِ کریم سارے جہان والوں کے لیے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے لیکن چونکہ اس سے فیض یاب صرف اہلِ ایمان ہی ہوتے ہیں، اس لیے یہاں صرف انھیں کے لیے اسے ہدایت و رحمت قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس قرآنِ کریم کے ذریعے ہر مسلمان اپنے آپ کو گمراہی کے اندھیروں سے بچا سکتا ہے اور جو لوگ اس کا غلط استعمال کرکے بدبختی میں مبتلا ہیں، انھیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور وہ توبہ کرلیں، کیونکہ ہمارے رب نے یہ قرآن پڑھ کر عمل کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے نہ کہ رسم و رواج کے لیے، جیسے قرآن خوانی کے ذریعے مُردوں کو ثواب پہنچانے کا رواج اب تقریباً ہر جگہ عام ہوگیا ہے، یہاں تک کہ کسی ملک کی بڑی شخصیتوں کی وفات کے موقع پر اس مُلک کے ریڈیو ٹی وی اپنے مقررہ پروگراموں کو چھوڑ کر قرآنِ کریم کی تلاوت نشر کرنے لگتے ہیں اور عوام اپنے مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی مجلس مقرر کرتے ہیں اور حاضرینِ مجلس میں سے ہر شخص یا مخصوص پیشہ ور قرآن خواں جیسے تیسے قرآن ختم کرکے اس کا ثواب میت کو پہنچانے کی دُعا مانگتے ہیں۔

یہ رسم ایک بہت بڑی بدعت ہے جو ہمارے برصغیر میں پھیل گئی ہے۔ اب تو اس بدعت میں اضافہ کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے ایک نئی صورت نکال لی ہے کہ ہر محلے میں قرآن خوانی کی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں، ہر ہفتے یہ لوگ جمع ہوتے ہیں، عموماً جمعے کے دن قرآن خوانی کرتے ہیں، پھر اپنے محلے کے مسائل پر گفتگو کرتے اور مباحثے وغیرہ بھی کرتے ہیں، اس طرح یہ محفل اختتام پذیر ہوتی ہے، گویا یہ قرآن مجید کے استعمال کی ایک نئی صورت نکل آئی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورت محمد (آیت: ۲۴) میں اس طرح فرمایا ہے:

﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾

''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگ رہے ہیں؟''

قرآنِ کریم کے اس مقصد عظیم کو لوگوں نے پسِ پشت ڈال دیا ہے اور دوسرے طریقوں سے اس کو استعمال کرنے لگے ہیں، مثلاً قرآن خوانی یا پھر قسمیں کھانا، نقش بنانا، تعویذ گنڈے کرنا، فالیں

نکالنا، دولہا دلہن کو اس کے نیچے سے گزارنا، بیماروں کو اس کی ہوا دینا اور مُردوں کو بخشوانے وغیرہ کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا انھیں کاموں کے لیے ربِ عظیم نے اس کتابِ عظیم کو نازل فرمایا تھا؟ ہرگز نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ایک اور جگہ سورۃ القمر (آیت: ۱۷،۲۲،۳۲) میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾

''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ اسے سوچے سمجھے؟''

قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے زندہ لوگوں پر نازل فرمایا ہے، نہ کہ مُردوں پر پڑھنے کے لیے، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے سورت یٰسین (آیت: ۶۹) میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾

''اور ہم نے اس (پیغمبر) کو شاعری نہیں سکھلائی اور نہ شاعری اس کے لائق ہے۔ (قرآن شعر نہیں) وہ تو نصیحت اور صاف صاف پڑھنے کے لائق (ایک کتاب) ہے۔''

قرآنِ کریم کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اطاعت اور عمل کرنے والوں کو انعام کی بشارت دے اور نافرمانوں کو سزا کی وعید سنائے، یہ اس لیے اترا تھا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے نفوس کو سنواریں اور اپنے حالات کی اصلاح کریں۔ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح قرآن کو بھی اللہ نے محض اسی لیے نازل کیا تھا کہ اس کی ہدایت پر لوگ عمل کریں اور اس کی راہنمائی سے راہ یاب ہوں، جیسا کہ سورۃ الاسرا (آیت: ۹) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا﴾

''بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو بہت ٹھیک ہے (اسلام کی راہ) اور جو ایماندار لوگ نیک کام کرتے ہیں، ان کو خوشخبری دیتا ہے کہ ان کو (آخرت میں) بڑا اجر ملے گا (بہشت)۔''

سورۃ النجم (آیت: ۳۹) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [النجم: ۳۹]

''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔''

علامہ اقبال نے بھی فرمایا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمے دار نہ ہوگا، اسی طرح آخرت میں اجر بھی ان ہی نیکیوں کا ملے گا جو اس نے خود اپنی محنت سے کی ہوں گی۔

سورۃ المدثر (آیت: ۳۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ ''ہر نفس نے جو کیا اس کے بدلے وہ گروی ہے۔''

یعنی اعمال اگر اچھے ہوں تو اسے چھڑا لیں گے ورنہ جہنم تک پہنچا دیں گے۔ آدمی کا عمل ہی اسے چھڑائے گا اور عمل ہی اسے ہلاک کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [الحشر: ١٨]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، (ہر) شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے اور تم اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

''کل'' سے مراد یومِ قیامت ہے اور ''آج'' سے مراد دنیوی زندگی ہے۔ یہ زندگی دار العمل اور دار الامتحان ہے جبکہ آخرت دار الجزاء ہے۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا خود محاسبہ کرے۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''اپنا محاسبہ کرلو، اس سے پہلے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے۔''[2]

اس سے پتا چلا کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، کیوں کہ یہ نہ مُردے کا اپنا عمل ہے اور نہ اس کی محنت، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں کے لیے قرآن خوانی کی ترغیب نہیں دی

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٥٩)

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٤٥٩)

اور نہ کسی صریح نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ عبادات کے لیے نص کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں کسی قسم کی رائے یا خیال نہیں چل سکتا۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ کی سنت یہ نہ تھی کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کو دفن فرمایا کرتے تھے اور ہر شخص اپنے اپنے کام پر چلا جاتا اور مرنے والا اپنے عمل کا ذمے دار ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا یہی طریق تھا اور ہمیں اسی کی اقتدا کرنی چاہیے۔ جو لوگ قرآن خوانیوں کا اہتمام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شاید ہم نے اس طرح اپنے مرحومین کا حق ادا کر دیا ہے تو ایسا ہرگز نہیں، کیونکہ یہ طریقہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے اور سو فیصد بدعت ہے۔ یہ اپنی قرآن خوانیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا غضب مول لے رہے ہیں، کیونکہ جو عبادت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، اللہ کے نزدیک وہ عبادت نہیں بلکہ گناہِ عظیم ہے۔ اگر مُردوں کے لیے قرآن خوانی جائز ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور اپنی بیٹیوں یعنی حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے لیے اور اپنے محبوب ترین چاچا اور رضاعی بھائی سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کیوں نہیں فرمایا؟ اگر یہ جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور کرتے اور امت کو بھی اس کا حکم فرماتے۔

اسی طرح خلفاے راشدین کے دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فوت ہوئے، شہید بھی ہوئے مگر قرآن خوانی کسی کے لیے بھی نہیں ہوئی، نہ ان کی قبر پر نہ مسجد میں نہ کسی مجلس میں۔ قرآن خوانی کے موضوع پر غور کرنے سے قبل اگر مندرجہ ذیل چند ابتدائی اور تمہیدی حقائق پر بھی نظر رکھی جائے تو ان شاء اللہ مسئلے کی حقیقت بہت آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے:

① میت کو ثواب پہنچانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے جن امور کی ہدایت فرمائی ہے، ان میں قرآن خوانی کا ذکر کہیں نہیں اور نہ اس کا وجود عہدِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عہدِ تابعین میں ملتا ہے۔ جتنی اہمیت اس مسئلے کو اب دے دی گئی ہے، خیر القرون میں اتنا ہی یہ غیر اہم تھا اور جتنا چرچا اس کا اب ہوگیا ہے، اتنا ہی عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں یہ گمنام تھا۔ اگر اس کی ذرا بھی شرعی حیثیت اور اہمیت ہوتی تو اس کی بابت نبی کریم ﷺ کا کوئی ارشادِ گرامی ضرور ہوتا۔ میت کو ثواب پہنچانے کے جتنے مشروع طریقے کتاب وسنت سے ثابت ہیں، ان میں قرآن خوانی کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

۲ نزولِ قرآن کا مقصد:

آپ ذرا غور فرمائیں کہ قرآنِ کریم وہ کتاب ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا نظامِ حیات بنا کر ہمارے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمایا۔ پس ہمیں چاہیے کہ اس کتاب کو ہم درسی کتاب کی مانند پڑھیں، لیکن تکریم کے ساتھ یعنی ادب و احترام سے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کا ادب و احترام اس کے حاملین پر واجب ہے۔ اس کے اوامر اور احکام پر عمل کریں، اس کے نواہی سے اجتناب کریں اور یہی اس کے نزول کی اصل غرض ہے، مگر ہم نے اس اصل غرض کو سامنے نہ رکھا اور قرآن خوانی جیسی جاہلانہ بدعتی رسم و رواج میں گرفتار رہے تو پھر قرآن مجید ہی کی زبانی وعید بھی پڑھ لیجیے جو روزِ محشر اللہ جل جلالہ کی عدالتِ عالیہ میں نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے بصورتِ شکایت ادا ہوگی۔ چنانچہ سورۃ الفرقان (آیت: ۳۰) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

’’اور پیغمبر کہیں گے کہ اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔‘‘

یعنی پڑھتے تو تھے لیکن سمجھنے سے بے نیاز ہو کر رسما رسمی میں بدعت کی صورت میں پڑھا کرتے تھے، اس پر عمل کرنے کے لیے نہیں پڑھتے تھے۔ مُردوں پر سورت یٰسین پڑھنے والے بھی ذرا غور کریں! اسی سورت یٰسین (آیت: ۷۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

’’تاکہ اس شخص کو، جو زندہ ہو، ہدایت کا راستہ دکھائے اور کافروں پر عذاب کی حجت ثابت ہو جائے۔‘‘

ہمارے رب نے یہ قرآن کس لیے نازل کیا ہے؟ کیا اس لیے کہ اس سے تعویذ گنڈے بنائے جائیں اور بچوں اور مریضوں کو پہنائے جائیں؟ یا اس لیے کہ قبرستان میں مُردوں پر پڑھا جائے اور آج کے ملا اس کو مال سمیٹنے کا ذریعہ بنالیں؟ یا پھر اس لیے کہ لوگوں کے لیے اسے برتنوں پر لکھا کریں اور دھو دھو کر اس کا پانی مریضوں اور سحرزدہ لوگوں کو پلائیں؟ یا اس لیے کہ پورا قرآن ایک صفحے میں چھاپ کر زینت اور برکت کے لیے دیواروں پر اور تعویذ بنا کر گلے میں لٹکایا جائے؟ یا پھر اس لیے کہ بغیر سوچے سمجھے محض طوطوں کی طرح اس کو رٹا یا یا اس کی تلاوت کی جائے؟

یا اس لیے اتارا گیا تھا کہ اس سے ہمارے اسلاف نے دنیا فتح کر ڈالی تھی، اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ اس کو کہیں اندھیرے گوشے میں غلاف کے اندر رکھ دیا جائے اور وہ گرد وغبار کی تہہ کے اندر چھپا رہے؟

نہیں ایسا ہرگز نہیں! اللہ رب العالمین نے اپنی کتابِ عظیم کو ان کاموں کے لیے نہیں نازل فرمایا، بلکہ یہ کتابِ مبین اس لیے نازل فرمائی تھی کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور یہ لوگوں کے لیے روشن چراغ بنے۔ یہ قرآنِ کریم اس لیے نازل کیا گیا تھا کہ یہ سارے عالم کے لیے [بشیر ونذیر] بنے۔ یہ کتاب تو اللہ رب العزت نے زندوں کے لیے اُتاری تھی، مُردوں کے لیے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآنِ مجید کو اس لیے اُتارا تھا تاکہ مسلمان اس کو اپنے گھروں، بازاروں اور مدرسوں میں اپنا نظام و دستور العمل بنا لیں اور اپنی پوری زندگی کا ہر ہر گوشہ اس کے مطابق سنوار لیں، جیسا کہ سورۃ النساء (آیت: ۱۷۵) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾

''پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کا سہارا لیا، ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (جنت) اور فضل (دیدارِ الٰہی) میں داخل کرے گا اور اپنے تک پہنچنے کی سیدھی راہ ان کو سوجھائے گا۔''

اسی طرح اللہ رب العالمین سورت حم السجدہ (آیت: ۴۴) میں اعلان فرما رہے ہیں:

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ﴾

''کہہ دے! قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور (دل وجسم کی بیماریوں کے لیے) تن درستی ہے۔''

انسان کی حقیقی زندگی اور شفا وتندرستی کا انحصار دل پر ہے، جیسا کہ سورۃ الحج (آیت: ۴۶) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾

''حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں وہ ہی اندھے ہوجاتے ہیں۔''

یہ وحی الٰہی جو قرآن کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، آدمی کی روح اور زندگی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ صحیح اور صالح ہوتا ہے تو تمام بدن (کا فعل) صالح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگاڑ اور فساد سے دو چار ہوتا ہے تو سارا بدن بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔''[1]

کسی شاعر نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

قرآن دل کی روح اور اصلاحِ قلب کا موثر ترین عامل ہے۔ جب دل زندہ و بیدار ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی کے تمام گوشے قرآنی ہدایت کے نور سے منور ہو جاتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کا حق دار بن جاتا ہے۔ یہ ہی وہ قرآنِ کریم ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے جس قدر عروج وترقی حاصل کر لی تھی، اس کی تاریخِ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی، اسی لیے قرآن مجید بار بار غور وفکر اور تدبر وتعقل کی دعوت دیتا ہے، جیسا کہ سورت صٓ (آیت: ۲۹) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

''(اے پیغمبر!) یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے تجھ پر اتارا (بڑی) برکت والی، اس لیے کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت لیں۔''

لہٰذا قرآنِ کریم سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت یوسف (آیت: ۱۰۴) سورت صٓ (آیت: ۸۷) اور سورۃ التکویر (آیت: ۲۷) میں فرمایا ہے:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

''قرآن اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ یہ سارے جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔''

اس آیت کے الفاظ اور اس کے اندازِ بیان پر غور کرنے والا فوراً سمجھ جائے گا کہ قرآن

[1] صحيح البخاري، كتاب الإيمان، رقم الحديث (٥٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٥٩٩)

سارے عالم کی راہنمائی کے لیے آیا ہے، اس کے مخاطب تمام انسان اور تمام جنات ہیں۔ پس وہ ان سب کو نصیحت کرتا اور ان کو وہ باتیں بتلاتا ہے جن کے وہ سب محتاج ہیں، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، حتی کہ خاندانی سطح اور ایوانِ حکومت میں فرمانروائی کی سطح پر بھی، یعنی زندگی کے ہر معاملے میں قرآن ہماری پوری راہنمائی کرتا ہے۔ لیکن ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور زندگی کی راہ پر اس طرح چلے کہ قرآنِ کریم کے مقاصد ہی کو بھول گئے۔ ہم نے قرآنِ کریم کا مفہوم اور اس کے مقاصد کو کچھ عجیب وغریب طریقے سے بدل ڈالا جس کی مثال پچھلی امتوں میں بھی نہیں ملتی، کیونکہ پہلی امتوں نے آسمانی کتابوں کا انکار ضرور کیا تھا، لیکن یہ بات کسی امت کے متعلق نہیں سنی کہ کسی نے آسمانی کتاب کو مُردوں کے لیے پونجی بنا لیا ہو۔

امتِ محمدیہ کے کچھ لوگ اپنی روٹی روزی کے لیے لاکھوں کروڑوں لوگوں کو گمراہ کر کے ان کی تباہی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے پیشہ ور لوگوں سے بچنے کی کوشش کریں اور اس حدیثِ نبوی ﷺ کو یاد کریں جس کی چودہ صدیاں پہلے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بشارت دی تھی:

«تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِي»[1]

''میں نے تم میں دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک ہے کتابُ اللہ اور دوسری میری سنت۔''

اللہ تعالیٰ کی اس کتابِ کریم کو ہم روز پڑھتے ہیں مگر اس کی قراءت ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ تلاوتِ قرآن ہم بہت زیادہ کرتے ہیں لیکن کس طرح؟ بس پڑھتے ہیں نہ فہم ہے، نہ تدبر اور نہ عمل، بلکہ ہم میں سے اکثر کی تلاوت پر تو بزرگوں کا یہ مقولہ صادق آتا ہے:

''کتنے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن خود انھیں پر لعنت کرتا ہے۔''

مثلاً وہ پڑھتے ہیں:

﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [هود: ١٨]

''ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''

بعض اوقات وہ خود ظالم ہوتا ہے اور اللہ کی لعنت خود اس کی زبان سے اس پر پڑ جاتی ہے

[1] مستدرك حاكم، صحيح الجامع، رقم الحديث (٢٩٣٧)

اور اس کو احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کو پتا نہیں چلتا کہ یہ لعنت مجھی پر پڑ رہی ہے؟ کیونکہ وہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ میرا نظامِ حیات قرآن وسنت کے مطابق ہے کہ نہیں؟

میرے مسلمان بہن بھائیو! کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی غفلت سے بیدار ہو جائیں؟ اپنے دامن کو اس گمراہی اور ضلالت سے صاف کرلیں؟ کتاب اللہ پر پوری طرح جم جائیں اور اس کی تلاوت غور اور تدبر کے ساتھ کریں؟ اسے زندگی کا منشور اور دستورِ حیات سمجھیں؟ دین کے نام نہاد ٹھیکیداروں اور کم علم ملاؤں کے غلام نہ بنیں؟

اپنی زندگی کے نظام کو قرآنِ کریم اور سنتِ رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلانے کی کوشش کی جائے، کیونکہ قرآنِ کریم ہماری زندگی کا مقصد ہے اور ہماری قوت کا سرچشمہ بھی ہے، لیکن آج لوگوں کا لگاؤ قرآن سے زندگی کے لیے نہیں بلکہ موت کے لیے ہے۔ جب زندگی کے کاموں سے فارغ ہوکر آپ موت کے سرحد میں داخل ہوتے ہیں تو نزع کے عالم میں قرآن آپ پر پڑھا جاتا ہے تاکہ آپ سہولت سے مرجائیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن آپ کو زندگی اور قوت بخشنے آیا ہے، اب اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ آپ آرام سے مرجائیں...؟

نہیں ایسا ہرگز نہیں! ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام سے دور کرنے والی اس اندھی تقلید کے خلاف بغاوت کی جائے، اپنی اور اپنے رشتے داروں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے، اس طرح شریعتِ محمدیہ کو ان بدعات سے پاک و صاف کریں، کیونکہ اسی پر ہماری دینی و دنیاوی ترقی منحصر ہے اور اسی میں ہماری عزت کا راز مخفی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے؟

③ قبروں کی زیارت:

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم قبروں کی زیارت اور ایصالِ ثواب کے متعلق کچھ ذکر کریں گے کہ قبروں کی زیارت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا معمول کیا تھا؟ سنن ابو داود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ میت کو جب قبر میں رکھتے تو آپ ﷺ فرماتے:

《بِسْمِ اللّٰه وَ بِاللّٰه وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰه》

’’اللہ کے نام سے اور اسی اللہ کی مدد سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر۔‘‘

جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے رہتے اور فرماتے:

''اپنے بھائی کے لیے ثابت قدمی کی دُعا مانگو، کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔''

احادیث میں یہ ذکر نہیں آیا کہ آپ ﷺ نے قبر پر کوئی سورت پڑھی ہو یا قرآنِ کریم کے کسی حصے کی تلاوت فرمائی ہو، جیسا کہ آج یہ رواج عام ہوگیا ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت فرمائی، آپ ﷺ خود روئے اور آس پاس والوں کو بھی رلایا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی تھی کہ میں اپنے والدین کے لیے مغفرت طلب کروں لیکن مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے اللہ سے والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اس کی اجازت مل گئی، پس آپ لوگ بھی قبروں کی زیارت کیا کریں، کیونکہ قبریں موت کی یاد دلاتی ہیں اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ دستورِ نبوی ﷺ صرف یہ ہے کہ مُردوں کے لیے استغفار کیا جائے نہ کہ قرآن پڑھا جائے۔ یہی منقول بھی ہے اور معقول بھی، کیونکہ قرآن میں تو دین کے احکام و آداب کا ذکر اور حلال وحرام کا بیان ہے اور ہمارے نبی ﷺ سے پہلے انبیا اور ان پر نازل کی گئی کتابوں اور انکی امتوں کا ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی قوموں کو کس چیز کی دعوت دی تھی اور نافرمان امتوں کا انجام کیا ہوا تھا، جبکہ ان سے مُردوں کو قطعی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور قرآن وحدیث سے بھی یہی ثابت ہے۔

④ انسان کو مرنے کے بعد کن چیزوں سے فائدہ پہنچتا ہے؟

میت کو انھیں چیزوں سے نفع پہنچتا ہے جن کو شریعتِ اسلامیہ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ میں مقرر کیا ہے۔ حدیثِ صحیح میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب انسان مرجائے تو اس کا عمل بند ہو جاتا ہے صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، نیک اولاد جو دعائیں کرے۔''

① دعا کی بابت تو سب کا اتفاق ہے کہ میت اگر کافر ومشرک نہ ہو تو اس کے لیے دُعا کرنی

مسنون ہے۔ صالح اولاد کی دُعا والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہے اور ایک مومن کی دُعا دوسرے مومن بھائی کے لیے بھی قبول ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۃ الحشر (آیت: ۱۰) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴾

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال، اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔“

غرض یہ کہ زندوں کی طرف سے مُردوں کے لیے بہترین تحفہ ”دُعا“ ہے۔ نیز میت کو نفع اس حدیث کے مطابق بھی پہنچتا ہے جس میں آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”مومن اپنی زندگی میں ایسا کام کر جائے جس سے اس کی موت کے بعد اس کو فائدہ پہنچتا رہے۔“

صحیح بخاری و مسلم اور سنن ابن ماجہ کی احادیث کو جمع کرنے سے ایسے صدقاتِ جاریہ کی تعداد دس (۱۰) تک پہنچتی ہے:

① وہ علم جو وہ کسی کو سکھائے اور پھیلائے۔ ② نیک اولاد چھوڑے۔

③ قرآن کا وارث بنائے۔ ④ مسجد تعمیر کروائے۔

⑤ مسافر خانہ بنوائے۔ ⑥ نہر جاری کرے۔

⑦ یا ایسا صدقہ جو اپنی صحت اور زندگی میں وہ اپنے مال میں سے نکالے تو اس صدقے کا اجر اس کو اس کی موت کے بعد بھی پہنچے گا۔“[1]

⑧ نیز میت کو اس کی موت کے بعد اس سنتِ حسنہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے جس کو اس نے اپنے عمل سے زندہ کیا اور اس کے بعد اس پر عمل ہوتا رہا، جیسا کہ صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو شخص اسلام میں کوئی سنت جاری کرے تو اس شخص کو اس سنت کے اجرا کا اجر ملے گا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٦١٠) صحيح مسلم (١٦٣١) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٤٢)

اور ان لوگوں کا بھی جو اس سنت پر اس کی وفات کے بعد عمل کرتے رہیں گے، لوگوں کے اجر میں سے کچھ کم کیے بغیر۔''[1]

⑨ جب میت کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کی جائے تب بھی اس کو ثواب ملتا ہے، جیسے مسند احمد اور سنن ابو داود وابن ماجہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا تو ان کے حق میں کونسا صدقہ افضل ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانی پلانا۔''[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوایا اور اعلان کروا دیا کہ یہ ام سعد رضی اللہ عنہا کے ثواب کے لیے ہے۔ معلوم ہوا کہ پانی ان صدقات میں سے ہے جن کا ثواب میت کو اس کی اولاد کی طرف سے پہنچتا ہے۔ اس حکم میں کنواں، نہر، سبیل، پائپ مشین نلکا اور ٹیوب ویل وغیرہ سبھی شامل ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے باپ نے مال چھوڑا ہے اور اس کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے۔ اگر میں ان کے لیے صدقہ کروں تو کیا ان کے واسطے کافی ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''[3]

میت کو مسلمانوں کی دعا اور اس کے لیے ان کے استغفار سے بھی ثواب پہنچتا ہے۔ مرفوعاً مروی ہے:

''جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیے خلوص سے دعا مانگو۔''[4]

زندوں کی طرف سے مُردوں کو ثواب پہنچنے کے سلسلے میں احادیثِ مذکورہ میں یہی مذکورہ بالا چیزیں ثابت ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں جس سے مُردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے قرآن پڑھنے یا کوئی مخصوص سورت جیسے یٰسین وغیرہ پڑھنے کی ہوا بھی آتی ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا وظیفہ مثلاً سورۃ الاخلاص کا ایک لاکھ بار ورد یا لا الٰہ الا اللہ ہزاری تسبیح وغیرہ۔

اس سلسلے میں مفسرین ومحدثین اور ائمہ مذاہب کے اقوال سے نہایت وضاحت کے ساتھ

---

[1] صحيح الترغيب، رقم الحديث (٧٦)

[2] صحيح سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٢٩٧١)

[3] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٣٠)

[4] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣١٩٩)

ثابت ہے کہ آج جو لوگ ماتم اور قبروں پر قرآن خوانی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس سے شریعتِ اسلامیہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا کوئی تعلق نہیں۔

احادیثِ رسول ﷺ اور مفسرین کے اقوال:

قرآنِ کریم پڑھنے کا ثواب مُردوں کو نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ مُردوں کا عمل نہیں اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو صراحتاً اس کا حکم نہیں دیا، حتیٰ کہ اشارتاً بھی اس طرف اُن کی راہنمائی نہیں فرمائی اور نہ اس کی ترغیب ہی دی ہے۔

صحابہ کرام میں سے بھی کسی کی طرف سے یہ بات نہیں کہی گئی۔ اگر میت کے لیے قرآن خوانی کوئی کارِ خیر ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم سے پہلے اس کی سعادت حاصل کر لیے ہوتے۔ عبادات و اعمالِ خیر میں صرف نصوص پر انحصار کیا جاتا ہے۔ رائے اور قیاس کو اس میں دخل نہیں ہوتا، البتہ دعا اور صدقے کے بارے میں اتفاق ہے اور نبی علیہ السلام کی طرف سے یہ واضح نص موجود ہے کہ ان کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ رہی وہ حدیث جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ''جب انسان مر گیا تو اس کا عمل ختم ہو گیا سوائے تین چیزوں کے: صالح اولاد جو اس کے لیے دُعا کرے، ایسا صدقہ جو اس کی وفات کے بعد تک جاری رہے اور ایسا عمل جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔''[1]

تو یہ تین چیزیں حقیقت میں میت ہی کا عمل اور اسی کی کوشش اور محنت کا نتیجہ ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

> ''سب سے پاکیزہ مال جو کھایا جائے وہ اپنی کمائی ہے اور تمھاری اولاد بھی تمھاری کمائی میں داخل ہے (یعنی ان کا مال بھی تمھارا ہے)۔''[2]

یہ صدقہ جاریہ وغیرہ بھی انسان ہی کے عمل اور وقف کا نتیجہ ہے، جیسا کہ سورت یٰسین (آیت: ۱۲) میں ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦٣١)

[2] صحيح البخاري، سنن الترمذي، سنن النسائي، سنن البيهقي، صحيح الجامع، رقم الحديث (١٥٦٦)

﴿ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ وَ كُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾

''بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے اور (جو) ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلم بند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتابِ روشن (لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے پتا چلتا ہے کہ جس علم کو اس نے عوام میں پھیلایا ہے اور لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے، وہ بھی میت کے عمل کا نتیجہ ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے:

''جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف دعوت دی تو اسے اس پر عمل کرنے والوں کے اجر کا ثواب ملے گا لیکن عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کچھ کمی نہ ہو گی۔''[1]

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کو صرف اس کی کوشش کا اجر اور اس کے عمل کی جزا ملے گی، کسی کا عمل دوسرے کے کام نہیں آئے گا۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [النجم: ٣٩]

''کوئی بوجھ اٹھانے والے دوسرے (کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

علامہ رشید رضا:

صاحب تفسیر المنار نے اس آیت کریمہ:

﴿وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ [الأنعام: ١٦٤]

''اور جو کوئی شخص برا کام کرے گا تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہ لے گا۔''

کی تفسیر میں ایک لمبی بحث کے بعد فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن خوانی اور وظائف کا ثواب مُردوں کو بخشوانے نیز اجرت پر قرآن پڑھوانے اور اس مقصد کے لیے جایداد وقف کرنے کا جو رواج عام ہوگیا ہے، یہ صحیح نہیں۔ نیز علامہ مرحوم نے فرمایا ہے کہ مُردوں پر سورت یٰسین

[1] سنن ابن ماجه، صحيح الترغيب، رقم الحديث (٧٦)

پڑھنے کی روایت بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ ایسے ہی ''فاتحہ'' پڑھنے کا رواج جو عام ہوگیا ہے، اس کے بارے میں بھی نہ کوئی صحیح حدیث ہے اور نہ ضعیف، بلکہ یہ سب بدعت اور غیر شرعی عمل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہ تھا تو وہ مردود ہے۔''[1]

ایک اور حدیث میں ہے:

''تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہے جو دین میں نئی ایجادات ہیں اور ہر ایسی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[2]

بس یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے قرآن کو اپنی روزی روٹی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ ان کا حساب اللہ ہی کے ذمے ہے۔

ائمہ حدیث کے اقوال

① امام نووی رحمہ اللہ:

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم ''باب وصول ثواب الصدقة عن الميت'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا:

''یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں اور وصیت نہیں کی اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ بول سکتی ہوتیں تو ضرور صدقہ کرتیں، لہٰذا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! بے شک۔''[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میّت کی طرف سے کیا ہوا صدقہ میّت کو فائدہ پہنچاتا ہے، یعنی اس صدقے کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے۔ اس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔ نیز اس پر بھی اجماع ہے کہ دعا بھی میّت کو پہنچتی ہے اور قرض بھی میّت کی طرف سے ادا ہوتا ہے اور میّت کی طرف سے حجِ بدل بھی صحیح ہے۔ نذر کے روزے کی قضا بھی جائز ہے۔ اس بارے میں صحیح

---

[1] صحيح البخاري مع الفتح (٥/ ٢٢١) صحيح مسلم (١٢١٨)

[2] مختصر صحيح مسلم بتحقيق الألباني، رقم الحديث (١٢٣٧)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٦٠)

احادیث وارد ہیں اور سب کے بارے میں نصوص موجود ہیں اور ہمارا یہ معروف مذہب ہے کہ قرآن کی قراءت کا ثواب میّت کو نہیں پہنچتا۔

② امام شوکانی رحمہ اللہ:

امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الاوطار'' میں فرمایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میّت کو نہیں پہنچتا اور ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت مُردوں کے لیے مفید نہیں اور نہ قرآن قبروں پر پڑھا جائے۔اس کی واضح دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

''اپنے گھروں میں سورۃ البقرہ پڑھو اور ان کو قبرستان مت بناؤ۔''[1]

نیز فرمایا:

''اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور ان کو قبرستان مت بناؤ۔''[2]

اگر مردوں کو ثواب پہنچانے کے لیے ان قبروں پر قرآن پڑھنا مفید ہوتا تو نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو ایمان والوں کے ساتھ رؤف و رحیم تھے، یہ نہ فرماتے کہ قرآن اور نماز گھروں میں پڑھو اور گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا محض اس لیے فرمایا کہ قبریں قرآن کی تلاوت اور نماز پڑھنے کی جگہ نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی میں ایک بار بھی ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر قرآن یا قرآن کی کچھ سورتیں پڑھی ہوں، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے قبروں کی زیارت فرمائی اور لوگوں کو زیارتِ قبور کے آداب وطریقے کی تعلیم بھی دی۔

ائمہ مذاہبِ اربعہ کے اقوال

① امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب:

ملا علی قاری حنفی نے ''شرح الفقه الأكبر'' (ص:۱۱) میں لکھا ہے:

''امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک قبروں کے پاس قرآن کا پڑھنا مکروہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۸۰)

[2] سنن الترمذي، رقم الحدیث (۴۵۱)

ہے، کیونکہ وہ بدعت ہے۔ انھوں نے فرمایا: اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔“

”احیاء العلوم“ میں امام غزالی کا بھی یہی بیان ہے۔

علامہ عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو جو ہدیہ کیا جاتا ہے تو یہ ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو علامہ موصوف رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ تلاوتِ قرآن کا ثواب تلاوت کرنے والے کے لیے ہی محفوظ ہوتا ہے، اس کے سوا دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے کہ کچھ لوگ اس کو خوابوں کے ذریعے ثابت کرتے ہیں، جبکہ خواب اس کے لیے دلیل ثابت نہیں ہوسکتے۔

حنفی مذہب کا فتویٰ:

امام برکوی نے اپنی کتاب ”الطریقة المحمدیة“ کی تیسری فصل میں امورِ مبتدعہ و باطلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جو لوگ اس بات پر عامل ہیں کہ میت کی اس وصیت کو پوری کرنا کہ اس کی وفات پر اس کے بعد کسی دن کھانا تیار کرکے کھلانا اور ایصالِ ثواب کے لیے قرآن پڑھنے والوں کو روپے دینا اور تسبیحات کا پڑھنا یہ سب بدعت، باطل اور اس کی اجرت حرام ہے اور س کا پڑھنے پڑھانے والا گنہگار ہے۔ یعنی اس قسم کی وصیت کو پورا کرنا جائز نہیں۔

② امام مالک کا مذہب:

شیخ ابن ابی جمرہ کا بیان ہے کہ قبروں کے پاس قرآن پڑھنا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے، شیخ الدردیر نے اپنی کتاب ”الشرح الصغیر“ (ص: ۱۸۰) میں لکھا ہے:

> ”قرآن کا کوئی حصہ موت کے وقت پڑھنا اور مرنے کے بعد قبروں پر پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ سلف صالحین کا عمل نہیں۔ ان کا معمول تھا مردوں کے لیے مغفرت اور رحمت کی دُعا کرنا اور قبروں سے عبرت حاصل کرنا۔“

③ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب:

قرآن خوانی کا ثواب میّت تک نہ پہنچنے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿ وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ [النجم: ۳۹]

''انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''قرآن پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشنا اور میت کی طرف سے نماز پڑھنا وغیرہ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کا یہ مسلک ہے کہ اس کا ثواب میّت کو نہیں پہنچتا۔''

④ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب:

میت پر وفات کے بعد قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ سلف صالحین کی عادت نہ تھی۔ لہٰذا سلف صالحین کے طریقے سے ہٹنا نہیں چاہیے۔ اکثر علما کا یہی فتویٰ ہے کہ قرآن کی تلاوت کا ثواب پڑھنے والے ہی کو ملتا ہے، میّت کو نہیں پہنچتا۔ اگر قرآن خوانی کا ثواب میّت کو پہنچتا تو ایک مسلمان بھی جہنم میں نہ جاتا۔

لہٰذا اماموں کو ماننے والوں کے لیے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ مردوں کے لیے قرآن خوانی جائز نہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے۔ قرآن خوانی کروانے کے لیے حافظِ قرآن کو ''کرائے'' پر لانے سے متعلق ہم صرف بریلوی جماعت کے بانی اور اکابرین کے فتاویٰ وفرمودات نقل کرنے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں ''ان کی'' بات

چنانچہ فاضل بریلوی کے فتووں کے ایک مجموعہ ''احکامِ شریعت'' (۱/۶۳) میں مذکور ہے:

مسئلہ:

سوال: بعض لوگ میت کو دفن کر دینے کے بعد، حافظِ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت، سوم تک یا کچھ کم وبیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظِ قرآن اپنی اجرت لیتے ہیں۔ بس اس طرح کی اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہیے یا نہیں؟

جواب: ''تلاوتِ قرآن پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاقِ عذاب ہے نہ کہ ثواب پہنچے گا۔''

مولانا عبد السمیع رامپوری کی تصنیف کردہ اور مولانا احمد رضا خان کی تصدیق شدہ کتبِ فقہ میں موجود ہے، جب کہ مولانا امجد علی صاحب کی تالیف کردہ اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی تصدیق کردہ کتاب ''بہارِ شریعت'' (۶/ ۲۴۰) میں بھی یہ بات مذکور ہے۔

ریا کی طرح اجرت لے کر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے کہ کسی میت کے لیے بغرض

ایصالِ ثواب کچھ لے کر تلاوت کرتا ہے تو یہاں اخلاص کہاں؟ بلکہ تلاوت سے مقصود وہ پیسے ہیں کہ وہ اگر نہیں ملتے، تو پڑھتا بھی نہیں۔ اس پڑھنے میں کوئی ثواب نہیں۔ پھر میت کے لیے ایصالِ ثواب کا نام لینا غلط ہے، جب کہ ثواب ہی نہیں ملا تو پہنچائے گا کیا؟

اس صورت میں نہ پڑھنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور نہ میت کو، بلکہ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گناہگار ہیں۔ بعض مرتبہ پڑھنے والوں کو پیسے نہیں دیے جاتے، مگر ختم کے بعد مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہے۔ اگر اس مٹھائی کی خاطر تلاوت کی ہے، تو یہ بھی ایک طرح کی اجرت ہے، جبکہ ایک چیز مشہور ہو جاتی ہے، تو اسے بھی مشروط کا حکم دیا جاتا ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے۔[1]

اس طرح اکثر لوگ قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں۔ اگر اجرت پر ہو تو یہ پڑھوانا ناجائز ہے، بلکہ اس صورت میں ایصالِ ثواب بے معنی بات ہے کہ جب اللہ کے لیے عمل نہ ہو تو ثواب کی امید بے کار ہے، کیونکہ حدیثِ رسول ﷺ ہے کہ کوئی بھی نیک عمل یا عبادت جو خالص رضائے الٰہی کے بجائے فخر ومباہات اور ریا و دکھلاوے کے طور پر کی جائے تو وہ مقبول نہیں، تو آپ اہلِ شرک اور اہلِ ریا کے نیک اعمال کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کیا سلوک فرمائیں گے؟

اس سلسلے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ [الفرقان: ٢٣]

''اور انھوں نے (دنیا میں) جو جو اعمال کیے تھے ان پر ہم متوجہ ہوں گے اور ان کو اڑتی خاک کی طرح کر دیں گے۔''

''هَبَآءً'' ان باریک ذروں کو کہتے ہیں جو کسی سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہونے والی کرن میں محسوس ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی انھیں ہاتھ میں پکڑنا چاہے تو ممکن نہیں ہے۔ کافروں کے عمل بھی قیامت کے دن انہی ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے، کیونکہ وہ ایمان واخلاص سے بھی خالی ہوں گے اور موافقتِ شریعت سے بھی عاری، جبکہ عند اللہ قبولیت کے لیے یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تیسویں پارے کی سورت ماعون میں بھی ریا کاری کی زبردست مذمت

[1] بحوالہ تعلیمات (ص: ٦٢، ٦٣)

فرمائی اور اہلِ ریا کا انجام ویل و ہلاکت بتایا ہے۔فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ﴾ ''وہی لوگ ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں۔''

''ویل'' کا ترجمہ عموماً ہلاکت یا جہنم کیا جاتا ہے، جبکہ ''ویل'' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں آگ کی شدتِ تمازت وحرارت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر اس میں پہاڑ بھی ڈالا جائے تو پگھل جائے۔

لہٰذا ہر قسم کی عبادت میں اخلاص ایسی نعمت ہے کہ ہر عمل کی قیمت ہی اسی سے بنتی ہے اور ریا کاری ایسی بلا ہے کہ انسان کا سارے کا سارا کیا دھرا ہی رائے گاں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہر قسم کی بدعات سے محفوظ رکھے۔ آمین

مراجعِ درس

1. تفسیر ابن کثیر۔
2. تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف
3. بدعات، تعریف، اقسام واحکام۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان
   ترجمہ: مولانا اسرار الحق عبیداللہ
4. قبولیتِ عمل کی شرائط۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ
5. قرآن خوانی اور ایصال ثواب۔ تالیف: مولانا مختار احمد ندوی

ایصالِ ثواب اور بدعات

حمد وثنا اور خطبہ مسنونہ کے بعد:

سورت یونس (آیت: ۱۰۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنۡ یُّرِدۡكَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی پھیر دینے والا (روکنے والا) نہیں وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے فائدہ (یا فائدہ اور نقصان دونوں) پہنچائے اور وہی (گناہوں کو) بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیتِ کریمہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بندوں کے ساتھ جو بھلائی کا معاملہ فرماتا ہے، اعمال کے اعتبار سے اگر چہ بندے اس کے مستحق نہیں، لیکن یہ محض اس کا فضل ہے کہ وہ انسانوں پر رحم وکرم فرماتا ہے۔

آج سے چودہ سو برس قبل نبی مکرم ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ اندیشہ تھا، وہ ہے شرکِ خفی۔ شرک خفی اُسے کہا جاتا ہے جو عبادت دکھلاوے اور ریا کاری کے لیے کی جائے، اس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس شخص نے کوئی نیک کام کیا اور لوگوں میں ایسے کارناموں کا ڈھنڈورا پیٹا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اس کی ریا کاری ظاہر کرکے اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔''[1]

ایک آدمی آیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا: اگر کوئی شخص اجر اور شہرت

---

[1] مسند أحمد (۲/ ۱۷۲) مشكاة المصابيح، رقم الحديث (۵۳۱۹)

کے لیے جہاد کرے تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا شَيْءَ لَهٗ)) ''اس کے حصے میں کچھ بھی اجر وثواب نہیں آئے گا۔''

اس شخص نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے اور پھر آپ ﷺ فرمایا:

''اللہ کو کوئی ایسا عمل قبول نہیں جو خالص اسی کی رضا کے حصول کے لیے نہ کیا گیا ہو۔''

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو میدانِ محشر میں سامنے لائیں گے۔ پہلا (شہید)، دوسرا (عالمِ دین) اور تیسرا (سخی) ہوگا۔ یہ سب بھی یہی کہیں گے:

''اے اللہ! ہم نے یہ سب کام تمھیں خوش کرنے کے لیے کیے تھے۔'' تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''جھوٹ کہتے ہو: تم نے دُنیا کی عزت اور شہرت کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا۔ وہ تمھیں وہاں مل گیا ہے، اب یہاں تمھارے لیے کچھ نہیں ہے۔ پھر ان کے متعلق حکم ہوگا کہ ان کو چہروں کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے۔''[1]

یہ شرکِ اصغر کا عذاب ہے۔ اب آپ ذرا غور کریں کہ ہم نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے؟ نہیں! کیونکہ ہم تو دُنیا کی عزّت وشہرت کے چکر ہی میں رہتے ہیں اور ہمارے سارے اعمال دنیا کو دکھانے کے لیے ہوتے ہیں، لیکن مخلص وہ ہے جو اپنے نیک اعمال کو اسی طرح چھپاتا ہے جس طرح برے اعمال کو چھپاتا ہے۔

اس لیے آپ اس بات کا خاص اہتمام کریں کہ آپ کی عبادت واطاعت، اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور سلف صالحین کے طریقوں کے موافق ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزِ آخرت اور قیامت کے دن ہماری نیکیوں والا پلڑا خالی ملے اور برائیوں والا پلڑا بھرا ہوا ملے۔ لہٰذا ہم پر فرض ہے کہ ہم قرآنِ کریم پر ایمان لائیں اور اس کی تلاوت کریں اور اس کی آیات پر عمل کرنے کے لیے غور وفکر کریں۔

یقیناً ایمان وہ چیز ہے جو دل میں بیٹھ جائے اور زبان اسے بول کر بیان کرے اور عمل اس کی تصدیق کرے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات اس بات کا اشارہ کرتی ہیں کہ قرآنِ کریم اس لیے تلاوت کیا جاتا ہے کہ ہم اس میں غور وفکر کریں، اسے سمجھیں، عقل سے پرکھیں اور بصیرت حاصل

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۹۰۵)

کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورت بقرہ (آیت: ۲۴۲) میں فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾

''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے بیان کرتا ہے۔ اس لیے کہ تم سمجھو (اور اللہ کے حکموں کی مصلحت میں غور اور فکر کرو)۔''

سورت یونس (آیت: ۲۴) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴾

''ایسے ہی ہم سوچنے والوں کے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

اگر ہم غور وفکر کے باوجود اپنی خواہشات اور خطاؤں میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے تو پھر کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ سورت انعام (آیت: ۱۵۵) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

''اور یہ کتاب (قرآن شریف) برکت والی ہم نے اس کو اتارا تو (اے مکے والو!) اس پر چلو اور (اس کے جھٹلانے سے) بچے رہو، تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت ہو۔''

یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کی کوشش کریں۔ بلاشبہہ یہودیوں کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ انھوں نے تورات کے محض پڑھنے اور سننے پر اکتفا کیا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی نے انھیں گدھوں سے تشبیہ دی اور سورت جمعہ (آیت: ۵) میں فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

''جن لوگوں (یہودیوں) کو تورات دی گئی اور انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا، ان کی (ایسی ہی) بری مثال ہے اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں (بدکاروں) کو راہ پر نہیں لگاتا۔''

یعنی ان یہودیوں کو تورات اٹھانے کے لیے دی گئی تو انھوں نے اسے جان لیا اور وہ اس پر عمل کے مکلّف ٹھہرائے گئے، مگر انھوں نے اس پر عمل کیا نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ان کی مثال

اس گدھے جیسی ہے جو کتابیں اٹھاتا ہے اور انھیں اٹھاتا اٹھاتا تھک جاتا ہے، مگر ان سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتا۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ مثال اگرچہ یہودیوں کے لیے بیان کی گئی ہے، لیکن مفہوم کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جسے حاملِ قرآن بنایا گیا، مگر اس نے اس پر عمل کرنا ترک کر دیا۔''[2]

جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کے لیے سورۃ البقرہ (آیت: ۲۰۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾

''مسلمانو! پوری مسلمانی میں آ جاؤ اور شیطان کی راہوں پر مت چلو، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

مسلمانو! اپنے رب کو راضی کرنے میں لگ جاؤ۔ یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے اور تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔ جن پیاروں کے لیے انسان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیاں کرتا ہے، قیامت کے روز نہ صرف وہ ان سے بھاگے گا، بلکہ انھیں فدیے میں دینے کے درپے ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المعارج (آیت: ۱۰ تا ۱۳) میں اس کی یوں منظر کشی کی ہے:

﴿ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۞ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ۞ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۞ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْيْهِ﴾

''اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔ حالانکہ وہ انھیں دکھائے جا رہے ہوں گے۔ مجرم چاہے گا کاش کہ اس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو۔ اور اپنے خاندان کو، جو اسے جگہ دیا کرتا تھا۔''

قیامت کے روز کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ اس دن کوئی دوست دوست کے ساتھ

---

[1] روح المعاني (۲۸/ ۹۵) تفسير البغوي (۵/ ۳۳۸)

[2] الأمثال في القرآن الكريم (ص: ۲۷)

بات کرنے کا روادار ہوگا، ہر کوئی اپنی فکر میں ہوگا۔ ہر شخص پر نفسی نفسی کی حالت طاری ہوگی۔ جو عمر بھر اس دنیا میں جگری دوست بنے رہے، وہ بھی ایک دوسرے سے آنکھیں پھیرلیں گے۔ ہر شخص اپنے محبوب سے محبوب عزیزوں کو فدیے میں دے کر اپنے آپ کو بچانے کی تمنا کرے گا۔ مجرم یہ سوچے گا کہ ماں باپ اور اولاد تو درکنار ساری دنیا جہنم میں جاتی ہے تو جائے، بس میں جہنم کے عذاب سے بچ جاؤں، لیکن اس کی یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوگی۔

قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ جو انسان اس دنیا میں اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرے گا، وہ جنت کے سدا بہار لہلہاتے ہوئے باغوں کا مالک بن جائے گا اور جو شخص من مانی کرے گا اسے یہی دنیا ہلاکت بار جھٹکے لگا کر جہنم کا ایندھن بنا دے گی، لہٰذا اس زندگی کو غنیمت سمجھو اور اس کی قدر کرو، اگر اپنے آپ کو آخرت میں شعلے اگلتی ہوئی جہنم سے بچانا ہے تو پلٹ آؤ، اللہ تعالیٰ کی کتابِ کریم کی طرف، تاکہ تم پر رحمت و برکت کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن کریم ہمارے پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ مردوں پر قرآن خوانی وغیرہ کرنے کے لیے نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ''شفا'' اور ''رحمت'' بنا کر بھیجا ہے اور جن کے قلبِ اطہر پر قرآن کو نازل فرمایا تھا، ان کو ''رحمۃ للعالمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔ قرآنِ کریم اس لیے نہیں نازل ہوا کہ ہم اس کو غلط کاموں کے لیے استعمال کریں اور اس سے ہم اپنی بدبختی حاصل کریں۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ نافرمانی کر کے تو اللہ کے عذاب کو برداشت کر سکے گا؟ ہرگز نہیں، یہ بات دل سے نکال دے۔ ذرا ایک گھڑی گرمی کی تیز دھوپ میں کھڑا ہو جا یا اپنی انگلی آگ کے قریب کر تجھے اپنی طاقت کا اندازہ ہو جائے گا۔

ہم اپنے اعمال سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنے مُردوں کو، خصوصاً جو طریقہ ہم نے اپنایا ہے اپنے مُردوں کو فائدہ پہنچانے کا تو یہ نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہی نہیں بلکہ سراسر بدعت ہے، مثلاً:

① مرنے والے کے گھر میں مخصوص دنوں، مخصوص اوقات اور مخصوص انتظامات کے ساتھ جمع ہونا اور ان اجتماعات میں پر تکلیف کھانوں کا بندوبست کرنا۔

② سوئم (تیجا کرنا)۔ ③ قل، قرآن خوانی کروانا۔ ④ فاتحہ خوانی کا ختم دلانا۔

⑤ جمعراتوں کو ختم دلانا۔ ⑥ ساتواں کرنا۔ ⑦ دسواں کرنا۔
⑧ چالیسویں کا ختم دلانا۔ ⑨ برسی وغیرہ منانا۔ ⑩ تعزیت کے لیے پہلی عید پر جمع ہونا۔
⑪ شعبان اور رمضان میں دعا کے لیے جمع ہو کر ضیافتوں کا بندوبست کرنا۔
⑫ یہ وصیت چھوڑنا کہ میری جایداد میں سے فلاں فلاں مخصوص دنوں اور تہواروں پر ختم دلایا جائے، صدقہ وخیرات کیا جائے اور کھانا تقسیم کیا جائے۔
⑬ چنوں اور باداموں پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ سات ہزار مرتبہ پڑھنا۔
⑭ آیتِ کریمہ کا سوا لاکھ مرتبہ پڑھنا۔
⑮ گٹھلیوں پر بسم اللہ، لا الٰہ الا اللہ، قل ھو اللہ احد پڑھنا کہ اس سے میت کو ثواب پہنچے گا۔
⑯ بسم اللہ کا قرآن پاک ختم کرنا۔
⑰ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے ختم دلانا۔
⑱ اجرت پر یا بلا اجرت قرآن خوانی کرانا۔ چالیسویں تک جتنی قرآن خوانیاں کرانا، وہ ساری برداری کے سامنے مرنے والے کی روح کو بطورِ ہدیہ پیش کرنا اور یہ باور کرانا کہ اس طرح مُردے کی روح کو ثواب پہنچے گا۔
⑲ یہ کہنا کہ چالیسویں کے لیے، چالیس دن سے ایک دن اوپر نہ ہو، ورنہ خاندان میں سے کسی اور کی موت واقع ہو جائے گی۔
⑳ چالیسویں کے موقع پر بڑے بیٹے کو پگڑی پہنانا، دستار بندی کی رسم کرنا کہ باپ کی ذمے داریاں سنبھالنے کا فرض اسے سونپ دیا گیا۔ جانشین کا اپنی طرف سے سارے خاندان والوں کو جوڑے دینا، پھر برسی پر فاتحہ خوانی وقرآن خوانی کرانا اور آنے والوں کو پرتکلف کھانا کھلانا۔

یہ تمام غیر اسلامی رسوم اور بدعات ہیں جن کا دین سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ ہر مسلمان عالم ہو یا جاہل، مرد ہو یا عورت، یہ عقیدہ ضرور رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو اپنے اعمال کی جزا وسزا ضرور ملتی ہے۔ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ہر انسان مر جانے والے کو کسی نہ کسی طرح ثواب پہنچانا ضروری سمجھتا ہے۔ لوگوں کی اکثریت، معاشرے میں جو کچھ ہوتا دیکھتی ہے وہی کرنا شروع کر دیتی ہے، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ ان چیزوں کا تعلق دین سے ہے بھی یا نہیں اور سنت نبویہ کیا ہے؟

جس امت کے پاس قرآن و حدیث کا قیمتی سرمایہ اور بے نظیر دستور وقانون ہو، اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اسے چھوڑ کر خود ساختہ یا ہندوؤں، پارسیوں اور انگریزوں کی رسمیں، خود ساختہ بدعات اور جاہلانہ رویے اختیار کرنے لگے۔ اس گناہِ بے لذت پر کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنی دولت برباد ہو جاتی ہے اور ان غلط اور بے بنیاد رسموں کے اخراجات پر کتنے یتیم وارثوں کی جایدادیں بک جاتی ہیں؟ لوگ قرض لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے یہ سب کچھ کرنا ہرگز ثابت نہیں۔ یہ قدیم مصریوں اور دیگر کافروں کی رسوم ہیں۔قل، چالیسواں، برسی وغیرہ کرنا، رسم چہلم منانا فرعونیوں کی رسم ہے۔عید کی رات قبروں کی زیارت کرنا بھی بدعت ہے، کیونکہ یہ طریقہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔

① الفاتحہ کی بدعت:

اسی طرح ایک اور بدعت ہے کہ نبی اکرم ﷺ اور خلفاے راشدین کی ارواح کو ایصالِ ثواب کے لیے فرض نمازوں کے بعد ''الفاتحہ'' پڑھنا اس عقیدے کے ساتھ کہ یہ نفوسِ قدسیہ لوگوں کی روحیں ہیں اور یہ روحیں ہمارے مرنے کے وقت اور بعد میں ہمارے ساتھ قبر میں سوال و جواب کے وقت موجود رہیں گی۔ افسوس! یہ کتنی صریح جہالت اور گمراہی ہے۔جس کی کوئی سند ہے نہ کوئی دلیل، ایسے لوگوں کی عقلوں پر تو خود ماتم کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح نماز کے بعد فارغ ہوتے ہی فاتحہ پڑھنے کا رواج ہے اور کہیں کہیں نمازِ جمعہ سے فارغ ہوتے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے فاتحہ پڑھنا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح قبروں یا کسی قبر سے گزرتے وقت قبلہ رو ہوکر کھڑے ہو جانا اور ہاتھ اٹھا کر قبر والے کے لیے فاتحہ پڑھنا اور پھر صاحبِ قبر ہی سے مدد مانگنی نیز دفن کے بعد قبرستان سے نکلتے وقت چالیس قدم کے بعد فاتحہ پڑھنا، نیز عام مسلمان مُردوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے کے لیے فاتحہ پڑھنا، یہ سارے کا سارا عمل بدعت ہے۔

② چالیسویں کی بدعت:

اسی طرح کسی کی وفات کے بعد چالیسویں تک ہر جمعرات کو غم تازہ کرنا اور وفات کے بعد پہلی عید کو خاص طور پر غم منانا، اس دن قاریوں کا اہتمام کرنا اور تعزیت کے لیے لوگوں کا انتظار کرنا وغیرہ سب بدعت اور حرام ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے اسنادِ صحیح کے ساتھ حضرت عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ

سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحابِ رسول ﷺ میت کے دفن کے بعد میت والوں کے یہاں جمع ہونا اور میت والوں کی طرف سے کھانا بنانا وغیرہ کو نوحے کے برابر یعنی حرام سمجھتے تھے۔[1] امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فعلِ جاہلیت ہے۔

③ برسی کا اہتمام:

ان بدعات میں سے ایک اور بدعت جس کو برسی کا نام دیا گیا ہے، سال گزرنے کے بعد زندہ لوگوں کی سالگرہ آتی ہے اور مُردوں کے لیے سال کے بعد برسی کا نام دیا ہے۔ سال کے بعد میّت کی تاریخِ وفات کے دن یہ بدعات اس وقت ہوتی ہیں جب کوئی مسلمان قضاے الٰہی سے فوت ہو جاتا ہے تو اس کے لواحقین کی طرف سے اس دن مرنے والے کے لیے قرآن خوانی کے ساتھ ساتھ سوا لاکھ مرتبہ کلمہ چنے، کھجور کی گٹھلیوں یا بادام وغیرہ پر پڑھا جاتا ہے۔ نیز میت کے لواحقین کی جانب سے سوئم کی فاتحہ میں آنے والوں کے لیے پرتکلف کھانوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ سوئم وغیرہ غم کی رسم کہلاتی ہیں لیکن ان رسموں میں آنے والی خواتین کے زرق برق ملبوسات اور بناؤ سنگھار اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ رسم صرف نام کی حد تک غم اور حزن کی رسم ہے۔ اگر یہ لوگ میت کے لواحقین کے شریکِ غم ہونے کے لیے آتے ہیں تو بن ٹھن کر آنے اور دعوتیں کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر لواحقین نے میت کے غم میں یہ مجلسِ سوئم برپا کی ہے تو انھیں اہتمامِ دعوت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اسلام میں ایسا حکم کہیں بھی نہیں کہ میت کے لواحقین میت کا قل، تیجا، ساتا، دسواں، چالیسواں یا چہلم اور عرس وبرسی وغیرہ نام کی ہندوانہ رسمیں کریں۔ دراصل یہ بدعت صرف ہندوؤں کی دیکھا دیکھی محض نام آوری کی غرض سے نکالی گئی ہے۔ اگر مردوں کے لیے یہ رسومات لازمی ہوتیں تو جناب رسول اللہ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) اور اپنی صاحبزادیوں حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کا نہ صرف ان کی وفات کے بعد قل اور تیجا فرماتے، بلکہ ساتا، دسواں، چالیسواں اور ساتھ ہی ہر سال عرس و برسی کا اہتمام فرماتے۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ رسمیں انجام نہیں دیں۔ جب آپ ﷺ نے یہ کام نہیں کیے تو ہمارے لیے یہ

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث (١٦١٢)

کام کہاں سے جائز، لازم اور ثابت ہو گئے؟ آج عالم یہ ہے کہ اگر کوئی ان جاہلانہ رسوم سے نکلنا چاہے تو خاندان اور برادری والوں کے طعنوں کے ڈر سے نہیں نکلتا کہ لوگ برا بھلا کہیں گے، جیسے کہ ان رسموں کے چھوڑ دینے والوں کو ان کے بدعتی قرابت داروں اور برادری والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

حالانکہ اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور طعنے وغیرہ سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے اور نہ حق پر عمل پیرا ہونے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ جب مشرک وبدعتی اللہ کے حضور بدعت کرتے ہوئے نہیں شرماتے تو ہم سنت کے مطابق اللہ کے دین پر عمل پیرا ہونے میں شرمندگی کیوں محسوس کریں؟ یہ رسمیں اسلام اور احکامِ اسلام کے سرا سر مخالف ہیں، کیونکہ یہ عمل نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ کسی امام سے۔ آپ ذرا غور کیجیے کہ جنھیں سلف صالحین بدعت کہیں، وہ ہمارے لیے کیسے اجر وثواب بن سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، یہ سب کسبِ معاش اور مال واسباب کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

④ سواری روانہ ہونے کے وقت الفاتحہ کی بدعت:

ریل گاڑی یا ہوائی یا بحری جہاز پر روانہ ہونے کے وقت اولیاء اللہ کے لیے کچھ لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں، تاکہ وہ سفر میں مسافر کی حفاظت کریں، حالانکہ یہ کھلی ہوئی جہالت بلکہ ضلالت اور شرک ہے۔ مسلمانو! جب بھی سوال کرو تو اللہ سے کرو، جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو اور اس بات پر یقین رکھو کہ اگر ساری امت متحد ہو جائے کہ تم کو ذرا بھی فائدہ پہنچانا چاہے تو جتنا اللہ نے فائدہ پہنچانا مقرر کیا ہے، اس سے کچھ بھی زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر سب لوگ مل کر چاہیں کہ تم کو ذرا بھی نقصان پہنچا دیں تو جتنا اللہ نے لکھا ہے اس سے زیادہ نہیں پہنچا سکتے۔

بہر حال سفر سے پہلے مشروع طریقہ یہ ہے کہ سفر کے لیے نکلتے وقت خود کو اور اولاد و مال کو اللہ کے حوالے کر دیا جائے اور غیر اللہ سے مدد وحفاظت کی ہرگز درخواست نہ کی جائے، کیونکہ نفع و نقصان پہنچانا صرف مالکِ ارض وسما ہی کے ہاتھ میں ہے اور اس قسم کے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ خود اللہ تعالیٰ نے سورت یونس (آیت: ۴۹) میں فرما دیا ہے اور اپنے اشرف الخلق نبی اکرم ﷺ سے کہلوا دیا ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾

''(اے پیغمبر!) کہہ دے میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا تو مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔''

اسی سورت یونس (آیت: ۱۰۷) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَ اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھ کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی پھیر دینے والا (روکنے والا) نہیں۔''

ان قرآنی آیات اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کی رو سے جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور نہ کوئی کسی کی قسمت سنوار سکتا ہے اور نہ بگاڑ سکتا ہے تو پھر ایسی بدعت کا فائدہ کیا ہے؟ مروجہ ''الفاتحہ'' بے اصل اور من گھڑت ہے۔ اس کی کہیں کوئی بنیاد نہیں، یعنی بے بنیاد بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے۔ اسی طرح قرآن کے تعویذ بنا کر اس کا کچھ حصہ لکھ کر نظرِ بد سے بچنے کے لیے بچوں یا بڑوں کے بازو یا گلے میں لٹکانا یا موٹر کار اور دکانوں پر لٹکانا بھی بدعت ہے۔ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ نظرِ بد سے بچنے کے لیے صبح وشام کے وقت مسنون اذکار پڑھیں اور سونے کے وقت آیت الکرسی اور سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات اور تیسوں پارے کی آخر دو سورتیں جنھیں معوذتین کہا جاتا ہے یا احادیث میں نظرِ بد کی جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، ان کو پڑھا جائے تو ان شاء اللہ آپ ہر قسم کے شر سے اللہ کی حفاظت میں ہوں گے۔

⑤ قبروں پر نذر و ذبیحہ اور ختمِ قرآن کی بدعت:

قبروں پر مُردوں کی برسی کے دن ختمِ قرآن کرانا اور جانور ذبح کر کے قرآن خوانی اور برسی کی تقریب میں شریک ہونے والوں کو کھانا کھلانا اور قبر پر نقد روپے پیسے کی شکل میں نذر پیش کرنا اور ان سب اعمال کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ صاحبِ قبر ان چیزوں سے خوش ہو کر ہمیں فائدہ پہنچائیں گے اور ہمیں نقصان سے بچائیں گے اور یہ کہ صاحبِ قبر ہدایا کو قبول فرماتے ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں، یہ تو بہت بڑی بدعت بلکہ شرک ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ایسے شخص پر نبی رحمت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اور کہا ہے:

''جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا وہ ملعون ہے۔'' یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص ایک مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا ایک مکھی کے سبب جہنم میں گیا۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک امت میں دو لوگ سفر کرتے ہوئے ایک استھان (مزار) کے پاس سے گزرے جہاں ایک بُت تھا۔ مجاورین نے دونوں کو کچھ نذر پیش کرنے کی تاکید کی اور دھمکی دی کہ یہاں سے گزرنے کے لیے کچھ بھی پیش کرنا ضروری ہے، چاہے ایک مکھی ہی سہی، ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ ایک شخص نے ڈر کے مارے ایک مکھی بُت کی بھینٹ چڑھا دی، جس کے سبب وہ جہنم میں گیا۔ دوسرے نے مکھی بھی نذر کرنے سے انکار کیا تو اسے شہید کردیا گیا جس کے سبب وہ جنت میں داخل ہوا۔''[1]

کہنے کو تو یہ معمولی سی مکھی ہے، چھوٹی اور حقیر مخلوق ہے، کھانے پینے والی اشیا میں گر جائے تو ہم اسے کھاتے پیتے نہیں، لیکن اس کی وجہ سے ایک آدمی جہنم کیوں گیا؟ کیا وجہ تھی؟ وہ اس لیے کہ اس کا بنانے والا خالق و مالک جو ہے اس کی طرف سے اجازت نہیں کہ مکھی کو بھی اس کے علاوہ کسی اور کے نام نذر کر دیا جائے اور یہی فعل اس کا اس کے رب کو پسند نہیں آیا اور یہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوگیا۔

نذر ایک عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کے لیے شرک ہے اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ رب العزت کے لیے ہے۔ اس طرح بہت سی بدعات ہیں جنھیں لوگ عبادت سمجھ کر کرتے ہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے تمام بدعتوں پر گمراہی کا حکم لگایا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عام بدعتیں جن کا تعلق علوم و عبادات سے ہے، یہ خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے آخری دورِ خلافت میں رونما ہوئیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے، وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے تو تم لوگ میری سنت اور میرے بعد خلفاے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو اور اس پر جمے رہو۔''[2]

---

[1] الزهد للإمام أحمد (ص: ١٥)

[2] صحيح مسلم، سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٩٧٣) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٤٢، ٤٣) مسند أحمد، رقم الحديث (٧٧٠٠) سنن الدارمي (٩٦)

کتاب وسنت پر مضبوطی سے جمے رہنے ہی میں بدعت و گمراہی میں پڑنے سے نجات ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں چند لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ بہت سارے راستے ہیں اور ان میں سے ہر ایک راستے پر شیطان ہے جو اپنی جانب بلا رہا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الانعام (آیت: ۱۵۳) کی تلاوت فرمائی:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

’’اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔‘‘

بخاری شریف میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔‘‘[1]

سورت آل عمران (آیت: ۳۱) میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

’’(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو یعنی محبتِ الٰہی کے طلب گار ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمھیں دوست رکھے گا (یعنی محبت کرے گا) اور تمھارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اللہ کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ اس آیتِ کریمہ نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ تو کرے لیکن وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہ ہو تو وہ اپنے حبِ الٰہی کے دعوے میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور احوال میں شریعتِ محمدیہ اور دینِ نبوی کی پیروی نہ کرے، جیسا کہ صحیح

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٧٩٧)

مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''اے میرے نبی! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

یعنی تمھیں تمھاری طلب سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''اور وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا، وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے تمھیں یہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ سنتِ رسول اللہ اور آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے والوں سے خوش ہوکر اللہ انھیں وہ جنت دے گا جو قرآن پاک کے کئی مقامات پر مذکور ہے۔ مثلاً سورۃ النساء (آیت: ۱۳) میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

''یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔''

جب آدمی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو مانے، پھر اس کے مطابق اخلاق اور عمل کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرلے، تب وہ فلاح سے ہم کنار ہوگا اور یہ چیز ایمان اور عملِ صالح کے بغیر نہیں ہوتی۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں بھی ایسی جنتوں میں داخل کرے تو پھر ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حدیں نہ توڑیں، اللہ نے ہمیں جس چیز کا حکم دیا ہے، اس کو اپنا معمولِ زندگی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۲۳۵) نیز دیکھیں: صحیح البخاري، رقم الحدیث (٤٠٦٤) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۲۳٦)

بنالیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا خیال رکھیں، کیونکہ سنتِ نبوی کی مخالفت کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے سورۃ النساء (آیت: ۱۱۵) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الۡہُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا ﴾

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری امت کے تمام افراد جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! دخولِ جنت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے [دخولِ جنت سے] انکار کیا۔''[1]

صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے اتباعِ سنت کے اجر وثواب اور مقام ومرتبے کا پتا دینے کے لیے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا:

''میری مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب اس آگ کے اردگرد روشنی ہوگئی تو پروانوں اور کیڑوں نے جو آگ میں گرتے ہیں، اس آگ میں گرنا شروع کر دیا۔ وہ آدمی ان پروانوں کو اس آگ میں گرنے سے روکتا ہے، لیکن وہ زبردستی اس آگ میں گرجاتے ہیں۔ ایسے ہی میں بھی تمھیں نارِ جہنم سے پکڑ پکڑ کر روکتا ہوں، مگر تم زبردستی اس آگ میں گرتے جاتے ہو۔ میری اور تمھاری یہی مثال ہے۔''[2]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نارِ جہنم سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہیں، جو انھیں اپنالے گا وہ بچ جائے گا اور جسے انکار ہے وہ جہنم کا سامان بن جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٦٨٥٩)

[2] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٦٢١٥)

پس جو بھی کتاب وسنت سے روگردانی کرے گا تو اسے گمراہ کن راستے اور نئی نئی بدعتیں اپنی جانب کھینچ لیں گی۔

اے مسافر! دنیا کی زندگی میں نہ کھو جا۔ اللہ سے غلط امیدیں نہ باندھ۔ گنتی کے چند سانس تیرے پاس ہیں۔ جس طرح دنیا کے لیے محنت کرتا ہے اس سے کہیں بڑھ کر آخرت کے لیے تیاری کر۔

آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہے کہ اگر ہم سے جانے انجانے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو ہم اللہ سے توبہ کریں۔ ہمارے خالق و مالک نے ہمیں توبہ کرنے کا بہترین سلیقہ بھی سکھا دیا ہے جو قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ذریعہ نجات بن گیا۔ یہ سلیقہ یہ تعلیمات کیا ہیں جن سے توبہ قبول ہوگی؟ وہ تعلیمات وہی ہیں جن سے ہم سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ آج ہمارے لیے بھی وہی الفاظ اور وہی دُعا قرآنِ کریم سورۃ الاعراف (آیت: ۲۳) میں موجود ہے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔“

یعنی اے اللہ !تو ہماری مغفرت نہ کرے گا تو ہم واقعی نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور پھر اللہ نے ان کو معاف کردیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، صحیح دین کا شعور عطا کرے، بدعات ومنکرات سے محفوظ رکھے اور اتباعِ سنت کی توفیق دے، کیونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل اور تقریر کا نام ہی سنت ہے۔ جو مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور ثابت شدہ سنت کے مطابق زندگی گزار رہا ہو وہی اہلِ سنت ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بھی ہے اور وہ ہی اللہ کی رحمت سے جنت الفردوس کا منتظر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے فتنوں اور ہر بدعت وگمراہی سے محفوظ رکھے اور ہم سب کا خاتمہ دینِ اسلام اور ایمان کی حالت میں بالخیر کرے۔ اللھم آمین

مراجعِ درس

1 تفسیر ابن کثیر۔

2 تفسیر احسن البیان۔ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف

3 بدعت، تعریف، اقسام و احکام۔ تالیف: فضیلہ الشیخ صالح بن فوزان الفوزان
ترجمہ: مولانا اسرار الحق عبید اللہ

4 قبولیتِ عمل کی شرائط۔ تالیف: الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

5 قرآن خوانی اور ایصال ثواب۔ تالیف: مولانا مختار احمد ندوی

مصادر ومراجع

① القرآن الکریم۔

② تفسیر ابنِ کثیر۔

③ تفسیر احسن البیان۔فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف۔

④ تفسیر معانی القرآن الکریم۔ دار السلام۔ لاہور۔

⑤ بدعاتِ رجب وشعبان۔تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑥ چند بدعات اور ان کا تعارف۔مصنف: علامہ سعید بن عزیز یوسف زئی۔
نظر ثانی: فضیلۃ الشیخ ابو عدنان محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑦ بدعات: تعریف، اقسام واحکام۔تالیف: فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان۔ترجمہ: مولانا اسرار الحق عبیداللہ

⑧ پردہ۔تالیف: فضیلہ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔ترجمہ: ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر رحمہ اللہ۔

⑨ جادو کا آسان علاج۔تالیف: فضیلۃ الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑩ چہرے کا پردہ۔تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی۔

⑪ خوشگوار زندگی کے ۱۱۳ اصول۔تالیف: ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد
تقدیم ونظر ثانی: فضیلۃ الشیخ ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑫ دنیوی مصائب و مشکلات۔ تالیف: محترمہ شوانہ عبدالعزیز۔ مترجم: انجینئر شاہد ستار۔ تقدیم

⑬ تہذیب واضافہ: ابو عدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

⑭ الرسالہ۔ ربیع الثانی ۱۴۳۰ ہجری، ماہانہ اُردو اشاعت الجریسی۔ الریاض۔

⑮ صحیح البخاری۔

⑯ صفات المنافقین (اردو)۔تالیف: علامہ امام ابن قیم الجوزیہ

⑰ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ۔ مصنف: مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔

⑱ فضائلِ قرآن مجید۔ تالیف: مولانا محمد اقبال کیلانی۔

⑲ قبولیتِ عمل کی شرائط۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

⑳ قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب۔ تالیف: مولانا مختار احمد ندوی رحمہ اللہ۔

㉑ ماہِ محرم اور تذکرہ چند بدعات کا۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

㉒ مرد وزن کے لیے ضروری لباسِ نماز۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

㉓ معوذتین کے فضائل و برکات۔ تالیف: انجینئر شاہد ستار، تقدیم وتہذیب: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

㉔ وجوبِ نقاب وحجاب۔ تالیف: فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔

㉕ یونیورسٹی کینٹین میں۔ تالیف: ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن العریفی۔ ترجمہ: حافظ قمر حسن۔

㉖ اسکرپٹ ریڈیو پروگرام۔ فضیلۃ الشیخ ابوعدنان مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ۔